اور

علمائے دیوبند

تحریکِ آزادی اور تحریکِ پاکستان کے اُن نامور مجاہدین علمائے دیوبند کے عظیم الشان دینی علمی تبلیغی اور سیاسی و ملّی کارناموں کی مستند تاریخی دستاویز

جن کی

فکری و عملی کاوشوں سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا

— تالیف —

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

— ناشر —

سعید کمپنی ★ ادبِ منزل
پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ——— تحریک پاکستان اور علماء دیوبند
نام مصنف ——— حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری
خطاط ——— محمد عبدالواحد اختر
قیمت ———

ملنے کے پتے

- ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی۔ ادب منزل۔ پاکستان چوک، کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی ۱
- کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- کتب خانہ مظہری۔ گلشن اقبال ۲ کراچی
- اشرف اکیڈمی، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

فہرست مضامین

مدعائے ضروری الاظہار

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ تخلیقِ پاکستان کی اساس اسلام تھی علیحدہ قومیت کا تصور ہی بنیادی پتھر تھا جس پر برعظیم پاک و ہند میں آزادی کی عمارت تعمیر کی گئی، انگریز کی سامراجیت اور ہندو کی مسلم دشمنی کے باعث مسلمانانِ ہند کو جن معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور تمدنی موانعات سے پالا پڑا انہوں نے پاکستان کی ضرورت پیدا کی اور اس کا منشور۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لاالہ الااللہ قرار پایا۔ تب مسلم لیگ کی تحریکِ پاکستان عوامی تحریک بنی اور معمارِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم نے بارہا اس امر کی تصدیق کی کہ پاکستان کا مقصد صرف زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا نہیں بلکہ اس میں کتاب و سنت کے مطابق نظامِ اسلام رائج کرکے اسے دنیا کی رہنمائی کے لئے ایک مثالی اسلامی ریاست بنانا ہے لیکن جب ہم اپنے ماضی کی طرف جھانکتے ہیں اور تاریخ کا آئینہ دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جس نظریہ کو اور جس ضرورت کو اب پاکستان کا نام دیا گیا۔ وہ ضرورت بالکل انہی حالات میں اٹھارھویں صدی میں نہ صرف پیدا ہو چکی تھی بلکہ اس کے لئے جدوجہد بھی شروع ہو چکی تھی اس امر سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ کہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور مسلمانوں کا محبوب دین اسلام ہے جس کے اولین داعی مبلغ اور سیاسی سربراہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ انہی کی بدولت مسلمانانِ عالم میں اسلامی حکومت، مسلمانوں کی سیاسی قیادت سربلندی اور مسلمانوں کی حاکمیت کا تصور ابھرا، اسلام کا بول بالا ہوا۔ دنیا نے اسلامی معاشرت، اسلامی اخلاق، اسلامی کردار اور اسلامی اقدار کے نمونے دیکھے اور عہدِ اسلام میں ہر طرح امن و امان پایا اس کے بعد ہر دور میں کم و بیش ہر مسلمان کی یہی آرزو اور یہی دعا رہی کہ پھر سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی حکمرانی ہو۔

اسلامی عدل وانصاف کے مظاہرے ہوں۔ ہر شخص امن وامان سے زندگی بسر کر سکے اور آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکے۔ اور یہی فی الحقیقت تحریک پاکستان کی غرض وغایت تھی۔ یہ تصور وجذبات دوسرے ممالک کے مقابلے میں زیادہ تر متحدہ ہندوستان میں پائے گئے۔ جہاں صرف اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی بدولت اسلام پھیلا چونکہ مسلمان سلاطین نے اپنے ایک ہزار سالہ عہدِ حکومت میں تبلیغِ دین یا ترویجِ دین کی طرف کوئی توجہ نہ دی اس لئے یہاں کے مسلمان اقلیت ہی رہے۔ اور اکثریت میں نہ آ سکے۔ اس اقلیت کی حکمرانی میں جو امن وامان اور عیش وآرام ہندو اکثریت نے پایا اس کا ہندو مورخین کو بھی اعتراف ہے۔ بایں ہمہ ہندو نے ہمیشہ مسلمان کو اجنبی سمجھا۔ جو اس کی آنکھ میں خار کی طرح کھٹکتا رہا۔ انتہائی خاطر ومدارات اور اعزازات واحسانات کے باوجود ہندوؤں کی عقربی ذہنیت نہ بدلی۔ اسے جب بھی موقعہ ملا اس نے مسلمان کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے اور اس سے عنانِ اقتدار چھیننے میں گریز نہ کیا۔ جس پر متحدہ ہندوستان کی تاریخ شاہدِ عادل ہے۔

ہندوؤں کے یہ ناپاک عزائم اور ناپاک ارادے ہر دور میں تحریکِ پاکستان میں رنگ بھرتے رہے۔ اس کی ضرورت واہمیت اور افادیت کا احساس وشعور بڑھاتے رہے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے زمین ہموار کرتے رہے ان کی مسلم دشمنی نے ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ جب تک ہندوستان میں پھر سے اسلامی حکومت قائم نہ ہو پاکستان اور غیر پاکستان کو الگ الگ نہ کر دیا جائے ہندوستان میں مسلمان زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکے گا۔ یہ تصور آج سے دو سو سال قبل اس وقت ابھرا جب سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کے لئے مرہٹوں اور سکھوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ اور ایسے حالات پیدا کر دئے کہ بقول مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی ؒ ہر کس وناکس کو اس بات پر یقین ہو

گیا کہ :-

"اب مسلمانوں کا یہاں سے چل چلاؤ ہے اور عنقریب بادشاہت پر مرہٹوں کا قبضہ ہونے والا ہے"

اس خطرہ سے ہندوستان میں قیام پاکستان کے لئے بہت سی تحریکات نے جنم لیا جو آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں جذبۂ آزادی پیدا کرتی رہیں۔ اور پاکستان کو قریب سے قریب تر کرتی رہیں۔ اس طرح سے سب سے پہلے سلطان محمد غوری نے قیام پاکستان سے قریباً ساڑھے سات سو سال قبل تقسیم ہند کی تحریک کی۔ جسے ہندوؤں نے سلطان کی کمزوری پر محمول کر کے مسترد کر دیا جس پر سلطان نے حملہ کر کے ہندوؤں کی سیاسی طاقت کو کچل کر رکھ دیا۔ اور ان کی سطوتِ پارینہ پر ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

نظریۂ پاکستان بھی ایسے ہی حالات کی پیداوار تھا تاکہ یہاں پھر سے اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ہندوستان کو مرہٹوں کے چنگل سے بچایا جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ۱۷۵۷ء میں مرہٹوں کی اس یلغارِ کفر کے سیلاب کو روکنے کے لئے احمد شاہ ابدالی کو احیاءِ اسلام کی خاطر متعدد خطوط لکھے جن کے ذریعے انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو اس امر کا یقین دلایا کہ :-

"اگر قوم کفار اسی حال پر رہی اور مسلمان ضعیف ہوتے گئے تو اسلام کا نام بھی باقی نہ رہے گا"

ان خطوط سے متاثر ہو کر احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۹ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی ایسی کمر توڑی کہ پھر انہیں شمالی ہند کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے یہ خطوط تاریخِ پاکستان کے دیباچہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کی یہ مساعی جمیلہ نظریۂ پاکستان کی خشتِ اول کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس کے بعد شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی ۱۸۱۰ء کی تحریک مجاہدین جو ہندوؤں اور سکھوں کی ستم رانیوں کو ختم کرنے کے لئے چلائی گئی تھی۔ صحیح معنوں میں تحریک پاکستان تھی۔ بلکہ اس تحریک نے دنیا کے اس چھوٹے سے خطہ میں صحیح معنوں میں پاکستان قائم کرکے دکھا دیا۔ اور جس نے آنے والی تمام تحاریک کے لئے نشانِ راہ کا کام کیا۔ پھر اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور جبر و استبداد نے عوام کو ایک مرتبہ پھر انگڑائی لینے پر مجبور کر دیا کہ اپنی قوتِ بازو سے ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں اپنے ملک کے تحفظ و بقاء اور مذہب کی آزادی کے لئے جنگ لڑی گئی۔ اس جہادِ آزادی میں بڑے بڑے نامور علماء و مشائخ نے بڑی سرگرمی سے عملی حصہ لیا۔ جن میں شیخ المشائخ حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ قطبِ عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت حافظ ضامن تھانویؒ۔ مولانا رحمت علی کیرانویؒ اور دوسرے بزرگانِ دین خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں اس جہاد فی سبیل اللہ میں بہت سے حضراتِ علماء شہید ہوئے، بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت سے جلاوطن کئے گئے۔ گو یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی لیکن مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ آزادی پیدا کر گئی۔ ذہنوں کو سیاسی شعور بخش گئی۔ اور حصولِ پاکستان کے لئے راہ ہموار کر گئی۔

اس جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کا جو قتلِ عام کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ بڑے بڑے شہر ویران ہو گئے۔ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی ہر طرف ظالم انگریز دندناتے رہے اور مسلمان مظالم کی چکی میں پستے رہے۔ ان حالات کو دیکھ کر مذکورہ بالا علماء و مشائخ کے جانشین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب سخت بے چین و بے قرار ہو گئے اور ماضی کی تحریکوں کی ناکامی کا داغ دھونے کے لئے حضرت شیخ الہند نے تحریکِ جہاد حریت چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے مولانا

عبیداللہ سندھیؒ کو اعتماد میں لیا اور ۱۹۱۰ء میں باقاعدہ ایک تحریک (جسے ریشمی رومال کی تحریک سے یاد کیا جاتا ہے) کا آغاز کیا۔ جس کے نتیجے میں آپ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ آپ ایک بہت بڑے مجاہد آزادی تھے۔ آپ کا دور انگریز کا دورِ استبداد تھا۔ ساری زندگی انگریزی استبداد کے خلاف علم بلند کئے رہے۔ بعد میں جب انگریز کا دورِ استبداد ختم ہوتا اور ہندو کا دورِ استبداد شروع ہوتا نظر آنے لگا تو حضرت شیخ الہندؒ کے بہت سے ماننے والے علماء و مشائخ۔ ہندو اور انگریز دونوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور دوسرے بہت سے اکابر علماء دیوبند شامل ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اس وقت رحلت فرما چکے تھے۔ اگر وہ اس وقت تک حیات رہتے تو یقیناً وہ اپنا وزن اسی پلڑے میں ڈالتے جس میں مندرجہ بالا علماء حق شامل تھے۔ اور قافلۂ حق کے قائد ہوتے جس نے تحریک پاکستان کو پروان چڑھایا تھا۔

بہر حال ہندوستان کو دارالاسلام بنانے اور اس میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے علماء حق نے مختلف النوع تحریکیں چلائیں اور ۱۷۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت مصروف جدوجہد رہے اور ناقابلِ برداشت آلام و مصائب کا شکار رہے۔ مختلف تحریکات کے ذریعہ مسلمانوں میں فکر و عمل کی روح پھونکتے رہے۔ اسلامی شعور اور جذبۂ آزادی پیدا کرتے رہے۔ تب جاکر ان حضرات علماء و مشائخ کی مساعی جمیلہ سے نظریۂ پاکستان پروان چڑھا اور پاکستان کا تاج محل تیار ہوا۔

تحریک آزادی کے مجاہدین کی فہرست تو طویل ہے۔ مگر ہم نے چند ممتاز اکابرین علماء دیوبند کو منتخب کیا ہے جو اپنے فکر و عمل سے نظریۂ پاکستان کا مہرہ آگے بڑھاتے

رہے۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ آزادی پیدا کرتے رہے انہی بزرگوں کی مخلصانہ مساعی کا ثمرہ ہے کہ دنیا کے نقشہ پر آج ایک بڑی اسلامی مملکت موجود ہے۔ ہم نے ان اکابر کی خدمات کو نئی نسل سے روشناس کرانے کے لئے یہ کوشش کی ہے۔ امید ہے اس سلسلہ میں ہماری یہ کاوش ان شاء اللہ چراغِ راہ کا کام دے گی۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

ناچیز

محمد اکبر شاہ بخاری عفی عنہ

یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء
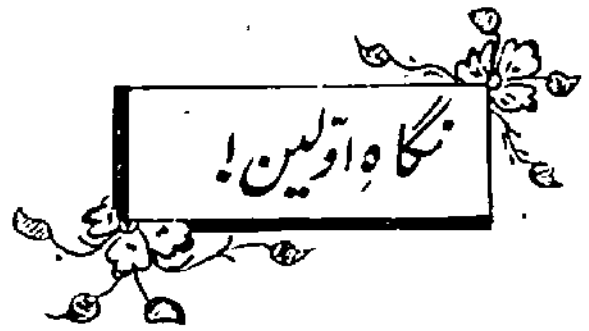
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیرِ پاکستان میں علماء کا کردار

(از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ)

پاکستان معرضِ وجود میں ۱۹۴۷ء میں آیا۔ مگر اس سلسلے میں سعی و کوشش کی خشتِ اوّل ۱۸۵۷ء میں علمارِ دین خصوصاً علماء دیوبند تھانہ بھون یوپی نے رکھی تھی۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلّط کے بعد جو خطرہ مسلمانوں کے دین و دنیا کو لاحق ہوا۔ اس کا سدِّباب کرنے کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ بزرگوں اور اطرافِ ملک میں ان بزرگوں سے تعلق رکھنے والوں نے ہی سب سے اوّل جہاد سے کام لیا۔ بہت سے علماء و بزرگ اس میں شہید ہوئے۔ اور بہت سے ہجرت کر

گئے۔ انگریزوں نے تھانہ بھون کے سب مسلمانوں کی تمام صحرائی و سکنائی جائدادیں ضبط کر لی تھیں۔ یہ حکومت برطانیہ کی طرف سے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے مترادف ہے۔ کہ اس "جہادِ آزادی" کے بانی یہی لوگ تھے۔ دینی خطرات کو محسوس کر کے جگہ جگہ دین کے مدرسے قائم کرنا جن کی بدولت آج اسلام پاکستان اور ہندوستان میں دنیا بھر سے زیادہ نمایاں مل رہا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید کی جنگی تیاریاں، آویزشیں اور پھر اپنوں ہی کی غداری سے ختم ہونا کس سے مخفی ہے؟ اس کے بعد ریشمی رومال کی تحریک، پھر خلافت کمیٹی کا قیام۔ انہی بزرگوں کے جانشینوں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ حضرات کے کارنامے ہیں۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ تحریک خلافت کے طور طریق سے تو اختلاف رکھتے تھے جو بعد میں سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمانے والے ہندو لیڈر ہی تھے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نزدیک ہندوؤں سے اشتراک عمل اس لئے مضر تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم، ان کے نظریات الگ، طور طریق الگ تعلیم و تمدن الگ۔ وہ خدائے وحدہٗ کے پرستار اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہی وہ اصول ہے جس پر پاکستان کی بنیاد ہے۔ کانگرس اوّل اوّل ہر مذہب و ملت کے حقوق حاصل کرنے کے لئے وجود میں آئی۔ اسی لئے مسلمان اس میں شامل

ہوئے۔ مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو اول روز ہی سے اس پر اطمینان نہ ہوا۔
انہوں نے اسے ہندوؤں کی چال قرار دیا۔ آخر وہ ظاہر ہونے لگی ع

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

یہ دیکھ کر کہ ہندو کانگریس کے ذریعے رام راج کی بنیاد رکھ رہے ہیں مسلمانوں نے اس سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ اسی زمانہ میں قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم بھی کچھ عرصہ کانگریس میں شریک رہنے کے بعد الگ ہوئے تھے اور پھر مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ اور مسلمانوں کو الگ ایک مستقل قوم منوانے کی کوشش شروع کر دی۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دیوبندی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ وغیرہ حضرات کانگریس سے اختلاف میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے دستِ راست تھے۔ زیادہ تر عملی خدمات میں یہی حضرات پیش پیش تھے۔

کانگریس سے اختلاف کے زمانہ میں جو لوگوں نے قتل کی دھمکیاں، گالیاں اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ یہ حضرات بھی برابر اس کا نشانہ بنے رہے۔ اور ہدفِ ملامت بنتے رہے۔ مگر جس صورت کو حق اور اسلام و مسلمانوں کے لئے مفید سمجھا ان بزرگوں کے قدم اس سے ڈگمگا نہ سکے۔ جن بزرگوں کو خلافت کمیٹی میں ہندوؤں کا اشتراک جس میں مسلمان اصل تھے اور ہندو تابع۔ مضر بلکہ ناجائز معلوم ہوا تھا وہ کانگریس کی شرکت جس میں ہندو اصل اور مسلمان تابع اور وہ بھی بلا شرط کیسے جائز قرار دے سکتے

تھے اور پھر کانگریس میں ظلم و زیادتی، جائدادوں کا غصب اور ہندوؤں کی رضاجوئی میں بہت سے ناجائز امور کا ارتکاب کیسے جائز کہا جا سکتا تھا۔
حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی تحریرات و تقریرات اور افادات اشرفیہ اور امداد الفتاویٰ اور ملفوظات میں بھی اس بارے میں بہت کچھ حصہ موجود ہے۔ بلکہ ملفوظات میں تو جو کانگریس کے غلبہ سے کشت و خون کے اندیشے تھے وہ بھی بیان ہیں جن کو بعد میں سب لوگوں نے دیکھ لیا۔ بالکل خلاف عادت ایک دفعہ شب کے دو بجے حاجی سعید اللہ صاحب عثمانی سے فرما بھی دیا تھا کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن جائے گا۔
مسلم لیگ و کانگریس کی آویزش کے دوران جب بہت سے سوالات حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں آئے تو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشاد سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے گیارہ بارہ سوالات جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کو بھیجے۔ افسوس کہ باوجود متعدد بار یاد دہانیوں کے جمعیۃ علماء ہند نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور مسلم لیگ نے قابل اطمینان جوابات پیش کئے۔ اس پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرما دیا۔ نیز فروری ۱۹۳۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں مولانا احمد سعید صاحب کی طرف سے دعوت کے جواب میں یہ بھی تحریر فرما دیا کہ :-

"شرعی حیثیت سے صرف اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے۔ بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہیئے تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصول پر ہو۔ اور کانگریس میں مسلمانوں کو داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے۔" (افادات صہ ۴۸)

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت میں اعلان کا شائع ہونا تھا کہ مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ میں شریک ہونا شروع ہو گئے اجلاس پٹنہ میں بھی حکیم الامت تھانویؒ نے ایک وفد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ پر مشتمل روانہ کیا اور ایک پیام پڑھنے کے لئے دیا جس میں اپنی دو کتابوں "حیات المسلمین" میں انفرادی اصلاح کے لئے اور "صیانتہ المسلمین" میں اجتماعی درستی کے لئے نشان دہی فرما دی۔ اس کے بعد پورے ملک میں مسلم لیگ چمک اٹھی اور خود قائد اعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے ارکان نے اس کا اعتراف کیا۔

الغرض حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن چھوڑتے ہوئے ۱۹۴۳ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہی کے ایماء پر تحریک پاکستان کو کامیاب کرانے کے بعد پاکستان میں آئین اسلامی کے نفاذ کی پوری کوشش

کرتے ہوئے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اللہ کو پیارے ہوئے۔ پھر ان دونوں بے مثال شخصیتوں کے دست راست تحریک پاکستان کے نامور مجاہدین اور علمی، دینی اور سیاسی سب کاموں کے شریک حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹیؒ بھی پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جد و جہد کرتے ہوئے باری باری اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

پاکستان کے حقیقی معمار یہی حضرات علماء دیوبند کہلائے جا سکتے ہیں۔ جنہوں نے صحیح معنوں میں پاکستان کے لئے تخم پاشی و آبیاری کا کام سرانجام دیا۔

آج بعض ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں اور بلکہ کہتے ہیں کہ حصول پاکستان اور تعمیر پاکستان میں علماء نے کوئی قابل ذکر خدمت انجام نہیں دی ہے۔ حالاں کہ علماء کرام نے جو کارنامے انجام دئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا معرض وجود میں آنا ان ہی حضرات علماء کی سعی اور کوششوں کا ثمرہ ہے اور پاکستان کی تاسیس اولین کا سہرا انہی علماء کے سر ہے۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ان کی خدمات کے بہترین صلات عطا فرمائیں۔ آمین

جمیل احمد تھانوی

صدر مفتی جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

تاریخی پس منظر

حصولِ پاکستان اور علمائے دیوبند

(از حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہٗ)

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس برصغیر پاک و ہند میں اسلامی حکومت کے بقاء اور استحکام کے لئے اور پھر سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد اس کے قائم کرنے اور مسلمانوں کے استقلال کے سلئے علماء حق کی مساعیٔ جمیلہ اور ان کی جدوجہد کا سلسلہ از بس طویل ہے۔ علماء دیوبند نے غیر اسلامی اقتدار کے ہٹانے میں شاندار اور نمایاں حصّہ لیا۔ پھر تحریکِ پاکستان بلکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس کی تعمیر و ترقی میں نہ صرف یہ کہ حصّہ ہی لیا بلکہ ہر موقع پر قیادت و امامت کے فرائض انجام دیئے اور پاکستان کی مخالف قوتوں کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ علماء دیوبند کے زرّیں کارناموں اور ملّی و ملکی خدمات کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں ع

ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

مغلیہ سلطنت کے شہنشاہِ اکبر کی پھیلائی ہوئی لامذہبیت کی وجہ سے جب مسلمانانِ برصغیر کا مستقبل تنگ و تاریک نظر آرہا تھا اور مسلم قومیت کو ہندو اکثریت میں جذب کرنے کے لئے متحدہ قومیت کا سرکاری سطح پر پرچار کیا جا رہا تھا تو اس وقت بھی علماء حق کے سرخیل حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مذہب اور مسلم قومیّت کے لئے اکبر کی گمراہ سیاست کو چیلنج کیا۔ اگرچہ حکومت کی لادینی طاقتوں نے وقتی طور پر حضرت مجدد الف ثانی کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے آں ممدوح کو دوچار ہونا پڑا۔ لیکن آخر کار حق اور روحانیت کی طاقت باطل نظریات پر غالب آئی اور حق کے سامنے باطل کا سر جھکا اور جہانگیر بایں ہمہ سطوت و قوت حلقۂ ارادت میں داخل ہوا اور جہانگیری سیاست اور قیادت کا رخ صحیح سمت میں تبدیل ہو کر مذہب اور مسلم قومیت کا تشخص اور امتیاز از سرِ نو قائم ہوا۔ پھر اسی گھرانے میں شاہجہاں جیسا پختہ مسلمان اسلامی جذبات کا پیکر ظاہر ہوا اور عالمگیر جیسا عالم باعمل اور متقی سلطان پیدا ہوا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا مذہب و مسلم قومیّت کے لئے یہ عظیم کارنامہ ہے اگر آپ اس وقت حکومتِ وقت کے باطل نظریات کے سامنے کلمۂ حق بلند نہ فرماتے تو برصغیر میں اکبری متحدہ قومیّت کے اس طلسم ہوشربا سے تمام مسلمانانِ ہند متاثر ہو جاتے۔ اور مسلم قومیت کا علیحدہ تصور بھی شاید ہی باقی رہتا اور اکبر کے بعد ہی ہندوستان میں رام راج کا قیام عمل میں آجاتا۔ خدانخواستہ اگر اکبری متحدہ قومیت کا یہ جادو سر چڑھ جاتا۔ تو مسلم و غیر مسلم کی تفریق

مٹادی جاتی پھر وہ دو قومی نظریہ جس پر آگے چل کر مسلمانانِ ہند نے پاکستان کے مطالبے کی بنیاد قائم کی ہے کہاں باقی رہتا۔ درحقیقت دو قومی نظریے کا تحفظ اور بقا رہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا کردار تمام مسلمانانِ ہند پر ایک احسانِ عظیم کی حیثیت سے تاریخِ عالم کے صفحات پر ثبت ہے۔ شاید اسی کی طرف علامہ اقبال مرحوم نے اشارہ کیا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

پھر جب انگریز کی سیاست، سکھوں کی چیرہ دستیوں اور مرہٹوں کی نبرد آزمائیوں سے سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو رہا تھا اور دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد کے بلند میناروں کے بالمقابل اغیار کا جھنڈا لہرا رہا تھا مسلمانوں کی اسلامی غیرت مجروح ہو رہی تھی اور ہر طرف سے مسلمان قوم بے بسی اور بے کسی کے عالم میں مظلومانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس وقت خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ سید اسماعیل شہیدؒ اور اسی خاندان کے فیض یافتہ سید احمد شہیدؒ نے علم جہاد بلند کیا اور ہندوستان کے مسلمانوں میں اسلامی جہاد کی روح پھونکی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ سندھ کے راستے کابل پہنچے جس راستے سے اس قافلے کا گزر ہوتا، لاکھوں مسلمان پروانوں کی طرح اللہ کی راہ میں جاں نثاری اور جان بازی کے لئے تیار ہو جاتے۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ نے کابل کی سرحد کی طرف سے سکھوں سے جہاد کیا اور سرحد کا کافی بڑا علاقہ سکھوں سے آزاد کرا کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اس میں اسلامی

قانون جاری کر دیا گویا برصغیر میں انگریزوں کے تسلط کے بعد پہلی دفعہ صوبہ سرحد کے اس علاقے میں اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور احکام خداوندی کا اجراء اور حدود کا نفاذ ہوا۔ اور برصغیر میں پاکستان کی داغ بیل ڈالی گئی۔ پھر ۱۸۵۷ء میں حکومت برطانیہ کے خلاف جو جنگ لڑی گئی اس میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی سرپرستی میں حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ نیز دوسرے اکابر علماء دیوبند و تھانہ بھون نے مجاہدانہ حصہ لیا۔ اور تھانہ بھون سے شاملی تک کے علاقے میں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ لیکن حکومت دہلی کی ناکامی کی وجہ سے یہ سلسلہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ اور فتح شکست سے بدل گئی۔

۱۹۱۲ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے افغانستان، شام اور ترکی کی سربراہان مملکت اور ان کے گورنروں انور پاشا اور غالب پاشا سے اپنے نمائندوں مولانا عبید اللہ سندھی وغیرہ کے ذریعے اور خود بھی حجاز مقدس کا سفر کر کے اُن سے ملاقات کی اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے اور اسلامی حکومت کے قیام کا منصوبہ بنایا۔ لیکن بعض لوگوں کی جاسوسی کی وجہ سے وہ اسکیم بار آور نہ ہو سکی۔

ادھر شریف مکہ نے حکومت برطانیہ کے مطالبے کے سامنے سر تسلیم خم کر کے شیخ الہند مولانا محمود حسن کو حکومت برطانیہ کی حراست میں دے دیا۔

بالآخر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا

عزیر گل، حکیم نصرت حسین اور مولوی وحید احمد برادر زادہ مولانا مدنی کو جزیرہ مالٹا (مصر) میں تقریباً چار سال کے قریب قید و بند کی مشقتوں کو برداشت کرنا پڑا۔ رہائی کے بعد بھی ان حضرات نے ملکی سیاسیات اور انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت شیخ الہند جب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تو ان کے نامور تلامذہ اور جانشینوں مولانا انور شاہ کشمیریؒ محدث دارالعلوم دیوبند، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ مولانا سید حسین احمدؒ مدنی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند اور مولانا عبید اللہؒ سندھی وغیرہ حضرات نے ملکی سیاسیات میں بھرپور حصہ لیا۔ علمار دیوبند کے سیاسی کارناموں اور مجاہدانہ کاوشوں سے چشم پوشی ایک زندہ حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ حالاں کہ علمار دیوبند کی ایک جماعت تحریک آزادیٔ ہند میں اپنی صوابدید کے مطابق حصہ لے رہی تھی اور قربانیاں پیش کر رہی تھی تو دوسری طرف ایک جماعت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی سرپرستی میں مسلمانوں کے علیٰحدہ تشخص اور قومی امتیاز قائم کرنے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں اور ساعی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی اس برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک علیٰحدہ وطن کے قیام کے خواہشمند رہے۔ جس زمانے میں مسلمانوں کے لئے علیٰحدہ مرکز اور مستقل نظام حکومت کا کہیں ذکر اذکار نہیں تھا۔ اس وقت بھی حضرت تھانوی اپنی اس خواہش کا اظہار فرماتے رہتے تھے کہ مسلمانوں کے لئے ایک

علیحدہ وطن کا قیام اُن کے تمدّن و مذہب کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔
برصغیر سے بقول مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت
کا تصوّر سب سے پہلے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں سنا گیا۔
مولانا دریاآبادی لکھتے ہیں:۔

"پاکستان کا تخیّل خالص اسلامی ریاست کا خیال سب آوازیں بہت بعد
کی ہیں۔ پہلے پہلے اس قسم کی آوازیں یہیں تھانہ بھون میں کانوں میں پڑیں"
(حکیم الامت صہ ۴۳)

"حضرت تھانویؒ کی دلی تمنا اور دلی دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ حکومت عادلہ مسلمہ
قائم فرمادیں اور میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں" (اسعدالابرار صہ ۱۴۷)

یہ ۱۹۲۸ء کی بات تھی جس میں حضرت تھانوی نے پاکستان کی اسکیم اور اس کے
لئے نظامِ اسلام شرعی عدالتوں کا قیام وغیرہ کا نقشہ تیار فرمادیا تھا۔ بعد
میں علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد منعقدہ
۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں اس تخیّل کا اظہار کیا۔ پھر مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں اس کا بطور
ملّی نصب العین کے مسلم لیگ کی طرف سے قرار دادِ پاکستان کی صورت میں
مطالبہ کیا گیا۔

جب تک مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر مسلم قوم کے تشخص اور
مسلمانوں کے قومی استقلال کا مطالبہ نہیں کیا اس وقت تک حضرت تھانوی
نے مسلم لیگ کی بھی تائید نہیں فرمائی۔ جب مسلم لیگ نے ۱۹۳۸ء میں
جمعانسی الیکشن میں کانگریس کا مقابلہ کیا اس وقت حضرت تھانویؒ نے کانگریس

کو ووٹ نہ دینے کا نار جھانسی بھجوا کر مسلم لیگ کی حمایت فرمائی ۔جس پر مسلم لیگ کو کامیابی ہوئی ۔اور اس کی خوشخبری سنانے کے لئے مولانا شوکت علی اور مولانا مظہر الدین یکم اپریل ۱۹۳۸ء کو تھانہ بھون آئے اور وہاں عظیم جلسہ ہوا۔ جلسے میں حضرت تھانوی کے حکم سے مولانا ظفر احمد عثمانی نے تقریر فرمائی اور حضرت کا تائیدی بیان پڑھ کر سنایا۔

اس جلسے میں حضرت تھانوی کے خلیفہ مولانا حافظ جلیل احمد شروانی بانی مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان بھی شریک تھے ۔پھر ۴ جون ۱۹۳۸ء کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا شبیر علی تھانوی اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مفتی خانقاہ تھانہ بھون کو بھیجنا حضرت تھانویؒ نے تجویز فرمایا۔ مگر یہ وفد بوجہ عذر پیش آجانے اجلاس میں شریک نہ ہوسکا ۔البتہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ میں ۱۶، ۱۷ ؍دسمبر ۱۹۳۸ء کو مرتضیٰ حسن چاند پوری کی قیادت میں دوسرا وفد شریک ہوا۔جس میں مولانا شبیر علی تھانوی ۔مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۔ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری اور مولانا عبدالجبار ابوہرسنڈی وغیرہ حضرات شریک تھے ۔اس وفد نے مسٹر محمد علی جناح کو حضرت تھانویؒ کا پیغام پہنچایا اور زبانی گفتگو بھی کی ۔اگلے روز اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت تھانوی کا تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا۔

بہر حال حضرت تھانوی قائد اعظم کو وقتاً فوقتاً اپنے مفید اصلاحی مشوروں سے بھی بذریعہ خط اطلاع دیتے رہتے تھے اور یہ باہمی خط و کتابت کا سلسلہ

حضرت کے آخر وقت تک جاری رہا۔ آج بھی حضرت تھانوی کا ایک خط بنام قائداعظم اسلام آباد میں ان کے کاغذات میں محفوظ ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے موقع پر تیسرا وفد حضرت تھانوی نے آرمی بل سے متعلق مسلم لیگ کے موقف کی وضاحت کے لئے بھی قائداعظم کے پاس بھیجا تھا جس میں شبیر علی تھانویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ شامل تھے۔ سہارنپور کے ایک حلقے میں یوپی اسمبلی کے لئے مسلم لیگ اور کانگریس میں مقابلہ ہوا۔ اس الیکشن میں بھی حضرت تھانوی نے مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینے کی ترغیب دی۔ چنانچہ مسلم لیگ کے امیدوار مولوی منفعت علی صاحب سہارنپور یوپی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے

حضرت حکیم الامت تھانوی کا مسلم لیگ کی تائید میں ایک تفصیلی فتویٰ "تنظیم المسلمین" کے نام سے ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوا جو امداد الفتاویٰ جلد ۴ کے ص ۶۲۵ سے ۶۳۱ تک پھیلا ہوا ہے۔ حضرت تھانوی نے شرح صدر کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہونے اور اس کی اصلاح میں کوشش کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

دیوبندی حلقے کے سرخیل اس وقت چونکہ حضرت حکیم الامت تھانوی تھے۔ انہوں نے واضح طور پہ مسلم لیگ کی تائید و حمایت فرمائی تھی۔ اس لئے حضرت تھانوی کے لاکھوں عقیدت مند اور ہزاروں متوسلین جن میں سینکڑوں کی تعداد علمائے کرام کی ہی تھی۔ سب نے تحریک پاکستان میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مطالبۂ پاکستان کی ہر طرح سے تائید و حمایت

کی خصوصیت سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی
مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ مولانا شاہ عبد الغنیؒ
پھولپوری۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا
خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ مولانا شاہ وصی اللہ اعظمیؒ۔ مولانا
قاری محمد طیب قاسمیؒ اور مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ وغیرہ حضرات نے
حکیم الامت تھانوی کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے جس
کا ذکر ۱۹۲۸ء میں کیا تھا۔ تحریک پاکستان میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔
ان حضرات نے ہندوستان کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں اپنی تقریروں
اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریک پاکستان کو مقبول عام بنانے اور پروان چڑھانے
میں جس شاندار کردار کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان حضرات کی خدمات
جلیلہ اور مساعی جمیلہ کا اعتراف خود قائد اعظم مرحوم اور لیاقت علی خان مرحوم
نے بارہا کیا اور اسی لئے قائد اعظم نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی علامہ شبیر احمد
عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں کرائی تھی۔

سرحد اور سلہٹ ریفرنڈم میں کامیابی انہی حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ
تھی۔ اگر ان حضرات کی حمایت مسلم لیگ کو حاصل نہ ہوتی تو بظاہر حالات
مسلم لیگ کو کامیابی کا حاصل کرنا سخت دشوار اور بہت مشکل تھا۔ ان حضرات

نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی جس کا قائداعظم سمیت تمام زعمار لیگ کو کھلا اعتراف تھا۔ اور یہ اعتراف حقیقت ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت اور سرمۂ بصیرت ہے۔ جو پاکستان کی تحریک میں علماء دیوبند کے کردار کی نفی کرتے اور ان کی جدوجہد کو جھٹلاتے ہیں ؎

سیّد عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال
ضلع سرگودہا

ایک تاریخی جائزہ

تحریک پاکستان اور علماء دیوبند

(از پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی)

دارالعلوم دیوبند ایک ایسی علمی روحانی اور دینی یونیورسٹی ہے جس نے علم و عمل کے ہزاروں آفتاب و مہتاب پیدا کئے جنہوں نے علمی، تدریسی، تصنیفی، تبلیغی اور سیاسی میدانوں میں ایسی عظیم خدمات انجام دی ہیں جو ناقابلِ فراموش ہیں۔ اگرچہ علماء دیوبند کی جماعت ہر میدان میں فعال رہی ہے لیکن مذہب کے ساتھ سیاسیات جو مذہب کا جزو ہے ان کا خصوصی میدانِ عمل رہا ہے۔ چنانچہ اس خصوص میں انہوں نے اپنے علمی خاندان شاہ ولی اللہؒ کی روایات کو برابر زندہ رکھا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ۔ حضرت حافظ ضامن تھانویؒ۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دوسرے اکابر علماء دیوبند نے جہاد بالسیف میں زبردست حصہ لیا تاکہ مسلمان انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کر سکیں۔

ان کے کئی رفقاء نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے چھ ماہ قید کی سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خود گولی لگی۔ لیکن جان کی پروا نہ کی اور جہاد کے باراتیوں میں ایک خاص مجاہد دولہا حضرت حافظ ضامن تھانویؒ شہید ہوگئے۔

جنگ بلقان و طرابلس میں اکابر دیوبند نے لسانی اور مالی امداد کی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ اور طلبا ملک میں نکلے ۱۹۱۸ء کے بعد تحریک خلافت میں زبردست حصہ لیا اور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک برابر ملکی اور قومی سیاست میں برابر کے شریک رہے اور مسلمانوں کی راہ نمائی فرماتے رہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے فرنگی راج کا تختہ اُلٹنے کے لئے ترکوں کے خلیفہ اور ایران و افغانستان کے بادشاہوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان ممالک اسلامیہ کے سربراہوں اور قبائلی علاقوں کے پٹھانوں میں جہاد کی تحریک پیدا کی۔ اور متحدہ طور پر انگریزوں پر حملہ آور ہوئے۔ ہندوستان کو آزاد کرانے اور اسلامی حکومت قائم کرنے کی تحریک چلائی۔ انہوں نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو قبائلی علاقے میں اور پھر افغانستان بھیجا۔ اور خود حجاز روانہ ہوئے۔ وہاں غالب پاشا اور انور پاشا سے ملاقاتیں کیں۔ اور تمام تحریک سے آگاہ کیا لیکن عرب میں ترکوں کے خلاف بغاوت ہوئی۔ شریف مکہ نے غداری کی اور انگریزوں کے ساتھ مل گیا جس کے باعث ترکوں کا اقتدار جاتا رہا۔ اور حجاز میں انگریزوں کی

طاقت دخیل ہوئی۔

ادھر شیخ الہندؒ کی اس تحریک کا پتہ گورنمنٹ برطانیہ کو چل گیا، چنانچہ آپ کو شریف مکہ کے ذریعہ گرفتار کیا گیا اور پھر پانچ چھ سال جزیرہ مالٹا میں قید رکھا گیا۔ جب آپ کی رہائی ہوئی تو ہندوستان آکر آپ نے تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ اور چند ماہ بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ جلاوطن قرار دئے گئے اور پھر مدتوں کے بعد کانگریس کی سفارش پر ہندوستان آئے، اور جلد ہی دنیا سے رخصت ہوگئے۔

متحدہ ہندوستان کی آزادی کے آخری دور میں بھی دارالعلوم دیوبند کی دو مقتدر ہستیاں میدانِ سیاست میں اتری ہوئی تھیں۔ اور وہ دونوں اگرچہ سیاست میں ایک دوسرے سے موافق نہ تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک کے سر ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت کا سہرا بندھا اور دوسرے کے گلے میں پاکستان کی قیادت کا ہار ڈالا گیا۔ ان میں سے ایک شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور دوسرے شیخ الاسلام پاکستان حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے۔ دونوں ایک ہی مادرِ علمی کے فرزند اور ایک ہی مکتبِ فکر کے سربلند عالم تھے۔ دونوں ایک ہی شیخ واستاد مولانا محمود حسن دیوبندی کے شاگرد تھے، مگر ایک نے اپنے غور وفکر اور علمی اجتہاد سے کانگریس کا ساتھ دیا اور دوسرے نے مسلم لیگ کے ساتھ رہنا اپنے اجتہاد کا ثمرہ سمجھا۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ کسی سیاسی یا علمی مسئلہ میں اختلاف اگر نیک نیتی سے ہو تو کسی کی بھی توہین کرنا خود غلط شے ہے اس

اپنے اپنے دلائل کی روشنی میں ہر شخص اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھے یہ درست ہے۔ کئی مسائل میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف، ائمہ ہدایت کا اختلاف، خود استادوں اور شاگردوں کا اختلاف اپنی اپنی جگہ درست سمجھا گیا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو جلیل القدر تلامذہ یعنی امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بہت سے مسائل میں اپنے استاد سے اختلاف کیا ہے۔ بس اسی طرح کا اختلاف ان دونوں حضرات میں تھا اور اس اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کے متبعین کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے یاد کریں۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ دونوں حضرات اکابر ہمارے اپنے تھے۔ اور قدرت نے دونوں کو خاص خطوں کی قیادت کے لئے چن لیا۔ ایک کو پاکستان کے لئے اور دوسرے کو ہندوستان کے لئے۔ اگر علامہ شبیر احمد عثمانی نظریہ پاکستان کے حامی نہ ہوتے تو پاکستان میں علماء دیوبند کو منہ دکھانے کو جگہ نہ ہوتی۔ اور اسی طرح اگر مولانا حسین احمد مدنیؒ متحدہ ہندوستان کے نظریے کے مؤید نہ ہوتے تو ہندوستان کے مسلمانوں کی اس نازک دور میں حمایت نہ کر سکتے، جب کہ ان کو تختہ مشق ستم بنایا جا رہا تھا۔

یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ جب بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا اس وقت صرف دو ہی شخصیتیں ایسی تھیں جو گولیوں کی بوچھاڑ میں مسلمانوں کے دفاع میں سینہ سپر ہو کر بھاگی بھاگی پھر رہی تھیں اور وہ تھے مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ اسی طرح جو کانگریسی خیال کے مسلمانوں پر کوئی مشکل پیش آئی اور جو کانگریسی خیال کے مسلمان پاکستان پہنچے۔ تو علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء نے ان کی ہر نوع اعانت فرمائی اور یہ خیال

میں بھی نہ لائے کہ ان صاحبان کا سیاسی نظریہ کانگریس تھا۔

بہرحال دونوں ملکوں کی سیاسی قیادت ان فرزندانِ دارالعلوم دیوبند کے مبارک ہاتھوں میں تھی۔ متحدہ ہندوستان کی کوئی اور شخصیت ان حضرات سے اونچی نہ تھی جو ان سے آگے بڑھتی۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ہندوستان کے آزاد ہونے اور پاکستان کے قیام تک اور اس کے بعد بھی علماء دیوبند ہی سیاستِ ملکیہ پر چھائے رہے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی اور پارلیمنٹ پر ممبر ہونے کی حیثیت سے اپنا اثر رکھتے تھے۔ تاآں کہ انہوں نے پاکستان کے اسلامی قانون پاس کرایا۔ اور ادھر ہندوستان کی پارلیمنٹ اور دستور ساز اسمبلی میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ بحیثیت رکن دندناتے رہے۔ اور آخر کار یہ سب حضرات دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خدائے کریم ان کی قبروں پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ اور ہمیں ان کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی سے بچائے۔ آمین

آج کل کہا جاتا ہے کہ علماء دیوبند نے کانگریس کا ساتھ دے کر نظریۂ پاکستان کی مخالفت کی ہے اور اس کی تائید مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کانگریس میں شرکت اور مسلم لیگ کی مخالفت کو پورے زور سے پیش کرتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ دنیا میں عام طور پر کسی چیز کے منفی پہلو کو دیکھا جاتا ہے مثبت پہلو سے شاذ و نادر ہی کوئی بحث کرتا ہے۔ حالاں کہ دوسرا پہلو یہ بھی تو تھا کہ حکیم الامت مجددِ ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند، مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ صدر

مفتی دارالعلوم دیوبند۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور۔ محدث العصر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند یہ سب حضرات مسلم لیگ کے زبردست حامی تھے اور ان حضرات نے تو نظریہ پاکستان کی اس قدر حمایت کی کہ اگر یہ حضرات مسلم لیگ کی طرف نہ جاتے تو مسلمانان ہندوستان کو شرعی حیثیت سے مطمئن کرنا دشوار ہو جاتا۔ سیاسی طور پر اگر ایک طرف قائد اعظم اور ان کے رفقاء کی تعمیر پاکستان میں خدمات ہیں تو دوسری طرف دینی لحاظ سے انہی اکابر علماء دیوبند کی عظیم خدمات ہیں۔ جن کی بدولت پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اگر یہ اکابر دیوبند تحریک پاکستان میں عملی حصہ نہ لیتے تو پاکستان کا قیام ناممکن تھا۔ ہاں تو یہ حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے متعدد مقتدر اصحاب قطعی طور پر نظریہ پاکستان کے نہ صرف مؤید تھے بلکہ وہ قائد اعظم سے بھی دو قدم آگے تھے اور چاہتے تھے کہ قائد اعظم کو دینی جذبات پر ابھار کر ان کو دین کی راہ پر لایا جائے۔ اور ان کی سیاست میں اسلامی شعور اور شریعت کا رنگ بھر دیا جائے۔ پھر بھی یہ کہنا کہ دارالعلوم دیوبند کے تمام علماء و متعلقین کانگریس کے مؤید تھے تاریخی حقائق کا منہ چڑانا ہے۔ حالاں کہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سب سے پہلے ایک علیحدہ اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا۔ اور جون ۱۹۲۸ء میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبدالماجد دریاآبادی

کے سامنے پاکستان کی تجویز پیش کی کہ :-

"جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو۔ سارے قوانین و تعزیرات وغیرہ کا اجرا۔ احکام شریعت کے مطابق ہو۔ بیت المال قائم ہو۔ نظام زکوٰۃ رائج ہو۔ شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ مسلمانوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ ہندوؤں سے مل کر یہ مقصد حاصل نہ ہوگا"

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضرت حکیم الامت تھانوی نے مولانا شبیر علی تھانوی سے فرمایا کہ :-

"میاں شبیر علی! ہوا کا رُخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔ لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ یہی لوگ دیندار بن جائیں۔ اور جو سلطنت قائم ہو وہ دیندار اور دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہو تاکہ اللہ کے دین کا ہی بول بالا ہو"

بہر حال حضرت حکیم الامت تھانوی نے ارباب مسلم لیگ کی طرف اپنے خدام و متعلقین پر مشتمل ایک تبلیغی وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پہلا وفد مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری کی قیادت میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا شبیر علی تھانوی اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی پر مشتمل ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو قائد اعظم سے ملا جس میں ان کو نماز کی تبلیغ کی گئی۔ اور قائد اعظم نے نماز پڑھنے کا وعدہ کر لیا۔ پھر دوسرا وفد ۱۲ر فروری ۱۹۳۹ء کو مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر

قیادت دہلی پہنچا۔ جس میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور مولانا شبیر علی تھانویؒ بھی شامل تھے۔ قائداعظم سے سیاست و مذہب پر بحث ہوئی جس میں قائداعظم کو یہ بات ماننی پڑی کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے غرضیکہ ان تبلیغی وفود سے قائداعظم پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ فرماتے تھے:۔

"مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم تقدّس اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں تمام علماء کا علم و تقدس و تقوٰی رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سرپرست دارالعلوم دیوبند ہیں"

دیکھا دارالعلوم دیوبند کے سرپرست کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ قائداعظم کی نظر میں اور کتنا گہرا اثر ہوا ان تبلیغی وفود کا جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ بھیجا کرتے تھے۔ حضرت حکیم الامت کے بعد دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ رحمۃ اللہ علیہ جو سب سے زیادہ مؤثر اور فعّال شخصیت کے مالک تھے۔ جنہوں نے مسلم لیگ میں شرکت کر کے نظریۂ پاکستان کی زبردست حمایت کی اور مسلم لیگ کو چند دنوں میں آسمان تک پہنچا دیا۔ اگر ایک طرف قائداعظم محمد علی جناح نے لیگ میں شرکت کو سیاسی طور پر مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا۔ تو شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے مذہب اور سیاست دونوں کی روشنی میں متحدہ ہند کے مسلمانوں کی رہبری کی جس کے نتیجے میں مشرقی

ہند سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں لیگ اور پاکستان کی تائید میں ایک لہر دوڑ گئی۔ ان کے سب سے پہلے پیغام کلکتہ نے کل ہند جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس میں وہ صور پھونکا کہ مسلمانوں کی کایا پلٹ گئی۔ اُن کو کل ہند جمعیت علماء اسلام کا مرکزی صدر بنایا گیا۔ جو پاکستان کے حامی علماء دیوبند کی ایک مضبوط اور فعال جماعت تھی۔ پھر علامہ عثمانیؒ نے مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں خطبہ صدارت دیا جس میں لیگ کو کامیاب بنانے کی زبردست اپیل کی گئی جس کا نہایت شاندار اثر ہوا۔ بعد ازاں علامہ عثمانی نے بمبئی کی کانفرنس میں اور پھر لاہور جمعیت علماء اسلام کی کانفرنسوں میں زبردست خطبے دیئے۔ ملک کا دورہ کیا اور تقریریں کیں۔

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے لئے دورہ کیا اور بے پناہ کامیابی حاصل کی جس کا سہرا علامہ عثمانی مرحوم کے سر رہا۔ بالآخر پاکستان وجود میں آ گیا۔ اور آپ کا مشن ابتدا ہی سے لیگ میں شرکت سے اسلامی حکومت کا قیام اور اسلامی شریعت کا نفاذ تھا۔ چنانچہ عثمانی مرحوم نے پاکستان میں دستور ساز اسمبلی کے ایک باا ثر رکن کی حیثیت سے قرار داد مقاصد کے نام سے ریزولیوشن پاس کرایا اور مغربی پاکستان کا پرچم بھی اپنے دست مبارک سے لہرایا۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر محدث و فقیہہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں ہندوستان کے چپے چپے کا سفر کیا۔ اور تقریباً تین سال تک ہندوستان کے گوشے گوشے میں مولانا موصوف کی مساعی سے تحریک پاکستان مقبول ہوئی کہ خود

مسلم لیگ کے زعماء بھی مولانا مرحوم کی خدمات کے قائل ہوگئے۔ آپ شب و روز تحریک پاکستان کی شمع کو ہاتھ میں لئے مسلمانوں کے قلوب کو روشن اور پاکستان کی اساس کو مستحکم فرماتے رہے۔

سلہٹ ریفرنڈم میں کامیابی آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کانگریس کے زیادہ اثر میں ہے مگر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا اطہر علی صاحبؒ کی مساعی اور کوششوں نے لوگوں کا یہ خیال غلط کردیا اور سلہٹ کے عوام نے پاکستان کی حمایت میں رائے دے کر حامیان پاکستان کے سارے خدشات دور کردئے۔ اور سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں داخل ہوا یہ صرف انہی علماء دیوبند مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا اطہر علی سلہٹیؒ کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ اور یہ حضرات دارالعلوم دیوبند کے قابل فخر فرزندوں میں سے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت قائد اعظم کی درخواست پر مشرقی پاکستان میں پاکستانی پرچم لہرانے کی سعادت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو حاصل ہوئی۔ آپ آخر دم تک پاکستان کے استحکام اور پاکستان میں نظام اسلام کے لئے کوشاں رہے۔ اور پاکستان کے حقیقی معماروں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

مفتئ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے اور ایک زبردست عالم، عظیم محدث، مایۂ ناز مفسر بہترین محقق، مدبر، عظیم فقیہ اور عارف کامل تھے۔ شروع سے پاکستان کے حامی تھے۔ اور سرحد ریفرنڈم کے سلسلے میں آپ نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی معیت میں صوبہ سرحد کا تاریخی دورہ کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس دورہ کی وجہ سے

سرحد کے عوام نے پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالا۔ اگر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس موقع پر دورہ نہ کرتے تو اس ریفرنڈم میں پاکستان کی کامیابی چنداں آسان نہ تھی۔ علامہ عثمانی مرحوم اور مفتیِ اعظم مرحوم نے سخت گرمی کے زمانہ میں گاؤں گاؤں کا دورہ کیا۔ مختلف علاقوں میں پاکستان کے قیام کی حمایت میں تقریریں کیں اور پوری فضا کو بدل کر رکھ دیا۔

سیاسی مبصرین کی رائے یہ ہے کہ اس نازک وقت میں یہ دونوں حضرات اگر دورہ نہ کرتے تو ریفرنڈم میں پاکستان کی کامیابی ناممکن تھی۔ علماء دیوبند کی ان خدمات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اکثر لوگ پاکستان کی مخالفت میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے نام کو اچھالتے تو ہیں لیکن پاکستان کی حمایت میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد شفیعؒ۔ مولانا اطہر علیؒ۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا قاری محمد طاہر قاسمیؒ مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ مولانا محمد ابراہیم بلیادیؒ۔ مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ۔ مفتی جمیل احمد تھانوی۔ مولانا شمس الحق فریدپوری۔ مفتی دین محمد۔ مولانا صدیق احمد۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ اور مولانا متین خطیب جیسے مشاہیر علماء دیوبند کی کوششوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔ جب کہ انہی علماء دیوبند کی محنت اور جدوجہد سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

پاکستان بننے کے بعد بھی ان علماء نے پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے
اپنی جد و جہد جاری رکھی۔ دستور ساز اسمبلی سے قرار دادِ مقاصد پاس کرائی۔ پھر
۱۹۵۰ء میں حکومت کے تشکیل کردہ اسلامی بورڈ کے ذریعے علامہ سید سلیمان ندوی
اور مفتی محمد شفیع صاحب اسلامی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں مولانا
احتشام الحق تھانوی کی سعی و کاوش سے بائیس نکات پر مشتمل ایک دستورِ اسلامی
حکومت کو پیش کیا گیا۔ جو ایک یادگار زمانہ کارنامہ ہے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس میں متعدد علمائے دیوبند شہید ہوئے
پھر ۱۹۷۴ء میں مولانا محمد یوسف بنوری کی زیر قیادت تحریک میں ختم نبوت کے
منکرین کو سرکاری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا گیا۔ غرضیکہ ہر میدان میں علماء دیوبند
نظر آئیں گے۔ اور ان کی خدمات کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی +

انوار الحسن شیر کوٹی

اسلامیہ کالج فیصل آباد

پیش لفظ

(از علامہ خالد محمود سیالکوٹی)

اکابر علماء دیوبند کی خدمات کا دائرہ علم و تحقیق، تبلیغ و اشاعت اور تزکیہ و تدریس تک ہی محدود نہیں بلکہ اکابر دیوبند نے نئے نئے پیش آمدہ حالات میں ملت کی ہر قدم پر راہ نمائی کی ہے۔ جس طرح فروعی مسائل میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہوا اسی طرح خالصۃً سیاسی مسائل میں ہر دور میں نظریاتی اختلاف پایا گیا ہے۔

برصغیر میں ہندوستان میں بھی یہ نظریاتی اختلاف پیدا ہوا۔ اکابر دیوبند کا ایک دقیع گروہ کانگریس کے ساتھ اتحاد و اشتراک کو ملک و ملت کے لئے مفید خیال کرتا تھا۔ تو دوسرا دقیع گروہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم اور کانگریس سے عدم اشتراک و اتحاد کا مؤید تھا پہلے گروہ کے قائد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے کے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تھے۔ اور دونوں گروہوں

کا یہ اختلاف مبنی بر دیانت تھا اور ہر ایک کے پاس اپنے مؤقف کے لئے
دلائل تھے۔ یہ کہنا تاریخی حقائق کا منہ چڑانا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے تمام خدّام
یا متعلقین کانگریس کے مؤید تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت
مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کانگریس کے خلاف مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم
کی علی الاعلان حمایت کی اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کے لئے مفید اور بہتر قرار
دیا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے نہ صرف پاکستان کی حمایت کی
بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قائدِ اعظم کے بعد تصورِ پاکستان کے خاکہ میں رنگ بھرنے
کا سب سے مؤثر عمل حضرت علامہ عثمانی ہی کا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ حضرت علامہ
عثمانیؒ نے قرارداد پاکستان کی تائید میں بیانات جاری فرمائے۔ جمعیت علماء
اسلام کی بنیاد رکھی۔ مضامین لکھے۔ پر زور تقاریر کیں۔ پیرانہ سالی میں ہمت کو
جوان کر کے قائدِ اعظم کا پورا پورا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی فضا میں پاکستان
زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی سحر آفریں خطابت کا
جواب مسلم لیگ کے پاس شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہی کی وجد آفریں
زبان تھی۔ اور پھر سابق مشرقی پاکستان کا علاقہ سلہٹ اور صوبہ سرحد کا ریفرنڈم
تو شیخ الاسلام علامہ عثمانی مرحوم کا عظیم کارنامہ تھا۔ حضرت علامہ عثمانی پاکستان
کی حمایت میں نہ نکلتے تو آج یہ علاقے بھی ہندوستان کے پاس ہوتے۔ صوبہ سرحد
اور سلہٹ کی پاکستان میں شمولیت محدث دیوبند کا پاکستان پر احسان عظیم ہے
حلقہ دیوبند سے حضرت علامہ عثمانی ہی پاکستان کی حمایت میں نہیں نکلے بلکہ مفتی
اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ حضرت مولانا ظفر احمد

عثمانیؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے دوسرے سب خلفار پاکستان کے حامی تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے پانچ بڑے عہدیداروں سرپرست[۱]۔ صدر مہتمم[۲]۔ صدر مدرس[۳]۔ صدر مفتی[۴] اور مہتمم[۵] میں سے چار مسلم لیگ کے ہم خیال تھے۔ سرپرست حکیم الامت حضرت تھانویؒ تھے۔ صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ صدر مفتی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تھے اور مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب تھے۔ صدر مدرس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کانگریس کے ہم خیال تھے۔ ان کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے بہت سے علمار مدرسین اور ارکان شوریٰ مسلم لیگی خیال کے تھے۔

ہمیں ان دوستوں پر بہت افسوس ہے کہ پاکستان کی مخالفت میں تو دیوبند کا ذکر کرتے ہیں لیکن پاکستان کی حمایت میں اکابر دیوبند کی خدمات کا خاطر خواہ تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ حالاں کہ ان اکابر کی خدمات کے بغیر پاکستان کی تعمیر کسی طرح ممکن نہ تھی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا اختلاف بھی مسلمانوں کے سودے پر نہیں دیانت پر مبنی تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان وہ قوتِ ایمانی اور ہمت عمل رکھتے ہیں کہ متحدہ ہندوستان میں کبھی مغلوب نہ رہیں گے۔ ایک تہائی کے قریب تعداد اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اگر یہ خدا کے ہو کر رہیں اور محمد بن قاسم، سلطان محمود غزنوی وغیرہم حضرات کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرلیں تو ہندو اکثریت

ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی اور اگر ایمانی جذبہ مفقود رہا، بے عمل الحاد نے راہ پکڑ لی تو پھر ایک علیحدہ ملک لے کر بھی ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

حضرت مولانا مدنیؒ مسلمانوں کو اپنے آئینہ میں دیکھتے تھے۔ مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ انہیں حالات کے آئینہ میں ان کی عملی کوتاہیوں کو دیکھ رہے تھے۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کہ حضرت مدنیؒ کا اختلاف کسی غرض پر نہیں دیانت و خلوص پر مبنی تھا چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ کے جلسوں میں بارہا فرمایا:-

"مجھے مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پورا سیاسی اختلاف ہے مگر مجھے ان کی دیانت پر کبھی ایک لمحے کے لئے شبہ نہیں ہوا"

واقعی بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دیوبند کے ایک حلقے میں اگر کانگریس کی حمایت تھی تو دوسرا بڑا حلقہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں علی الاعلان مسلم لیگ کے ساتھ تھا۔ اور بہت سے علمار دیوبند خصوصاً حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تمام خلفار جن میں علم عمل کے آفتاب و ماہتاب بھی شامل تھے۔ تحریک پاکستان کے حامی تھے۔ اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جو لوگ پاکستان کی مخالفت میں حضرت مولانا مدنی کے اسم گرامی کو اچھالتے ہیں لیکن پاکستان کی حمایت میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقار کی کوششوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے انہیں اصولاً اس وقت کے سیاسی اختلافات سے دلچسپی نہیں بلکہ علمار کے خلاف ایک اندرونی بغض ہے جس کو یہ لوگ وقتاً فوقتاً اُگلتے رہتے ہیں۔

مسلمانوں کو ایسے بے رحم اندازِ گفتگو سے محتاط رہنا چاہیئے۔ علماء دین کے خلاف اس قسم کے خیالات دین سے بیزاری کا ایک نیا عنوان ہے بہر حال اس مختصر تحریر میں علمائے دیوبند کی خدمات کی تفصیل پیش نہیں کی جا سکتی جو ان علماء حق نے برصغیر پاک و ہند میں ملت اسلامیہ کی راہ نمائی کرتے ہوئے سرانجام دیں۔ اس کام کی قدرے تفصیل "تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند" کے عنوان سے آپ کے سامنے ہے۔ جو تیس اکابر علمائے دیوبند کی خدمات جلیلہ پر مشتمل ہے۔

عزیز محترم مولانا حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری اس کتاب کے مؤلف ہیں جن کی متعدد کتابیں اکابر دیوبند کی خدمات کے موضوعات پر پہلے بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اس زیر نظر کتاب میں بھی انہوں نے اپنے اکابر کی خدمات کو زندہ رکھنے کی یہ گراں بہا کوشش کی ہے۔ اللہ رب العزت عزیز موصوف کی اس کوشش کو حیات دوام بخشیں اور متوسلین کے لئے اسے نافع و مفید بنائے۔ آمین ؛

خالد محمود ایم اے، سیالکوٹی
عفا اللہ عنہ

تقریظ

از مولانا سید عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور

۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان نقشۂ عالم پر نمودار ہوا۔ اور مسلمانوں کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ اپنی کتابوں کے مختلف صفحات پر تحریر فرما چکے ہیں۔ پاکستان کا قیام کوئی حادثہ نہیں تھا۔ جو یکایک نمودار ہو گیا۔ بلکہ اس کے پس منظر میں وہ تمام سیاسی جدوجہد تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے زمانہ سے لے کر قیام پاکستان تک مختلف ادوار میں کی گئی اور اس کی آبیاری شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ۔ حافظ ضامن شہیدؒ کی شہادتیں، حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی کی ہجرت، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی گرفتاری اور سیاسی سرگرمیاں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی اور ان کے ساتھیوں کی مالٹا میں اسیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد

عثمانیؒ اور ان کے رفقاء کے سیاسی دورے اور دوسرے مختلف لوگوں کے
خون سے کی گئی۔ تب کہیں صد سالہ جدوجہد آزادی کا یہ ثمرہ معرضِ وجود میں آیا۔
۱۹۴۵ء میں تحریک پاکستان جس موڑ پہ تھی اس موڑ پر اس بات کی اشد ضرورت
تھی کہ کچھ ایسے علماء اس تحریک میں گرمجوشی کے ساتھ دل چسپی لیں جو علم و عمل کے
اساطین ہوں۔ قوم میں مقتدر اور جانے پہچانے ہوں۔ عوام پر ان کا اثر ہو اور علمی
حلقوں میں ان کی اچھی خاصی شہرت ہو۔ کیونکہ ہندو اپنے سیاسی اسلحہ خانہ کا ہر ہتھیار
پاکستان کی تحریک کو ختم کرنے میں استعمال کر رہا تھا۔ اور اس کی تمام تر کوششیں
یہ تھیں کہ عوام و خواص کے اس سیلاب کو روکا جائے جو اندرونِ ملک اور بیرونِ
ملک اس تحریک کو کامیاب بنانے اور اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے
سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ چنانچہ نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ جیسے عظیم شہر
میں تحریک پاکستان کے حامی علماء دیوبند پر مشتمل ایک مضبوط اور مؤثر
جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا اور باتفاق رائے شیخ الاسلام علامہ
شبیر احمد عثمانیؒ اس کے سب سے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ جمعیت کے اس
قیام سے تحریک پاکستان میں ایک نئی روح پیدا ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ پورے
دو سال کے قلیل عرصہ میں عالم اسلام کی سب سے بڑی اسلامی مملکت معرض
وجود میں آگئی۔ جمعیت علماء اسلام کے اکابرین نے تحریک پاکستان خصوصاً
سلہٹ اور سرحد کے استصواب میں جس سرفروشانہ اور مجاہدانہ عملی حصہ لیا تاریخ
پاکستان اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ قیام پاکستان کے بعد یہ خیال تھا کہ جس مقصد
کے لئے یہ ملک معرضِ وجود میں آیا ہے وہ مقصد اوّل ہی روز پورا ہو جائے گا

لیکن قوم کی شومئی قسمت سے کچھ ایسے لوگ بھی اس مملکت میں برسرِ اقتدار آ گئے جو انگریز کی معنوی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک روز بھی سیاسی پلیٹ فارم پر نہیں آئے تھے۔ اور جنہوں نے ایک لمحہ بھی تحریکِ پاکستان میں حصہ نہیں لیا تھا بلکہ انگریز کے زمانہ میں اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر تحریکِ پاکستان کی پشت میں چھُرا گھونپنے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ اور اس کو ناکام کرنے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کرتے رہے۔ چنانچہ حالات کی نزاکت کے تحت اکابر علماء دیوبند قیامِ پاکستان سے بھی زیادہ گرم جوشی کے ساتھ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام میں مصروف ہو گئے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی مساعی اور سرگرمیوں کے نتیجہ میں ۱۹۴۹ء میں قرار دادِ مقاصد کا عظیم وثیقہ ملتِ اسلامیہ پاکستان کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد جب کبھی بھی آئین کو بنانے کی کوشش ہوئی۔ یہ تاریخی قرار داد، ہر مسودۂ آئین کا جُزء بنتی رہی۔ اور اسی جمعیت علماء اسلام کے اکابرین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی انتھک محنتوں اور کوششوں کے بعد ۱۹۵۱ء میں ہر مکتبِ فکر کے ۳۱ علماء کا اجتماع کراچی میں ہوا۔ جس میں اسلامی آئین کے لئے بائیس بنیادی اصول باتفاق رائے پاس ہو کر حکومت کو بھیجے گئے۔

قیامِ پاکستان کے فوراً ہی بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی ہدایت پر اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر شب و روز کی محنت سے تین ماہ میں دستورِ اسلامی کا خاکہ تیار کیا۔ پھر آپ نے اسمبلی کے مقرر کردہ اسلامی مشاورتی بورڈ کے رکن کی حیثیت سے ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء تک

کام کیا اور دستوری مسائل میں اسلامی سفارشات ترتیب دے کر حکومت کو بھیجیں قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے بعد قومی اسمبلی کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے جب ۱۹۵۳ء میں اپنی دوسری رپورٹ پیش کی۔ اس پر غور کرنے کے لئے پھر مولانا احتشام الحق تھانوی نے دوبارہ ہر مکتبِ خیال کے علماء کو کراچی میں اپنی قیام گاہ پر مدعو کیا غرضیکہ اکابر علماء دیوبند ہر موقع پر ملتِ اسلامیہ کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ تحریکِ پاکستان میں یہی اکابر گراں قدر خدمات انجام دے چکے ہیں اور تعمیرِ پاکستان میں ان حضرات نے ایک معمار کا کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی انہی حضراتِ اکابر کے متعلقین اپنے بزرگوں کی شاندار روایات کے مطابق نظامِ اسلام کے لئے جد و جہد میں مصروف اور سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ اور مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب جیسے جید علماء دیوبند بڑی تندہی سے اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ حضرات علماء دیوبند کی ان خدمات کو شرف قبولیت بخشیں آمین۔

ہمارے عزیز محترم حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری سلمہٗ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عنایت فرماویں کہ جنہوں نے اکابر علماء دیوبند کے حالات و سوانح اور خدمات جلیلہ کو مرتب کرنے کا معمول اپنایا ہوا ہے۔ اور یہ عزیز سلمہٗ کا خاص موضوع اور محبوب مشغلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے عزیز سلمہٗ کو سیرت و تاریخ نگاری اور سوانح حیات کے لکھنے کا خصوصی ذوق اور ملکہ عطا فرمایا ہے۔ اور اس سلسلہ میں عزیز سلمہٗ کی گراں قدر تالیفات شائع ہو چکی ہیں زیرِ نظر کتاب "تحریک پاکستان

اور علمائے دیوبند" ان کی تازہ تالیف ہے۔ جس میں بڑے اختصار اور جامعیت سے تحریک پاکستان کے سلسلے میں چند مشاہیر علماء دیوبند کی خدمات جلیلہ کا دلچسپ، مفید، اور معلومات افزا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔ تاریخی حقائق سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ انمول تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز سلمہٗ کو اجر عظیم عطا فرماویں اور اس کتاب کو مقبول عام فرمائیں۔ آمین

اصل میں معمار پاکستان یہی لوگ ہیں
ملک و ملت کے پاسباں یہی لوگ ہیں

رائے گرامی

از شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہٗ

عزیزم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہٗ اللہ تعالیٰ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متعلقین میں سے ہیں اور دینی علمی حلقوں میں کافی متعارف ہیں،

عزیز گرامی نے اپنے اکابر دیوبند پر تصانیف مرتب فرما کر پوری ملت اسلامیہ خصوصاً متعلقین و متوسلین پر بڑا احسان فرمایا ہے خاص طور پر یہ زیر نظر کتاب کی ترتیب و اشاعت ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین "۔

حرفِ آغاز

قیامِ پاکستان اور نظامِ اسلام کیلئے علماءِ دیوبند کی عظیم خدمات

شاد باش و شاد زی اے سر زمینِ دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

پاکستان کی بنیاد اس مثالی ریاست کو سامنے رکھ کر استوار کی گئی تھی جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل مدینہ منورہ میں قائم کی تھی۔ اور نظریۂ پاکستان میں نظریۂ اسلام کی روح کا وہی جذبہ کارفرما ہے جس کی بنیاد ارشاداتِ قرآنی اور فرموداتِ نبوی ہیں۔ پھر اس نظریہ کے تحت مسلمان عرب کے ریگستانوں سے پیغامِ حق لے کر اٹھے اور دنیا کے کفر و شرک کو اسلام کی سنہری کرنوں سے منور کیا۔ اور اس طرح اسلام اور صلیبی جنگوں میں

حق کی فتح کے بعد ایشیا ۔ افریقہ اور یورپ کے ممالک میں اسلامی ریاستیں قائم ہوئیں ۔ اسلام کی سربلندی اور اشاعت کے لئے محمد بن قاسم ۔ محمد غوری اور محمود غزنوی نے کفر و شرک کے سب سے بڑے گڑھ ہندوستان پہ پے در پے حملے کر کے یہاں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی ۔

محمد بن قاسم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک اس برصغیر میں حکمرانی کی ۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا زوال شروع ہوتا ہے جس کی بڑی وجہ یورپین قوم کی آمد اور ہندؤوں کی بیداری تھی ۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے عظیم مفکر اور دینی و روحانی پیشوا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی وجوہ یہ تھیں کہ دین کو اس کی صحیح اور اصل روح کے مطابق سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی ۔ اور نہ اسلام کو معاشرہ میں عملاً جاری کیا گیا ۔ حکمرانوں نے سلطنت کے کاموں میں حصہ نہیں لیا ۔ اور عیش و عشرت میں پڑ گئے ۔ جاگیرداروں اور دولت مندوں کا ایک ایسا طبقہ ابھرا جو بد اخلاقی ، بد کرداری کا نمونہ بنا ۔ اسلامی اصولوں سے انحراف اور مسلسل خانہ جنگی نے غیر مسلم طاقتوں کو ابھرنے کا موقع دیا ۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس صورت حال کا علاج یہ تھا ۔ کہ اسلام کی حقیقی روح کے مطابق اخلاقی ، معاشرتی اور سیاسی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو تاکہ ایک مثالی اور عادلانہ نظام نافذ کیا جائے ۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک اجتہادی کے بعد بعض مسلمان حکمرانوں اور علماء کی انقلابی کوششیں اور مذہبی تحریکیں دو

مخالف قوتوں یعنی ہندو اور انگریز کے آہنی ہتھکنڈوں سے ٹکراتی رہیں اور انہیں محض اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانیں قربان کرنا پڑیں۔ اس سلسلہ میں آزادی کے غیور متوالوں میں نواب سراج الدولہ۔ حیدر علی۔ ٹیپو سلطان سید احمد ہندی شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد بریلوی۔ مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

تحریک حصول آزادی کے لئے علماء دیوبند نے شاندار کردار ادا کیا اور برصغیر کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے عظیم قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ قید و بند کی منزلیں طے کیں اور جان و مال کی پروا کئے بغیر دشمن کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔ حضرت شاہ حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ آزادئ ہند کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حصولِ آزادی اور اسلام کی سربلندی کے لئے انگریز کا مقابلہ کیا۔ حافظ ضامن تھانویؒ اسلام کی سربلندی اور جہادِ آزادی کی جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے حصولِ آزادی کے لئے قید و بند کی منزلیں طے کیں اور مالٹا کی جیل میں بڑی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے جس طرح تحریکِ آزادی اور اسلام کی خاطر جتنی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں ان کی مثالیں نہیں ملتیں۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔ حضرت

مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور دوسرے حضرات اکابر دیوبند قابل ذکر ہیں۔

اکابر علمار دیوبند نے تحریری، تقریری اور تبلیغی ذریعوں سے بھی تحریک آزادی کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیں، اور بڑی جدوجہد اور کاوش کی ہے۔ جب مسلمان جنگ آزادی سے مایوس ہو رہے تھے۔ اور یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان انگریز کے غلام بن کر زندگی گذاریں گے، اور اندیشہ تھا کہ مسلمان اپنے دین اور عقائد، مذہب اور اپنی روایات کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ تو اکابر دیوبند نے ہندوستان میں ایک ایسی درس گاہ بنانے کا فیصلہ کیا کہ جہاں ایسے افراد پیدا کیے جائیں جو پیٹ سے پتھر باندھ کر بھی مسلمانوں کے عقائد۔ افکار، ان کے مستقبل اور ان کے دین و ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ اسی مقصد کو مدِّ نظر رکھتے ہوتے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقار نے یوپی کے مردم خیز علاقہ ضلع سہارنپور کے ایک چھوٹے سے قصبہ دیوبند میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام دار العلوم رکھا گیا۔ اس چشمۂ علم سے رشد و ہدایت کا پودا شجرۂ طوبیٰ بن کر پھیلا۔ جس کے لذیذ پھل سے دنیائے اسلام کی علمی بھوک ختم ہو گئی، اور جس کی سرسبز و شاداب شاخوں کے سایہ کے نیچے جہالت و غفلت کی بادِ سموم میں جھلسنے والوں کو چین اور اطمینان نصیب ہوا۔ اور اس صاف و شفاف چشمہ سے وہ نہریں اور ندیاں پھوٹ پھوٹ کر نکلیں جنہوں نے ایشیا بھر کے مردہ دلوں کو زندہ اور اجڑے ہوتے قلوب کو لہلہاتا ہوا چمن بنا دیا اور

ایسے ایسے عالم و فاضل، محدث و محقق، مدبر و مفسر اور مجاہد پیدا کیے جن کی مثال عالم اسلام میں نہیں ملتی۔

بہر حال مسلمان، ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ء تک اندر ہی اندر سلگتا رہا۔ اس عرصہ کے دوران فرنگی نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انگریز نے اپنے ہاتھ میں اقتدار لیتے ہی مسلمانوں کے ملی وجود کو تباہ کرنے کی سازش شروع کر دی۔ انگریز نے ہماری تہذیب و ثقافت، دینی و ملی جمعیت کو ختم کرنے کے لئے ہمارے نظام تعلیم کو بدلا۔ ہماری معیشت کو تباہ کیا اور مسلمانوں کی تمام زمینوں اور ذرائع پیداوار پر قبضہ کر کے انہیں نانِ شبینہ تک کا محتاج بنا دیا۔ ہندوؤں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور انہیں ہر قسم کی مراعات دی گئیں جس کی وجہ سے ہندو بھی مسلمانوں کے خلاف انگریز کا ساتھ دینے لگے۔ ویسے بھی ہندوؤں نے ہمیشہ بدلتے ہوئے وقت کا ساتھ دیا ہے۔ بدھ کو عروج حاصل ہوا تو اس نے بدھ مت کو قبول کر لیا۔ مسلمان آئے تو مسلمانوں کے تابع ہو گیا۔ مغلوں کے عہد میں مرزا کہلانے لگا اور فارسی میں قصیدے لکھ کر کام نکالتا رہا۔ اور پھر انگریز کا شریک و سہیم بن گیا لیکن مسلمان حالات سے مصالحت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں اسے اپنے دین اور اپنے تمدن اور اپنے قومی تشخص کے ساتھ تباہ ہو جانے کا خطرہ تھا چنانچہ مسلمان جوں جوں انگریز کی ان کارروائیوں کا نشانہ بنا اس کا ردِ عمل شدید ہوتا گیا۔

پھر جب آزادیٔ ہند کی تحریک کے نتیجے میں انگریزی اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ اور تمام بڑے بڑے عہدوں پر ہندو قوم قابض ہونے لگی تو تیس کروڑ ہندوؤں

کی واحد نمائندہ جماعت کانگریس دس کروڑ مسلمانوں کو ہندو کا غلام بنانے کی کوششیں کرنے لگی۔ اور یورپ کے وطنی قومیت والے تصور کی آڑ لے کر یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ ہندوستان میں ایک قوم ہے۔ الغرض ایسے ہی ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف نت نئے پروپیگنڈے شروع کر دیئے۔ اور روز افزوں مسلمانوں پر جبر و تشدد، ظلم و ستم، بربریت و سفاکیت نے مسلمانوں کی عزت و مال اور دین و آبرو کے لئے جو عظیم خطرات پیدا کر دیئے۔ انہوں نے مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی اور انہیں سنجیدگی سے اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور دین و ایمان کے تحفظ کے لئے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ان حالات و واقعات نے جب پوری طرح مسلمانوں کو بیدار کر دیا کہ ہندو اور انگریز دونوں کے ناپاک عزائم مسلمانوں کے زبردست خلاف ہیں تو ہندوانہ اور فرنگی تصور کو قبول کرنے سے قائد اعظم محمد علی جناح اور دوسرے مسلمان رہنماؤں نے صاف انکار کر دیا۔ اس سلسلہ میں ہندوؤں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اور دین اسلام کی حفاظت کے لئے، اسلامی حکومت کے قیام کے لئے سب سے پہلی آواز بھی دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی جانب سے تھانہ بھون سے بلند ہوئی اور یہیں سے خاص طور پر دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی گئی۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے سامنے وسط ماہ جون ۱۹۲۸ء میں دارالاسلام کے قیام کی تجویز پیش کی اور فرمایا کہ

"جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت ہو۔ سارے

قوانین، تعزیرات وغیرہ کا اجرا احکام شریعت کے مطابق ہو۔
بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں،
آزادی سے رب العزت کی عبادت کی جائے۔ اس مقصد کے لئے
تو صرف مسلمانوں کی جماعت ہونی چاہئے اور اسی کو یہ کوشش
کرنی چاہئے۔"

اسی نظریئے کے تحت مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کی حمایت فرمائی اور بقول
مولانا عبدالماجد صاحب کہ:

"حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں تمام تر دینی
تھا اور وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔"

بہرحال حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ۱۹۲۸ء میں مسلمانوں کے سامنے اسلامی
حکومت کے قیام کی جو تجویز پیش کی تھی وہ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال مرحوم نے
۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلمانوں کے سامنے ایک مطالبہ کی صورت میں الہ آباد کانفرنس میں
پیش کردی کہ ہندوستان میں اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک اسلامی ریاست
قائم کی جائے۔ علامہ اقبال نے جس دن پاکستان کا مطالبہ کیا تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ
نے خیال فرمایا کہ ملت اسلامیہ کو وہی رہبر منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے جسے
اعانت ایزدی حاصل ہو، اور جو اسلامی تعلیمات کی روح و تقدس سے واقف ہو
اور یہ خصوصیت صرف خدمت دین ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور جس جماعت یا گروہ
کا فرد حاکم ہو اسے دین سے پوری دلچسپی ہونی چاہئے۔ اس لئے جس طبقہ کے ہاتھ میں
اقتدار جانے والا ہے اس کو تبلیغ دین کرنی چاہئے۔ ورنہ بغیر دینداری کے ان کے

ہاتھوں میں اقتدار آگیا تو یہ سب سے پہلے اقتدار کی تلوار اسلام پر چلائیں گے۔

اسی مقصد کے لئے حضرت تھانوی نے مجلس دعوۃ الحق قائم فرمائی۔ جو حکومت دین کی خدمت کرتی ہے۔ حق تعالیٰ کی امداد اس کے ساتھ شامل حال ہوتی ہے۔ جنگ پاکستان کی کمان چونکہ قائداعظم کے ہاتھ میں تھی، جو انگریزی تہذیب و تمدن کے پروردہ تھے۔ اس لئے حضرت تھانوی نے تمام تر توجہ قائداعظم کی دینی تربیت پر لگادی۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے مختلف وفود اور خطوط قائداعظم کے پاس بھیجے۔ ان وفود کی قیادت اکثر و بیشتر جو حضرات کیا کرتے تھے ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ قابل ذکر ہیں۔

اس کے بعد اسلامی ریاست کے قیام کے لئے دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت حکیم الامت تھانوی کے اس خواب کو پورا کرنے اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی کی آہنی زنجیروں سے نجات دلانے اور صحیح معنوں میں ایک اسلامی حکومت کی تشکیل کی خاطر باقاعدہ تحریک پاکستان میں حصہ لینے کے لئے علماء دیوبند کی ایک منظم جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اور نومبر ۱۹۴۵ء میں ایک باقاعدہ "جمعیت علماء اسلام" کے نام سے ایک دینی و سیاسی جماعت کی تشکیل کا اعلان کردیا۔ جس کے پہلے صدر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی منتخب ہوئے اور پھر مسلم لیگ کے دوش بدوش تحریک پاکستان میں زبردست خدمات انجام دیں۔ اور بالآخر علماء دیوبند کی شب و روز کی سعی و کاوش سے ۱۴ اگست

۱۹۴۷ء کو برصغیر میں ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر علماء دیوبند کا جو طبقہ تحریک پاکستان اور نظام اسلام کے لئے کام کر رہا تھا ان میں علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا خیر محمد جالندہریؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ مولوی شمس الحق فرید پوری۔ مولانا مفتی دین محمد۔ مولانا راغب احسن۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمی۔ مولانا محمد طاہر قاسمیؒ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا محمد متین خطیبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

الغرض حصول پاکستان کے سلسلہ میں علماء دیوبند نے جو نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے قائداعظم نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریب میں دارالعلوم دیوبند کے دو عظیم سپوتوں کو دعوت دی کہ پاکستان کے قیام کی رسم پرچم کشائی اپنے مبارک ہاتھوں سے سرانجام دیں۔ اور اس غرض سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کراچی میں اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ڈھاکہ میں اپنے دست مبارک سے پرچم کشائی فرمائی۔

خدائے بزرگ و برتر نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اسلامی ریاست کے قیام کے بارے میں خواب کو پورا فرما دیا۔ اور اب مسئلہ یہ تھا کہ جس مقصد کے لئے یہ خطہ پاک حاصل کیا گیا تھا اس مقصد کو پورا کیا جائے۔ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اسلامی قانون کی کوششیں تیز تر کر دی جائیں۔ چنانچہ ملک کے نقشہ کو اسلامی ریاست بنانے کا کام اپنے ذمہ انہی علماء دیوبند نے لیا اور

پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی پاکستان کو عوامی امنگوں کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ لیاقت علی خان مرحوم کے ایما پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رفقا کے تعاون سے اسلامی آئین کا خاکہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس مقصد کے لئے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے مولانا احتشام الحق تھانوی کو جو علمار ابھی ہندوستان میں تھے ان کو لینے کے لئے ہندوستان بھیجا۔

ہندوستان سے آنے والوں میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مفتی محمد شفیع اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب شامل تھے۔ باقی علمار پہلے ہی پاکستان آچکے تھے۔ ان حضرات علمار کے پہنچنے پر تین ماہ شب و روز کام کرنے کے بعد اسلامی آئین کا ایک خاکہ تیار کر لیا گیا جو مرکزی اسمبلی میں قرار داد مقاصد کے نام سے منظور کر لیا گیا۔ اس قرار داد مقاصد کی مخالفت صرف اقلیت کے فرقوں اور سوشلسٹوں نے کی تھی۔ مشرقی پاکستان و مغربی پاکستان کا باقی کوئی ایک مسلمان ممبر ایسا نہیں تھا جس نے مخالفت کی ہو۔ سب نے بخوشی قبول کر لیا۔

یہ علمار دیوبند کی تحریک پاکستان میں کامیابی کے بعد پہلی بڑی کامیابی تھی۔ پھر علمار دیوبند کی دوسری بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی تشکیل اور ارکان کا انتخاب قطعی طور پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مرضی سے ہوا۔ اور بورڈ کی ذمہ داری یہ قرار پائی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے گا۔ اور ہر آئینی اور قانونی مسئلہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں جانچ پرکھ کر رائے دی جائے گی۔ اس بورڈ آف

تعلیمات اسلامیہ کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ممبر منتخب ہوئے۔ پھر سید سلیمان ندوی کے بعد اس کے صدر مفتی محمد شفیع صاحب منتخب ہوئے۔ دستور ساز اسمبلی کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا انتقال ہو گیا جس سے پورے عالم اسلام کو سخت صدمہ ہوا اور پاکستان میں آئین سازی کا کام ذرا ٹھنڈا پڑ گیا۔

اس سلسلہ میں ایک دفعہ پھر علماء دیوبند نے اس کام کو سنبھالا۔ اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے ۳۲ جید علماء کو کراچی میں اپنی اقامت گاہ پر جمع کیا۔ اور ایک دستوری کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔ جس میں علامہ سید سلیمان ندوی کو اس کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس میں علماء دیوبند میں سے جو حضرات ارکان کمیٹی میں شامل ہوئے ان میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی۔ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری۔ حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی۔ حضرت مولانا شمس الحق فریدپوری۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان علماء دیوبند نے ایک اسلامی دستور کا خاکہ ۲۲ نکات کی شکل میں حکومت کو پیش کیا کہ پاکستان کا آئین ان بنیادوں پر مرتب کیا جائے ہر مکتب فکر کے جید علماء کا یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۹۵۱ء کے ان ۲۲ نکات کے مرتب ہونے کے بعد لیاقت علی خان بھی شہید کر دئے

گئے جو انہی علماء کے معتقدین میں سے ہیں۔

۱۹۵۵ء میں جب جدید دستور ساز اسمبلی قائم ہوئی تو مشرقی پاکستان سے کامیاب ہونے والے ممبران میں چند منتخب نمائندے اسمبلی میں بھی شریک تھے۔ ان میں مولانا اطہر علی صاحبؒ۔ مولانا عبدالوہاب صاحب اور چوہدری نورالحق صاحب نہ صرف یہ بلکہ مولانا عبدالوہاب صاحب اسمبلی کے سپیکر مقرر ہوئے۔

چنانچہ جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام کے ممبران نے اسلامی دستور کے لئے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں اسلامی دفعات کا شامل کرانا بھی علماء دیوبند کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ پاکستان کے برسر اقتدار طبقہ پر علماء دیوبند نے بار بار زور دیا کہ پاکستان جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اس میں جلد اسلامی نظام نافذ کیا جائے اور مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا خیر محمد جالندھری اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ حضرات اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے برابر جدوجہد کرتے رہے اس کے ساتھ جب کبھی اور جس طرف سے بھی اسلام یا ملک کے خلاف کوئی آواز اٹھی یا کوئی قدم اٹھایا گیا تو علماء دیوبند نے تمام مصلحت اور اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر پوری قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اور جس جرأت ایمانی کے ساتھ علماء دیوبند حق و صداقت کی حمایت کرتے رہے اس سے قرون اولی کے فرزندان اسلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال یوں ملتی ہے کہ جب پاکستان کی چند جدید تعلیم یافتہ خواتین کے مطالبہ پر حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا جس کا نام عائلی کمیشن تھا جس میں علماء

دیوبند کی طرف سے مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو ایک ممتاز مذہبی اسکالر کی حیثیت سے شریک کیا گیا تھا کمیشن کے باقی تجدد پسند ارکان نے ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی رپورٹ پیش کی جس کے ساتھ مولانا تھانویؒ کا ایک بڑا مفصل اختلافی نوٹ بھی تھا جس میں کمیشن کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے قرآن و سنّت کی صحیح ترجمانی کی گئی تھی۔ مولانا کی اس حق گوئی اور بیباکی پر ملکی پریس نے اچھی رائے کا اظہار کیا۔ اور ہندوستان کے مسلم اخبارات نے بھی اُن کے عالمانہ نقطۂ نظر کی تحسین کی۔ اسی طرح پاکستان کے سابق صدر سکندر مرزا نے اپنے دورِ اقتدار میں ایک مرتبہ علما کو دھمکی دی اور کہا کہ اسلامی دستور کا نام لینے والے علمار کانگریسی ہیں، انہیں چاندی کی کشتی میں رکھ کر بھارت کو پیش کر دیا جائے گا تو اس کے جواب میں طبقۂ علماء دیوبند کے اسی مجاہد مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے فرمایا کہ

"سکندر مرزا اور اس کے ساتھی برطانیہ اور امریکہ کے جاسوس ہیں ہم انہیں عیسائیوں کے تابوت میں بند کر کے سمندر میں بہا دیں گے۔"

سکندر مرزا کے حق میں مولانا کے یہ ارشادات بالکل الہامی ثابت ہوئے۔

غرضیکہ لیاقت علی خان کا دور ہو یا خواجہ ناظم الدین، غلام محمد، محمد علی بوگرا، سہروردی، سکندر مرزا، ایوب خان یا بھٹو کا دورِ اقتدار ہو ان میں سے کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں علمار دیوبند نے جرأت و بیباکی کے ساتھ حکومت پر تنقید نہ کی ہو۔ تحریک آزادی ہو یا تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت ہو یا تحریک نظام اسلام

علمار دیوبند نے ہر تحریک میں زبردست عملی حصہ لیا ہے۔ اور ہر باطل قوت کے سامنے کلمۂ حق ادا کیا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے قائدِ اعظم سے کھلے الفاظ میں فرمایا کہ آپ وعدہ کریں کہ پاکستان میں قرآن و سنت اور خلافت راشدہ کا نظام رائج کیا جائے گا۔ اس پر قائدِ اعظم نے فرمایا کہ:-

"آپ مجھ پر اعتماد کریں جو بات کرتا ہوں اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ اور جب پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہوگی تو پھر کسی دوسرے نظام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس پاکستان میں قرآن و سنت کا نظام اور شرعی قوانین ہی نافذ ہوں گے"

اسی لیے علمار دیوبند نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا۔ اور اس کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پہلی دستور ساز اسمبلی میں ایک تاریخی جملہ کہا تھا کہ

"لوگ کہتے ہیں کہ علمار کرسی چاہتے ہیں"

بھائی "مولوی حاکم بننا نہیں چاہتے بلکہ حاکموں کو تھوڑا سا مولوی بنانا چاہتے ہیں" اس جملے کی تصدیق خود لیاقت علی خان نے بھی کردی تھی کہ "یہ علمار واقعی اس ملک میں صرف اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی لئے انہوں نے تحریک پاکستان میں بڑی جدوجہد کی ہے۔ ہم ان کا ہر حکم خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے"

الغرض ابتدار پاکستان سے آج تک علمار دیوبند اسلامی قانون کی جدوجہد اور حفاظت کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی ممتاز علمار دیوبند حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب۔ حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب اور دیگر علما پاکستان میں اسلامی نظام

کے نفاذ کے لئے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سعی و کاوش کو کامیاب فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

بندۂ ناچیز نے علماء دیوبند کی تحریک آزادی، حصول پاکستان اور نظام اسلام کے لئے عظیم خدمات کو نئی نسل سے روشناس کرانے کے لئے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس سلسلے میں جن حضرات نے بندہ سے تعاون کیا ہے ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ بندۂ ناچیز کی اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند آسمان شریعت کے درخشندہ آفتاب تھے۔ آپ ایک عظیم محدث، مدبر، مناظر اور عالم اسلام کے عظیم دینی و مذہبی پیشوا تھے۔ آپ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد شیخ اسد علی صاحب نہایت بامروت، صاحب اخلاق، مہمان نواز، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور پرہیزگار انسان تھے۔

حضرت نانوتویؒ بچپن ہی سے ذہین طباع، بلند ہمت، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری اور حسیت تھے۔ مکتب میں اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ اول رہتے تھے۔ قرآن مجید بہت جلد ختم کر دیا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی میں حضرت مملوک علی صاحب سے تعلیم مکمل کی۔ ایام طالب علمی میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اپنے استاد مملوک علی صاحبؒ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم

دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا"

اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ آپ کے ہاتھوں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی اور دارالعلوم نے برصغیر پاک وہند میں خصوصاً پورے عالم اسلام میں عموماً جو کتاب وسنّت وفقہ کی اشاعت کی ہے۔ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ توحید ورسالت، خدا خوفی اور فکر آخرت پیدا کر کے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کو با خدا بنا دیا۔ معاشرتی اور تمدنی زندگی میں حقوق العباد کا صحیح جذبہ پیدا کیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی بھی حال میں اسلام کے چودہ سو سالہ تسلسل اور اسلاف کی وابستگی میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کی شاخوں سے کسب فیض کرنے والے علماء وفضلاء کی اگر فہرست تیار کی جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہوگی (بیس بڑے مسلمان)

علم وفضل اور اس کے ساتھ تواضع وللہیت

اگر صرف وسعت مطالعہ، قوت استعداد اور کثرت معلومات کا نام علم ہو تو یہ صفت آج بھی ایسی کمیاب نہیں لیکن اکابر دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ علم وفضل کے سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود ان کی تواضع، فنائیت اور للّٰہیت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ

"پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکتی ہے"

لیکن ہمارے زمانے میں اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیوبند کی زندگی میں نظر آیا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم بحر ناپیدا کنار تھے۔ ان کی تصانیف آب حیات، تقریر دلپذیر، قاسم العلوم

اور مباحثہ شاہجہانپور وغیرہ سے اُن کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہ آئیں۔ حد یہ ہے کہ اُن کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ:۔

"میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اب بھی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور زیادہ غور و خوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں۔ اس لئے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں۔ اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لئے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں۔ پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے۔[۱]

ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد، بالخصوص جب کہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو۔ عموماً علم و فضل کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ:۔

"جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی
مجھ پر لگا ہوا ہے۔ اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے
اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا"[۲]

چنانچہ ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہی کہ:۔

---

[۱] اشرف السوانح ج ۱۔ [۲] ارواح ثلاثہ صد ۱۷۶

"حضرت مولانا محمد قاسم صاحب جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے۔ اور جس کے اندر تواضع دیکھتے اُس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔"[1]

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا محمد قاسم صاحبؒ بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ مزاج تنہائی پسند تھا اور اول عمر سے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر ساکت رہتے اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ ان کے حال سے بھلا ہو یا برا۔ کسی کو اطلاع ہوتی نہ آپ کہتے۔ یہاں تک کہ اگر بیمار بھی ہوتے تب بھی شدت کے وقت کسی نے جان لیا تو جان لیا ورنہ خبر بھی نہ ہوتی اور دوا کرنا تو کہاں۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے چھاپہ خانہ میں جب آپ کام کیا کرتے تھے تو مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور آپ بولتے نہیں۔ کوئی نام لے کر پکارتا تو خوش ہوتے، تعظیم سے نہایت گھبراتے بے تکلف ہر کسی سے رہتے۔ جو شاگرد یا مرید ہوتے ان سے دوستوں کی طرح رہتے۔ علماء کی وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ اس علم نے خراب کیا۔ ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔"

میں کہتا ہوں کہ اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے کیا ان میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ملا دیا اپنا کہنا کر دکھلایا مسئلہ

---

[1] ارواح ثلاثہ ص۲۰۶

کبھی نہ بتاتے۔ کسی کے حوالے فرماتے، فتویٰ پر نام لکھنا اور مُہر کرنا تو درکنار۔ اول امامت سے بھی گھبراتے۔ آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے وعظ بھی نہ کہتے۔ جناب مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی مرحوم (جو اس آخری دور میں قدمارِ سلف کے نمونہ تھے) نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔ غرضیکہ آپ اتنے علم و فضل کے ساتھ تواضع وللہیت، سادگی و انکساری کا پیکر تھے۔ مہمان نواز اور نہایت سخی تھے۔

(سوانح عمری مولانا محمد قاسم ص ۱۰ - ۱۱)

تحریک آزادی اور مولانا نانوتویؒ

انگریزوں کے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد علماء کے طبقے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دوسروں کے مذہبوں کو پامال کرنے اور عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، ان کے انسداد کی تدبیریں شروع کردیں اور ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی جس کو ترقی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے دی۔ اور عملی جامہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے پہنایا۔ یہ تحریک محض آزادیٔ وطن کے لئے علماء، فقراء اور غرباء مسلمانوں نے محض بے سروسامانی کے ساتھ شروع کی تھی جس سے عام لوگوں میں اس قدر جوش اور جذبۂ سرفروشی پیدا ہوگیا تھا کہ باوجود ہر قسم کی مشکلات اور ناکامیوں کے آخر زمانہ تک نہیں مٹایا۔ فریضۂ جہاد کی انجام دہی کا یہ جذبہ ہر چھوٹے بڑے مسلمان میں پایا جاتا تھا۔ ہر ہر فرد اپنی اپنی بساط کے مطابق سرگرم عمل رہا۔ یہ جوش عمل حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے فتویٰ دارالحرب اور

حضرت سید احمد شہیدؒ کے تبلیغی اور اصلاحی اور جہادی دوروں کی وجہ سے تھا جس کی وجہ سے ہر فرد نے سر دھڑ کی بازی لگادی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہوں میں بیٹھنے والے درویش اور مدرسوں میں بیٹھنے والے علماء بھی حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ اس جہادِ آزادی میں شریک تھے چناں چہ جس وقت حضرت سید صاحب دورہ کرتے ہوئے سہارنپور پہنچے تو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ نے مع اپنے مریدین کے سید صاحب کے دستِ مبارک پر بیعتِ جہاد کی۔ اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اپنے مریدِ خاص قاضی حکیم مغیث الدین سہارنپوری اور حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کو بلاکر حضرت سید احمد شہید کے دستِ حق پرست پر بیعت کرادی۔

بہر حال تحریک آزادی کا یہ پہلا معرکہ بالاکوٹ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ یا ۱۶ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوا۔ ان دنوں پنجاب کی ایک قوم نے جنہیں سکھ کہا جاتا ہے پانچ ندیوں کی زمین کو مسلمانوں کے خون سے سیراب کر رکھا تھا۔ ہر طرف ظلم اور بدامنی کا دور دورہ تھا۔ مسجدوں میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ قربانی اور اذان کی ممانعت تھی۔ مسلمان عورتوں کی عصمتوں کو سرِ بازار لوٹا جاتا تھا۔

اس وجہ سے ان مجاہدینِ اسلام کو سکھوں کے خلاف جہاد کرنا پڑا۔ اس معرکہ میں سینکڑوں حفاظ، علماء، اولیاء اللہ اور مشائخ عظام شریک ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ اور حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ بھی اس جہاد میں شریک تھے۔ بالآخر اسی معرکہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شاہ عبدالرحیم صاحبؒ شہید ہوئے۔ اور ملک و قوم اور اسلام کی خدمت کا حق ادا

کر گئے ۔ اللہ تعالیٰ ہزاروں ہزار رحمت نازل فرمائے ان اسلام کے عظیم شہیدوں کی روح پر ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۱۶ مئی ۱۸۳۱ء کا یہ معرکہ بالاکوٹ تباہ کن اور لرزہ خیز واقع ہوا جس میں ہزاروں نفوس قدسیہ جام شہادت نوش فرما چکے تھے ۔ اور بقول حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

" ہندوستان کی بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ اس کے مخلص راہ نماؤں سے غدار وطن سکھوں نے سفاکی کا برتاؤ کیا اور نمک حرام کمپنی کا ساتھ دے کر آزادیٔ وطن کی راہ میں روڑے کا کام کیا ۔ اس واقعہ سے ٹھیک ۲۶ سال بعد آزادیٔ وطن کی دوسری تحریک شروع ہوئی جس کو غدر ۱۸۵۷ء کے مذموم اور بے ہودہ نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ ۲۶ سالہ مدت کوئی زیادہ نہیں ہوتی اور نہ اتنی مدت میں واقعات و حالات بھلائے جاتے ہیں اور خصوصاً ایسے واقعات جو انقلاب عظیم کے حامل ہوتے ہیں چنانچہ مسلم راہ نماؤں اور آزاد فطرت عناصر کے قلوب میں معرکہ بالاکوٹ ناسور بن کر رس رہا تھا اور درد بن کر ٹیس پیدا کر رہا تھا ۔ اسی اثنا میں خاندان مغلیہ کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر کی جانب سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کرنے اور بزدل و سفاک انگریزوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے شاہی اعلان ہندوستان کے ہر باشندے اور ہر طبقہ کے لئے جاری کیا گیا " کہ

" چونکہ اہل یورپ ہندومت اور اسلام دونوں کے دشمن ہیں اور اس وقت

انگریزوں کے خلاف مذہب کی بنا پر جنگ جاری ہے اس لئے پنڈتوں اور فقراء پر لازم ہے کہ وہ مابدولت کے حضور اپنے آپ کو پیش کریں اور مقدس جنگ میں حصہ لیں۔ کیونکہ پنڈت اور فقراء ہندومت اور اسلام کے محافظ ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو وہ شرع اور شاستری کی رو سے گنہگار ہوں گے۔ اگر وہ مابدولت کے حضور پیش ہو جائیں تو وہ بادشاہی حکومت کے قیام پر معافی اراضی پانے کے مستحق ہوں گے۔"

غرضیکہ یہ شاہی اعلان ہندوستان کے تمام باشندوں کے نام جاری کیا گیا۔ اور گھر گھر میں اس اعلان کو پہنچایا گیا۔ اس اعلان کے بعد ہر جگہ آزادیٔ وطن کے لئے نہایت زور شور سے تحریک شروع ہوئی۔ اور علماء و مشائخ دیوبند بھی اسلام کی سربلندی اور وطنِ عزیز کی آزادی کے لئے میدانِ جہاد میں نکل آئے۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"جب انقلاب ۱۸۵۷ء کی تحریک اطراف وجوانب ہند خصوصاً اطراف دہلی میں چلنی شروع ہوئی تو ان حضرات مشائخِ دیوبند کے جوش وخروش میں نئی حرکت پیدا ہوئی۔ ان بزرگوں نے محسوس کیا کہ اس انقلاب میں حصہ لینا فرض اور لازم ہے وہ انگریزوں کے افعالِ ماضیہ واحوالِ حاضرہ پر بخوبی مطلع تھے۔ اس تمام جماعت میں حافظ ضامن تھانوی صاحبؒ زیادہ پیش پیش تھے۔

حضرت حافظ صاحب۔ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ کے اولین اور اعلیٰ ترین خلفاء میں سے تھے۔ نسبت روحانیہ نہایت قوی اور بے مثل پائی تھی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ تحریک انقلاب میں حضرت حافظ صاحب کے ہمنوا

تھے۔ حضرت میاں جی صاحبؒ کے تیسرے خلیفہ مولانا شیخ محمد تھانویؒ تھے۔ یہ تینوں حضرات پیر بھائی تھے۔ اس لئے آپس میں میل جول اتفاق و اتحاد بڑے پیمانہ پر رہتا تھا۔ مگر مولانا شیخ محمد صاحب علوم عربیہ کے باقاعدہ فاضل تھے۔ علماء دہلی سے تمام نصاب پڑھ چکے تھے۔ بخلاف حضرت حافظ صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحب کے دونوں حضرات نے علوم عربیہ کی تکمیل نہیں کی تھی۔ اگرچہ نسبت باطنیہ میں بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مسائل شرعیہ میں ہر دو حضرات مولانا شیخ محمد صاحبؒ ہی کا اتباع کرتے تھے۔ بدقسمتی سے مولانا شیخ محمد صاحب کی رائے یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ احوال میں جائز ہی نہیں اسی اختلاف اور فتویٰ کی بناپر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو ان کے اوطان سے دونوں حضرات نے بلوایا یہ دونوں حضرات اس سے پہلے حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ اور حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ اور دیگر اساتذۂ دہلی سے سند فراغت علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کر چکے تھے۔ اور اپنی ذکاوت و مہارت میں پوری شہرت حاصل کرکے سلوک و طریقت کے منازل بھی طے کر چکے تھے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تعلق قائم تھا۔ جب مشائخ کے حکم پر یہ ہر دو حضرات پہنچ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا کہ

"حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنانِ دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد

نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سرو سامان ہیں۔ مولانا نانوتویؒ نے عرض کیا اتنا بھی سامان نہیں کہ جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد صاحبؒ نے سکوت فرمایا اس پر حافظ ضامن صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا! بس ہیں سمجھ گیا۔ اور پھر جہاد کی تیاری شروع کر دی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی مقرر کیا گیا۔ اور مولانا محمد منیر نانوتویؒ اور حضرت حافظ ضامن تھانوی کو دوسرے کاموں کا افسر مقرر کیا گیا چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے علم تقویٰ اور تصوف و تشرع کا بہت زیادہ شہرہ تھا۔ ان حضرات کے اخلاص و للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ہمیشہ ان کی دین داری اور خدا ترسی دیکھتے رہتے تھے اس لئے ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اس لئے بہت ہی تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ اس وقت تک ہتھیاروں پر پابندی نہ تھی۔ عموماً لوگوں کے ساتھ ہتھیار تھے جن کو رکھنا اور سیکھنا مسلمان ضروری سمجھتے تھے۔ مگر یہ ہتھیار پرانی وضع کے تھے۔ بندوقیں توڑے دار تھیں۔ کارتوسی رائفلیں نہ تھیں۔ یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں۔

مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں ۔ جمع ہو گئے، اور تھانہ بھون اور اطراف میں اسلامی حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دئے گئے۔ خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے، ایک پلٹن لا رہی ہے۔ رات کو یہاں سے گذرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی، کیونکہ جو ہتھیار ان

مجاہدین کے پاس تھے وہ تلوار، بندوق توڑے والی اور برچھے وغیرہ تھے، مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی۔ توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا فکر مت کرو۔

سڑک ایک باغ کے کنارے سے گزرتی تھی۔ جب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی صاحبؒ نے افسر مقرر کر دیا تو آپ اپنے تمام ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے۔ اور سب کو حکم دیا کہ پہلے سے تیار رہو جب میں حکم دوں سب کے سب ایک دم فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن معہ توپ خانہ باغ کے سامنے سے گزری تو سب نے یک دم فائر کیا۔ پلٹن گھبرا گئی۔ کہ خدا جانے کس قدر آدمی ہوں۔ جو یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کے سامنے لا ڈالا۔ اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست، ذکاوت، فنونِ حربیہ کی مہارت، معاملہ فہمی اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ شاملی اس زمانہ میں مرکزی مقام تھا ضلع سہارنپور سے متعلق تھا۔ وہاں تحصیل بھی تھی۔ اور فوجی طاقت بھی وہاں رہتی تھی قرار پایا کہ اس پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ چڑھائی ہوئی اور قبضہ کر لیا گیا۔ جو طاقت پولیس اور فوج کی وہاں تھی مغلوب ہو گئی۔

حضرت حافظ ضامن صاحب اسی معرکہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت حافظ ضامن صاحب کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ ان کی شہادت کے پہلے ہر روز خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام انگریزوں سے چھین لیا گیا۔ آج فلاں مقام پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور یہی حال ہر جگہ کی خبر کا تھا۔

اس سے پہلے گورے فوجی چھپتے پھرتے تھے اور ایک ایک ہندوستانی سپاہی گوروں کی پوری جماعتوں کو بھگاتے پھرتا تھا۔ مگر بعد میں معاملہ بالکل برعکس ہو گیا۔ تھانہ بھون پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ قصبہ کو بالکل اجاڑ دیا گیا۔ جو بھی سامنے آتا تھا تلوار کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ عورتوں، بچوں اور مردوں کسی کی تخصیص نہ تھی۔ اور تھانہ بھون کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔

اس جنگ میں چونکہ بکثرت مجاہدین کام آچکے تھے۔ اور سامانِ حرب بھی اتنا کافی نہ تھا کہ جس سے آئندہ جنگ کو جاری رکھا جا سکے۔ لہٰذا مجبوراً مجاہدینِ اسلام نے ہتھیار ڈال دیے اور مصلحت وقت کے تحت روپوش ہوتے رہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو بھی گولی لگی اور شدید زخمی ہوئے۔

حضرت حافظ ضامن تھانویؒ صاحب بھی شہید ہو گئے۔

تھانہ بھون کے قبضہ کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے مکہ معظمہ کو ہجرت کرنے کا عزم کر لیا۔ مولانا محمد قاسم روپوش رہے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ الزام بغاوت کے ماتحت گرفتار کر لئے گئے۔ (نقش حیات)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ

"دارالعلوم دیوبند کی سیاسی تاریخ کا آغاز قیام دارالعلوم سے بھی نو دس سال پہلے سے سمجھنا چاہئے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزی اقتدار سے ہندوستان کی آزادی کے لیے دارالعلوم کے اکابر بالخصوص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم حضرات نے استخلاص وطن کے لئے جو سرفروشانہ جدوجہد فرمائی وہ تاریخ دارالعلوم دیوبند

کا صفحۂ اوّلین ہے۔ ضلع مظفر نگر کے مشہور تاریخی قصبہ تھانہ بھون کے ایک اجتماع میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت امارت کر کے ان کو امیر منتخب کیا گیا اور اسی وقت انگریزی حکومت کے ختم ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا اور آزادی وطن کے لئے جاں باز مجاہدین کی ایک جماعت بنائی گئی۔ حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہید کو جماعت مجاہدین کا قائد بنایا گیا۔ اتفاق سے ٹھیک اسی زمانہ میں انگریزی فوج کے چند سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی بہنگیاں لدائے ہوئے سہارنپور سے کیرانہ جا رہے تھے۔ جماعت مجاہدین کے لئے یہ بڑا اچھا موقع تھا۔ انہوں نے سواروں پر حملہ کر کے ہتھیار چھین لئے۔ انگریز افسر جو ساتھ تھے مقابلے میں مارے گئے۔ اس کامیابی کے بعد مجاہدین نے قریب کی تحصیل شاملی پر حملہ کیا۔ تحصیل کو انگریزی فوج نے قلعے کی طرح مستحکم کر کے دروازہ بند کر لیا۔

مجاہدین چونکہ کھلے میدان میں تھے اس لئے انہیں انگریزی فوج کی گولیوں سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ سوانح قاسمی کی روایت کے مطابق اس نازک موقع پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بڑی جرأت اور دلیری سے کام لے کر تحصیل کے پھاٹک کو آگ لگا دی۔ مجاہدین آگ کے شعلوں ہی میں تحصیل کے اندر گھس گئے۔ بڑا سخت معرکہ پڑا۔ دست بدست جنگ کے بعد محصورین ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ عین اسی وقت جب انگریزی فوج کے سپاہی ہتھیار ڈال رہے تھے۔ حضرت حافظ ضامن نے انگریزی فوج کی گولی سے جام شہادت نوش کیا۔

یہ واقعہ ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ کو دوشنبہ کے دن ظہر کے وقت پیش آیا۔ معرکہ شاملی کی ۱۴ ستمبر کی یہ وہی تاریخ ہے۔ جس میں انگریزی فوج دہلی میں داخل ہو کر لال قلعہ

پر قابض ہوگئی تھی۔ بدقسمتی سے ہندوستان کے عوام اُس وقت اپنی طاقت کو منظم نہ کرسکے اور نتیجتہً ہندوستان پر تسلط قائم ہوگیا۔ شاندار ماضی کی روایت کے مطابق یہ معرکہ تین دن تک جاری رہا جس میں مجاہدین کا بہت نقصان ہوا تیسرے دن حضرت ضامن تھانویؒ نے سرفروشی کو کام میں لاکر تحصیل کا دروازہ توڑ دیا۔ اور خود انگریزی فوج کی گولی سے شہید ہوگئے۔

انگریزوں نے شاملی پر حملے کا سخت انتقام لیا اور تھانہ بھون کو بری طرح تباہ و برباد کردیا۔ حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ ہجرت کرگئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ چھ ماہ جیل خانہ میں رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا وارنٹ گرفتاری جاری ہوا۔ مگر انگریزوں کے ہاتھ نہیں آئے۔ اور دوسرے بہت سے حضرات روپوش ہوگئے۔ ان حضرات کے دلوں میں چونکہ برطانوی سامراج کی طرف سے ایک تلخ جذبہ ہمیشہ موجود رہا اس لئے اس جذبے کے تحت قیام دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء سے لے کر ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم دیوبند کے اکابر ملکی تعمیر اور جنگ آزادی کی جدوجہد سے حقیقی دلچسپی اور ہمدردی اپنے سینوں میں رکھتے آئے ہیں۔ اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد بھی صرف یہی جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو ہندوستان میں زندہ رکھا اور بالآخر اس تصور کا سب کو دیوانہ بناکر چھوڑا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے بقول اس تصور آزادی کے سب سے بڑے داعی اور حامل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی قیادت میں تلوار اٹھائی۔ اور آزادی کی راہ میں سرفروشی

کے ساتھ میدان میں اُترے۔ شاملی کی تحصیل کی فتح کو آگے بڑھانا چاہتے تھے کہ حالات دگرگوں ہوگئے۔ اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔

گو میدانِ جنگ میں شکست ہوچکی تھی۔ مگر جماعت کا تصور آزادی فنا نہیں ہوا تھا۔ جس زمانہ میں چھتہ کی مسجد میں ایک بزرگ نے انگریزوں کے تسلط اور ان کی غیر ملکی طاقت کو دیکھ کر کہا تھا کہ

"انگریزوں نے بڑے گھرے پنجے جمائے ہیں دیکھئے کس طرح اکھڑتے ہیں"

اس پر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ صدر المدرسین اول دارالعلوم دیوبند نے پُرجلال انداز میں فرمایا کہ:۔

"آپ کس خیال میں ہیں وہ وقت دور نہیں جب ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا۔ رات کو سوئیں گے ان کی حکومت میں اور صبح کریں گے دوسری عملداری میں"

بہرحال علمار دیوبند ہمیشہ اولوالعزمی توکل علی اللہ کے ساتھ نہ صرف ہندوستان کی تحریک آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کی صف اوّل میں رہے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات انہوں نے تحریک آزادی کی قیادت کی ہے اور زیادہ غور سے دیکھا جائے اور انصاف سے کام لیا جائے تو اوّل اوّل یہ خیال آزادی اکابر دیوبند ہی نے دیا۔ آزادی کے جذبے میں جو حرارت طاقت اور عمومیت پیدا ہوئی وہ انہی حضرات کی رہین منت تھی۔ ان میں سے متعدد حضرات نے انگریزی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ انگریزی فوجوں سے دو بدو جنگ کی۔ متعدد حضرات تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا خاصا حصہ جیلوں میں گذارا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ علمار اور دینی شخصیتوں کی تاریخ کے ساتھ اس طرح گھل مل گئی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا کرنا بہت مشکل ہے۔ سیاسی زوال نے مسلمانوں کو بے چارگی و مجبوری اور بے چینی و پریشانی کے جس عالم میں پہنچا دیا تھا دارالعلوم دیوبند کے قیام سے انہیں سکون و اطمینان اور قرار نصیب ہوا۔

۱۹۱۳ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تلمیذ رشید شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے برطانوی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنے کی اسکیم تیار کی جسے رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ریشمی خطوط کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر اتفاق سے یہ اسکیم ناکام ہوگئی، اور حضرت شیخ الہند کو اپنے رفقار مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا عزیر گلؒ اور دوسرے حضرات سمیت گرفتار کیا گیا۔ اور کئی سال تک بحرِ روم کے جزیرہ مالٹا میں نظر بند رکھا گیا۔ حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا منصور انصاریؒ کو بڑی طویل مدت تک جلا وطنی کی زندگی گذارنی پڑی۔

۱۹۲۰ء میں مالٹا کی رہائی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ جمعیت علما ہند میں شامل ہو گئے۔ جسے ان کے تلامذہ نے ۱۹۱۹ء میں تحریک آزادی کو فروغ دینے کے لئے قائم کیا تھا۔

جمعیت علمار نے انڈین نیشنل کانگریس کے شانہ بشانہ ملک کو سیاسی اور سماجی طور پر بیدار کرنے میں اپنی قوت صرف کر دی۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا

سید فخرالدین احمد اور بعد میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا منت اللہ رحمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور بہت سے علماء دیوبند آزادی وطن کی تحریکوں میں نہ صرف یہ کہ پیش پیش رہے بلکہ وہ متعدد تحریکوں کے عالم وجود میں آنے کا ذریعہ بنے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں قید و بند اور جیلوں کی مصیبتیں بھگتی ہیں۔ اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں جمعیت علماء اسلام کے اجلاس کلکتہ میں ہندوستان کی مکمل آزادی اور قیام پاکستان کی تحریک کی داغ بیل جن حضرات علماء کے ہاتھوں سے پڑی وہ بھی دارالعلوم دیوبند ہی کے فضلاء تھے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع دیوبندی مولانا اطہر علی اور دوسرے بہت سے حضرات علماء دیوبند ہی پاکستان کے معماروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔"

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

دارالعلوم دیوبند کا قیام

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے ذہن، تعلیم اور تمدن کو یکسر بدلنے کا منصوبہ بنایا اور اس وقت کے برطانوی ہند میں نئی فاتح قوم انگلیزیہ کو فکر پیدا ہوئی کہ ہندوستان کے دل و دماغ کو یورپین سانچوں میں کس طرح ڈھالا جائے جس سے برطانویت اس ملک میں جڑ پکڑ سکے۔ ظاہر ہے کہ دل و دماغ کے بدل دینے کا واحد ذریعہ تعلیم ہو سکتی ہے جس نے ہمیشہ ان سانچوں میں دلوں اور دماغوں کو ڈھالا ہے۔ جن کو لے کر تعلیم آگے آئی ہے اس لئے ہندوستان کو فرنگی رنگ میں ڈھالنے کے لئے لارڈ میکالے نے تعلیم کی اسکیم پیش کی۔ اور وہ اسکولی اور کالجی تعلیم کا نقشہ لے کر یورپ سے ہندوستان پہنچا۔ اور یہ نعرہ بلند کیا کہ:۔

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ سے انگلستانی ہوں"۔

یقیناً یہ آوازہ جب کہ ایک فاتح اور برسر اقتدار قوم کی طرف سے اٹھا اور تھا بھی وہ تعلیم کا۔ جو بذاتِ خود ایک انقلاب آفریں حربہ ہے۔ تو اس نے ملک پر ذہنی انقلاب کا خاطر خواہ اثر ڈالا۔ اس تعلیم سے ایسی نسلیں ابھرنی شروع ہو گئیں جو اپنے گوشت کے لحاظ سے یقیناً ہندوستانی تھیں لیکن اپنے طرزِ فکر اور سوچنے کے ڈھنگ کے اعتبار سے انگریزی جامہ میں نمایاں ہونے لگیں۔ اس ذہنی اور خطرناک انقلاب کو دیکھ کر بانیِ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم قائم کرکے اپنے عمل سے یہ نعرہ بلند کیا کہ:۔

"ہماری تعلیم و تمدن کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں۔ جن میں اسلامی تہذیب و تمدن کے جذبات بیدار ہوں۔ اور دین و سیاست کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور زندہ ہوں۔ چنانچہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء کو دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں میں ایک انار کے درخت کے نیچے آبِ حیات کا یہ چشمہ پھوٹا۔ اس چشمہ نے ایک طرف تو دین کے چمن کی آبیاری شروع کردی اور دوسری طرف اس کی تیز و تندرَو نے شرک و بدعت، فطرت پرستی، الحاد و دہریت اور آزادیِ فکر کے ان خس و خاشاک کو بھی بہانا اور راستہ سے ہٹانا شروع کردیا۔ جنہوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انہیں یہ روزِ بد دکھایا تھا اور بانیِ دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کا یہ خواب کہ:۔

"میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں۔ میرے ہاتھوں اور پیروں کی دسیوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں۔ اور اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ پورا ہوا اور مشرق و مغرب میں علوم نبوت کے چشمے جاری ہونے کی راہ ہموار ہوگئی۔ دار العلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کا یہ خواب کہ "علوم دینیہ کی چابیاں مجھے دی گئی ہیں" خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہو گیا۔ اور مدرسہ کے ذریعہ ان چابیوں نے ان قلوب کے تالے کھول دیئے۔ جو علم کا ظرف تھے۔ با ظرف بننے والے تھے جن سے علم کے سوتے ہر طرف سے پھوٹنے لگے اور چند نفوس قدسیہ کا علم آن کی آن میں ہزارہا علماء کا علم ہو گیا۔

حضرت سید احمد شہید بریلویؒ دیوبند سے گزرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے جہاں دار العلوم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ تو فرمایا تھا کہ

"مجھے اس جگہ سے علم کی بُو آتی ہے"

پس وہ خوشبو جس کو سید صاحبؒ کی روحانی قوت شامہ نے سونگھا تھا۔ ایک سدا بہار گلاب کے پھول، بلکہ گلاب آفریں درخت کی شکل میں آگئی۔ جس سے ہزاروں پھول کھلے اور ہندوستان کا اجڑا ہوا چمن تختۂ گلاب بن گیا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ خوشبو بیج بنے گی۔ بیج سے کلی کھلے گی شگفتہ کلی سے پھول بنے گی۔ پھول سے گلدستہ بنے گی اور اس گلدستہ کی خوشبو سے سارا عالم انسانی مہک اٹھے گا۔ اور کسے پتہ تھا کہ ایشیا کی فضا میں مغربی استعماریت کے جو جراثیم پھیلے ہوئے ہیں وہ اس کی جراثیم کش مہک سے آپ ہی اپنی موت مرنے شروع ہو جائیں گے۔

(تاریخ دار العلوم دیوبند مؤلفہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ)

دارالعلوم نے کیا دیا دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۸۵۷ء کے دس سال بعد اس پرآشوب دور میں رکھی گئی جب کہ مسلمانوں کی سلطنت اور مذہب پر تابڑ توڑ حملے ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے۔ آٹھ سو سالہ حکومت واقتدار کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑائی جا چکی تھیں۔ اور ہندوستان میں ان کی عظمتوں کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ شاہ جہانی قلعے پر انگریزوں کا پھریرا لہرا رہا تھا۔ اس پر عیسائی مشنریاں اور آریائی ویسیہ کاریاں اسلام کے چراغوں کو بجھانے کے لئے پھونکیں مار رہی تھی۔ ایسے حالات میں ضرورت تھی کہ قدرت کا غیبی ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کی حوادث کے بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو پار لگائے۔

چنانچہ قدرت نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کو اس مقصد کے لئے کھڑا کیا۔ اور انہوں نے مسلمانانِ دیوبند کو ایک ایسے مدرسے کی بنیادیں اٹھانے کا مشورہ دیا جو ایسے علمار تیار کرے جو اپنے علم وعمل اور مجاہدانہ روحانیت واخلاص سے مسلمانانِ ہند کی راہبری کریں اور ان کے ایمان کو تھام لیں۔ ان کی عظمت وارفتہ کو واپس لائیں۔ اور دین کی ایسی شمعیں روشن کریں جس سے مسلمانوں کے تاریک دلوں میں روشنی پیدا ہو جائے۔ اور ان کو ان کا راستہ نظر آجائے۔ چنانچہ یہ مدرسہ قائم ہو گیا۔ اور مدرسے سے ترقی کر کے آج یہ اسلامی یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ گیا۔

دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کو کیا دیا اور اس کی شہرت کو چار چاند کیسے لگے۔ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو علم، عمل، اخلاص، ادب اور سیاست سے مالا مال کیا۔ اور ہر ہر پہلو اور ہر ہر کروٹ پر ان کے لئے راہ نمائی اور

راہبری کا سامان فراہم کیا۔ اب اہل انصاف خود فیصلہ فرمائیں کہ جس دارالعلوم نے ہر ہر قدم پر مسلمانوں کی راہ نمائی کی اور ان کو علم و عمل اخلاص اور ادب سیاست سے آراستہ کیا اس سے بڑھ کر دارالعلوم دیوبند کا اور کیا شاہکار ہو سکتا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"شریعت کے تین جزء ہیں۔ علم[۱]۔ عمل[۲] اور اخلاص[۳]۔ جب تک یہ تین جزء موجود نہ ہوں۔ شریعت کا وجود نہیں ہوتا اور جب ان تینوں سے شریعت وجود میں آ گئی تو خدائے پاک و بلند کی رضا حاصل ہو گئی۔ جو تمام دنیوی اور دینی نیک بختیوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور اللہ کی خوشنودی سب سے زیادہ ہے"

دارالعلوم نے بقول حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ علم و عمل اور اخلاص سے مزین علماء پیدا کرکے اسلام میں شریعت کو قائم کیا۔ اور شریعت قائم کرکے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سامان پیدا کیا جو دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے۔ اور اسی لئے اکبر الہ آبادی نے دیوبند کو دل روشن کہہ کر پکارا ہے۔

علم۔ دارالعلوم نے علم کیونکر دیا اس کے متعلق کیا کہا جائے۔ یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ اس گہوارۂ علم سے بہترین اہل علم و ہنر پیدا ہوتے اور علم کے زیور سے آراستہ ہو کر دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں پہنچے۔ اور جہاں جہاں پہنچے انہوں نے اپنے علم کے چراغ سے اور سینکڑوں چراغ روشن کئے اور ہزاروں ارباب علم پیدا کئے۔ اور یوں بڑھتا چلا گیا۔

دارالعلوم کی بہت سی شاخیں مثلاً مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ عربیہ قاسمیہ مراد آباد۔ امروہہ۔ میرٹھ۔ گلاؤٹھی۔ رڑکی۔ مظفر نگر۔ دہلی۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ

افغانستان۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔ دارالعلوم کراچی۔ جامعہ اشرفیہ لاہور۔
خیرالمدارس ملتان۔ دارالعلوم اشرف آباد۔ ٹنڈو الہ یار۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی۔ غرضیکہ جہاں جہاں
فضلائے دیوبند پہنچے وہاں وہاں انہوں نے مدارس دینیہ قائم کرڈالے۔ اس
طرح انہوں نے علوم وفنون کے ہر جگہ دریا بہادئے۔ پھر جامع مسجدوں میں خطابت
کے ذریعہ علم وتبلیغ کے چشمے جاری کئے۔ پنڈالوں اور جلسوں میں اپنے وعظوں سے
لوگوں میں علوم دینیہ پھیلائے۔ سرکاری اور دولتی یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں
میں ہر جگہ آپ الحمدللہ دارالعلوم کے فاضل پائیں گے۔ جو اپنی اپنی جگہ علم وتبلیغ کی
شمعیں روشن کئے رہے اور کئے ہوئے ہیں۔ اور جہاں مغربی اثرات نے مسلمان
طلباء کے دلوں پر اپنے سکے جمائے ہوئے ہیں وہاں یہ حضرات دینی دفاع میں مصروف
عمل ہیں۔

تصنیفات ۔ دارالعلوم کے فضلاء نے اب تک تصنیفات وتالیفات
کا ایک زبردست ذخیرہ پیدا کیا ہے۔ علم شریعت، روحانیت وطریقت، زبان و
سیاست میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اور اس طرح دنیائے اسلام کی زبردست
خدمات انجام دیں اور علوم دینیہ پھیلانے میں کوشش کی۔

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی آب حیات، تقریر دلپذیر، حجۃ الاسلام
ہدیۃ الشیعہ وغیرہ۔

(۲) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فتاوٰی رشیدیہ، کوکب دری،
زبدۃ المناسک، سبیل الرشاد، تصفیۃ القلوب اور امداد السلوک وغیرہ۔

(۳) شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ترجمہ قرآن مجید، اردو زبان کا بڑا شاہکار ہے۔ سورۂ بقرہ۔ اور سورۂ نسار کے تفسیری فوائد بہترین تفسیری فیضان ہے۔

(۴) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی لاجواب کتاب فیض الباری شرح بخاری، العرف الشذی شرح ترمذی۔ اکفار الملحدین۔ عقیدۃ الاسلام مشکلات القرآن، نیل الفرقدین۔ خاتم النبیین وغیرہ۔

(۵) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات تقریباً ایک ہزار سے زائد ہیں جن میں تفسیر بیان القرآن، فوائد تفسیریہ، بہشتی زیور البوادر النوادر، اصلاح الرسوم، نشر الطیب، الافاضات الیومیہ وغیرہا۔

(۶) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی نقش حیات، مکتوبات، ارشادات اسیر مالٹا وغیرہ۔

(۷) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی فتح الملہم شرح مسلم، دنیائے اسلام اور حنفیت کا بہترین عربی شاہکار ہے۔ قرآن کریم کی بے نظیر پُرمغز ادبیانہ مقبول عوام وخواص تفسیر عثمانی، العقل والنقل، اعجاز القرآن، الاسلام الشہاب، الروح فی القرآن اور شرح بخاری اردو وغیرہ علمی ذخیرہ ہیں۔

(۸) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب، دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا، تعلیمات اسلامیہ سہ حصص، القصیدۃ اللّامیہ وغیرہ۔

(۹) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ۔ فتاویٰ عزیزیہ اور فتاویٰ دار العلوم وغیرہا۔

(۱۰) حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ کی مناظرے کی متعدد کتب شائع ہوئیں۔

(۱۱) حضرت مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ کی تصنیفات میں مفید الوارثین ۔ حیات شیخ الہند، فتاوٰی محمدی کامل، الجواب المتین اور حیات خضر وغیرہا۔

(۱۲) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی شہرۂ آفاق فقہ و حدیث کی مستند علمی کتاب اعلاء السنن۔ احکام القرآن۔ امداد الاحکام۔ القول المنصور اور انوار النظر وغیرہا

(۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن۔ فتاوٰی دارالعلوم دیوبند۔ احکام القرآن دو جلد۔ جواہر الفقہ اور دوسرے دوسو سے زائد کتب و رسائل۔

(۱۴) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی التیلق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، سیرۃ مصطفےٰ تفسیر معارف القرآن۔ علم الکلام۔ عقائد اسلام وغیرہ علمی شاہکار ہیں۔

(۱۵) حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی تفسیر درس قرآن۔ خطبات اور نظریۂ پاکستان۔

(۱۶) حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ کی تدوین حدیث، سوانح قاسمی۔ النبی الخاتم وغیرہ۔

(۱۷) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ اسلام کا اخلاقی نظام۔ انسانیت کا امتیاز، تاریخ دارالعلوم وغیرہ

(۱۸) حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ۔ ترجمان السنۃ۔ فیض الباری، زاد الفقیر وغیرہ۔

(۱۹) حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔ فضائل تبلیغ۔ فضائل نماز، فضائل حج۔ فضائل صدقات وغیرہ

(۲۰) حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ معارف السنن۔ شرح جامع ترمذی حیات انور عربی اور ختم نبوت وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ بہت سے اکابر دیوبند کی تالیفات شائع ہو چکی ہیں۔

طبقات

مشاہیر علماء دیوبند ۔ دارالعلوم دیوبند نے ہزارہا علماء وفضلاء پیدا کئے ہیں جن میں سے چند مشاہیر علماء دیوبند کے اسماء گرامی پیش خدمت ہیں جو اپنی اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔

محدثین ومفسرین۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔ مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ اور مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ قابل ذکر ہیں۔

مفتی وفقہائے کرام ۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ اور مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی

متکلمین اسلام اور خطبائے عظام ۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ۔ مولانا خالد محمود سیالکوٹیؒ وغیرہ حضرات۔

مجاہدین اسلام وقائدین ملت۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔ مولانا عزیز گل پشاوری۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ۔ مولانا لعل حسین اختر۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ۔ مولانا مفتی محمود صاحبؒ۔ مولانا تاج محمود صاحب فیصل آباد۔ اور مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

۲۔ عمل۔ ہم نے گذشتہ سطور میں آپ کے سامنے یہ اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ کہ دارالعلوم نے دنیائے اسلام کو علم دیا۔ اور علماء و فضلاء کے ذریعے تحریری و تقریری علم پھیلایا۔ اب عمل کے بارے میں مختصر تحریر پیش ہے۔ دوسری اہم مقصود بالذات چیز جو دارالعلوم نے دنیائے اسلام کو بخشی وہ عمل ہے یعنی دارالعلوم اور اس کے سرپرست / اس کے مدرسین۔ اس کے فضلاء دنیا کے گوشے گوشے میں علم کے ساتھ اپنا عمل لے کر پہنچے اور انہوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت کے ساتھ عمل کی دعوت دی۔ اور بہت سے علماء نے رشد و ہدایت کے مسندوں پر بیٹھ کر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو اسلام کے احکام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر عمل کرنے کا جذبہ بخشا۔ اور ان کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ اس سلسلے میں آپ خصوصی طور پر ہمارے اس بیان کو حقیقت کی نظروں سے پڑھیئے کہ:۔

حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ نے اپنے مرکز تھانہ بھون اور مکہ معظمہ سے

ہزاروں علما۔ اور خواص کو مخلص مومن بنا دیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت مولانا رفیع الدین مہاجر مدنیؒ۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ وہ مقدس حضرات ہیں جنہوں نے ظاہری علوم کے ساتھ باطنی اور روحانی علوم کے مدارس کھول رکھے تھے۔ اور جنہوں نے لاکھوں بندگان خدا کو عمل کی راہ پر گامزن کیا۔ اور روحانیت کا درس دے کر صحیح معنوں میں ان کو بندۂ عمل بنا دیا۔ اور گنگوہیؒ۔ تھانویؒ۔ خلیلیؒ اور رائے پوریؒ خانقاہیں تو ان فرشتہ نما انسانوں کی یادگاریں ہیں جن کے قدموں تلے فرشتے اپنے پَر بچھاتے تھے۔ اور جن کی زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ بہرحال فضلائے دیوبند میں آپ عمل اور ان کے ذریعے عوام و خواص میں عمل کی قوت کا ایک جذبۂ خاص آپ محسوس کریں گے۔ جو دوسری جگہ آپ کو مشکل سے ملے گا ان بزرگوں نے وہ کیا جو نبوت کا منشار یعنی تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب تھا۔

۳۔ احسان، اخلاص اور تقویٰ ایک تیسری چیز علم و عمل کے علاوہ جو دارالعلوم اور اس کے اکابر نے دنیا ٔ

اسلام کو بخشی۔ وہ اخلاص تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لے کر اب تک دارالعلوم میں ہر چھوٹے اور بڑے کا یہ جذبہ رہا ہے کہ تبلیغ دین کو انہوں نے خالص اللہ کے لئے اپنا مطمح نظر بنائے رکھا۔ ان کے ہر دینی عمل میں خلوص وللہیت رہی ہے۔ انہوں نے کبھی نمائش ونمود کے لئے دین کی خدمت انجام نہیں دی۔ وہ کم علم اور دنیا دار پیروں اور مولویوں کی طرح جبہ و دستار سے مزین ہو کر عوام کو محصور کرنے سے مجتنب اور متنفر رہے ہیں۔ انکساری اور تواضع، عاجزی اور فروتنی ان کی امتیازی شان رہی ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو کبھی مسجودِ خلائق نہیں بنایا۔ کبھی عوام سے سجدے نہیں کرائے۔ نہ دست بوسی اور قدم بوسی کی عوام سے امید رکھی۔ نہ محراب منبر پر حقیقت الحکا قی ان کا شیوہ رہا۔ تقاریر میں اشعار بھی پڑھے تو تحت اللفظ، یہی اخلاص کا ثمرہ تھا کہ بانیٔ دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی نے وصیت میں فرمایا کہ:۔

"دارالعلوم کے لئے غربا اور عوام کی اعانت پر نظر رکھی جائے اور توکل کو پورے طور پر عمل میں لایا جائے۔"

بہرحال دارالعلوم دیوبند نے اپنے فرزندوں میں اللہ کے لئے کام کرنے کا جذبہ بخشا اور خلق اللہ کی خدمات انجام دیں۔ وہ اپنی نظروں میں مالک الملک ذوالجلال کا لاکرام کے سوا کسی کو جگہ نہ دیتے تھے۔ اور جیسا کہ علامہ رشید رضا نے کہا کہ:۔

"دارالعلوم کے علماء بہت زیادہ خوددار ہیں۔"

بس اسی کا نام خلوص اور تقویٰ ہے۔ دارالعلوم کی بنیاد اخلاص اور تقویٰ پہ

رکھی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ مقبول ہوا۔ اور یہی اخلاص وراثت میں وہاں کے فضلاء کو ملا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین (ماخوذ حیات امداد)

علمی مناظرے اور تصنیفی خدمات

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی دینی خدمات میں گذری۔ اور آپ کا مجاہدانہ کردار ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔ ذیل میں ہم صرف آپ کے مناظرے اور تصنیف و تالیف کا مختصر ذکر کرتے ہیں:۔

ہندوستان میں انگریز آئے اور اپنے ساتھ الحاد و بے دینی، نفاق و افتراق کے طوفان لائے۔ ان کی پالیسی ہی یہ تھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو بے دین بناؤ۔ اور سکہ جماؤ۔ انہوں نے اپنے پادریوں کو مذہب نصرانیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے بڑے بڑے وظیفے دے کر ہندوستان بھیجا۔ اور پادریوں نے تبلیغ عیسائیت شروع کردی۔ اور سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنی طرف لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔ تو مسلم راہنما اور علمائے اسلام نے عیسائیت کے اس سیلاب کو روکنے کی جد وجہد شروع کردی۔ اور عیسائیوں سے مناظرے شروع ہوگئے۔

۱۲۹۳ھ میں میلہ خداشناسی کے نام سے ایک مناظرہ ہوا۔ جو ضلع شاہجہان پور کے ایک قصبہ چاندپور میں ہوا جس کے رئیس منشی پیارے لال کبیر پنتھی تھے۔ ان کے یہاں ایک عیسائی ٹیچر تھے جو اپنے مذہب کی اشاعت کرتے تھے۔ منشی پیارے لال نے تمام مذاہب کے لوگوں کو جمع کیا۔ اور نام میلہ خداشناسی یا گفتگوئے مذہبی رکھا۔ عیسائیوں کی طرف سے بڑے بڑے پادری جن پر اہل یورپ کو ناز تھا موجود تھے۔

اصل مناظرہ اہل اسلام اور نصاریٰ کا تھا ہندو صاحبان خاموش رہے مناظرہ ہوا۔ اور بفضلہ تعالیٰ اہل اسلام غالب آئے۔ اور فریق مخالف کو بھی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے متعلق یہ کہنا پڑا کہ:-

"ہم کو بہت سے ایسے جلسوں میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا اور بہت سے علماء اسلام سے گفتگو کا اتفاق ہوا پر نہ یہ تقریریں سنیں اور نہ ہی ایسا عالم دیکھا:

..... اگر تقریر پر ایمان لاتے تو ہم اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آتے۔"

ایک دوسرا مناظرہ ۱۲۹۵ھ میں ہوا۔ عیسائیوں کی دیکھا دیکھی پنڈت دیانند نے بھی اہل اسلام سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ رڑکی بھی آیا اور مجمع عام میں اسلام پر اعتراض کر دئے جس وقت مسلمانوں کی دعوت پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مناظرہ کے لئے رڑکی تشریف لے گئے۔ تو پنڈت مناظرہ سے جان چرا کر راہ فرار اختیار کر گیا۔ اور منہ چھپا کر بھاگ گیا۔ پنڈت دیانند کے اعتراضات کا جواب مولانا نانوتویؒ نے اپنے رسالہ قبلہ نما میں دیا ہے۔ عجیب کتاب ہے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا مقولہ ہے کہ:-

"اگر ان کتابوں کا ترجمہ عربی میں کر دیا جائے اور نام نہ بتایا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ کتابیں امام رازیؒ یا امام غزالیؒ کی ہیں[1]"

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں۔ تقریر دلپذیر۔ مباحثہ شاہجہان پور اور

---

[1] قصص الاکابر

توثیق الکلام اور اجوبہ اربعین وغیرہ۔

مختصر یہ کہ ساری عمر اسلام کی خدمت میں گزارتے ہوئے ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائیں۔ آمین۔

(تذکرہ مشائخ دیوبند)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے بعد قاسمی علوم کا جو فیضان عالم میں حضرت شیخ الہندؒ کی ذات سے ہوا اس کی نظیر دوسرے تلامذہ میں نہیں ملتی۔ اپنے استاذ میں فانی استاذ کے علم میں غرق تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۵۱ء میں دہلی میں ہوئی۔ جہاں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحب سے حاصل کرنے کے بعد آپ دارالعلوم میں داخل ہو گئے آپ سب سے پہلے طالب علم ہیں جس نے دارالعلوم میں اپنے استاد کے سامنے کتاب کھولی۔ نصاب دارالعلوم کی تکمیل کے بعد حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل فرمائی۔ اور ۱۸۷۳ء میں حضرت نانوتویؒ قدس سرہ کے دست مبارک

سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس

زمانۂ تعلیم ہی میں آپ کا شمار حضرت نانوتویؒ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا تھا اور حضرت نانوتویؒ خاص طور سے شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے پیش نظر دارالعلوم کی مدرسی کے لئے اکابر کی نظر انتخاب آپ کے اوپر پڑی۔ اور ۱۸۷۴ء میں آپ کا بطور مدرس تقرر عمل میں آیا۔ جس سے بتدریج ترقی پاکر ۱۸۹۰ء میں آپ صدارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ دارالعلوم کی صدارت تدریس کا مشا[ہرہ] اس وقت ۷۵ روپیہ تھا۔ مگر آپ نے ۵۰ روپے سے زیادہ کبھی قبول نہیں فرمائے بقیہ ۲۵ روپے دارالعلوم کے چندے میں شامل فرمادیتے تھے۔ آپ کی زبردست علمی شخصیت کے باعث طلبار کی تعداد ۲۰۰ سے بڑھ کر ۶۰۰ تک پہنچ گئی تھی۔ آپ کے زمانے میں ۸۶۰ طلبار نے حدیث نبویؐ سے فراغت حاصل کی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کے فیض تعلیم نے علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ۔ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی مولانا اعزاز علی امروہیؒ۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ۔ مولانا منصور انصاریؒ۔ مولانا سید فخرالدین احمد اور مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جیسے مشاہیر اور نامور علمار کی جماعت تیار کی۔ بہت سے ذی استعداد اور ذہین و ذکی طالب علم جو مختلف اساتذہ کی خدمتوں میں استفادہ کرنے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنے شکوک و شبہات کے کافی و شافی جواب پانے کے بعد حضرت کی زبان سے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہؐ کے معانی اور مضامین عالیہ سُن کر سرِ نیاز خم کرکے معتر[ف]

ہوتے کہ یہ علم کسی میں نہیں ہے اور ایسا محقق عالم دنیا میں نہیں دیکھا۔ آپ کا درس حدیث اس دور میں امتیازی شان رکھتا تھا۔ اور آپ کا حلقۂ درس دیکھ کر سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقۂ عقیدت کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مقام شیخ الہندؒ حضرت کا علمی و روحانی مقام کوئی محتاجِ تعارف نہیں ہے آپ جامع شریعت و طریقت تھے۔ علم میں بقول حضرت امام ربانی مولانا گنگوہیؒ علم کا کٹھلہ تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ آپ کو شیخ العالم کہتے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی شریعت اور طریقت کا بادشاہ کہتے تھے۔ اور شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ علم شریعت و طریقت کا ناپیدا کنار سمندر کہتے تھے۔

ہندوستان میں آپ کے علوم و کمال خصوصاً فنِ حدیث کے تبحر اور مہارت کی پوری دنیا میں شہرت تھی۔ کابل۔ قندہار۔ بلخ بخارا۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ اور یمن تک آپ کے علوم و فیوض تھے۔ آپ کی علمی شہرت و عظمت نے دارالعلوم کو چار چاند لگا دیے تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"دین کے ہر دائرے میں آپ کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ درس و تصنیف ارشاد و تلقین اور جذبۂ جہاد وغیرہ میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ اپنے استاد حضرت نانوتویؒ کے علوم کے امین اور خزینہ دار تھے۔ آپ نے ان کے علوم کی ایضاح و تفصیل اور تفہیم و تفلیم میں نمایاں حصہ لیا۔ اور عظیم خدمت انجام دی۔ حضرت نانوتویؒ کی تصانیف کی اعلیٰ ترین طباعت بہ تزئین حواشی و عنوانات آپ ہی نے

شروع فرمائی۔ اور "حجۃ الاسلام" پر آپ ہی نے سب سے پہلے عنوانات قائم کیے، قرآن شریف کے ابواب و تراجم پر ایک جامع اور وقیع رسالہ تصنیف فرمایا۔ متعدد مناظرانہ تصانیف بھی فرمائیں اور مناظرے بھی کیے۔

دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس تک مسلسل درس حدیث دے کر اعلیٰ استعداد کے صاحب طرز عالم دین، فاضل علوم اور ماہرین فنون پیدا کیے۔ آپ کا درس حدیث امتیازی شان کا حامل تھا اور مرجع علماء تھا۔ آپ کو علماء عصر نے محدث عصر تسلیم کیا۔ بیعت و ارشاد کے راستہ سے ہزارہا تشنگان معرفت کو عارف باللہ بنایا اور آپ کا سلسلۂ طریقت ہندوستان سے گزر کر افغانستان اور عرب تک پہنچا۔ متعدد علمی تصانیف آپ نے ترکہ میں چھوڑیں۔ (تاریخ دارالعلوم)

حضرت مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر فرماتے ہیں کہ:-

گذشتہ ایک صدی سے دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس کی مسند کو جو دراصل پورے دارالعلوم کی صدارت و سیادت کی مسند عظیم ہے۔ قدرتی طور پر یہ شرف و فخر حاصل رہا ہے کہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، بے مثال محدث عارف باللہ اور اپنے کردار کی خصوصیات کے لحاظ سے سرآمد روزگار انسانوں نے اس مسند پر بیٹھ کر پورے ہندوستان اور پورے عالم اسلامی کو اپنے علم و عمل زہد و تقویٰ، سادہ زندگی، توکل و استغنا، خدا خواہی اور خدا ترسی ذکر و شغل اور اعمال کے فیوض سے مستفید فرمایا۔ یہ خود قدرت الٰہیہ کا ایک انتظام ہے کہ اب تک دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث ایسے میسر آتے رہے جنہوں نے اندرونی طور پر دارالعلوم کی دینی خصوصیات اور بیرونی طور پر دارالعلوم کی

عظیم شہرت کو باقی رکھا۔ اور آگے بڑھایا۔ دارالعلوم کے احاطے میں حدیث و تفسیر کے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے دارالعلوم کی مسند پر قدم رکھا تو چار سُو شور مچ گیا۔ کہ برات کا دولہا آگیا ہے۔ نحیف و نزار بدن میں عزم و حوصلہ، نیکی و دینداری کی ایک بڑی مضبوط روح تھی جس نے عالم اسلامی میں ہنگامہ مچا دیا۔ مرشدِ کامل اور شیخ وقت، خلوتوں میں خدا کے اطاعت گزار بندے اور سیاسی میدان میں محمد علی، شوکت علی، حکیم اجمل خان، حسین احمد مدنی اور حسرت موہانی جیسے مشہور لیڈروں کے راہنما۔ ان کے نفس میں اللہ نے برکت اور سعادت بخشی تھی۔ انور شاہ کشمیریؒ۔ شبیر احمد عثمانیؒ، حسین احمد مدنیؒ۔ کفایت اللہ دہلویؒ۔ عبید اللہ سندھی۔ اعزاز علی امروہی۔ اور ابراہیم بلیاویؒ۔ جیسے شاگرد، اگر کسی اور استاد کو میسر آئے ہوں تو نام لیجیے۔ شیخ الہندؒ کی صحبت ایک نعمت تھی کہ جسے حاصل ہوئی۔ وہ سچا مسلمان اور بڑا انسان بن گیا۔ علم و شریعت کی دنیا میں ان کے شاگردوں نے اپنے اپنے وقت پر حکمرانی کی ہے دارالعلوم میں حضرت شیخ الہندؒ نے علوم و معارف کے دریا بہائے۔ آزادی وطن کی طرف توجہ دلائی۔ تو ہندوستان، آزاد قبائل۔ افغانستان اور ترکی کو انگریزوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ آزادی وطن کے لئے انہوں نے ایک آگ لگائی تھی۔ اس آگ نے آگے چل کر انگریزوں کے اقتدار کی ساری کائنات کو جلا دیا۔ مالٹا کا وہ قلعہ جہاں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی اسارت کا زمانہ گذارا ہے جب تک باقی ہے اس مردِ مومن کی شرافت، عزم و ہمت اور بزرگانہ اوصاف کی شہادت دے گا۔ دیوبند کی زندگی کے قدم قدم پر شیخ الہندؒ کی علمی اور عملی خصوصیا

کا ایک ایک نقش اُجاگر ہے۔" (الرشید دارالعلوم نمبر صہ ۳۰۷)

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت شیخ الہندؒ علم و فضل کے باوجود بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ اور دیکھنے والے کو آپ کے اخلاق میں ایک سے ایک خوبی اپنی طرف کھینچتی تھی تواضع کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم سے نہ نوازا ہوتا تو اپنے کو اس قدر مٹاتے کہ محمود نام کا کوئی رہ نہ جاتا۔"

حضرت شیخ الہند کی زندگی میں بڑی سادگی تھی۔ گفتار و کردار، عادات و اطوار اور لباس کسی طور پر برتری کا اظہار نہ فرماتے۔ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے۔ امراء اور اہل دنیا کے تکلفات سے گھبراتے تھے۔ تواضع و انکساری طبیعت میں بہت زیادہ تھی۔

ایک مرتبہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی میں وعظ فرما رہے تھے۔ بڑا اہم مضمون بیان فرما رہے تھے۔ جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ تقریر کے دوران دیکھا کہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی بھی آکر بیٹھ گئے۔ فوراً تقریر بند کرکے بیٹھ گئے۔

مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ بیٹھ کیوں گئے ؟ یہی تو وقت تھا تقریر کا۔

فرمایا کہ ہاں ! مجھ کو بھی یہی خیال آیا اسی لئے تو بند کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لئے ہوگا نہ کہ اللہ کے لئے۔" (حیات شیخ الہند)

شیخ الہند کی جدوجہد آزادی

انقلاب ۱۸۵۷ء کے ختم ہونے کے بعد دو مشہور دینی درسگاہیں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور قائم ہو چکی تھیں۔ دارالعلوم کی سرپرستی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے بعد ہر دو درسگاہوں کی سرپرستی قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے رہے۔ نیز ہر دو دینی درسگاہوں کے سپہ سالار شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اور شیخ العصر مولانا خلیل احمد سہارنپوری تھے۔ چونکہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے سامنے انقلاب ۱۸۵۷ء کی ہولناکیاں حضرت گنگوہی کی گرفتاری اور حضرت نانوتویؒ کی روپوشی اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی ہجرت اور سید احمد اور شاہ اسمٰعیل کی شہادتوں کے لرزہ خیز واقعات اور ان کے نتائج تھے۔ اس لئے آپ نے ایک ہمہ گیر تحریک شروع کرنے کا تہیہ کیا۔ اور اس کے لئے ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی کا اعلان کیا جس میں تقریباً تیس ہزار افراد نے شرکت کی۔ اور جلسہ کے اختتام پر تبادلۂ خیالات اور مخصوص مشورے ہوئے۔ اور جمعیت الانصار کا قیام عمل میں آیا۔

اس کے کچھ دنوں بعد دوسرا عظیم الشان جلسہ مرادآباد میں ہوا جس کے بعد گورنمنٹ برطانیہ ان اکابرین دیوبند کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی اور خفیہ پولیس کے ذریعہ نگرانی کرنے لگی۔ اس سلسلہ میں پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی زندگی جذبۂ جہاد، جذبۂ شہادت، ایثار

اسلام دعوت الی اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ اور عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مناظروں میں گزری۔ اسی نقشِ قدم پر دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کی حیات طیبہ بسر ہوئی۔ جنگ بلقان کے دوران حضرت شیخ الہند نے مستقبل پر نظر ڈالی اور اسی خیال میں محو ہو گئے کہ کس طرح انگریزوں سے ہندوستان کو خالی کرایا جائے اور ممالک اسلامیہ ترکی، افغانستان، ایران اور آزاد قبائلی علاقوں کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرایا جائے۔ اور پھر دوبارہ مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے پہلے تو ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری اور دینداری کا جذبہ پیدا کرنے کی سوچی اس مقصد کے لئے انہوں نے جنگ بلقان ۱۹۱۲ء سے پہلے ۱۹۰۹ء میں دار العلوم دیوبند میں جمعیت الانصار قائم کی اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ خاص وفادار شاگرد کو اس کا کنوینر بنایا۔ اس جمعیت کا سب سے پہلا اجلاس ۱۵، ۱۶، ۱۷، اپریل ۱۹۱۱ء۔ مطابق شوال ۱۳۲۸ھ کو مراد آباد میں منعقد ہوا جس میں علی گڑھ۔ ندوہ۔ دار العلوم دیوبند اور ہندوستان کے اعاظم رجال شامل ہوئے۔ جمعیت الانصار کا دوسرا اجلاس اگلے سال میرٹھ میں ہوا۔ اور بعد ازاں شملے میں۔ ان جلسوں میں بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ شیخ الہند کی اسکیم پر عمل کیا جاتا تھا۔ اور پروگرام بنتے تھے۔ ان جلسوں کی کامیابی اور مسلمانوں کی بیداری سے حکومت برطانیہ چونک اٹھی۔ جمعیت الانصار کے جلسوں کے فوراً بعد جنگ بلقان آ گئی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کابل بھیجا اور آزاد قبائل میں بھی۔ ادھر مولانا منصور انصاری کو بھی قبائلی علاقوں میں بھیج کر اس تحریک

کو چلانے کی اسکیم بنائی اور خود سلطنت عثمانیہ ترکی کے اہلِ حل وعقد سے ملنے اور اپنی اسکیم کو ان کے سامنے رکھنے کے لئے حجاز کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں حجاز سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے زیر انتظام تھا۔

چنانچہ شیخ الہند شوال ۱۳۳۳ھ میں حجاز کو روانہ ہوگئے۔ ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ کو بخوبی مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ غالب پاشا گورنر مکہ معظمہ، بصری پاشا گورنر مدینہ منورہ اور انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہم سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اور استنبول جانے کا ارادہ کیا۔ پھر خود حجاز میں انقلاب آیا۔ اور شیخ الہند کو انگریزوں نے شریف مکہ کے ذریعہ گرفتار کرایا۔ اور مقدمہ چلا کر مالٹا میں قید کر دیا۔ تاآں کہ ۱۹۱۹ء میں رہائی ہوئی۔ غرضیکہ حضرت شیخ الہند نے جہاں مذہبی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔ وہاں سیاسی انقلاب برپا کرنے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کا برابر سلسلہ جاری رکھا۔ اور آخر تک تحریک ولی اللہی۔ مولانا سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کے مشن کو جاری رکھا" (خطبات عثمانی ۱۶، ۱۷)

تحریک ریشمی رومال

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے کے لئے ایک زبردست انقلابی تحریک چلائی جس کو رپورٹ کمیٹی کی رپورٹ میں "ریشمی رومال کی تحریک" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ تحریک بہت زیادہ مؤثر تھی مگر راز میں نہ رہ سکی۔ اور ناکام ہوگئی۔ پھر بھی اس کی آگ جن کے دلوں میں لگی ہوئی تھی انہوں نے آئندہ کام کرکے ہندوستان کو آزاد کرایا۔ اس سلسلہ میں مولانا سید محبوب احمد رضوی کی تفصیلی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔ تاکہ آزادئ ہند کی جدوجہد

میں حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کی خدمات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے۔ یہ لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

"پہلی جنگ عظیم ابھی شروع نہیں ہوئی تھی مگر اس کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ برطانوی حکومت سلطنت عثمانیہ کے خلاف اعصابی جنگ شروع کر چکی تھی روز بروز حالات کی نزاکت بڑھتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ میں جنگ کا خوفناک شعلہ بھڑک اٹھا۔

یہ زمانہ حضرت شیخ الہندؒ کے لئے بڑی بے چینی اور اضطراب کا تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کا نصب العین اس وقت تک حقوق طلبی کی حد سے آگے بڑھنے نہیں پایا تھا۔ یہ حالات تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو ایک انقلابی تحریک کی داغ بیل ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے مسلح انقلاب کے ذریعے سے برطانوی حکومت کا تختہ الٹ دینے کا ایک منصوبہ تیار کیا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ یہ بڑا منظم منصوبہ تھا۔ ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۱ء کا زمانہ دنیائے اسلام کے لئے سخت ابتلاء کا زمانہ تھا یورپ کی حکومتوں نے ایک خفیہ معاہدے کے ذریعے یہ طے کیا کہ ترکوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کا آغاز ترکی کے مقبوضہ علاقے طرابلس پر اٹلی کے حملے سے ہوا، فرانس نے مراکش پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ بلقان کی عیسائی ریاستوں نے ترکوں پر پے در پے حملے شروع کر دئے۔ اس کارروائی کے پس پردہ تمام تر برطانوی سیاست کارفرما تھی۔ یہ واقعات ہر دردمند مسلمان کے لئے تشویشناک تھے۔ ترکوں کے خلاف انگریز اور دوسری یورپی قومیں جس طرح برسرِ جنگ تھیں اور اُن کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ اس سے مسلمانوں کے جذبات بے حد مشتعل تھے اس لئے انگریزوں

سے نفرت بڑھ رہی تھی۔ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں بڑا جوش اور ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ ساری دنیا کے مسلمان خلافت عثمانیہ کو اسلام کی پشت پناہ سمجھتے تھے۔ اور اسے عظمت واحترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اس کے حکمرانوں کو خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین الشریفین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس زمانے میں ہندوستان کے مسلح انقلاب کے ذریعے سے انگریزوں کا اقتدار ختم کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر ایک منصوبہ تیار کیا۔ اس کے لئے انہوں نے نہایت منظم طور پر اپنا پروگرام مرتب کیا تھا۔ اُن کے شاگردوں اور رفقائے کار کی ایک بڑی جماعت جو ہند اور بیرونِ ہند کے اکثر ممالک میں پھیلی ہوئی تھی اُن کے مجوزہ پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نہایت سرگرمی اور جاں بازی کے ساتھ کوشاں تھی شاگردوں میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔ مولانا محمد میاں منصور انصاری اور دوسرے بہت سے تلامذہ اس میں شامل تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہند کے سیاسی اور انقلابی پروگرام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ یہ بڑی منظم تحریک تھی۔ اس نے آزادی کے لئے آیندہ پورے ہندوستان میں فضا ہموار کر دی۔ یہ کام دو محاذوں سے شروع کیا گیا تھا ایک محاذ اندرونِ ملک کا تھا اور دوسرا ملک سے باہر۔ دونوں محاذوں پر مسلح جد وجہد کی تیاری کی جا رہی تھی اس وقت عام خیال تھا کہ طاقت کے بغیر انگریزوں کا ہندوستان سے نکال دینا ممکن نہیں ہے۔ اور چونکہ ہندوستانیوں سے ہتھیار چھین لئے گئے ہیں اس لئے جنگ آزادی شروع کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسلحہ اور سپاہ کی غیر ملکی امداد و اعانت حاصل کی جائے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ الہند کی نظر سب سے پہلے افغانستان پر گئی۔ ہندوستان اور افغانستان کی سرحدیں ملی ہوئی ہونے کی وجہ سے وہاں سے مدد اور اسلحہ ملنا سب سے زیادہ آسان تھا۔ اسی کے

ساتھ ہندوستان کی سرحد پر بسے ہوئے آزاد قبائلی لوگوں سے مدد لی جا سکتی تھی
اسلحہ اور سپاہ کا مرکز یاغستان کے آزاد علاقے کو بنایا گیا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ
نے صوبہ سرحد کے اُن علماء سے جو دارالعلوم کے طالب علم رہ چکے تھے۔ رابطہ قائم
کیا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ افغانستان سے لے کر ہندوستان تک انگریزوں کے
خلاف ایک جال بچھا دیا جائے۔ اور کسی مناسب موقع پہ ہندوستان اور آزاد
قبائل کی منظم طاقت برطانوی ہند پہ حملہ آور ہو۔ اور دوسری طرف ملک بھر میں جنگ
آزادی کا آغاز کر دیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسی صورت ہو گی جس کا انگریز
مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے باہر کی حکومتوں سے بھی اس سلسلے میں
مدد لینا ضروری تھا۔ اس بنا پر آپ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو ایک خاص مشن پر
کابل جانے کا حکم دیا اور مولانا منصور انصاری کو آزاد قبائل میں جہاد کی تلقین کے
لئے بھیجا۔ اور ترکوں سے مدد حاصل کرنے کے لئے خود حجاز کا سفر کیا۔

انگریز اس زمانے میں جرمنی سے جنگ میں مصروف تھا۔ رولٹ کمیٹی کے پیراگراف
۱۶۴ میں سرکاری طور پر ریشمی خطوط کی تحریک کے متعلق جو تفصیلات بیان کی گئی
ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

اگست ۱۹۱۶ء / ۱۳۳۴ھ میں ریشمی خطوط کے واقعات کا انکشاف ہوا یہ ایک
ایسا منصوبہ تھا جو ہندوستان میں اس خیال سے تجویز کیا گیا تھا کہ ایک طرف
شمال مغربی سرحد پر گڑبڑ پیدا کرے۔ اور دوسری طرف ہندوستانی مسلمانوں کی
شورش سے تقویت دے کر برطانوی حکومت کو ختم کیا جائے اس منصوبے کو عمل

میں لانے کے لئے مولوی عبیداللہ نامی ایک شخص نے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ اگست ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ میں شمال مغربی سرحد کو عبور کیا۔ عبیداللہ پہلے سکھ تھا بعد میں مسلمان ہوا۔ اس نے دیوبند میں مذہبی تعلیم حاصل کی۔ عبیداللہ نے جن لوگوں پر اپنا اثر ڈالا ان میں سب سے بڑی شخصیت مولانا محمود حسن کی تھی۔ جو مدتوں اس مدرسہ گاہ کے صدر مدرس رہے ہیں۔ عبیداللہ چاہتا تھا کہ دیوبند کے فارغ التحصیل علما، کے ذریعے سے ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک عالمگیر اسلامی تحریک چلائے۔ مولانا محمود حسن کے مکان پر خفیہ مجالس قائم ہوتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سرحد کے کچھ آدمی بھی ان میں شریک ہوئے تھے۔

۸ ستمبر ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ کو مولانا محمود حسن نے ہندوستان چھوڑ دیا اور حجاز پہنچ گئے۔ عبیداللہ اور مولانا محمود حسن کا اہم مقصد یہ تھا۔ کہ بیک وقت ہندوستان پر باہر سے بھی حملہ کرایا جائے۔ اور ہندوستان میں بھی بغاوت پھیلائی جائے۔ عبیداللہ اور اس کے دوستوں نے پہلے ہندوستانی متعصب جماعت مجاہدین سے ملاقات کی۔ پھر کابل پہنچے۔ وہاں عبیداللہ کی ملاقات ترک جرمن مشن سے ہوئی کچھ عرصہ بعد اس کا دیوبندی دوست محمد میاں انصاری بھی اس سے جا ملا۔ یہ شخص مولانا محمود حسن کے ساتھ حجاز چلا گیا تھا۔ اور وہاں سے ۱۹۱۶ء/۱۳۳۴ھ میں جہاد کا ایک اعلان حاصل کر کے واپس آیا تھا۔ جسے مولانا محمود حسن نے حجاز کے ترکی سپہ سالار غالب پاشا سے حاصل کیا تھا۔ یہ دستاویز "غالب پاشا" کے نام سے مشہور ہے محمد میاں نے اس کی فوٹو کاپیاں راستے میں ہندوستان اور سرحدی قبائل میں تقسیم کیں۔

عبیداللہ اور اس کے ساتھیوں نے برطانوی حکومت کے خاتمے پر عارضی حکومت کے لئے ایک تجویز تیار کی تھی اس تجویز کے مطابق مہندر پرتاپ نامی ایک شخص کو صدر ہونا تھا۔ یہ شخص ایک معزز خاندان کا جوشیلا ہندو ہے۔ ۱۹۱۴ء/۱۳۳۳ھ کے آخر میں اسے سوئزرلینڈ، اٹلی، اور فرانس وغیرہ جانے کا پاسپورٹ دیا گیا تھا یہ سیدھا جنیوا گیا۔ اور وہاں بدنام زمانہ ہردیال سے ملا جس نے اسے جرمن قونصل خانے سے ملایا۔ وہاں سے یہ جرمن آیا۔ اور ایک خاص مشن پر کابل بھیجا گیا۔ خود عبیداللہ کو وزیر ہند اور برکت اللہ کو وزیر اعظم بننا تھا۔ برکت اللہ کرشنا ورما کا دوست اور امریکن غدار پارٹی کا ممبر تھا۔

۱۹۱۶ء/۱۳۳۴ھ کی ابتداء میں مشن کے جرمن ممبر اپنے مقصد میں ناکام ہو کر افغانستان سے چلے گئے۔ مگر ہندوستانی ممبر وہیں رہے۔ انہوں نے عارضی حکومت کی جانب سے روسی ترکستان کے گورنر اور زار روس کو خطوط بھیجے جن میں ان سے برطانیہ کا ساتھ چھوڑنے اور ہندوستان میں برطانوی حکومت ختم کرنے کے لئے امداد طلب کی گئی تھی۔ ان خطوط پر راجہ مہندر پرتاپ کے دستخط تھے۔ زار روس کو جو خط لکھا گیا تھا وہ سونے کی تختی پر تھا۔

اس عارضی حکومت کی ایک تجویز یہ بھی تھی۔ کہ ترکی حکومت سے روابط قائم کئے جائیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے عبیداللہ نے ۹ر جولائی ۱۹۱۶ء ۱۳۳۴ھ کو مولانا محمود حسن کے نام ایک خط لکھا۔ اس کے ساتھ دوسرا خط محمد میاں انصاری کا تھا۔ جس میں غالب نامہ کی اشاعت کا ذکر تھا۔ عارضی حکومت اور حزب اللہ کے نام سے فوج کے قیام کی تجویز درج تھی۔ اس فوج کی بھرتی ہندوستان

رنی تجویز ہوئی تھی۔ عارضی حکومت کا کام اسلامی حکومتوں کے درمیان اتحاد کا سلسلہ قائم کرنا تھا مولانا محمود حسن سے یہ درخواست
ی تھی کہ سارے واقعات سلطنت عثمانیہ تک پہنچادیں یہ خطوط زرد ریشم پر لکھے گئے ہیں۔ عبید اللہ کے خط میں حزب اللہ
ل و مرتب نقشہ تھا۔ اس فوج کا مرکز مدینہ میں قائم ہونا تھا۔ خود مولانا محمود حسن کو اس کا سالار اعلیٰ بننا تھا ثانوی
مقامی سالاروں کے ماتحت قسطنطنیہ، تہران اور کابل میں قائم ہونے تھے۔ کابل کا سالار عبید اللہ کو بننا تھا۔
فہرست میں تین سرپرستوں، بارہ جنرلوں اور کئی اعلیٰ فوجی عہدہ داروں کے نام درج ہیں یہ ریشمی خطوط،
نوی حکومت کے ہاتھ آگئے ہیں ان خطوط میں جو اطلاعات درج ہیں انکی وجہ سے چند پیش بندیاں مناسب سمجھی گئیں
۱۹۱۶ء ۱۳۳۵ھ میں مولانا محمود حسن اور ان کے چار ساتھی برطانوی حکومت کے قبضے میں آگئے وہ اسوقت
انوی نگرانی میں جنگی قیدی ہیں۔ غالب نامہ پر دستخط کرنیوالا غالب پاشا بھی جنگی قیدی ہے اس نے یہ اقرار کیا ہے
مود حسن پارٹی نے میرے سامنے ایک خط رکھا تھا جس پر میں نے دستخط کئے ہیں (ذاتی ڈائری عبید اللہ سندھی)
حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی مجوزہ اسکیم کو کامیاب بنانے کیلئے پیرانہ سالی کے باوجود ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ میں حجاز کا سفر
یا وہاں کے ترکی گورنر غالب پاشا انور پاشا جو اسوقت ترکی وزیر جنگ تھے ملاقات فرماکر بعض اہم امور طے کئے
حجاز سے براہ بغداد بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگ عظیم کے
دوران میں شریف حسین والی مکہ نے انگریز حکام کے ایما پر آپ کو گرفتار کرکے ان کے حوالے کر دیا۔ یہ گرفتاری تھا،
بتاریخ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ کو ہوئی حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حضرت مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا عزیر گل، حکیم
نصرت حسین اور مولوی وحید احمد بھی گرفتار کئے گئے مکہ مکرمہ سے آپ کو جدہ لے جایا گیا وہاں ایک ماہ کے قریب نظر بند
رکھا گیا ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو جہاز پر سوار کراکر سویز لے جایا گیا اور پھر وہاں
سے مالٹا لے جایا گیا جو برطانوی قلمرو میں جنگی مجرموں کیلئے محفوظ ترین مقام سمجھا جاتا تھا حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے
رفقاء کے بیانات لئے گئے بیان کے دوران جو سوالات کئے گئے ان میں یہ تین سوال اہم تھے۔

(۱) آپ کا مدینہ منورہ میں غالب پاشا اور دوسرے ترکی وزراء سے ملاقات کا مقصد کیا تھا؟

(۲) آپ نے ترکوں کے خلاف تکفیر کے فتویٰ پر دستخط کرنے سے کیوں گریز کیا ہے؟

(۳) افغانستان میں مولانا عبیداللہ سندھی کی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیل دریافت کی گئی تھی۔

ادھر ہندوستان میں حضرت شیخ الہندؒ کے رفقا سے تفتیش کی گئی۔ غرضیکہ ہندوستان میں ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ ستمبر ۱۹۱۶ء سے لے کر ایک سال سے کچھ زائد مدت تک تفتیش کا سلسلہ جاری رہا۔ سفرنامہ شیخ الہند اور نقش حیات میں اس کی پوری تفصیلات درج ہیں۔ مالٹا میں سوا تین سال مع رفقاء آپ کو نظر بند رکھا گیا۔ جنگ ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی اور ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء کو آپ نے ساحل بمبئی پر قدم رنجہ فرمایا۔

دیوبند پہنچ کر سب سے پہلے دارالعلوم میں تشریف لائے۔ اہل دیوبند نے نہایت تزک و احتشام سے آپ کا استقبال کیا۔ اور ایک بہت بڑے جلسے کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں آپ کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

تحریک خلافت جب ہندوستان میں ترکوں کی حمایت میں تحریک خلافت چلی تو علمائے دیوبند خلافت کے مذہبی نظریہ کے باعث اس تحریک میں آگے بڑھے۔ اور پورا دارالعلوم دیوبند اس کے اساتذہ اس کے منتظمین اور طلباء نے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ چندے کئے اور ترکوں کی بڑی مدد کی۔ کوئی جلسہ ملک میں ایسا نہ ہوتا جس میں دارالعلوم دیوبند کا کوئی نمائندہ نہ ہوتا ہو

حضرت شیخ الہندؒ جنگ بلقان اور طرابلس کے بعد جنگ عظیم ۱۹۱۵ء میں حجاز گئے تھے۔ اور مالٹا میں اسارت کے دن کاٹ کر دیوبند واپس پہنچے۔

تو ملک میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد کو اپنے عروج پر پایا چنانچہ انہوں نے ترکوں کی حمایت اور انگریزوں کی مخالفت میں آتے ہی کام شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں جناب مولانا محبوب احمد رضوی فرماتے ہیں کہ

"رہائی کے بعد ہندوستان پہنچتے ہی حضرت شیخ الہندؒ تحریک خلافت میں شریک ہو گئے۔ برطانوی حکومت کے خلاف آپ نے ترک موالات کا فتویٰ دیا جس سے ملک میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا حضرت شیخ الہندؒ کے منصوبے کے انکشاف کے بعد اگرچہ ریشمی خطوط کی تحریک بظاہر ختم ہو گئی مگر حضرت شیخ الہندؒ کے جذبہ حریت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ہندوستان پہنچنے پر برطانوی حکومت نے مختلف ذرائع سے ان کو سیاسیات سے کنارہ کش رہنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ بمبئی میں جہاز سے اترنے پر مولانا شوکت علی مرحوم اور خلافت کمیٹی کے ممبروں سے ملاقات ہوئی۔ مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل لکھنؤ سے اور گاندھی جی احمد آباد سے آکر بمبئی میں ملے۔ دوسرے لیڈروں سے بھی باتیں ہوئیں۔ حضرت شیخ الہندؒ خلافت کمیٹی اور جمعیت علماء ہند کے ساتھ آزادیٔ وطن کی تحریک میں شریک ہو گئے اور اس طرح ہندوستان کی آزادی کے لئے مسلح بغاوت کا منصوبہ ختم ہو گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ذاتی ڈائری کے دیباچہ نگار نے لکھا ہے کہ:۔

"شیخ الہندؒ کی جماعت کو گذشتہ جنگ عظیم میں وہ ہی حیثیت حاصل تھی جو دوسری جنگ کے دوران آزاد ہند فوج اور آزاد حکومت ہند کو حاصل رہی ہے جس طرح بعد از جنگ کی موجودہ سرگرمیاں دراصل دورانِ جنگ کی

باغیانہ جدوجہد کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اسی طرح تحریک خلافت ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء کی سیاسی جدوجہد حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت اور ان کے شرکاء کی سرگرمیوں کی ترقی یافتہ صورت تھی۔ اگر آزاد ہند کے کارناموں کا سہرا سبھاش چندر بوس کے سر ہے تو پہلی جنگ عظیم کے بعد سرگرمیوں کا مرکز حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ اُن کی سرگرمیاں ۱۹۰۵ء سے شروع ہوئی تھیں اور اسی پروگرام کا جزو تھیں جس کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک کے نام سے یاد کرتے ہیں"

پہلی جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ کی شکست کے بعد ہندوستان میں تحریک خلافت بڑے زور و شور سے شروع ہوئی۔ یہ درحقیقت ملک کی آزادی کے لئے عظیم پیمانے پر ایک منظم کوشش کا آغاز تھا۔ جس کے سامنے انڈین نیشنل کانگریس کی ملک گیر سیاست ماند پڑ گئی تھی، اور ہندوستان کی قومی تحریک میں اتنی توانائی اور زور پیدا ہوگیا کہ انگریز حکمرانوں کو ہندوستان کا سنبھالنا مشکل ہوگیا اس مربوط اور متحدہ جدوجہد کا یہ اثر ہوا کہ ہندوستان نے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ آزادی کی منزلیں طے کرلیں اور صرف ۲۷ سال کی مدت میں یہ ملک آزاد ہوگیا جدوجہد آزادیٔ ہند کی تاریخ میں اس اہم موڑ کو نظر انداز کر دینا قرین انصاف نہیں ہے۔ اگر گاندھی جی اس وقت کانگریس اور خلافت کمیٹی کو مربوط نہ کر دیتے تو ہندوستان کے لئے آزادی کی منزل اس قدر جلد طے کرلینا ہرگز آسان نہ ہوتا بہرحال رہائی کے بعد ہندوستان تشریف لانے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ تحریک خلافت میں شریک ہوگئے۔ آپ نے برطانوی حکومت کے خلاف ترک موالات کا فتویٰ دیا جس سے ملک میں زبردست ہیجان پیدا ہوگیا۔ حتیٰ کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تک کو لوگ بند کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ سخت علیل تھے لیکن اسی حالت میں آپ علی گڑھ تشریف لے گئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کا افتتاح علی گڑھ کی جامع مسجد میں کیا۔ اس موقع پر آپ نے جو اہم سیاسی خطبہ دیا تھا وہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

حضرت شیخ الہند کا ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ ان کی مساعی سے علی گڑھ اور دیوبند ایک پلیٹ فارم پر نظر آنے لگے۔ اور علی گڑھ اور دیوبند کے مابین جو اختلاف تھا بڑی حد تک وہ کم ہو گیا۔ غرضیکہ حضرت شیخ الہندؒ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے علاوہ سیاست و تدبیر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اگرچہ مالٹا سے واپسی کے بعد صحت بگڑ چکی تھی اور قویٰ پیرانہ سالی کے باعث نہایت ضعیف ہو گئے تھے مگر بایں ہمہ آپ نے نہایت شد و مد کے ساتھ سیاسی کاموں میں حصہ لیا۔ طبیعت اس بارِ گراں کی متحمل نہ ہو سکی۔ اسی دوران میں علی گڑھ کا سفر پیش آیا۔ واپسی کے بعد جب حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی تو بغرض علاج ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے یہاں دہلی میں لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خان بھی شریک علاج تھے۔ مگر وقت موعود آچکا تھا۔ ۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کی صبح کو عازم ملک بقا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ دیوبند لایا گیا اور اگلے روز ان کے استادِ مکرم مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی قبر مبارک کے قریب یہ گنجینۂ فضل و کمالات دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔ (تاریخ دیوبند)

(نوٹ) حضرت کی سیاسی زندگی کی تفصیلات "نقش حیات"، "اسیر مالٹا"، "تحریک شیخ الہند" اور "حیات شیخ الہند" میں دیکھیے۔

تصنیف وتالیف | حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے درس وتدریس اور سیاسی مشاغل کے باوجود کئی ایک کتب تحریر فرمائی ہیں۔ ان میں سرفہرست قرآن کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ قرآن پاک مالٹا جیل میں سرانجام پایا۔ اللہ تعالیٰ نے شاید حضرت کو مالٹا جیل میں محبوس ہی اسی لیے فرمایا تھا کہ وہ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کرسکیں۔ سورۃ مائدہ تک حواشی بھی تحریر فرمائے تھے کہ رہائی مل گئی۔ اور بقیہ فوائد وحواشی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پورے کیے۔ اس ترجمہ وتفسیر کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ شاید کسی اور ترجمہ وتفسیر کو حاصل نہ ہوئی ہو یہی ترجمہ وتفسیر فارسی میں ترجمہ ہوکر حکومت افغانستان کے اہتمام سے کابل سے شائع ہوئی۔ تاج کمپنی لاہور نے اس ترجمہ وتفسیر کو اتنی عمدگی اور نفاست سے شائع کیا ہے۔ کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔

(٢) تراجم ابواب بخاری: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح بخاری کے تراجم کی تشریحات ہیں جو نہایت مشکل کام ہے

(٣) تقریر ترمذی بزبان عربی: یہ تقریر ترمذی شریف کے حاشیہ پر شائع ہوچکی ہے اور مقبول خاص وعام ہے۔

(٤) حاشیہ ابوداؤد شریف: یہ بھی حدیث پاک کی عظیم خدمت ہے۔

(٥) حاشیہ مختصر المعانی: عربی معانی کی مشہور کتاب پر حاشیہ ہے۔

(٦) ایضاح الادلہ

(٧) ادلہ کاملہ

(٨) افادات محمود

(٩) کلیات شیخ الہند۔

(١٠) جہد المقل فی تنزیہہ المعز والمذل۔

ضروری وضاحت | دارالعلوم دیوبند کے اس قابلِ فخر فرزند حضرت شیخ الہندؒ نے انگریزی سامراج کا تختہ الٹنے کے لیے جہادِ حریت وحمیت کا آغاز اس وقت کیا جب علیحدہ مملکت کا تصور پیش کرنے والے بھی انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے مدرسہ کی چٹائیوں سے اٹھنے والی اس عبقری شخصیت نے سب سے پہلے علم جہاد بلند کیا اور جس وقت انگریزوں کی مخالفت کا تصور بھی ناممکن تھا شیخ الہند نے بغاوت اور عملی جہاد کا منصوبہ بنا کر اسباب وسائل کے گرد گھومنے والوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرنگی اقتدار کے خاتمے کے لئے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ جیسی حمیتِ ایمانی اور غیرتِ اسلامی کا مظاہرہ کیا اور دنیا نے دیکھا کہ ان کی تحریکِ آزادی و جہاد ہی کی کوکھ سے تحریکِ پاکستان نے جنم لیا۔ آپ دو قومی نظریے کے زبردست علمبردار رہے۔ اور انگریزی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کئے رہے جب آپ کی وفات کے بعد انگریز اور ہندو مسلمانوں کے خلاف ظلم وستم کرنے لگے تو آپ ہی کے جانشینوں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے انگریز اور ہندو دونوں کے خلاف محاذ قائم کیا۔ اور مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کے لئے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کی جدوجہد میں عملی حصہ لیا۔ اگر شیخ الہندؒ اس وقت زندہ ہوتے تو تحریکِ پاکستان کے حامی علماء دیوبند کے قائد ہوتے۔ اور اپنا وزن اسی پلڑے میں ڈالتے جس میں حکیم الامت تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے علماء حق شامل تھے۔

(تفصیل کے لیے معماران پاکستان مؤلفہ منشی عبدالرحمن خان ملاحظہ فرمائیے)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی۔ خاندانی اعتبار سے آپ فاروقی النسل شیخ ہیں اور ایک بہت بڑے رئیس شیخ عبدالحق صاحب تھانوی کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی پرورش نہایت ہی ناز و نعم میں ہوئی اور قدرت نے آپ کو عجیب و غریب مزاج سے نوازا تھا۔ ۱۳۰۰ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ مولانا سید احمد صاحب اور مولانا قاری محمد عبداللہ مہاجر مکیؒ شامل ہیں۔ دستار بندی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے ہوئی۔

علمی و تصنیفی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ صفر ۱۳۰۱ھ میں اپنے اساتذہ کی اجازت سے کانپور تشریف لے گئے۔ اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اور چودہ سال تک

کانپور میں درس و تدریس اور افتا، تبلیغ و وعظ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ کانپور چھوڑ کر وطن تھانہ بھون تشریف لائے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی کی خانقاہ کو آباد کیا۔ اور دینی و علمی مدرسہ اشرفیہ قائم کیا جہاں آخر وقت تک دینی علمی تدریسی اور روحانی خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا سید محبوب رضوی فرماتے ہیں کہ:-

"ذکاوت و ذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ ۱۳۰۱ھ میں اولاً مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسندِ صدارت کو زینت بخشی۔ کانپور میں آپ کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دور سے طلباء کھنچے چلے آتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں ملازمت ترک کر کے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلاً علی اللہ قیام فرمایا جہاں تا دمِ واپسیں ۴۸ سال تک تبلیغ دین، تزکیہ نفس اور تصنیف و تالیف کی ایسی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دیں جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی علم نہایت وسیع اور گہرا تھا۔ جس کا ثبوت آپ کی تصانیف کا ہر ہر صفحہ دے سکتا ہے۔ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں تصانیف موجود نہ ہوں۔ وہ اپنی تصانیف کی کثرت اور افادیت کے لحاظ سے ہندوستانی مصنفین میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی زائد ہے برصغیر کے پڑھے لکھے مسلمانوں کے کم گھر ایسے ہوں گے جہاں حضرت تھانوی کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو۔ ان میں "بہشتی زیور" کی مقبولیت کا تو یہ عالم ہے کہ ہر سال مختلف مقامات سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان میں اتنی بڑی تعداد میں دوسری کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوئی تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں کیا۔ تمام کتابوں کے حقوق طبع عام تھے۔ اور جس کا جی چاہے شائع کر سکتا ہے۔ آپ کا ترجمہ قرآن شریف بہت سلیس، سہل اور عالمانہ ہے۔ تفسیر میں بیان القرآن ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اسی طرح حدیث میں اعلاء السنن میں فقہ حنفی کی مستدل احادیث کا جو زبردست ذخیرہ اپنے عزیز بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے مرتب کرا دیا ہے وہ خود اپنی مثال آپ ہے۔ (تاریخ دیوبند ص ۱۹۲)

جناب مولانا محمد محترم فہیم عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی علمی و تدریسی خدمات کے علاوہ تصنیفی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس مختصر مضمون میں سمویا نہیں جا سکتا مواعظ کے علاوہ چھوٹے بڑے رسالے اور مستقل تصانیف جو حضرت کے قلم سے شائع ہو کر مقبول عام ہوئیں۔ ان سب کی مجموعی تعداد تازہ ترین شمار کے مطابق ڈیڑھ ہزار کے قریب بیان کی جاتی ہے جن میں کثیر تصانیف امت مسلمہ میں اتنی مقبول ہوئیں کہ اب تک ان کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اردو عربی کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر ملکی زبانوں میں بھی شائع کیا گیا۔ چنانچہ متعدد کتابوں کے ترجمے انگریزی، پشتو، بنگالی، گجراتی اور سندھی

زبان میں شائع ہوتے حضرت کی تمام تصانیف کی مجموعی قیمت کا اندازہ اگر موجودہ زمانے کے لحاظ سے لگایا جائے تو یقیناً پانچ کروڑ روپے سے زیادہ ہوگی۔
مگر حضرت کے خلوص اور آپ کی للہیت کی کیفیت ملاحظہ کیجئے۔ کہ تصنیفات کی اس غیر معمولی مقبولیت کی۔ جو آپ کی زندگی میں ہی حاصل ہو گئی تھی۔ آپ نے کبھی کسی کتاب کا حقِ اشاعت و طباعت اپنے لئے محفوظ نہیں رکھا۔ ہر شخص کو ان کے چھاپنے کی کھلی اجازت ہے۔ دیگر تصانیف کو اپنی جگہ رہنے دیجئے۔ صرف اکیلی تفسیر بیان القرآن کو دیکھئے جو قرآنی علوم و معارف کا خزانہ ہے۔ نیز فقہ کی جامع کتاب "بہشتی زیور" جس کو حضرت نے خاص طور سے عورتوں کے لئے ترتیب دیا تھا۔ یہ دونوں کتابیں اکیلی ایسی گراں بہا اور کثیر الاشاعت تصانیف ہیں کہ اگر انہی کا حق اشاعت محفوظ کر لیا جاتا تو نسلوں کے لئے کافی ہوتا۔ مگر وہاں تو مالی حرص و آز کا شاید دل کے آس پاس بھی کہیں گزر نہ ہوا تھا۔ ان دونوں کتابوں کے طبع کرانے کا بھی اذن عام ہے یہ دونوں کتابیں اردو کے مذہبی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ اور موخر الذکر کتاب یعنی بہشتی زیور" تو اس قدر مقبول ہوئی کہ پاک و ہند میں شاید ہی کوئی اردو داں ایسا ہوگا جس نے کم از کم اس کا نام نہ سنا ہوگا اس میں کوئی ایسا موضوع باقی نہیں کہ جس پر حضرت تھانوی نے قلم نہ اٹھایا ہو اور اس کا پورا پورا حق ادا نہ کیا ہو تفسیر، حدیث، فقہ علم کلام، سیرت، علم سلوک و تصوف غرض کونسا موضوع ایسا ہے جس پر حضرت کی مستقل تصانیف موجود نہ ہوں۔ ان میں مختلف رسائل بھی ہیں۔ اور بڑی مبسوط کتب بھی جو کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ اہم تصانیف میں تفسیر بیان القرآن اور

بہشتی زیور کے علاوہ لطائف السنن۔ نشر الطیب۔ المصالح العقلیہ التکشف الشرف۔ مسائل السلوک۔ تربیت السالک۔ امداد الفتاوی۔ شرح مثنوی مولانا روم۔ حیات المسلمین۔ اصلاح الرسوم۔ صیانۃ المسلمین۔ مناجات مقبول۔ بوادر النوادر اور اعمال قرآنی وغیرہ وغیرہ سر فہرست ہیں۔

حضرت کی تصانیف کسی طبقے کے لئے مخصوص نہیں۔ علماء، فضلاء، ارباب شریعت اور اصحاب طریقت مرد اور عورتیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معمولی اردو خواں ہر کوئی ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔ حضرت کی تحریروں میں اسرار و نکات کے علاوہ ایسا عجیب و غریب منطقی اور عقلی استدلال ہوتا ہے۔ کہ بڑے سے بڑے حریف کے لئے بھی تصدیق و تائید سے کوئی مفر نہیں رہتا۔ آپ کی تحریریں حقائق ایمانی۔ حقائق فقہی۔ اسرار رحمانی اور رموز حکمت ربانی سے پُر نظر آتی ہیں۔ ہر تحریر میں اہل نظر کو یوں محسوس ہوتا ہے گویا مصنف کے ذہن میں سارے مسائل و مواد یکجا مستحضر ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ پر احتیاط سے رکھتا جاتا ہے۔ کبھی موضوع میں غلو نہیں ہو پاتا۔ موضوع کے کسی ایک گوشے کو بیان کرتے وقت دوسرے گوشوں سے قطعاً ذہول نہیں ہوتا۔ غرضیکہ اپنے سینکڑوں مواعظ حسنہ اور ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف کے ذریعے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اصلاح امت کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اور یہ تمام علمی و تصنیفی خدمات آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے صلہ میں آپ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین

(روزنامہ امروز لاہور ۲۵ رمئی ۱۹۸۴ء)

تبلیغی و اصلاحی خدمات | حضرت حکیم الامت تھانوی کی پوری حیات طیبہ پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو صرف دین کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ اس لئے پیدا ہونے سے قبل ہی اس قسم کی چیزوں کا ظہور ہوا۔ کہ جس سے صاف کہا جا سکتا ہے کہ آپ بہت بڑے ولی اللہ اور مجدد اعظم تھے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کے استاذ مکرم مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی پیشین گوئی تھی کہ:۔

"تم جہاں جاؤ گے تم ہی تم نظر آؤ گے"

واقعی ایسا ہی ہوا۔ علوم ظاہریہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے دل میں تزکیہ باطن کی تڑپ پیدا ہوئی۔ ابتدا میں حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے مگر جب آپ کے والد ماجد حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ قدس سرہ کے خدام میں داخل ہو گئے۔ اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ خلیفہ مجاز مقرر ہوئے۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ کے میکدہ میں داخل ہو کر نچوڑ میخانہ نکلے۔

حضرت حاجی صاحب فرماتے کہ:۔

"اشرف علی بس میرے پورے پورے طریق پر ہے"

حکیم الامت تھانویؒ کی جب حضرت حاجی صاحبؒ کو کوئی تحریر دیکھنے یا تقریر سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرماتے کہ:۔

"جزاکم اللہ تم نے بس میرے سینہ کی شرح کر دی ہے"

حضرت حاجی صاحب نے ایک دفعہ یہ بشارت دی کہ:۔

"تم کو تفسیر اور تصوف سے خاص مناسبت ہوگی"

"چنانچہ حضرت حکیم الامت کی ان دونوں سے مناسبت اظہر من الشمس ہے"

بہر حال حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ اپنی ذات میں علم و معرفت کا ایک جہان تھے۔ اور جس طرح شریعت کے متبحر عالم تھے طریقت و سلوک میں بھی اسی طرح مقام ارفع پر فائز تھے۔ اور آپ کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مخزن تھی۔ یوں تو چشم فلک نے بڑی بڑی عالم فاضل ہستیاں بڑے بڑے عابد و زاہد انسان اور بڑے بڑے متقی و تہجد گزار بندے اسی خطۂ ارضی پر دیکھے ہوں گے۔ مگر شریعت و طریقت کا ایک حسین امتزاج شاید ہی کسی نے دیکھا ہوگا۔ کوئی عالم ہوتا ہے اور طریقت سے کورا۔ کوئی محض صوفی ہوتا ہے اور علوم شرعیہ سے ناآشنا۔ مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ ایک ہی وقت میں صوفی بھی تھے عالم بے بدل بھی۔ رومیٔ عصر بھی تھے اور رازیٔ وقت بھی۔ آپ نے جس طرح شریعت ظاہرہ کو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں سے نکالنے کا کام کیا اسی طرح طریقت باطنہ کو بھی افراط و تفریط کی بھول بھلیوں سے نجات دلائی۔ آپ نے طریقت کو جو ایک زمانہ میں صرف رسوم و بدعات کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ زوائد و حواشی سے پاک و صاف کر کے قدماء سلف صالحین کے مسلک پر لا کھڑا کیا۔ آپ نے پورے شد و مد کے ساتھ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ طریقت میں شریعت ہے۔ شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی کے یہاں طریقت کا خلاصہ یہ تھا کہ "مسلمانوں میں صحابہؓ کا ذوق پیدا ہو جائے۔" آپ نے اسی مقصد عظیم کے لئے سیرت سازی کا ایک

ایسا طرزِ اختیار کیا کہ جس سے جوگیانہ صوفیت اور راہبانہ تربیت روحانی کے پردے تار تار ہو گئے۔ اور اسلامی روحانیت کا صحیح مفہوم لوگوں کی سمجھ میں آگیا۔
آپ نے واشگاف الفاظ میں واضح فرمایا تھا کہ:-
"شریعت ہی ساری دنیوی، اخروی اور ظاہری و باطنی سعادتوں کی کفیل ہے"
حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا آستانہ مبارک بڑے بڑے اربابِ ثروت و دولت اور اصحاب علم و فضل کی عقیدت گاہ تھی۔ آپ کی خانقاہ معرفت و روحانیت کا ایک ایسا چشمہ صافی تھا جس کی طرف دن رات سینکڑوں تشنہ کام آتے ۔ اور سیراب ہو کر لوٹ جاتے ۔ آپ کا فیضان عام تھا۔ جہاں سے بڑے بڑے علماء بھی مستفید ہوئے صلحاء بھی، عوام بھی اور خواص بھی۔ امیر بھی اور غریب بھی سب ہی اپنی اپنی استعداد کے موافق اس بحرِ علم و معرفت سے سیراب ہوتے رہے۔
آپ کے حلقۂ ارادت میں علماء و فضلاء، مفسرین و محدثین، فقیہہ و متکلمین، تاریخ دان و سیاست دان۔ فلاسفر اور صحافی، ادیب و خطیب ہر قسم کے لوگ نظر آئیں گے۔ جیسے شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ۔ سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مخدوم الامت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مخدوم العلماء مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ محدث دوراں مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ۔ حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ۔ حضرت مولانا جلیل احمد شروانیؒ۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ حضرت مولانا

مسیح اللہ خان شروانی اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی۔ غرضیکہ حضرت حکیم الامتؒ کی دکانِ معرفت پر خریدارانِ علم وعرفان کا وہ ہجوم تھا۔ جو حضرت نظام الدین اولیا، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے دور میں تھا ؎

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت کا بیعت وارشاد کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ برصغیر اور اس کے باہر بھی ہزاروں اشخاص نے آپ سے اصلاح وتربیت حاصل کی اور آپ کی تصانیف ومواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی وعملی فیض پہنچا۔ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ کی عظیم خدمات تقریری وتصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہوں۔ سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

" اصلاحِ امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشے پر ان کی نظر تھی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک۔ جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عامیوں سے لے کر صوفیوں اور درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک حضرت کی نظر مصروفِ اصلاح وتربیت رہی۔ پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر اُن کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا رسوم وبدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت اخلاق وعبادات اور عقائد میں دینِ خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی۔ فقہ کے نئے نئے مسائل

اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے ۔ تجدید فرمائی۔ ان کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی۔ اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے ان کے درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنا دیں جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

غرضیکہ حضرت حکیم الامت کے علمی، دینی فیوض و برکات کا احاطہ مشکل ہے۔ وہ قرآن پاک کے مترجم ہیں، مجدد ہیں، مفسر ہیں۔ اس کے علوم و حکم کے شارح ہیں وہ محدث ہیں۔ احادیث کے اسرار و نکات کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ وہ فقیہہ ہیں ہزاروں فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہیں۔ وہ خطیب تھے تصوف کے اسرار کو فاش کیا ہے آپ کی مجلسوں میں علم و معرفت اور دین و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے۔ وہ مرشد کامل تھے ہزاروں مریدوں کو دین کے راستہ پر لگایا۔ وہ مصلح امت تھے۔ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح کا باعث بنے وہ حکیم الامت تھے مسلمانوں کے علاج اور نشأۃ احیاء پر حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین وغیرہ رسائل تالیف فرمائے۔" (ماخوذ جامع المجددین ص ۲۷، ۲۸)

مولانا محمد محترم فہیم عثمانی فرماتے ہیں کہ:

"قطب عالم، مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے علمی، دینی روحانی، تبلیغی، اور اصلاحی کارناموں کی تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۶۳ھ تک حضرت تھانوی نے اپنی زبان اور قلم اور علم و عمل کے ذریعہ

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ حیات کو اُجاگر کرنے کا ایسا کامیاب کام انجام دیا کہ خلقِ خدا بے اختیار آپ کو مجدّدِ ملت کہہ اٹھی۔ اصلاح عقائد و اعمال اور ابطالِ رسوم و بدعات کی ایسی عظیم الشان خدمت انجام دی کہ قوم آپ کو قطب العالم کے لقب سے یاد کرنے لگی اور حضرت اقدس نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے ہزاروں انسانوں کے روحانی امراض کا ایسا کامیاب علاج کیا کہ امتِ مسلمہ کے ہر فرد کی زبان حکیم الامت کے خطاب سے تر نظر آنے لگی۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کے محافظ تھے۔ اور حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ علوم و اعمال کے خزانہ تھے۔ اور ان کی ذات میں حضرات چشت، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد بریلویؒ کی نسبتیں یک جا تھیں۔ ان کا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا ان کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی۔ ان کا قلم فقہ و تصوف کا حسین امتزاج تھا۔ ان کی تقریریں روحانی مریضوں کے لئے شفا کا پیغام تھیں اور ان کی تحریریں دقائق علمی اور حقائق ایمانی کا پیکر تھیں۔ حضرت تھانویؒ اپنی ذات میں علم و معرفت کا ایک جہان تھے وہ ایک ہی وقت میں مفسّرِ قرآن بھی تھے اور محدّث بھی۔ فقیہہ بھی تھے اور صوفی بھی، خطیب بھی تھے اور متکلم بھی، قرآنی علوم و حکم کی شرح کرنے پر آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بڑھ کر مفسّرِ قرآن کوئی نہیں۔ احادیث کے اسرار و نکات بیان کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ محدثِ دوراں ہیں، فقہی گتھیاں سلجھاتے ہیں تو بے مثال فقیہہ کے مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ تصوف کے رموز و

غواصی کو آشکارا کرنا شروع کرتے ہیں۔ تو علم و معرفت اور رشد و ہدایت کے ایسے موتی بکھیرتے ہیں کہ قطب دوران کے لباس میں جلوہ گر نظر آنے لگتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ حضرت جس طرح شریعت کے عالم متبحر تھے طریقت و سلوک میں بھی اسی طرح مقام رفیع پر فائز تھے آپ کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مخزن تھی۔ آپ کا آستانہ بڑے بڑے اصحاب علم و فضل اور ارباب ثروت و دولت کی عقیدت گاہ تھا۔ آپ کی خانقاہ معرفت و روحانیت کا ایک ایسا چشمہ تھی جس کی طرف دن رات سینکڑوں تشنہ کام آتے اور سیراب ہو کر جاتے آپ کی ہمہ گیر تربیت کے زیر اثر ہزاروں معصیت کوش اور عصیاں آلود روحیں پاک و صاف ہو کر اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر لوٹیں۔ حضرت کا فیض عام تھا اس سے علماء بھی مستفیض ہوئے اور صلحاء بھی۔ عوام بھی اور خواص بھی۔ امیر غریب، عورتیں بچے، جوان بوڑھے سب اپنی استعداد کے مطابق اس بحر علم و معرفت سے سیراب ہوتے رہے ہیں۔ آپ کے ارادت میں ہمیں علماء و فضلاء، مفسرین محدثین، فقہاء مورخین، مناظر خطیب، ادیب اور متکلم ہر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں اور انہی کی صفوں میں ہمیں عام آدمی، دیہاتی، غربا اور متوسط طبقے کے افراد بھی دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کے مواعظ اور تقاریر میں بلا کی اثر انگیزی تھی جس بات کو آپ حق سمجھتے برملا کہتے کسی لومۃ لائم کی کبھی پرواہ نہ کرتے۔

ہندوستان کے اکثر چھوٹے بڑے شہروں اور ریاستوں کے دارالخلافوں میں آپ کے مواعظ حسنہ ہوئے۔ دور دور سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کے

لئے آتے جس شہر میں حضرت کے چند وعظ ہوگئے بس سمجھ لیجئے کہ شہر کی کایا پلٹ گئی۔ دکاندار مشائخ کے بازار سرد ہو گئے۔ تو تعلیم یافتہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ آپ کے مواعظ سے جدید ذہن کے شبہات چشم زدن میں رفع ہو جاتے۔ اور دین کی صحیح تصویر ابھر کر سامنے آجاتی۔ تقریروں میں حق بات کو نہایت وثوق اور یقین کے ساتھ بیان کرتے۔ اور ایسا عجیب وغریب منطقی وعقلی استدلال پیش کرتے کہ تصدیق وتائید کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ بات سے بات پیدا کرنا اور اصل حقیقت کو واشگاف کرنا آپ کی تقریروں کا اصل جوہر تھا۔ تقریر کے دوران شبہات، اعتراضات اور علمی اشکالات از خود سامنے لاتے اور خود ہی جواب دیتے پھر جو کچھ فرمانا چاہتے۔ کبھی اجمالی، کبھی تفصیلی۔ کبھی حکایتوں کے ذریعے۔ کبھی روایتوں کی مدد سے اور کبھی اشعار کی روشنی میں دل میں اتار کر دم لیتے۔

حضرت کے سامعین میں ہر طبقے کے لوگ ہوتے تھے۔ اہل علم، اہل باطن، موافق و مخالف، خواص وعوام، جج ووکلار، شہری دیہاتی، غرض ہر طرح کے لوگ ہوتے مگر آپ کا طرز تخاطب ایسا دلکش اور دلنشیں ہوتا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ حضرت میرے دل کی بات کر رہے ہیں۔

بہرحال یوں تو حضرت تھانوی نے اپنی زندگی میں ہزاروں وعظ فرمائے لیکن جس قدر قلم بند ہوگئے ہیں ان کی تعداد بھی پانچ سو کے قریب ہے۔ آپ نے کبھی فرمائشی وعظ کہے اور نہ وعظ گوئی کا کوئی معاوضہ قبول کیا۔ وعظ کے لئے جہاں کہیں جاتے وہاں دعوتوں تک سے گریز فرماتے۔ اپنے ساتھیوں کا بار کسی پر نہ ڈالتے تھے۔ ساری زندگی مسلمانوں کی اصلاح وفلاح کی فکر میں رہے اور تبلیغ وارشاد کے

ذریعے ہزاروں کی اصلاح فرمائی۔

حق تعالیٰ آپ کی خدمات قبول فرمائیں۔ (روزنامہ امروز لاہور)

حکیم الامت کی سیاسی خدمات

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ درس و تبلیغ، تصنیف و تالیف، تعلیم و تربیت اور اصلاح امت و ہدایت خلق کی طرف تھا اس لئے آپ تمام عمر اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہے اور عملی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکات میں براہ راست حصہ لینے کی نوبت نہیں آئی۔ اور نہ ہی آپ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ ہوئے۔ لیکن جب کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو اس کے بارے میں ایک ماہر شریعت عالم دین کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر اس کے نتائج و عواقب کو واضح کرنے اور ملت کی علمی اور دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہیں فرمایا۔

خلافت کمیٹی کی تحریک ہوئی کانگریس و مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کا معاملہ ہو ان سب کے حسن و قبح اور ان میں شرکت و عدم شرکت کے نتائج و عواقب کو ہمیشہ واضح فرمایا۔ اور شرعی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے صحیح راہ عمل تجویز فرما کر امت کی ہدایت و راہ نمائی کا فرض ادا کرنے میں آپ نے کبھی بھی کوتاہی سرزد نہیں ہونے دی۔

۱۹۱۸ء کی خلافت کمیٹی کی تحریکات میں بعض اکابر کی شرکت کا مقصد و منشاء

سب کو معلوم ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بھی ان حضرات کے اصل مقصد کے ساتھ اتفاق تھا۔ مگر تحریک خلافت کے طریق کار سے حضرت کو اصولی طور پر اختلاف رہا۔ اور ہندوؤں کی عددی اکثریت اور ان کی معاندانہ ذہنیت کی وجہ سے ان کے ساتھ مسلمانوں کے اشتراک عمل کو مضر سمجھتے تھے۔ اسی لئے حضرت کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کوئی تحریک چلانا پسند نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ان تحریکات میں ایسی محرمات اور کفریات کا کھلم کھلا ارتکاب اور مشاہدہ ہو رہا تھا۔ جن میں سے بعض کی طرف حضرت شیخ الہندؒ کے خطبۂ صدارت کی عبارت کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اور مسلم عوام الناس کو ان کے خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ رکھنا نہایت ضروری تھا اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ ایسی تحریکات سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اسی لئے حضرت تھانویؒ ان تحریکات سے خود بھی الگ رہے اور مسلمانوں کو بھی ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ تحریک خلافت کے طریق کار و غیر مسلم اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے سے مسلمانوں کا اصل مقصد اسلامی حکومت کا قیام حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

(تذکرۃ الظفر صـ ۳۵۰)

نظریہ پاکستان اور مولانا تھانویؒ!

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو چونکہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ اصل مقصد حکومت اسلامی کے قیام میں کامیابی نظر نہیں آ رہی تھی اس لئے حضرت تھانویؒ کانگریس کی متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے۔ اور اس کے برعکس اسلام و کفر کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم دو قومی نظریہ کے سختی کے ساتھ حامی

تھے۔ اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مسلمانوں کی مستقل علیحدہ تنظیم کی ضرورت پر ہمیشہ زور دیتے تھے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت کو بعض معاصر علماء کی طرح جنگ آزادی، جنگ حقوق آزادی وطن وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی ان کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ تمام تر دینی تھا وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو۔ سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجرا احکام شریعت کے مطابق ہو بیت المال ہو۔ نظام زکوٰۃ رائج ہو۔ شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں اسی مقصد کے لئے صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہئے۔ اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے[۱]

صاحب "تعمیر پاکستان" لکھتے ہیں:۔

کہ پاکستان کے لفظ سے دنیا پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء میں چودھری رحمت علی کی زبانی آشنا ہوئی جب کہ چند نوجوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمالی ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا خیال علامہ اقبال مرحوم نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد

---

[۱] سیرت اشرف مؤلفہ منشی عبدالرحمن خان

میں اپنے خطبۂ صدارت کے دوران میں ظاہر کیا جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملّی نصب العین کے طور پر ایک قرار داد کے ذریعہ باقاعدہ مطالبہ کیا گیا۔

"اسلامی سلطنت کے قیام کا جو خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ بالا اجلاس میں پیش کیا تھا بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔ گویا دربار اشرفیہ میں حصول و بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوا جب کہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا بڑی ہی بے خبری یا پھر جان بوجھ کر فریب دہی ہے جو اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے اور لکھا جارہا ہے کہ علماء کو اسلامی سلطنت کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اس کا تصور ایک نوازدل صاحب نے پیش کیا اور اس کے لئے قربانیاں کرنے والوں میں علماء کہیں نظر نہ آئے"

حالاں کہ تعمیر پاکستان کے لئے علماء ربانی نے جو بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اس کے لئے جو جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے یہ کارنامے قائداعظم وغیرہ کی سوانح عمریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں"[1]

پھر حضرت تھانویؒ کے سامنے ۱۸۵۷ء کا تجربہ بھی تھا کہ اس وقت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا تھا کہ

---

[1] تعمیر پاکستان و علماء ربانی۔

ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکا دیا مسلمانوں کو مجرم بنایا اور خود انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمانے والے صرف ہندو لیڈر رہی تھے۔

بعض لوگوں کو حضرت حکیم الامت کے اس حکیمانہ، عاقلانہ اور حدود شریعت کے جامع سیاسی مسلک کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت تھانوی کی تحریک خلافت سے علیحدگی کو اصل مقصد کے خلاف سمجھ کر حضرت کے خلاف بڑی شورش پیدا کر دی تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ تھانہ بھون کے بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ حضرت تھانوی سے خانقاہِ امدادیہ کو خالی کرا لیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی نصرت و حمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین ہی کو شرمندہ ہو کر حضرت کے سامنے جھکنا پڑا۔ حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کے بارہ میں غلط فہمی بلکہ بدگمانی کا شکار ہونے والوں میں خلافت کمیٹی کے رکن مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم بھی شامل ہیں جس کا اعتراف خود موصوف نے حضرت تھانویؒ سے مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہمراہ اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کہا کہ :-

" ۱۹۲۸ء میں ایک روز حضرت کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو ہوئی۔ حضرت نے اتنی معقولیت سے گفتگو کی کہ ساری بدگمانیاں کافور ہوگئیں۔ کون کہتا ہے کہ حضرت گورنمنٹی آدمی ہیں لاحول ولا قوۃ جس نے بھی کہا یا ایسا جانا یہ سب جھوٹ کہا یہ تو خالص مسلمان کی گفتگو تھی۔ مسلمان بھی ایسا جو جوش دینی اور غیرت ملی میں کسی خلافتی سے ہرگز کم نہیں، پاکستان کا تخیل خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں ہم نے پہلے پہل یہیں حضرت کی زبانی سنیں۔ حضرت کو ہم سے طریق کار میں اختلاف تھا جو بڑا اختلاف نہیں تھا[1]"

---

[1] نقوش و تاثرات

بہرحال حضرت تھانویؒ دوقومی نظریہ کے سختی سے حامی تھے۔ اور پاکستان کا تصور پیش کرنے والے پہلے شخص تھے۔

(ماخوذ از تذکرۃ الظفر مؤلفہ سید عبدالشکور ترمذی)

قائد اعظم کی دینی تربیت

محترم جناب پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی صاحب فرماتے ہیں:۔

" کہا جاتا ہے کہ علماء دیوبند نے کانگریس کا ساتھ دے کر نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہے اور ان کی تائید مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کانگریس میں شرکت اور مسلم لیگ کی مخالفت کو بڑے زور سے پیش کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں عام طور پر کسی چیز کے منفی پہلو کو دیکھا جاتا ہے مثبت پہلو سے شاذ و نادر ہی کوئی بحث کرتا ہے۔ حالاں کہ دوسرا پہلو یہ بھی تو تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دارالعلوم کے صدر مہتمم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دارالعلوم کے دیگر متعدد و مستند اصحاب علم و فضل قطعی طور پر نظریہ پاکستان کے نہ صرف مؤید تھے بلکہ وہ قائد اعظم سے بھی دو قدم آگے تھے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ چاہتے تھے کہ قائد اعظم کو دینی جذبات پر ابھار کر دین کی راہ پر لایا جائے۔ اور ان کی سیاست میں اسلامی شعور اور شریعت کا رنگ بھر دیا جائے۔ اس سلسلے میں ہم مولانا شبیر علی تھانوی جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خاص بھتیجے اور خادم خاص ہیں ان کے وہ بیانات پیش کرنا چاہتے ہیں جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی قائد اعظم کو تبلیغ دین اور پاکستان کے بنیادی احساس سے متعلق ہیں۔

مولانا شبیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

واقعہ مئی ۱۹۳۸ء کا ہے کہ ایک روز دوپہر کا کھانا کھا کر میں اپنے دفتر میں کام کر رہا تھا جو حضرت حکیم الامت کی سہ دری کے سامنے تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی دوپہر کا کھانا تناول فرما کر قیلولے کے لئے خانقاہ میں تشریف لائے۔ اپنی سہ دری میں پہنچ کر مجھے آواز دی۔ میں فوراً حاضر ہوا اور سامنے بیٹھ گیا۔ حضرت سر جھکائے ہوئے کچھ متفکر تشریف فرما تھے۔

اس زمانے تک پاکستان کا مشہور ریزولیوشن لاہور پاس نہیں ہوا تھا۔ مگر کانگریس اور ہندوؤں کی ذہنیت بہت کچھ بے نقاب ہو چکی تھی۔ اور عوام وخواص کی زبان پر یہ آگیا تھا کہ ہندو کے ساتھ مسلمان کا نباہ ناممکن ہے۔ اس لئے علیحدہ سلطنت قائم کرنا ضروری ہے۔ غرض حضرت نے دو تین منٹ کے بعد سر اٹھایا اور جو ارشاد فرمایا وہ الفاظ آج تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور بحمد اللہ حافظے میں محفوظ ہیں۔

حضرت نے فرمایا:۔ "میاں شبیر علی! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور بھائی جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق فاجر کہتے ہیں، مولویوں کو تو ملنے سے رہی لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ یہی لوگ دیندار بن جائیں اور بھائی آج کل کے حالات ایسے ہیں کہ اگر سلطنت مولویوں کو مل بھی جائے تو شاید مولوی چلا بھی نہ سکیں۔ یورپ والوں سے معاملات، ساری دنیا سے جوڑ توڑ ہمارے بس کا کام نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سلطنت کرنا

دنیاداروں ہی کا کام ہے۔ مولویوں کو یہ کرسیاں اور تخت زیب نہیں دیتے اگر تمہاری کوشش سے یہ لوگ دیندار اور دیانتدار بن گئے اور پھر سلطنت انہی کے ہاتھ میں رہی تو چشم ما روشن دل ما شاد کہ ہم سلطنت کے طالب ہی نہیں۔ ہم کو تو صرف یہ مقصود ہے کہ جو سلطنت قائم ہو وہ دیندار اور دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہو اور بس، تاکہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو"

یہ سن کر مولانا شبیر علی صاحب نے عرض کیا کہ:۔

"پھر تبلیغ نیچے کے طبقے یعنی عوام سے شروع ہو یا اوپر کے طبقے یعنی خواص سے"

اس پر حضرت حکیم الامت تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اوپر کے طبقے سے کیونکہ وقت کم ہے اور الناس علیٰ دین ملوکھم۔ اگر خواص دیندار اور دیانتدار بن گئے تو انشاء اللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی"

(روئیداد صہ ۲۰۱)

حضرت حکیم الامت تھانوی کی اس تبلیغی جد و جہد کا آغاز ہوا۔ اور آپ نے مسٹر محمد علی جناح کو تبلیغ کے لئے وفد مرتب کیا۔ جس کا امیر علامہ شبیر احمد عثمانی کو بنایا مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا شبیر علی تھانوی اور مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلوی کو وفد کے ارکان منتخب کیا۔ لیکن شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی والدہ کی سخت علالت کے باعث تشریف نہ لے جا سکے۔

حضرت حکیم الامت نے فرمایا تھا کہ:۔

" مولانا شبیر احمد عثمانی ریل کے جس درجے سیکنڈ یا فرسٹ میں سفر کرنا

چاہیں ان کے لئے اسی درجے کا ٹکٹ لیا جائے۔"

وفد کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا۔

" جناح صاحب سے جو باتیں کرنی ہیں وہ میں نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو خط میں لکھ دی ہیں۔ وہ امیر الوفد بھی ہیں اور گفتگو کا سلیقہ بھی ان کو بہتر آتا ہے۔"

(روئیداد صہ ۳)

وفد کی تیاری اور آمد کی اطلاع مولانا شوکت علی اور نواب محمد اسمٰعیل خان کو بھی دی گئی مگر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنی والدہ کی سخت علالت کے باعث نہ جا سکے: تاہم ان کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ اس قسم کی ہر نمائندگی میں خواہ وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی طرف سے ہو یا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے علامہ عثمانی پر سب کی نظر انتخاب پڑتی تھی۔ بہرحال وفد گیا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء کو مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی قیادت میں پٹنے پہنچا۔ جہاں مسلم لیگ کا اجلاس اسی دن ہونے والا تھا۔ وفد کی قائد اعظم محمد علی جناح سے پہلی ملاقات ہوئی جس میں ان کو نماز کی تبلیغ کی گئی اور قائد اعظم نے فرمایا۔

" میں گنہگار ہوں، خطاوار ہوں آپ حضرات کو حق ہے کہ مجھے کہیں، میرا فرض ہے کہ اس کو سنوں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھوں گا۔"

قائد اعظم کا خیال تھا کہ سیاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ انہوں نے بعض تقریروں میں کہا تھا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے پھر تبلیغی وفد بھیجا اور فرمایا کہ:۔

" جناح صاحب کی تقریروں میں دیکھا گیا ہے کہ مذہب اور سیاست کو الگ الگ سمجھتے ہیں اس کی بابت ان کو سمجھانا ہے۔" (روئیداد تبلیغ صہ ۶)

چنانچہ مولانا شبیر علی تھانویؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۱۲ر فروری ۱۹۳۹ء کو دہلی گئے۔ ملاقات ہوئی اور سیاست و مذہب پر گفتگو ہوئی، بحث کے بعد قائد اعظم نے فرمایا۔

" دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو میری سمجھ میں اب خوب آگیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے۔" (روئیداد تبلیغ صہ ۷)

تیسری مرتبہ حکیم الامت تھانویؒ نے پھر مولانا شبیر علی تھانویؒ کو دہلی بھیجا اس وقت اتفاق سے ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی آگئے تھے لیکن قائد اعظم مولانا شبیر علی صاحب سے فرمانے لگے۔

" حضرت مولانا تھانوی نے آپ کو ایک مرتبہ بھی کسی سیاسی امر میں گفتگو کے لئے نہیں بھیجا۔ مجھے آپ کے ذریعہ مذہبی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو اور جگہ نصیب نہیں ہوتیں۔ اگر آپ کو کچھ اور کہنا ہو تو بیٹھ جائیے مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں بڑے شوق سے سنوں گا۔"

(روئیداد تبلیغ صہ ۹۰)

ان ملاقاتوں میں قائد اعظم سے علماء کرام کی اچھی خاصی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ ایک روز مولانا شبیر علی تھانویؒ نے فرمایا کہ جناح صاحب! ہم انگریزی سیاست سے ناواقف ہیں اس لئے ہم آپ کی تقلید کرتے ہیں اور جتنے ہم سیاست سے ناواقف

شاید اس سے کچھ زیادہ استنے ہی آپ مذہب سے ناواقف ہیں۔ تو جس طرح ہم آپ کی تقلید کرتے ہیں مذہبی معاملات میں آپ کو بھی ہماری تقلید کرنی چاہیئے۔

اس پر قائد اعظم نے فرمایا کہ اس وقت دنیا میں کتنے لیڈر ہیں۔ مولانا شبیر علی نے فرمایا کہ جتنے برسات میں مینڈک۔ قائد اعظم یہ سن کر بہت ہنسے اور فرمایا کہ یہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ ہر لیڈر کا کہا مانتے ہیں؟ مولانا شبیر علی صاحب نے کہا نہیں۔ ایسی تقلید میں اعتماد شرط ہے۔ اس پر قائد اعظم نے فرمایا:۔

"بس اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کا بے چون وچرا کہنا مانوں تو میں تیار ہوں۔ آج تک تو میں آپ سے سمجھنے کے لئے بحث بھی کیا کرتا تھا لیکن آج کے بعد میں خاموش بیٹھ کر سنا کروں گا۔ اور مذہبی معاملات میں جو ہدایات آپ دیں گے ان کو تسلیم کروں گا۔ کیونکہ مجھے حضرت حکیم الامت تھانوی پر پورا پورا اعتماد ہے۔ کہ مذہبی معاملات میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور ان کی رائے درست ہوتی ہے" (روئیداد ص ۱۰۹)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے نہ صرف تبلیغی وفود بھیجے بلکہ قائد اعظم اور دیگر مسلم لیگی لیڈروں کی مذہبی اصلاح خط وکتابت کے ذریعے بھی کرنے کی کوشش کی اعلام نافع میں حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

"میں خود اس مسلم لیگ کی اصلاح کا برابر سلسلہ جاری رکھتا ہوں چنانچہ عام رسائل بھی اور خاص ذمہ داروں کے نام خطوط بھی بھیجے جاتے ہیں۔ اگر میرے ساتھ سب مسلمان خصوصاً علماء بھی مل کر ان پر زور دیتے اور ان کو نماز، روزہ، وضع اسلامی اور تمام دینی شعائر کی پابندی پر مجبور کرتے تو اب تک مسلم لیگ

حقیقی معنوں میں مسلم لیگ ہو جاتی"۔ (افادات اشرفیہ در رسائل سیاسیہ)

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا۔

"جس زمانے میں کانگریس، مسلم لیگ سے مفاہمت کر رہی تھی میں نے ایک خط مسلم لیگ کو اس مضمون کا لکھا تھا کہ مفاہمت میں چونکہ مسلمانوں کے امور دینیہ کی حفاظت نہایت اہم اور بہت ضروری ہے اس لئے شرعیات میں آپ اپنی رائے کا بالکل دخل نہ دیں بلکہ علماء محققین سے پوچھ کر عمل فرمائیں۔

(افادات اشرفیہ در رسائل سیاسیہ صہ ۹۶)

حکیم الامت مولانا تھانوی کے اس خط کے جواب میں قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے لکھا کہ:۔

"آپ کا والا نامہ ملا۔ بڑی مسرت ہوئی۔ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔
میں آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا آئندہ بھی آپ مجھے
ہدایات فرماتے رہیں"

یہ خط و کتابت حضرت تھانوی کی طرف سے اردو میں ہوتی تھی۔ لیکن اردو کا ترجمہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب کرتے تھے۔ اور اردو نیز انگریزی دونوں تحریریں قائد اعظم کے پاس جاتیں، قائد اعظم انگریزی میں خط بھیجتے۔ اس خط و کتابت کا ریکارڈ مولانا شبیر علی تھانوی اور ادھر قائد اعظم کے پاس موجود تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کی تبلیغی سرگرمیوں سے قائد اعظم نے زبردست تاثر لیا اور ان کی عقیدت کا جو رنگ قائد اعظم کے دل پہ چڑھا اس کا اندازہ بمبئی کے ان تاجروں کے بیان سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے بمبئی جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس کے موقع پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

مولانا قاری محمد طاہر قاسمی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے سامنے دیا۔ انہوں نے کہا کہ قائداعظم نے حضرت تھانوی کا ذکر کرتے ہوئے علماء کانگریس کے مقابلہ میں فرمایا۔

" مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس اور تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام علماء کا علم و تقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا اور وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں "

(تعمیر پاکستان و علماء ربانی صہ ۹۶)

غرض یہ کہ قائداعظم اور ان کے رفقاء کار کی دینی تربیت میں حضرت حکیم الامت تھانوی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور علماء دیوبند میں سب سے پہلے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ ہیں جو مسلم لیگ کے زبردست مؤید تھے۔ آپ ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم کے بعد تحریک خلافت، ہندو مسلم اتحاد کے زمانے میں واحد شخص ہیں جو اس اتحاد کو بے معنی سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے لئے اس میں بھلائی ہے کہ وہ اپنے لئے علیحدہ حکومت حاصل کریں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر عالم اور ہر لیڈر ہندو مسلم اتحاد کا زبردست مؤید تھا۔ اس معنی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی پہلے شخص ہیں جو نظریۂ پاکستان کے زبردست حامی تھے اور یہی واحد مرد درویش تھے جو پہلے پہل ہندوستان میں پاکستان کی داغ بیل ڈال رہے تھے اور پاکستان کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے جس کی بناء پر آپ کو قتل کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ مگر آپ کوہِ استقامت بنے رہے اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت فرماتے رہے "

(ماخوذ از حیات امداد ص ۲۴ تا ۲۷)

ایک غلط فہمی کا ازالہ تحریک آزادی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے مصنف پروفیسر احمد سعید صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"آج عام صورت میں علماء بالخصوص علماء دیوبند کے خلاف ایک منظم تحریک کے ذریعے ذہنوں کو زہر آلود کیا جا رہا ہے اور یہ تاثر عام پھیلا دیا گیا ہے کہ علماء دیوبند کی اکثریت تحریک قیام پاکستان کے خلاف تھی۔ حالاں کہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے ضمن میں علماء دیوبند واضح طور پر دو مختلف اور متضاد نظریاتی گروہوں میں منقسم تھے اگر ایک طرف مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زیر قیادت ایک گروپ کانگریس کی حمایت میں متحدہ ہندوستان کے لئے سرگرم عمل تھا تو دوسری جانب مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رہنمائی میں علماء دیوبند کا ایک دوسرا با اثر اور مضبوط گروہ تحریک پاکستان کی خاطر اپنی تحریری و تقریری اور علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہا تھا۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ کہ برعظیم پاک و ہند میں مولانا اشرف علی تھانوی کا حلقۂ مریدین ہزاروں سے نکل کر لاکھوں تک پھیلا ہوا تھا جس میں بڑے بڑے ارباب علم و فضل شامل تھے۔ اور جن میں ہر ایک خود انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اپنے اپنے حلقہ میں با اثر تھے۔

یہاں یہ بات بھی خارج از امکان ہے کہ کوئی مرید اپنے مرشد کی ہدایات اور رجحانات کے برعکس کوئی اور نظریات رکھے یا ان پر عمل کرے اور یہ کہ جب تک مولانا تھانویؒ نے اپنے اس رجحان کو ظاہر نہیں کیا تھا برابر اور مسلسل ان کے مریدین و مسترشدین و وابستگان کی طرف سے استفساری خطوط بکثرت آ رہے تھے کہ وہ کدھر قدم بڑھائیں۔ پھر مولانا کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت میں ان کی رائے

کی اشاعت کے بعد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایسے مسلمان جو غیر جانبداری اور تذبذب کی حالت میں تھے۔ پوری قوت کے ساتھ مسلم لیگ کا ساتھ دینے لگے۔
دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ استاذ حدیث مولانا سید اصغر حسین دیوبندی۔ صدر مفتی مولانا محمد شفیع صاحب اور مولانا اشرف علی تھانوی کے سینکڑوں عظیم خلفاء مولانا ظفر احمد عثمانی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا خیر محمد جالندہریؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ مولانا محمد اسحٰق بردوانی۔ مولانا رسول خان ہزارویؒ۔ مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ۔ مولانا شاہ وصی اللہ اعظمیؒ۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ اور دار العلوم دیوبند کے دوسرے ممتاز فضلاء، مدرسین اور منتظمین مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ مولانا محمد طاہر قاسمیؒ۔ مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندیؒ۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب اور مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی وغیرہم علماء کی ایک عظیم جماعت جو عرصے سے مولانا تھانویؒ کے اعلان کے منتظر تھے اور سیاست سے یک سو ہو کر گوشۂ گمنامی میں علمی و تدریسی خدمات انجام دینے میں مصروف تھے۔ مولانا تھانوی کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت میں اعلان کے بعد میدان عمل میں نکل آئے۔ اور دیکھتے دیکھتے ان حضرات کے اثر و رسوخ سے مسلم لیگ کی کایا پلٹ گئی اور در اصل مسلم لیگ کو تقویت اور مقبولیت عامہ ان ہی علماء کی تائید و حمایت سے حاصل ہوئی۔ ورنہ عام مسلمان، مسلم لیگ کو انگریزوں کی حاشیہ بردار سمجھ کر اس میں شرکت سے گریز کرتے تھے۔ یہی علماء دیوبند تھے جنہوں نے قریہ قریہ، کوچہ کوچہ جاکر اس طلسم کو توڑا اور عوام الناس کی ڈھارس بندھائی اور ان کو مسلم لیگ ہی

میں شرکت پر آمادہ کیا۔ ان حقائق کو چھپانا اور ان سے روگردانی کرنا یا ان کو جھٹلانا آفتاب پر خاک ڈالنے اور صداقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے جو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

مولانا تھانوی اور ان دوسرے حضرات علماء دیوبند کو جو تحریک پاکستان کی تائید وحمایت کر رہے تھے قتل کی دھمکی دی گئی۔ مگر ان حضرات کے قدم نہ ڈگمگائے اور برابر مسلم لیگ کا ساتھ دیتے رہے۔ مولانا تھانویؒ نے ہی سب سے پہلے اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا۔ اور ایک علیحدہ آزاد مملکت کے لئے تمنا اور دعا کی۔ قائد اعظم سے باقاعدہ خط وکتابت کرتے رہے۔ اور تھانہ بھون سے مسلم لیگ کے مختلف اجلاسوں میں وفود بھیجے۔ ۱۹۳۸ء کے مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں آپ کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے آپ کو ۱۹۴۳ء کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے قائد اعظم کی زیر صدارت مولانا تھانویؒ کی وفات پر جو تعزیتی قرارداد پاس کی اس سے مسلم لیگی حلقوں میں مولانا تھانویؒ کے مقام ومرتبے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیے "تحریک آزادی اور مولانا اشرف علی تھانویؒ"۔

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

امام العصر محدث اعظم حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے اور اپنے غیر معمولی علم و فضل کے لحاظ سے دین کا ایک روشن آفتاب تھے۔ آپ ۲۷ رشوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد معظم شاہ صاحبؒ سے قرآن پاک شروع کیا۔ اور چھ برس کی عمر تک قرآن پاک کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لئے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی اور ابھی آپ کی عمر ۱۳، ۱۴ سال کی تھی کہ ۱۳۰۵ھ میں شوق تعلیم نے لولاب کے مرغزاروں اور سبزہ زاروں پر غریب الوطنی کی علمی زندگی کو ترجیح دی۔ چنانچہ تین سال تک آپ ضلع ہزارہ سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے پھر جب علوم و فنون کی پیاس وہاں بھی بجھتی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے

مرکز علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند کی شہرت سن کر آپ بھی ۱۳۰۷ھ میں
بعمر ۱۶ سترہ سال ہزارہ سے دیوبند گئے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے چار
سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت ویکتائے روزگار علمار سے فیوضِ علمیہ و
باطنیہ کا بدرجہ اتم استفادہ کیا۔ اور ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں نمایاں شہرت وعزت
کے ساتھ سندِ فراغت حاصل کی۔ جن مشاہیر علمار سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل رہا
ان میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حضرتِ اقدس مولانا
خلیل احمد سہارنپوریؒ۔ حضرت مولانا محمد اسحاق امرتسریؒ مہاجر مدنیؒ اور
حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی دیوبندیؒ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں
تعلیم سے فارغ ہو کر دیوبند سے آپ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد
گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں سے بھی
سندِ حدیث کے علاوہ فیوضِ باطنی بھی حاصل کئے۔

تدریسی و علمی کارنامے

گنگوہ سے آپ دہلی تشریف لے گئے اور
تین چار سال تک مدرسہ عالیہ امینیہ کے
مدرسِ اوّل کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔

دہلی میں بارہ تیرہ سال قیام کے بعد بعض ضرورتوں اور مجبوریوں کے باعث
آپ کشمیر تشریف لے گئے۔ اور ۱۳۲۳ھ میں آپ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت
میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ سفر حجاز میں طرابلس، البصرہ
اور مصر و شام کے جلیل القدر علمار نے آپ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ
کی خداداد بے نظیر لیاقت واستعداد دیکھ کر سنداتِ حدیث عطا فرمائیں جن

میں آپ کا نام" الفاضل الشیخ محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ الکشمیری" لکھا گیا ہے
سفر حجاز سے واپس آکر خواجگانِ قصبہ بارہمولا دکشمیر کا ایک مشہور مقام ہے
خصوصاً خواجہ عبد الصمد ککرو رئیس اعظم کے اصرار پر آپ نے اسی قصبہ میں مدرسہ
فیض عام کی بنیاد ڈالی اور قریباً تین سال تک آپ وہاں خلق اللہ کو فیض یاب
فرماتے رہے اسی اثنا میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مشہور جلسۂ دستار بندی
میں مدعو کیا گیا اور آپ دیوبند تشریف لے گئے۔ اور اساتذہ کے حکم پر دارالعلوم
دیوبند میں مدرس مقرر ہوگئے۔ جہاں سے آپ نے سندِ فراغ حاصل کی تھی۔
دارالعلوم دیوبند میں سنن ابوداؤد شریف اور صحیح مسلم شریف کا درس سالہا سال
تک آپ بغیر کسی تنخواہ کے دیتے رہے چند سال کے بعد آپ کو اپنی والدہ
ماجدہ کے انتقال کی وجہ سے پھر کشمیر جانا پڑا۔ لیکن دارالعلوم کی طرف سے
واپسی کا شدید تقاضا ہوا۔ اس لئے جلد ہی واپس تشریف لے آئے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ جو آپ کے بہت
زیادہ شفیق استاد تھے اور ساتھ ہی آپ کا بہت زیادہ احترام بھی فرماتے تھے
وہ اکثر دیوبند میں آپ کے مستقل قیام کی تجاویز سوچا کرتے تھے چنانچہ سب سے
پہلے آپ نے حضرت علامہ کشمیری کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور پھر اتباعاً للسنۃ
النبویہ نکاح کی تاکید فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۴۴ سال تھی۔ بظاہر آپ شادی
کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے۔ لیکن بسبب اتباعِ سنت نبویؐ اور اپنے مشفق و
محترم استاذ .... بہ بادل نخواستہ رضامندی ظاہر فرمائی اور جناب مولانا
حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حسنِ انتخاب سے گنگوہ ضلع سہارنپور

کے ایک اعلیٰ اور معزز شریف خاندان میں آپ کی شادی ہوگئی۔ اس سے پہلے آپ دارالعلوم میں حسبۃً للہ درس دیتے تھے۔ اب شادی کے بعد بسبب حوائج اہل وعیال نہایت قلیل تنخواہ قبول فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند کی خدمات کے سلسلے میں آپ کو بیشتر ہندوستان کے اکثر مقامات میں جانا پڑا۔ اور جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے۔ وہاں سے دارالعلوم کی امداد واعانت میں غیر معمولی کامیابی ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ دارالعلوم کا وفد نواب خواجہ سر سلیم اللہ بہادر نواب آف ڈھاکہ کی خدمت میں گیا۔ حضرت شاہ صاحب رئیس الوفد تھے اور آپ نے عربی زبان میں نہایت، فصیح وبلیغ ایڈریس دیا۔ جس سے نواب صاحب مرحوم پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ اور وفد نہایت کامیاب ہوکر واپس آیا۔

۱۳۴۰ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت صدر مدرس وجانشین شیخ الہندؒ درس دیتے رہے۔ اس کے بعد جب منتظمین دارالعلوم سے بعض اصلاحات کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو آپ نے دارالعلوم سے قطع تعلق فرما لیا۔ اور آپ قطب عالم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا سراج احمد رشیدیؒ۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ۔ مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ اور بہت سے علماء اور کئی سو طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل جامعہ اسلامیہ تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک آپ نے جامعہ اسلامیہ میں درس حدیث کا مشغلہ جاری رکھا اس دوران آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ سے بار بار طلب کیا گیا بڑی

بڑی تنخواہیں پیش کی گئیں لیکن آپ نے کبھی بڑی تنخواہوں کو ترجیح نہیں دی۔ اور ہمیشہ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے خشک خطوں ہی کو پسند فرمایا۔ دارالعلوم دیوبند کے تقریباً ۱۸ سالہ قیام میں کم ازکم دو ہزار طلبار نے بلاواسطہ آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا جن کی مکمل فہرست کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو گوشۂ گمنامی میں خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔ اور وہ بھی ہیں جو علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہیں ان میں مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ مہاجر مدنی۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ۔ مولانا محمد منظور نعمانی۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا انوارالحسن شیرکوٹیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ وغیرہ حضرات قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کے علمی و عملی کمالات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے وہ آیت من آیات اللہ تھے۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علمار متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہستیاں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس ارشاد سے آپ کی جامع شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ:۔

”میرے نزدیک حقانیتِ اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل مولانا انور شاہ

کشمیری کا امت مسلمہ میں وجود ہے۔ اگر دین اسلام میں کسی قسم کی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔"

آپ نے درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے علاوہ چند مایہ ناز تصانیف بھی تالیف فرمائی ہیں۔ گو ان کو دوسری علمی مصروفیات نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ اس بارے میں زیادہ توجہ کر سکتے۔

مولانا سید بدر عالم صاحبؒ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ اگر جامع ترمذی وغیرہ پر کوئی بڑی تالیف فرما دیتے تو پسماندگان کے لئے سرمایہ ہوتا۔ غصہ میں آکر فرمانے لگے۔

"زندگی میں نبی کریمؐ کی احادیث پڑھا کر پیٹ پالا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی حدیث کی خدمت بکتی رہے۔" ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اس کے باوجود علمی و دینی تقاضوں کی وجہ سے چند رسائل ایسے یادگار چھوڑ گئے جن کی رہتی دنیا تک قدر ہوتی رہے گی ؎

زمانہ جیسے لے کر آفتاب کرتا ہے

انہی کی رگ میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

کے مصداق علماء کو مشعل راہ کا کام دیں گے۔ چند یادگار تصانیف و رسائل یہ ہیں۔

"عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام"۔ "تحیۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام"۔ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح"۔ "خاتم النبیین فارسی" "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین"۔ "فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب"۔

خاتمۃ الکتاب"، "نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین" ۔ "بسط الیدین لنیل الفرقدین"
"کشف الستر عن صلاۃ الوتر"، "ضرب الخاتم علی حدوث العالم" ۔ "مرقاۃ الطارم
لحدوث العالم"، "سہم الغیب فی کبد اہل الریب" ۔ "ازالۃ الرین فی الذب عن
قرۃ العینین" وغیرہ۔

ان کتابوں کے علاوہ حضرت علامہ کی وہ تقریریں جو درس کے وقت املا کراتے
تھے۔ اور جن کو اجلہ تلامذہ نے تحریر کیا ہے ان میں مشہور ترین تقریر فیض الباری کے
نام سے مولانا سید بدر عالم صاحب نے تحریر کی ہے۔ چار جلدوں میں چھپ چکی
ہے۔ اور تمام علماء کے حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ یہ بخاری شریف
کی تقریر ہے۔ اسی طرح العرف الشذی درس جامع ترمذی کی املائی ہوئی جس کو
مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ نے اور انوار المحمود فی شرح ابی داؤد جس کو مولانا محمد صدیق
نجیب آبادی نے منضبط کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں اس کے علاوہ
مسلم شریف کی املائی شرح منضبط کردہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور
حاشیہ سنن ابی داؤد منضبط کردہ مولانا سید محمد ادریس سکروڈوی غیر مطبوعہ ہیں
اب اردو میں شرح بخاری بنام انوار الباری حضرت علامہ شاہ صاحب کے افادات
۳۲ حصوں میں ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہو رہے ہیں۔ ان سب شرحوں
کو دیکھا جائے تو یہ شرحیں بے شمار نئی پرانی شرحوں سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ مولانا
محمد یوسف بنوری جو حضرت شاہ صاحب کے شاگرد رشید ہیں انہوں نے حضرت
کی حیات طیبہ پر ایک کتاب بنام نفحۃ العنبر بزبان عربی لکھی ہے اس میں حضرت
کی خصوصیات نیز ان کے علمی شہ پاروں کی مکمل تفصیل بیان فرمائی ہے بشائقین

اس طرف مراجعت فرمائیں نیز "حیاتِ انور" کے نام سے ایک کتاب اردو میں شائع ہو چکی ہے جس میں حضرتؒ کے اجلہ تلامذہ نے حضرتؒ کو خراج تحسین پیش کیا ہے جو قابلِ مطالعہ کتاب ہے۔

حضرتؒ کے صاحبزادوں میں مولانا سید ازہر شاہ صاحب اور مولانا سید انظر شاہ صاحب قابلِ فخر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اللہ انکی عمروں میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

(ماخوذ بیس بڑے مسلمان)

ختم نبوّت اور علّامہ کشمیریؒ | اس صدی کے دو چار عظیم فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کاذبہ کا فتنہ ہے۔ اور یہ فتنہ اس لحاظ سے اور بھی شدید تھا کہ اس کو اس وقت حکومت کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا جس کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اللہ تعالیٰ کی شان ہے آج دوپہر کے وقت بھی نظر نہیں آتا۔ کیونکہ انگریز کی حکومت اب اپنے ہی ملک پر ہے اور وہاں اب سورج سال میں کبھی کبھار ہی نظر آتا ہے۔ اور یہ بات صرف ہمارا قیاس ہی نہیں خود متنبئ قادیان نے کہا ہے۔ کہ وہ انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے اور یہ بات اور بھی نمایاں ہو کر اس وقت سامنے آگئی جب سقوطِ بغداد پر مرزائیوں نے قادیان میں گھی کے چراغ جلائے۔ غلام احمد قادیانی کی نبوت مذہبی سے زیادہ سیاسی تحریک تھی مگر اس کو مذہبی رنگ میں پیش کیا گیا اور قادیانی اسلامی اصطلاحوں اور علمی مغالطوں کے ذریعے مسلمان کی دولت ایمان کو لوٹنے لگے۔ اسلامیانِ ہندوستان اس سے برافروختہ ہوئے۔ اور ہر مسلک و خیال کے

سربرآوردہ حضرات نے اس سلسلہ میں کافی کام کیا۔ اور حق یہ ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ مولانا ابوالوفا مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ نے ردِ مرزائیت میں خوب کام کیا۔ جنگِ عظیم میں سقوطِ بغداد میں قادیان میں گھی کے چراغ جلنے اور اس جنگ میں مرزائیوں کے علی الاعلان انگریزوں کی حمایت نے اس جماعت کے کارکنوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ اور یہ لوگ کھل کر سامنے آنے لگے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسا محبِ رسول عالم دین اور نورِ بصیرت و دانش سے بہرہ مند انسان اس پر تلملا اٹھا۔ اور حضرت شاہ صاحب نے اس سلسلے میں سب سے جامع کام کیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً " بے شک ابراہیم امت تھے۔ یعنی ذات کے لحاظ سے تو ایک فرد تھے۔ لیکن کام کے لحاظ سے ایک امت کے برابر انہوں نے کام کیا۔ بعینہٖ اسی طرح حضرتِ علامہ کشمیری اس وقت امت محمدیہ کے ان جامع افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے بیک وقت مختلف محاذوں پر کام کیا اور جن کے نورِ معرفت نے ہر شعبۂ زندگی میں برقی لہر دوڑا دی۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالی طور پر مختصراً ختم نبوت کے سلسلہ میں حضرت علامہ کی خدمات کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

ختم نبوت کے سلسلہ میں کام کرنے کے کئی پہلو تھے۔ ایک تو یہ تھا کہ خالص علمی انداز میں ردِ مرزائیت کیلئے ایک جماعت ہو۔ جو نہایت سنجیدگی اور متانت

سے اس کام کو سر انجام دے۔ ایک صورت یہ تھی کہ شعلہ نوا مقرروں کی ایک کھیپ تیار کی جائے۔ جو اپنی شعلہ نوائی اور آتش بیانی سے عوام کو اس تحریک کے خفیہ مقاصد سے آگاہ کرے۔ اور حسب ضرورت قربانی سے گریز نہ کرے۔

ایک پہلو کام کرنے کا یہ تھا کہ کسی ایک بڑی شخصیت کو ردّ مرزائیت کا مبلغ بنا دیا جائے۔ جس کا ایک ایک لفظ قادیانیت کے لئے صاعقۂ برق ثابت ہو۔ اور ایک انداز کام کرنے کا یہ تھا کہ اگر مرزائی متکلمین تحریر کے ذریعے تبلیغ کریں تو ان کے مقابلہ کرنے والے تحریر میں ان کا جواب دیں۔ ایک شعبہ کام کرنے کا یہ تھا کہ مناظروں میں ان کو شکست دی جائے۔

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تمام محاذوں پر بطور خود سالار اعلیٰ کے فرائض انجام دیئے۔ اور ہر موقعہ و جگہ کے لئے کام کرنے والے افراد کی تربیت کی اور ان کو آگے لائے۔

علمی میدان میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علماء کے لئے عربی اور فارسی میں مختلف رسائل لکھے۔ جو ردّ قادیانیت میں اصولی انداز پر حرف آخر ہیں اور اسی طرح علماء کی تربیت کی کہ وہ اس محاذ پر علمی رنگ میں کام کریں۔ چنانچہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ جیسے یگانۂ روزگار اہل قلم کو اس طرف متوجہ کیا۔ عوامی سطح پر کام کرنے کے لئے مجلس احرار اسلام کو متوجہ کیا۔ اسی طرح فلسفی شاعر علامہ اقبال مرحوم کو مرزائیت کے خد و خال سے آگاہ کیا اور انہوں نے مرزائیت پر جو کام کیا وہ علامہ کشمیریؒ

کی توجہ کا اثر تھا۔ خود علامہ کشمیری کا اس مسئلہ پر خصوصی توجہ فرمانا علماء و خواص کے لئے کافی تھا۔ مزید برآں علامہ اقبالؒ جیسے عظیم مفکر و نامور شاعر کی توجہ خصوصی اپنی طرف مبذول کر دینے سے سونے پر سہاگا کا کام کیا۔ آخری کام یہ تھا کہ اگر کہیں مرزائی مبلغ مناظرہ کا کھیل کھیلیں تو اس میدان میں بھی ان کی سرکوبی کی جائے۔

فیروز پور میں مرزائیوں کے ساتھ ایک مناظرہ طے پایا اور عام مسلمانوں نے جو فن مناظرہ سے ناواقف تھے مرزائیوں کے ساتھ بعض ایسی شرائط پر مناظرہ طے کر لیا جو مسلمان مناظرین کے لئے خاص پریشان کن ہو سکتی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند کے اس وقت صدر مہتمم مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ نے حضرت علامہ کشمیری کے مشورہ سے مناظرہ کے لئے مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ تجویز کئے۔

یہ حضرات جب فیروز پور پہنچے تو مرزائیوں کی شرائط کا علم ہوا کہ انہوں نے کس طرح سے من مانی شرائط سے مسلمانوں کو جکڑ لیا ہے۔ اب دو ہی صورتیں تھیں کہ یا تو ان شرائط پر مناظرہ کیا جائے یا پھر انکار کر دیا جائے۔ پہلی صورت مضر تھی اور دوسری صورت مسلمانان فیروز پور کے لئے شرمندگی کی باعث ہو سکتی تھی۔ کہ دیکھو تمہارے مناظر بھاگ گئے۔ آخر کار انہی شرائط پر مناظرہ کرنا منظور کر لیا گیا۔ اور حضرت علامہ کشمیری کو تار دے دیا گیا۔

اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا۔ اور عین اسی وقت دیکھا گیا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بہ نفس نفیس

تشریف لارہے ہیں۔ انہوں نے آتے ہی اعلان فرمایا کہ جائیے ان لوگوں سے کہہ دیجیے۔ کہ تم نے جتنی شرائط مسلمانوں سے منوائی ہیں اور من مانی کرنی ہے تو کرلو۔ ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں۔ مناظرہ کرو اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔ چنانچہ اسی بات کا اعلان کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا بدر عالم صاحبؒ نے مناظرہ کیا اس میں مرزائیوں کی جو گت بنی اس کی گواہی آج بھی فیروز پور کے در و دیوار دے سکتے ہیں۔ مناظرہ کے بعد شہر میں جلسہ عام ہوا جس میں حضرت شاہ صاحب اور علامہ عثمانی صاحب نے تقریریں کیں۔ یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے لوگ جو قادیانی دجل و فریب کا شکار ہو چکے تھے اس مناظرہ اور جلسہ کے بعد اسلام پر واپس لوٹ آئے۔

اس کے بعد علامہ کشمیری اور ان کے رفقاء نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔

۱۳۴۳ھ میں پنجاب کا ایک وسیع دورہ کیا گیا تاکہ مختلف مقامات پر قادیانیوں نے جو قادیانی منطق کا جال پھیلا رکھا ہے اس کا تار و پود بکھیرا جائے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم صاحبؒ اور مفتی محمد نعیم صاحبؒ کی معیت میں حضرت شاہ صاحب پنجاب کے دورے پر نکلے۔ یہ علم و عمل کے پہاڑ اور فضل و ولایت کے سمندر لدھیانہ، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرہ، ہزارہ اور کوئٹہ وغیرہ میں جلسوں کے ذریعے مرزائیوں کو للکارتے پھرے نہ مرزائی جو آئے دن اہل اسلام

کو مناظروں کے چیلنج کرتے پھرتے تھے۔ ایسے چھپے کہ کسی ایک جگہ بھی چہرہ نہ دکھایا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان میں نہیں ہیں۔

بہاول پور کا تاریخی مقدمہ

۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ بہاولپور کی ایک مسلمان عورت نے بہاولپور کی ایک عدالت میں دعویٰ کیا کہ اس کا شوہر مرزائی ہو چکا ہے لہٰذا اس کا نکاح فسخ کیا جائے۔ سات سال تک یہ مقدمہ بہاولپور کی اعلیٰ عدالتوں میں پیش ہوتا رہا بالآخر ۱۹۳۲ء میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس مسئلہ پر قادیانی اور غیر قادیانی علماء سے روشنی ڈالنے کو کہا جائے تاکہ ان کے بیانات کی روشنی میں مقدمہ کو صحیح طور پر فیصل کیا جا سکے۔

قادیانیوں نے اس مقدمہ کو جیتنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ جب حضرت علامہ کشمیریؒ کو اس مقدمہ کا علم ہوا تو آپ اپنے مخصوص تلامذہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ مولانا بدر عالم صاحبؒ۔ مولانا محمد ادریس وغیرہ سمیت بنفس نفیس شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی معیت میں بہاولپور تشریف لائے۔ اور تقریباً ۲۵ روز بہاولپور میں قیام فرمایا۔ تین روز تک مسلسل آپ کا بیان ہوتا رہا۔ ناظرین اور سامعین کا بیان ہے کہ حضرت کے بیان کے وقت احاطہ عدالت میں سکتہ طاری رہتا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ علم کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا سوائے قدرت باری تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں۔ بیان ۶۰ صفحات پر قلم بند ہوا لیکن سارا از اول تا آخر نہیں بلکہ صرف اتنا طبع ہوا جو آپ جج صاحب کو لکھواتے تھے۔ جو عبارات تشریحات و تفسیرات کے ساتھ پیش کی جاتی تھیں۔ وہ قلم بند نہیں ہوئیں۔ نیز حوالہ جات میں صرف اول و آخر کا لفظ لیا گیا۔ حالاں کہ حضرت پوری عبارت معہ تشریح و تفسیر

سناتے تھے۔ اگر پورا بیان مفصل شائع کیا جاتا تو تقریباً ایک سو ساٹھ صفحات پر پھیل جاتا۔ بہرحال علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ اور دوسرے محقق علماء کے بیانات ہوئے اور مقدمہ کا فیصلہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو سنایا گیا جو ایک سو باون صفحات پر اردو زبان میں شائع ہوا۔ اور ڈسٹرکٹ جج نے مرزائی کو مرتد قرار دیتے ہوئے نکاح فسخ کر دیا۔

عدالتی سطح پر اہلِ اسلام کی اتنی بڑی فتح حضرت علامہ کشمیری کی ذاتِ گرامی قدر کی بدولت نصیب ہوئی۔ اس مقدمہ کی مفصل کارروائی مطبوعہ ملاحظہ فرمائیے۔ (تفصیل کیلئے حیاتِ انورؒ ملاحظہ فرمائیے)

قادیان میں اعلانِ حق

"اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی" کے مصداق حضرت علامہ کشمیریؒ اعلانِ حق کرنے کے لئے کئی دفعہ قادیان تشریف لے گئے۔ اور وہاں پبلک جلسہ کر کے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا۔ مرزائیوں نے حکام سے مل کر بہت کوشش کی کہ ان جلسوں پر پابندی لگا دی جائے۔ مگر یہ جلسے جس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ہوتے تھے اس کی بناء پر پابندی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب قادیانی جلسے بند کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر جلسہ سے قبل حضرت شاہ صاحبؒ کو دھمکی آمیز خطوط لکھا کرتے کہ اگر تم یہاں آئے تو قتل کر دئے جاؤ گے۔ اور زندہ نہ جا سکو گے۔ اور یہ صرف دھمکی ہی نہ ہوتی تھی بلکہ کئی دفعہ عملاً کوشش کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی

الغرض حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے اسلام کی جو ہمہ گیر خدمت انجام دی وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپ نے اپنی علالت، بڑھاپے اور علمی مشاغل کے باوجود

دن رات قادیانی فتنہ کی روک تھام میں صرف کر دیئے۔ اور ہندوستان کے دوسرے علماء و فضلاء کو بھی اس فتنہ کی روک تھام اور اصلاحِ قوم کی طرف متوجہ کیا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے تلامذہ نے اپنے استاد کے شروع کئے ہوئے کام کو جاری رکھا۔ اور بالآخر آپ کے ممتاز شاگرد مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں مرزائیوں کو سرکاری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا گیا۔

آج بھی آپ کے متعلقین اس ضمن میں غافل نہیں ہیں۔ اور عالمی سطح پر مرزائیت کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کی ان خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشیں۔ اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلائیں۔ آمین۔

علامہ کشمیری کی سیاسی خدمات

دار العلوم دیوبند کی حیثیت ایک مذہبی یونیورسٹی کی سی تھی۔ اس کے بانی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور دوسرے بزرگوں اور بہی خواہوں کا یہ خیال تھا کہ اس دینی ادارے کو سیاسی سرگرمیوں کی کشاکشی اور دھڑے بندیوں سے بچا کر خالص دینی خدمات کے لئے وقف کر دیا جائے۔ تاکہ مسلمان اپنے مذہب اور اس کے احکامات کو باحسن الوجوہ سمجھ سکیں۔ اور ایک بار پھر اپنے کھوتے ہوئے وقار کو پا سکیں۔ دار العلوم کو سیاسی سرگرمیوں سے بچانا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اگر یہ ادارہ ایک سیاسی حیثیت اختیار کر گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ برسرِ اقتدار جماعت یعنی انگریزی حکومت اس ادارے کی مخالف بن جائے گی جس سے ادارے کی شہرت و ناموری اور مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔ لیکن یہ سہانا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

اور بالآخر سیاست کے قدم دارالعلوم میں داخل ہوگئے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ جیسے تیز و گرم مجاہد نے دارالعلوم کے اندر سیاست کو داخل کرنے میں کافی حصہ لیا پھر شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن صاحبؒ نے خلافت کے سلسلہ میں جو قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں اس نے بھی دارالعلوم دیوبند کے طلبا پر سیاسی رنگ چڑھا دیا اس وقت ہندوستان میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ مختلف سیاسی مسائل زیر بحث تھے۔ ان مسائل میں متحدہ قومیت کا مسئلہ۔ آزاد ہندوستان کی وفاقی حکومت کی صورت۔ مسلمان اقلیت کے حقوق کے مسائل شامل تھے حضرت علامہ انور شاہ صاحب بھی اپنے استاذ مکرم شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی تائید و حمایت میں انگریزی حکومت کے سخت خلاف تھے۔ اور اسی لئے ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کی مہم میں جمعیت علماء ہند کی پالیسی کی تائید کی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہندو اور مسلمان متحد ہوکر ہی انگریز کو ہندوستان سے نکال سکتے ہیں۔ لیکن جب ہندوؤں کی مکاری اور چال بازی کا علم ہوا تو شاہ صاحبؒ کے خیالات تبدیل ہوگئے۔ اور حکیم الامت تھانویؒ کے دو قومی نظریہ کی حمایت فرمائی۔ مگر قدرت نے انہیں بھی مہلت نہ دی۔ کہ آپ کھل کر تحریک پاکستان میں خدمات سر انجام دیتے اور اس تحریک سے کئی برس پہلے ہی ۲ صفر ۱۳۵۲ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

غرض آپ برطانوی حکومت کے سخت دشمن اور ہندوستان میں دین اسلام کو سربلند دیکھنے کے آرزومند تھے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسلام سے جو شغف پیدا ہوگیا تھا واقفین حال اس حقیقت سے

واقف ہیں کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی برکات تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلامیات میں حضرت شاہ صاحبؒ سے بہت کچھ استفادہ کیا اور حضرت ہی کی فیضِ صحبت نے ان کی روح کو جِلا بخشی۔ ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم دل و جان سے حضرت کا احترام کرتے تھے۔ اور عقیدت و محبت کے جذبات کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کی رائے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں فضلاء دیوبند نے بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اکابر علماء دیوبند نے اپنے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ کسی وقت بھی ان بزرگوں کی سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ بالخصوص تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت سے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی سرپرستی میں ان کے ان دو مریدانِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے منتسبین و متوسلین کی مساعیٔ انقلاب جہادی اقدامات اور حریت و استقلالِ ملی کی فداکارانہ جدوجہد اور گرفتاریوں کے وارنٹ پر ان کی قید و بند وغیرہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی جا سکتی ہیں نہ بھلائی جا سکتی ہیں۔ اس ضمن میں حضرت شیخ الہندؒ کی جدوجہدِ آزادی، مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی مساعی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا اطہر علیؒ کی تحریکِ پاکستان میں خدمات

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم اور سلہٹ کے استصواب رائے میں عظیم کارناموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان حضرات نے مسلم لیگ کی جس اخلاص، سرگرمی اور بے لوثی سے مدد کی ہے۔ تحریک پاکستان کا کوئی مورّخ ان کے مجاہدانہ کارناموں کو فراموش نہیں کر سکتا۔

صوبہ سرحد میں خان برادران کی مقبولیت کا طلسم ان ہی بزرگوں کی کوششوں سے ٹوٹا۔ دستور ساز اسمبلی میں قرار دادِ مقاصد ان کی ہی مساعی و کاوشوں اور اثر و رسوخ سے منظور ہوئی۔ تحریک ختم نبوت میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی قابل قدر خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ انہوں نے ملک و ملّت کو محفوظ فرمانے کے لئے تحریری و تقریری طور پر اسی قادیانی فتنہ کی ہلاکت و بربادی کے لئے بڑے جذبہ و سرگرمی کے ساتھ جہاد کیا۔ اور اس کے ناپاک اثرات کو ختم کرنے کے لئے دور دراز کا سفر فرمایا۔ مجلس احرار کو ردّ قادیانیت پر متوجہ کیا اور تحریک کشمیر میں مجلس احرار کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں حضرت شیخ الہند کے مشن کو آگے بڑھایا۔ اور ایک آزاد ملک کے قیام اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے عظیم الشان خدمت انجام دی جمعیت الانصار اور جمعیت علماء ہند کی رہنمائی کی۔ اور ان کے اولین مقاصد کی تائید اور ان کے حلقوں کو وسیع کرنے کی کوشش کی۔

۱۳۴۶ھ میں پشاور میں جمعیت العلماء کے آٹھویں سالانہ اجلاس کے صدر کی حیثیت سے ایک بصیرت افروز اور معرکہ آرا خطبہ میں بہت سے مذہبی اور سیاسی موضوعات پر اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا اور ملت اسلامیہ

کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ غرضیکہ یہی حضرات اکابرِ دیوبند ہر دینی علمی اور سیاسی
ملی محاذوں پر بڑے سرفروشانہ انداز سے آگے آتے رہے۔ خواہ وہ تحریکِ خلافت
ہو یا استخلاصِ وطن، تحریکِ پاکستان ہو یا تحریکِ ختمِ نبوت۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات
کی مساعیٔ جمیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین

(ماخوذ از الرشید دیوبند نمبر)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور
اخلاق و عادات کے اونچے مقامات کے ساتھ سیاسیات سے بھی لگاؤ تھا اور
ملکی معاملات میں شرعی اصول پر جچی تُلی رائے ظاہر فرماتے تھے۔ جمعیت علماء ہند کے
سالانہ اجلاس پشاور کی صدارت فرمائی۔ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ جس میں وقت کے
تمام مسائل پر بحث فرمائی۔ انگریزوں سے کافی تنفر تھا۔ ایک دفعہ مرض وفات میں
۱۹۴۷ء کے انقلاب سے سولہ سترہ سال پہلے فرمایا کہ:-

"اب ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائے گا۔ کیونکہ اس نے
قدرتی اشیاء پر بھی ٹیکس عائد کر دیئے ہیں جن چیزوں کو قدرت نے آزاد رکھا تھا ان پر
پابندی عائد کرنا قدرت کا مقابلہ ہے۔ جس کے بعد زیادہ دیر بقا نہیں ہو سکتی۔ اس
لئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اب انگریز کے جانے کے دن قریب آگئے ہیں"

سیاسیات میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
کے نظریاتِ اسلامی کے قائل تھے۔ اور ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے خواہاں تھے
اس مقصد کے لئے ہمارے اکابرین نے سب سے پہلے ہندوستان کو دارالاسلام بنانے

اور اس میں حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے مختلف النوع تحریکیں چلائیں۔ اور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت مصروفِ جہاد رہے اور ناقابلِ برداشت آلام و مصائب کا شکار رہے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے والی دوسری تحریکوں کا ۱۹۳۰ء سے باقاعدہ آغاز ہوا اور ۱۹۴۷ء میں یہ نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور اس طرح ہندوستان آزاد ہوا۔ یہ سب ہمارے بزرگوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔"

محترم جناب منشی عبدالرحمن خان صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

" اس میں شک نہیں کہ پاکستان کی تحریک میں مسلم لیگ نے اہم کردار ادا کیا لیکن اس میں ہندوستان کے علماء و مشائخ نے بھی ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس سلسلہ میں تحریک ولی اللہی، تحریک آزادی، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت اور اسی قسم کی احیاء اسلام کی دوسری تحریکیں قابلِ ذکر ہیں۔ جن کی نوعیت اگرچہ الگ الگ تھی راہِ عمل جدا جدا تھی مگر مقصود سب کا ایک تھا یعنی اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی برتری۔ ان اکابرین کے سامنے کوئی ذاتی مفاد نہ تھا اور نہ ذاتی غرض و غایت تھی۔ بے نفس و بے غرض قائدین عصری تقاضوں کے تحت مسلمانوں میں فکر و عمل کی روح پھونکتے رہے۔ اسلامی شعور اور جذبۂ آزادی پیدا کرتے رہے۔ تعمیر پاکستان کے لئے بنیادیں کھودتے رہے اور زمین ہموار کرتے رہے۔ تب جا کر ان کی مساعی جمیلہ سے نظریۂ پاکستان پروان چڑھا اور پاکستان کا تاج محل تیار ہوا۔"

(معماران پاکستان)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فضلاء میں سے تھے۔ آپ ایک بہت بڑے محدث جلیل القدر مفسر عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہہ، بہترین مفکر، اعلیٰ درجے کے خطیب اور بلند پایہ سیاست دان تھے۔ علامہ موصوف ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو پردۂ عدم سے ظہور میں آئے۔ آپ کے والد محترم مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ دہلی کالج کے تعلیم یافتہ بڑے فاضل و عالم اور اردو، فارسی کے بہترین ادیب اور شاعر تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ بانئ دارالعلوم دیوبند میں رفیق خاص تھے۔ نہ صرف رفیق بلکہ دارالعلوم کے آغاز ۱۸۸۲ء سے ۱۹۲۵ء یعنی وفات تک تینتالیس سال دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے سرگرم رکن رہے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ دورۂ حدیث میں تمام طلباء سے فرسٹ آئے۔

۱۱ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ میں آپ کی شادی ہوئی۔ لیکن آخر تک اولاد سے قطعاً محروم رہے۔

علمی و تدریسی خدمات علامہ عثمانیؒ کی علمی شہرت طالب علمی کے زمانہ ہی میں عام تھی۔ اور ان کی ذہانت اور لیاقت کا دارالعلوم دیوبند میں چرچا تھا آپ پر اساتذہ بے حد شفیق تھے۔ اور آپ کی علمی صلاحیتوں سے سب ہی متاثر تھے اس لئے فراغت کے بعد اساتذہ کے حکم پر دارالعلوم دیوبند میں کچھ عرصہ اونچے درجہ کی کتب پڑھائیں۔ بعد ازاں فتحپوری مسجد دہلی کے عربی مدرسے میں صدر مدرسی کے عہدے پر ۱۹۰۹ء میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے قیام میں دہلی میں آپ کی علمی تقریریں ہوئیں۔ اور اہلِ دہلی میں آپ کی علمی اور بیانی شہرت نے زبردست خراجِ تحسین حاصل کیا۔ قدرت نے جہاں ان کی ذات میں ذہانت اور فطانت ودیعت کی تھی۔ وہاں عہدِ طفلی سے ہی تحریر و تقریر کا ذوق و شوق ان کے پہلو میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ اکابرِ دیوبند کی نظر میں ان کی علمی لیاقت اور تحریر و تقریر کے اوصاف کھلے جا رہے تھے۔ اور سب چھوٹے بڑے ان کے فہم و فراست سے متاثر ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کے متعلق سب کی خواہش یہی تھی کہ ان کو دارالعلوم دیوبند ہی میں واپس بلایا جائے۔ چنانچہ دو سال بعد آپ کو واپس دیوبند بلا لیا گیا۔ جہاں آپ اٹھارہ سال تک دارالعلوم میں درسِ حدیث کی بے لوث خدمت سرانجام دیتے رہے۔ چونکہ آپ نے اسی درسگاہ سے فیض حاصل کیا تھا اس لئے آپ اس کو ایک احسانِ عظیم تصور کر کے یہاں بے لوث تدریسی خدمت انجام دیتے تھے۔ بعد میں اکابر کے حکم پر برائے نام تنخواہ شروع کی تھی۔ جس کے

بارے میں فرماتے تھے کہ :۔

" میں اللہ سے ڈرتا ہوں اگر میں ان دنوں کی تنخواہ لے لوں جن دنوں دارالعلوم سے غیر حاضر رہتا ہوں، پوری توجہ و انہاک سے ایک یا زیادہ دفعہ اپنے فرائض مکمل طور پر ادا نہ کر سکوں تو کہیں قیامت کو مجھ سے مواخذہ نہ ہو جائے "

(حیات شیخ الاسلام ص ۲۲)

آپ دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ درجے کے اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے اور دارالعلوم میں متوسط کتابوں سے لے کر مسلم شریف اور بخاری شریف تک کی تعلیم دی۔ تمام علوم معقولہ و منقولہ، منطق و فلسفہ، فقہ و حدیث اور تفسیر میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔ آپ جہاں بہترین عالم و فاضل تھے۔ وہاں اعلیٰ درجے کے خطیب و مقرر ہونے کے علاوہ بہترین مدرس بھی تھے۔ میدان درس و تدریس ایک جدا میدان ہے۔ جس میں ہر عالم کامیاب نہیں ہوتا۔ آپ کا درس بے شمار خصوصیات کا حامل ہوتا تھا۔ سبق پڑھاتے وقت پورے ذوق و شوق کو عمل میں لاتے تھے۔ طلبار بے حد متاثر ہوتے تھے۔ اس طرح تقریر فرماتے کہ کتاب کا ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا۔ مشکل سے مشکل مضمون کو اس طرح بیان فرماتے کہ مشکل مسئلہ مشکل نہ رہتا۔ بلکہ آسان ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ ان کے طرز بیان میں تمثیل کا رنگ اتنا اچھوتا ہوتا کہ تقدیر استوا رعلی العرش اور شریعت کے دوسرے مشکل مسائل آسان ہو جاتے تھے۔ طلبار کی اکثریت ایسے دشوار مسائل کے حل کے لئے علامہ عثمانی کی طرف رجوع کرتی۔ ان کے سبق میں دلچسپیوں اور روحانیت کی فراوانی کا عالم کچھ نہ پوچھئے۔ قرآن کریم کی تفسیر فرماتے وقت یوں

معلوم ہوتا کہ مطالب کا کشف ہو رہا ہے اور آسمان سے وحی نازل ہو رہی ہے۔
اسی طرح درس حدیث کے وقت ان پر قرنِ اولیٰ کے محدث کا گمان ہوتا اور دلوں پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ------------

صحابہؓ کے ساتھ مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ اور قال الرسول کا بازار گرم ہے آپ کی تدریسی و علمی خدمات کی مدت ۴۰ سال ہے۔ ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ۳۹ سال کا عرصہ علامہ عثمانی کا درس حدیث و تفسیر، فقہ و منطق و فلسفہ اور علم الکلام میں گذرا۔ غرضیکہ آپ کی تدریسی خدمات کا احاطہ بہت مشکل ہے۔
اللہ تعالیٰ اُن کی اس عظیم خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔"

(ماخوذ انیس بیس بڑے مسلمان اور تجلیات عثمانی)

علامہ عثمانی بحیثیت صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند

پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم فرماتے ہیں کہ:-

"شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر محدث اور عظیم الشان مفسر تھے، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۱۱ء سے لے کر ۱۹۲۸ء تک تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دی اور اس سے پہلے دو سال مدرسہ عربیہ فتح پوری دہلی اور ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۳ء تک دو تین سال کے سوا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درس حدیث دیا۔ جب آپ دارالعلوم دیوبند میں تدریس پر متقرر ہوئے تو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ ان کی علمی عظمتوں کو سب نے تسلیم کیا۔ اور دارالعلوم کے اندر اور اس کے باہر ان کے علمی کارناموں کے چراغوں کی روشنیوں سے خطۂ ہند جگمگا اٹھا۔ وہ دارالعلوم میں فی سبیل اللہ

تعلیم دیتے رہے اور انہوں نے اس طرح دارالعلوم کے خزانے پر اپنا بار ڈالنا گوارا نہ کیا۔ میں نے خود ان کی زبانی سنا کہ ایک دفعہ وہ فرما رہے تھے کہ دارالعلوم سے تنخواہ لے کر خدمت درسی میں کوتاہی کی جواب دہی خدائے رب العزت کے سامنے میرے لئے سخت دشوار ہے۔ ان کے اس طرح خدمات کے معاوضے سے دست کش ہونے کی اکابر نے موافقت نہیں کی۔ کیونکہ اور کوئی بھی ذریعہ معاش بظاہر نہ تھا۔ لیکن حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے تحسین آفرین سے ان کی تسلی فرمائی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ پھر حضرت علامہ عثمانی کے متوکلانہ پائے استقامت میں قطعاً تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ پر جو بندہ اس طرح توکل کرے کہ اس کے دین کی خدمت کا معاوضہ لینے سے حیا کرے تو خداوند تعالیٰ بھی اس کی غیبی امداد کرتا ہے چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ اقتصادی طور پر انہیں کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ بعض وجوہ کے سبب ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم سے جدا ہو کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اقامت پذیر ہو گئے اور وہاں درس دیتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں پھر دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم منتخب ہوئے اور دونوں جگہ کام کرتے رہے لیکن چند سال بعد ڈابھیل سے مستقل طور پر دیوبند تشریف لے آئے۔ اور صدارت اہتمام کے فرائض بغیر تنخواہ یا معاوضہ انجام دیئے۔ اس عرصہ میں آپ نے طلبار قدیم کی تنظیم، چندے کی فراوانی اور انتظامات مدرسہ میں بہت دلچسپی لی۔ اور دارالعلوم کو بہت سے انتظامی معاملات میں علامہ عثمانی مرحوم کی شخصیت سے فائدہ پہنچا لیکن یہ دارالعلوم کے طلبار کی بدقسمتی رہی کہ وہ آپ سے علمی فیوض حاصل کرنے سے قاصر رہے۔ البتہ آپ نے

طلبار کے بے حد اصرار پر درس تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ شروع فرمایا جس نے بے حد مقبولیت حاصل کی۔ اور نہ صرف طلبار بلکہ شہریوں سے بھی دارالحدیث کا بالائی حصہ اور گیلریاں بھر جاتی تھیں۔ میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اور ان کی علمی مجلسوں اور درس حدیث و تفسیر کی محفلوں میں بیٹھا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ علوم و فنون، تحریر و تقریر میں اپنی نوعیت کے جامع اور منفرد شخص تھے ان کے علم و فضل کے شجرۂ طوبیٰ کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں دور تک راسخ تھیں اور دوسری طرف اس درخت کی شاخیں اور برگ و بار کی بلندیاں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

" اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علامۂ زماں، محقق دوراں، حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا تھا۔ علامہ موصوف کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، بے مثل تحریر، عجیب و غریب تبحر وغیرہ کمالات علمیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج اس میں تامل کر سکے "

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے۔ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے۔ علم مستحضر تھا اور بڑا منقح علم تھا۔ علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا منطق و فلسفہ اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ حکمت قاسمیہ کے بہترین شارح

تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مسجد فتحپوری دہلی کے مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریس علوم میں مشغول ہوئے۔ پھر دارالعلوم میں بحیثیت استاذ حدیث بلائے گئے۔ اونچے طبقہ کے اساتذہ میں آپ کا شمار تھا۔ پھر ڈابھیل میں ایک عرصہ تک شیخ التفسیر کی حیثیت سے کام کیا۔ اور اپنے آخری دور میں چند سال دارالعلوم کے صدر مہتمم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے زمانۂ صدارت اہتمام میں دارالعلوم نے خوب ترقی کی۔ بڑے بڑے علما نے آپ سے درس حدیث لیا"

بہرحال آپ کی علمی و تدریسی خدمات بہت زیادہ ہیں جنہیں اس مختصر مضمون میں سمویا نہیں جا سکتا۔ دارالعلوم کے ۴۰ سالہ قیام میں ہزاروں طلباء آپ سے بلاواسطہ مستفید ہوئے۔ آپ کے تلامذہ میں مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صاحبؒ۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا سید بدر عالم میرٹھی۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ مولانا محمد منظور نعمانی۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ۔ اور مولانا اطہر علی سلہٹی جیسے مشاہیر علماء دیوبند شامل ہیں۔ جو خود بھی علم کے آفتاب و ماہتاب ہیں"

(تفصیل کے لئے تجلیات عثمانی پڑھئے)

تبلیغی و تصنیفی خدمات

مولانا سید محبوب احمد رضوی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"علم و فضل، فہم و فراست، تدبر اور اصابتِ رائے کے لحاظ سے علامہ شبیر احمد

عثمانی" کا شمار ہندو پاک کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا۔ وہ زبان و قلم دونوں کے یکساں شہسوار تھے۔ اردو کے بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت و بلاغت، عام فہم دلائل۔ پُر اثر تشبیہات و اندازِ بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے ان کی تحریر و تقریر دونوں منفرد تھیں۔ حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی تحریر و تقریر عوام و خواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی عظیم الشان جلسوں میں ان کی فصیح و بلیغ عالمانہ تقریروں کی یاد آج بھی اہل ذوق کے دلوں میں موجود ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ دیا تھا۔ اس کے لکھنے اور جلسے میں پڑھنے کا شرف علامہ عثمانیؒ ہی کو حاصل ہوا تھا۔ آپ قاسمی علوم کے امین اور ترجمان تھے۔ تحریر و تقریر میں لاثانی تھے۔ بڑے ذہین و ذکی، مدبر و مبصر، مفکر و مفسرؒ اور دیدہ ور عالم تھے۔ متحدہ ہندوستان کے تمام علماء آپ کی علمیت کا لوہا مانتے تھے تحریکِ خلافت، جمعیت علماء ہند، موتمر الانصار، ہندو مسلم اتحاد کے پلیٹ فارموں اور عام مواعظ کے جلسوں میں آپ کی جادو بیان دھواں دھار فصیح و بلیغ اور مؤثر تقریروں نے تہلکہ مچایا ہوا تھا۔

موتمر مکہ میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر تشریف لے گئے۔ اور عربی زبان میں زبردست تقریریں کیں۔ اور شاہ سعود اور دوسرے علماء ممالک سے علمی فقہی مکالمے اور مباحثے کئے۔ علمی و تبلیغی جلسوں اور مجلسوں میں اسلام کی حقانیت کو واضح کیا۔ اور لاکھوں انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان اور مسلمان بنایا۔ تحریری میدان میں علم الکلام، العقل والنقل، اعجاز القرآن۔ حجابِ شرعی

اور الشہاب وغیرہ اُن کی معرکۃ الآرا تصانیف ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن مجید پر علامہ عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ ان حواشی میں سلف کے نقطۂ نظر کے دائرے میں محدود رہ کر قرآن کریم کے اسرار و معارف کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ ذہن و فکر کے سب کانٹے نکلتے چلے جاتے ہیں اور قلب کو انشراح و اطمینان کی عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ حکومت افغانستان نے اس کا ترجمہ فارسی زبان میں کرایا ہے۔ جسے بطور ہدیہ دارالعلوم دیوبند میں بھی بھیجا ہے۔

علم حدیث میں ان کی گراں قدر عربی تصنیف فتح الملہم شرح مسلم حنفی نقطۂ نظر سے صحیح مسلم کی پہلی شرح ہے۔ ان کا یہ ایک ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے جس نے ان کے علم و فضل کو تمام عالم اسلام میں روشناس کرا دیا ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نیز مصر و شام کے دیگر علماء اور برصغیر کے نامور علماء نے ان کو خراج تحسین ادا کیا ہے [1]۔"

پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی فرماتے ہیں کہ:۔

" علامہ عثمانیؒ کی تمام زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں انہماک اور ذوق و شوق تعلیم و تدریس اور فقہ و حکمت اسلامی کے ساتھ بے انتہا شغف میں گزری جو ہزاروں عبادت گزاروں کی زندگی کے مقابلہ میں یقیناً عزیز اور قیمتی کہی جا سکتی ہے۔ آپ نے ایک عالم دین اور مبلغ اسلام ہو کر اُمت مسلمہ پر بے شمار جلسوں

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند صـ ۲۰۴

مجلسوں، صحبتوں اور درسگاہوں میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کی ہے۔ اور ان کے معانی و تفسیر کے بیکراں سمندر ان کے سامنے بہاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کا تزکیہ ہوا ہے۔ اور باخبر جانتے ہیں کہ ان کی تقریریں جن جن مجالس میں ہوئی ہیں وہاں حاضرین جلسہ پر اس قدر کیف برستا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے دلوں کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں اور یقیناً آپ کی سحر انگیز تقریروں سے دلوں کی کیفیتیں بدل جاتی تھیں۔ اور ہزاروں کیا لاکھوں انسان آپ کے مواعظ حسنہ سن کر ذوق و شوق و یادِ الٰہی سے سرشار ہو کر اٹھتے تھے۔ لوگوں پر عجیب بے خودی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ غرضیکہ ان کا علم ہندوستان و پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ میں ظہور تھا اور ان کی ساری زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام میں گزری ہے[1]

حضرت سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں :۔

" علامہ عثمانی مرحوم کی دینی تبلیغی و تدریسی خدمات کے علاوہ علمی و تصنیفی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے جیسے اسلام کی لسانی خدمت سرانجام دی ہے اسی طرح آپ کی قلمی خدمت بھی اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے مضامین اور چھوٹے رسائل تو متعدد ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآنی حواشی ہیں۔ جو حضرت شیخ الہند کے ترجمہ کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے علامہ مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور

---

[1] علامہ کی علمی تبلیغی خدمات کی تفصیل 'حیاتِ عثمانی' 'تجلیات عثمانی' میں دیکھئے۔

اور عوام کے دل نشین کرنے کے لئے ان کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالا ہے مجھے امید ہے کہ ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومت افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے حواشی کو افغانی مسلمانوں کے فائدے کے لئے فارسی میں ترجمہ کرکے چھاپا ہے۔

صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال ان کو اپنی جوانی کے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی شرح احناف میں سے حافظ بدرالدین عینی نے بہت پہلے لکھ کر احناف کی طرف سے حق ادا کر دیا تھا۔ مگر صحیح مسلم کی شرح حنفی نقطۂ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی اس کے لئے حضرت علامہ مرحوم نے اپنے دست و بازو کو آزمایا۔ اس کے لکھنے کا کام تمام عمر جاری رہا۔

ان کو حیدرآباد دکن کی ریاست اپنی عربی درسگاہ مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی کے لئے پانچ سو روپیہ پر بلا رہی تھی۔ مگر حضرت علامہ عثمانی مرحوم نے وہاں جانا قبول نہیں کیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنی علمی درسی اور سیاسی و ملّی خدمتوں میں ایسے الجھتے گئے کہ پھر دوسری طرف ان کو خیال کا موقع ہی نہیں ملا۔ صحیح مسلم کی بہترین شرح متکلمانہ انداز میں لکھی اور حکمتِ قاسمیہ کو اس میں نمایاں رکھا۔

آپ بے مثال خطیب تھے اور خطبات میں قاسمی علوم بکثرت بیان کرتے تھے تحریر و تقریر میں انہی علوم کا غلبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرقد کو پُر نور فرمائے۔ اور اس پہ اپنا ابرِ رحمت برسائے۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں مگر ان کے علمی و عملی کارنامے دنیا میں انشاء اللہ تعالیٰ حیاتِ جاوداں پائیں گے۔" (یادِ رفتگان مطبوعہ کراچی)

شیخ الاسلام کی سیاسی خدمات

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند میں اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سیاست وراثت میں ملی۔ اور شیخ الہندؒ کے حصے میں یہ جذبۂ حریت وجہاد اپنے استاد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیا۔ اور خود دارالعلوم دیوبند کا بنیادی مقصد تبلیغِ دین، اشاعتِ اسلام تخلیق علماء اور تعمیرِ ملّت اسلامیہ رہا ہے۔ اس لئے دارالعلوم دیوبند کا ہر عالم وفاضل اور تعلیم یافتہ ہمیشہ اس جذبہ حریت وسیاست سے سرشار رہا۔ الا ماشاء اللہ۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے جہاں دینی علمی اور مذہبی خدمات میں اپنی عمر کو گزار دیا۔ وہاں ان کی ملکی سیاسی خدمات اور آزادئ ہندوستان کی رہنمائی اور بالخصوص مسلمانوں کو سیاسی راہ بنانے میں بڑی خدمات انجام دیں۔ آپ نے جمعیۃ الانصار میں سرگرمی سے حصہ لینے کے لئے ۱۹۱۱ء کی جنگ بلقان وطرابلس سے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور اسی دور میں آپ نے بلقان اور طرابلس کے مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے ہندوستان کے مختلف حصوں سے چندہ فراہم کیا۔ آپ نے جمعیت الانصار میں بڑا کام کیا۔ مراد آباد کے اجلاس میں ایک زبردست مقالہ "الاسلام" کے نام سے پڑھا۔ جس میں مذہب اسلام کی صداقت اور اس کے اصول پر عقلی حیثیت سے بحث کی گئی تھی۔ اس مقالے کو سن کر بڑے بڑے علماء متاثر ہوئے۔ خود حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:۔

" مولانا شبیر احمد صاحب کے ہوتے ہوئے اب ہمیں کوئی فکر اور غم نہیں رہا۔"

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:-

جمعیت الانصار کا بہت بڑا جلسہ مرادآباد میں ہوا۔ جس میں علی گڑھ اور ندوہ اور دیوبند کے اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے حضرت الاستاذ مولانا شبلی مرحوم شریک ہوئے تھے۔ اس جلسے میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے "الاسلام" کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا۔ حاضرین نے بہت داد دی۔"

جمعیت الانصار کا دوسرا اجلاس ۶، ۷ / اپریل ۱۹۱۲ء کو میرٹھ میں ہوا۔ شیخ الہندؒ سرپرستی فرما رہے تھے۔ اور مولانا عبیداللہ سندھی کنوینر تھے۔ علامہ عثمانیؒ نے اس اجلاس میں "الدار الآخرة" کے عنوان پر علماء کے بھرے جلسے میں جس میں پبلک کا بہت بڑا ہجوم تھا زبردست تقریر فرمائی۔ میرٹھ کے بعد جمعیت کا جلسہ شملے میں دوبارہ ہوا۔ اور ان میں بھی حضرت عثمانیؒ نے تقریر فرمائی۔ جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اور دوبارہ تقریر کی فرمائش کی گئی۔

بعد ازاں علامہ نے کراچی میں بھی جمعیت الانصار کی شاخ قائم کی۔ ہاں تو یہ جمعیت الانصار حضرت شیخ الہندؒ ہی کی تحریک تھی۔ اور آپ شیخ الہند کے جانشین تھے۔ علامہ عثمانی کے ان جلسوں کے باعث ہندوستان میں مسلمانوں کو مذہبی بیداری پیدا ہوئی۔ اسی طرح علامہ عثمانیؒ نے تحریکِ خلافت میں بھی بڑا کام کیا اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں آپ کی زبردست تقریریں ہوئیں۔ تحریک خلافت میں حصہ لینے اور جلسوں میں تقریریں کرنے سے علامہ مرحوم کی ملک میں

دھوم مچ گئی اور جب تحریکِ خلافت شباب پر آئی تو جمعیت علمار ہند کی بنیاد ۱۹۱۹ء میں ڈالی گئی۔ اس میں ہندوستان کے ہر فرقے اور طبقے کے علمار شامل ہوئے علامہ عثمانیؒ کی شخصیت کے پیشِ نظر ان کو جمعیت علما ہند کی ورکنگ کمیٹی اور مجلس منتظمہ کے لئے منتخب کیا گیا۔ آپ جمعیت علمار کے جلسوں میں شرکت فرماتے اور تقریریں کرتے۔

۱۹۲۰ء کے دہلی کے سالانہ جلسے میں علامہ عثمانی نے ترکِ موالات پر اپنا زبردست خطبہ دیا۔ جو اس وقت "خطبات عثمانی" میں چھپ چکا ہے۔ یہ جلسہ حضرت شیخ الہند کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تھا۔ جو ابھی ابھی مالٹا کی اسارت سے آزاد ہو کر ہندوستان واپس ہوتے تھے۔ ملک میں تحریکِ خلافت اس وقت زوروں پر تھی۔ اس لئے آپ نے اس میں حصہ لیا۔

۱۹۲۱ء میں لاہور میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں جمعیت علمار ہند کی جو کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں بھی علامہ عثمانی کی تقریر نہایت معرکہ آرا تھی تحریکِ خلافت اور جمعیت علمار کے جلسوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کو ہندوستان کے تمام شہروں سے شرکت کے لئے باصرار دعوت دی جاتی تھی ان تمام جلسوں میں تقریباً علامہ عثمانیؒ ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ دہلی۔ میرٹھ۔ مراد آباد علی گڑھ۔ کانپور۔ سہارنپور غرضیکہ ہر جگہ علامہ عثمانی بحیثیت نمائندہ جمعیت علمار تقریریں فرماتے۔ اور یہ شرف ان کے لئے استاذِ مکرّم کی نیابت کا بہت بڑا شرف تھا۔ جامعہ ملیہ کے افتتاح پر حضرت شیخ الہند سخت علیل تھے۔ اسی عالم میں علی گڑھ پہنچے۔ علامہ عثمانی مرحوم نے ہی خطبہ لکھا اور حضرت علامہ ہی نے شیخ الہند کی طرف

سے پڑھا۔ غرضیکہ خلافت اور جمعیت علما کے جلسوں میں شرکت اور تقریروں نے حضرت علامہ عثمانی کی شخصیت میں چار چاند لگا دیے۔ اور آپ جمعیت علمار کے پروگراموں میں بھرپور حصہ لیتے رہے تاآں کہ مسلم لیگ کے نصب العین نے کانگریس سے علیحدہ اپنا زبردست محاذ قائم کر لیا۔

(ماخوذ از خطبات عثمانی اور تجلیات عثمانی مؤلفہ انوار الحسن شیرکوٹی)

تحریک پاکستان اور علامہ عثمانیؒ

حضرت علامہ عثمانیؒ کا رجحان ابتدا سے ہی اس طرف تھا کہ مسلمانوں کے حقوق کی نمائندہ جماعت باوقار طور پر کانگریس سے علیحدہ ہو کر اپنے حقوق کی نگرانی کرے۔ اور ایسی جماعت مسلم لیگ ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا علامہ عثمانی کانگریس میں اس وقت تک شرکت کرنے کو گوارا نہیں فرماتے تھے جب تک کہ ان سے حقوق نہ منوا لئے جائیں لیکن جمعیت علمار ہند جو کانگریس کے ساتھ متحد تھی وہ آزادیٔ ہند کی خاطر یہ نصب العین رکھتی تھی کہ ہندوستان کی دونوں قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں کو متحد ہو کر انگریزوں سے آزادی حاصل کر لینی چاہئے دشمن کو گھر سے نکالنے کے بعد آپس میں حقوق کا فیصلہ کر لینا چاہئے۔ اور ادھر جمعیت علمار کا یہ خیال بھی تھا کہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے بعد اسلامی حکومتوں کو ہندوستان پر قبضہ دلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن مسلم لیگ کے قائد مسٹر محمد علی جناح نے بالآخر ہندو اور کانگریس کے حالات کے پیش نظر ۱۹۴۵ء کے الیکشن کے لئے مسلم لیگ کو علیحدہ الیکشن لڑنے اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ثابت کرانے کی کوشش کی۔

مسلم لیگ کی تحریک نے زور پکڑ لیا۔ اور اس طرح دونوں کا سخت مقابلہ ٹھن گیا۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نظریہ پاکستان پیش کر چکی تھی۔ ان حالات کے تحت علامہ عثمانی بھی مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔ ہندوستان میں علمار کی دو جماعتیں بن گئیں جن میں سے کچھ کانگریس میں شامل تھے۔ جمعیت علمار ہند قطعی طور پر کانگریس کی مؤید تھی اور چند بڑے بڑے علمار بھی کانگریس میں شامل تھے ان حالات میں مسلم لیگ کو مذہبی طور پر سخت دقت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن ایسے نازک وقت میں کسی مؤثر اور مقتدر علمار کی تائید کی سخت ضرورت تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہمیشہ سے ہی کانگریس کے مخالف تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی بھی کانگریس سے منقبض ہی رہتے تھے۔ اس لئے آپ نے مسلم لیگ میں شرکت کا بروقت اعلان فرمایا جس سے تحریک پاکستان کو بہت تقویت پہنچی اور تحریک پاکستان میں جو شاندار کردار علامہ عثمانی نے ادا کیا وہ ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام پاکستان کے لئے وقف کر دئے تھے۔ آپ نے مسلم لیگ میں شامل ہو کر بڑے شدومد کے ساتھ ان علمار کی تردید کی جو متحدہ قومیت کے حامی تھے آپ نے دو قومی نظریہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

" قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگریس کے دستور اساسی کا بنیادی پتھر ہے اس معنی میں جو کانگریس کے ائمہ اس کے ارادے کرتے ہیں۔ میرے نزدیک شرعی نقطۂ نظر سے کبھی قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک سب سے پہلے ایک خالص اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے اس کے

بدول کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز رو دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے کو ڈال دینا خودکشی کے مترادف ہے۔ مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں، بہت سے امور میں تعاون اور اشتراک عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے۔"

حضرت علامہ عثمانی نے فرمایا کہ:۔

"ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ متنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جائے۔"

(تفصیل کے لئے حیاتِ عثمانی اور تجلیات عثمانی ملاحظہ فرمایئے)

جمعیت علمار اسلام کا قیام

۱۹۴۵ء میں جمعیت علمار ہند کے مقابلہ میں تحریک پاکستان کے حامی علمار نے کل ہند جمعیت علمار اسلام کی بنیاد ڈالی۔ اور اس کا شاندار اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ یہ اجلاس اپنی نوعیت کا نہایت ہی عظیم الشان اور تاریخی اجلاس تھا بے شمار عوام وخواص اس میں شامل ہوئے۔ حضرت علامہ عثمانیؒ علالت کی وجہ سے خود تشریف نہ لے جا سکے۔ البتہ آپ نے اپنا ایک تحریری پیغام بھیجا جو جلسے میں پڑھا گیا۔ محض اس پیغام سے مسلمانوں پر جو اثر ہوا وہ بجلی کی طرح تمام مسلمانانِ ہند میں پھیل گیا۔ اس بیان کو چھپوا کر ہندوستان کے طول وعرض میں شائع کیا گیا جس سے مسلمانوں میں کانگرس کے خلاف اور لیگ کے موافق

جوش پھیل گیا۔ حضرت علامہ کی شرکت نے مسلم لیگ کو بے حد تقویت پہنچائی اور کانگریس کو زبردست دھکا لگا۔ جمعیت علماء ہند کو بھی سخت نقصان پہنچا اور اکثر مسلمانوں کی نظر میں اس کا وقار پہلا سا نہ رہا۔

پھر میرٹھ میں لیگ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کی صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی نے کی۔ آپ نے اس میں ایک زبردست خطبۂ صدارت پڑھا جس نے ملک کی سیاسی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اور آپ نے مسلم لیگ کو ووٹ دے کر کامیاب بنانے کا فتویٰ دیا۔ جس کے نتیجہ میں لیگ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اور لیاقت علی خان مرحوم بھی آپ کی کوششوں کے نتیجے میں الیکشن میں کامیاب ہوئے۔

۱۹۴۶ء میں علامہ عثمانی کی صدارت میں جمعیت علماء اسلام کا اجلاس اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں ہوا۔ یہ اجلاس اس لئے زبردست اہمیت کا حامل تھا کہ پنجاب میں یونینسٹوں کی وزارت تھی اور وزیر اعظم خضر حیات تھے۔ علامہ عثمانی نے اس اجلاس میں ہمارا پاکستان کے نام سے ایک بسیط و طویل خطبۂ صدارت پڑھا جس سے مسلمانانِ پنجاب کو صحیح راہ نظر آئی اور ان کا جوش مسلم لیگ کے حق میں ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

بہر حال تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کو تقویت پہنچانے کے لئے آپ نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا۔ اور تقریریں کیں۔ جس سے اب لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مان لی گئی۔ اور مسلمانوں کی اکثریت لیگ کے ساتھ ہو گئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر علامہ عثمانی مسلم لیگ میں شامل نہ ہوتے تو

مسلمانوں کو مذہبی حیثیت سے یہ باور کرانا دشوار ہو جاتا کہ مسلم لیگ نہ صرف مسلمانوں کی جماعت ہے بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی اس امر میں شرکت کرنا ضروری ہے۔

الغرض علامہ عثمانی کی لیگ میں شرکت بہت ہی بابرکت ثابت ہوئی۔"

(بیس بڑے مسلمان۔ مقالہ انوار الحسن شیرکوٹی)

محترم جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب، جمعیت علماء اسلام اور اس کے اکابرین کی خدمات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آ گئے تھے۔ مخالفین کی طرف سے اس قسم کا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا کہ مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ ہے۔ اسے جماعت علماء کی تائید حاصل نہیں ہے۔"

اِدھر ارباب لیگ بُری طرح محسوس کر رہے تھے کہ جب تک ہر محاذ پر علماء ان کے شانہ بشانہ کام نہ کریں۔ الیکشن جیتنا آسان کام نہیں۔ چنانچہ ان کے تقاضے پر اور حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ملک کے مقتدر علماء کرام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ مولانا محمد طاہر قاسمیؒ۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا آزاد سبحانی، مولانا راغب احسن مولانا اطہر علی۔ مولانا ابوالبرکات اور مولانا غلام مرشد وغیرہ نے نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمع ہو کر ایک عظیم الشان علماء کانفرنس منعقد کی اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کا سنگ بنیاد رکھا گیا جس کے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی منتخب کئے گئے۔ اس علماء کانفرنس نے متفقہ طور پر

مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ اور ایک قرارداد کے ذریعے مسلم ووٹروں سے اپیل کی کہ مسلم لیگ کے نمائندہ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دینا ؛ کیونکہ

اتحاد ملت، مفاد ملت، استقلال اسلام اور مستقل قوم کے مقاصد کے خلاف ہے۔ اور پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک ان انتخابات کے نتائج پر موقوف ہے۔"

مزید برآں مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مذہبی اور علمی حیثیت سے مطالبہ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت، کانگریس سے اختلاف اور متحدہ قومیت کے خلاف دو قومی نظریہ پر قرآن و حدیث اور فقہی دلائل کی روشنی میں بہت سے فتاویٰ اور رسائل لکھ کر شائع کئے۔ جن میں سے "کانگریس اور مسلم لیگ" افادات اشرفیہ و مسائل سیاسیہ" بڑے مفید ثابت ہوئے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے ان فتووں کی تائید و تصدیق علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا قاری محمد طیب اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی جیسے اکابر علماء دیوبند نے کی۔ علاوہ ازیں یہ علماء کرام جن کا مذاق ہی شروع سے الیکشنوں کے طوفانوں سے یکسوئی تھی ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت کرنے کے لئے پھیل گئے۔ کیونکہ یہ الیکشن ایک ایسے مقصد کے لئے لڑا جا رہا تھا جس پر ہندوستان میں دین اسلام کے بقاء کا دارومدار تھا۔ ان حضرات علماء نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں قائد اعظم اور ان کے رفقاء کے شانہ بشانہ ملک بھر

کے طول و عرض میں طوفانی دورے شروع کر دیئے اور اپنی مجاہدانہ تقریروں سے مسلمانوں میں قوت حیات پیدا کرنے لگے کہ یہ حضرات ہر روز ایک نہیں دو، دو تین تین جلسوں میں تقریریں کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے ساتھ تو ان کا کوئی رفیق نہ چل سکا مسلسل سفر کی صعوبت اور شب بیداری کی وجہ سے وہ اکثر بیمار ہو جاتے تھے اور مولانا ظفر احمد صاحبؒ کو بعض مقامات پر تنہا جانا پڑتا مگر بفضلہ تعالیٰ ان کے بڑھاپے میں بھی ان کی صحت ان کا برابر ساتھ دیتی رہی جہاں بھی پہنچے ان کی بے غرضانہ اور مخلصانہ آواز پر عوام لبیک کہتے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ بدل گیا اور علماء کی چار ماہ کی مسلسل تگ و دو کا یہ نتیجہ نکلا کہ عامۃ المسلمین متحدہ قومیت کا مورچہ فتح کرنے کے لئے مردانہ وار میدان میں نکل آئے۔ اور ان علماء کرام کی مسلسل جدوجہد سے حصولِ پاکستان کی یہ جنگ کامیاب و کامران ہوئی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد شفیع صاحبؒ جب یہ جنگ پاکستان جیتنے کی مبارک باد پیش کرنے کے لئے قائداعظم کی کوٹھی پر پہنچے تو قائداعظم نے سر و قدم کھڑے ہو کر ان علماء کا خیر مقدم کیا۔ اور معانقہ کے بعد اپنے برابر کرسیوں پر بٹھایا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قائداعظم کو حصولِ پاکستان پر مبارک باد پیش کی تو قائداعظم نے فرمایا:" مولانا یہ مبارک باد آپ کو ہے کہ آپ کی ہی کوششوں سے یہ کامیابی ہوئی ہے"

(تعمیر پاکستان وعلماء ربانی میں تفصیلات دیکھئے)

سرحد ریفرنڈم میں کامیابی

پاکستانی لیڈروں کا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے ان صوبوں کا جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے پاکستان بنایا جائے۔ اور ایسے صوبے پانچ ہیں۔ یعنی سرحد۔ سندھ، پنجاب، بنگال اور آسام لیکن کانگریس نے اس میں ترمیم پیش کی اور کہا کہ ان صوبوں کے ان حصّوں کو جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے ہندوستان میں شامل کیا جائے۔ اس فیصلہ کے لئے باؤنڈری کمیشن کا تقرر عمل میں آیا اور قائدِ اعظم نیز کانگریس نے ثالثی کو قبول کر لیا۔ اس کمیشن کا صدر ریڈ کلف مقرر ہوا بدقسمتی سے صوبہ سرحد جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی وہاں کانگریس کی وزارت تھی۔ کانگریس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ صوبہ سرحد میں وہاں کے رہنے والوں کی رائیں معلوم کی جائیں کہ آیا وہ ہندوستان میں صوبہ سرحد کو رکھنا چاہتے ہیں؟ یہ معاملہ پاکستان کے مسلمانوں کے لئے نہایت ہی نزاکت کا معاملہ تھا۔ بالفرض اگر صوبہ سرحد ہندوستان کے حق میں رائے دے دیتا ہے تو پاکستان کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ یہی صورتِ حال سلہٹ (مشرقی پاکستان) کے متعلق تھی قائدِ اعظم کو عجب فکر لاحق تھی۔

سوال یہ تھا کہ جس جگہ خان برادران یعنی عبدالغفار خان کا اثر ہو اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان کی وزارت ہو وہاں مسلم لیگ کی کامیابی کی کیا شکل ہے۔ موقع کی نزاکت نہایت ہی مقابلہ چاہتی تھی۔ پیر مانکی شریف نے قائدِ اعظم کو لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں رائے عامہ کے حصول کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کا دورہ کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ملک میں ان کا مذہبی حیثیت سے بہت

کچھ اثر قائم ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان حالات کے پیشِ نظر قائدِاعظم نے حضرت علامہ عثمانی سے اس مہم کو سر کرنے کی درخواست کی۔ اور علامہ عثمانی اس بڑھاپے اور کمزوری نیز دائم المرضی میں صوبہ سرحد کے دورے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ علامہ عثمانیؒ نے اس موقع پر قائدِاعظم کو یاد دلایا کہ ہم لوگوں کی تمام جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ آپ کے وعدہ کے مطابق پاکستان کا نظام وقانون اسلامی ہوگا۔ اسی وعدے کی میں پھر تجدید چاہتا ہوں۔ اس پر قائدِاعظم نے نہایت واضح الفاظ میں جواب دیا۔ کہ مولانا یقیناً پاکستان میں اسلامی قانون رائج ہوگا۔ اور آپ صاحبان ہی اس مسئلے کو طے کریں گے۔

اس تجدید وعدہ کے بعد علامہ عثمانی سرحد کے دورے پر سخت گرمی کے زمانے میں روانہ ہوئے۔ اور آپ نے علالت وکمزوری کے باوجود نہایت جفاکشی محنت اور مشقت وصعوبت کو برداشت کر کے پوری جانفشانی کا ثبوت دیا۔ اور آپ نے اپنی زندگی کے اس آخری دور میں یہ ثابت کر دیا کہ میدانِ علم وحکمت کا مرد، میدانِ مشقت ومجاہدہ میں بھی بفضلِ خدا کم نہیں ہے۔ آپ نے پشاور میں ولولہ انگیز تقریر کی۔ اور مسلمانوں کو واضح کیا کہ کانگریس کا پروپیگنڈہ مسلمانوں کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان پیدا کر رہا ہے۔ اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو مسلمان قوم کی تباہی آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پاکستان میں اسلامی قانون ہوگا اور مسلمانوں کو اپنے ملک میں اپنی مرضی کا قانون جاری کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کے برعکس ہندوستان میں شمولیت کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ وہ ہندو کی غلامی کا جوا ہمیشہ کے لئے اپنی گردن پر رکھ چکے ہیں۔ پشاور کے مسلمانوں میں ان تقاریر

سے جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ علامہ عثمانیؒ نے اسی طرح سے ایبٹ آباد۔ کوہاٹ بنوں۔ مردان اور مانسہرہ میں بھی اپنی جوشیلی تقاریر سے مسلمانوں کو گرمایا اور پاکستان کے ساتھ الحاق کی تلقین کی جس کا بہت اچھا اور نمایاں اثر مسلمانوں پر پڑا۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد متین خطیبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

" سرزمین سرحد میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے باوجود اپنی علالت و پیرانہ سالی کے ایک طویل دورہ کیا جس میں گرمی کی حدت کے باوجود بسا اوقات موٹر ریل اور مختلف سواریوں کے ذریعہ سفر کرنا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر پاکستان کے مسئلہ کو دو قومی نظریہ سے اختلاف رکھنے والوں نے جس طرح عوام کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے سرحد کے باشندے کانگریس کے جال میں پھنس کر رہ گئے تھے اس جال کے تار و پود بکھیرنے کے لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانی مرحوم جیسی عظیم الشان شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس مہم میں آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے سرحد کی فضا بہتر ہوئی۔ اور پاکستان کے حق میں عوام کے رجحانات تبدیل ہو گئے۔

۶ر جولائی ۱۹۴۷ء سے صوبہ میں ریفرنڈم شروع ہوا۔ اور ۱۸ر جولائی کو ختم ہوا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے نہایت نازک مرحلہ پر پاکستان کو کامیابی بخشی اور کانگریس اور سرخ پوش لیڈر منہ تکتے رہ گئے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء حالات بتا رہے ہیں کہ پاکستان پر محض فضلِ ربیّ تھا ورنہ مخالفین نے مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مگر سب شکست سے دوچار ہوئے اور صوبہ سرحد

پاکستان کا حصہ بن گیا۔ صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں نتیجہ خیز ہو چکنے کے بعد علامہ عثمانی قائدِ اعظم سے دہلی میں ملے۔ اور انہیں اس کامیابی پر آپ نے مبارک باد دی تو قائدِ اعظم نے جواب میں فرمایا:۔

" اس مبارک باد کے مستحق آپ ہیں خواہ میں سیاست داں ہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی"

غرضیکہ جنگِ طرابلس اور بلقان، خلافت اور جمعیت علماء ہند کے ہنگامہ خیز اجلاسوں سے لے کر پاکستان کے عالمِ وجود میں آنے تک حضرت علامہ عثمانیؒ کی علمی، مذہبی اور سیاسی خدمات کا جائزہ لگائیے کہ ان کی خدمات نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ دیگر اسلامی ممالک پر بھی محیط ہیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(تجلیاتِ عثمانی)

قرار دادِ مقاصد | علامہ عثمانیؒ ۶ راگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کے جلسوں اور افتتاحِ پاکستان کی تقریب میں شرکت کے لئے دیوبند سے روانہ ہوئے اور ۱۰ راگست کو دستوریہ کے پہلے اجلاس کا افتتاح علامہ عثمانیؒ نے قرآن کریم کی تلاوت سے کیا۔ ۱۴ راگست کو قائدِ اعظم کی درخواست پر آپ نے افتتاحِ پاکستان کی تقریب میں اپنے دستِ مبارک سے پاکستانی پرچم لہرایا۔ آپ چونکہ پاکستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے اور آپ کی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کے قانون کے متعلق کم از کم میرے سامنے دستور ساز

اسمبلی یہ پاس کردے کہ پاکستان کا آیندہ دستور قرآن و سنّت ہوگا۔ چنانچہ اس کے لئے آپ نے پوری قوم کو بیدار کیا۔ ملک کے لوگوں کی آواز بلند کرائی۔ اور ہندوستان سے جیّد علماء مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی کو جلد بلایا اور رات دن اسلامی دستور کے بنیادی اور جزوی اصول اور قوانین بنانے کا کام سر انجام دیا۔ جس کے تمام دفاتر مولانا احتشام الحق تھانوی کے پاس موجود ہیں۔ اراکین دستور ساز پر زور دیا اور لیاقت علی خان کو فہمائش کی اور اسی مقصد کے لئے ڈھاکہ میں تین روزہ کانفرنس فروری ۱۹۴۹ء میں منعقد ہوئی اور وہاں ایک زبردست خطبۂ صدارت دیا۔ ان تمام امور کے نتائج میں پاکستان کے لئے آئندہ دستور کے لئے لیاقت علی خان مرحوم نے حضرت علامہ عثمانی کے ہی بنائے ہوئے اصولوں اور مضمونوں کے مطابق دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد کے نام سے تجویز پیش کی جس کی تائید علامہ عثمانی نے کی۔

یہی وہ مقصد تھا جس کی خاطر قدرت نے حضرت علامہ عثمانی کو تحریک پاکستان کے لئے کھڑا کیا تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ قانون اسلامی کی تجویز اگر ہماری کوششوں سے پاس ہوگئی تو آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی اور ایسے بندے کو قدرت سے بھیج دے گا جو اس قانون کو سارے ملک میں نافذ کرا سکے۔

قرارداد مقاصد کی منظوری علامہ عثمانی کا وہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے جو تاریخ پاکستان میں زرّیں حروف سے لکھا جائے گا۔ الغرض تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف دنیاوی حیثیت سے قائد اعظم کی خدمات ہیں تو دوسری طرف اتنی ہی شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور ان کے رفقاء کی دینی خدمات ہیں اس لئے پاکستان

کو دونوں کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ خیال کرنا چاہیئے۔ بالآخر موت سے کوئی مفر نہیں جو آیا فنا سے دوچار ہوا۔ شیخ الاسلام نے بھی دنیا میں اپنا کردار ادا کیا اور بیسویں نصف صدی میں اسلام، مسلمان قوم اور وطن کی خدمات جلیلہ انجام دے کر ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بغداد الجدید بہاولپور میں انتقال فرمایا۔ اور ۱۴ دسمبر کو کراچی میں اس آفتابِ علم کو زیر زمین دفن کر دیا گیا اِنّا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نوٹ علامہ عثمانی کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کے لئے۔ حیات عثمانی، خطبات عثمانی، تجلیات عثمانی اور انوار عثمانی ملاحظہ فرمایئے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا عبیدُاللہ سندھیؒ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۱۰ر مارچ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل سکول میں داخلہ لیا۔ اس وقت والدین کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔ اور دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو چکی تھی جب خدا کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اسے خود ہی صراطِ مستقیم پر ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ آپ کو ۱۸۸۴ء میں ایک آریہ سماجی طالب علم سے ایک کتاب تحفۃ الہند مل گئی۔ جس میں نومسلموں کی فضیلتیں اور آخرت کے احوال درج تھے۔ اس کے بار بار مطالعہ سے آپ کے دل میں شمع اسلام روشن ہوتی گئی اس کے بعد آپ کو کہیں سے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف لطیف تقویۃ الایمان مل گئی۔ اس کے مطالعہ نے ضیاءِ توحید پیدا کی اور سونے پر سہاگہ کا کام کیا جس پر آپ نے ۱۵ر اگست ۱۸۸۷ء کو اپنا آبائی شہر سیالکوٹ چھوڑ دیا اور پھرتے پھراتے کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ میں آ گئے جہاں اسلام قبول کیا آپ کو

جب عزیز و اقارب کے تعاقب کا پتہ چلا تو آپ سندھ چلے گئے۔ جہاں آپ کو سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ بھرچونڈی والے کی صحبت نصیب ہوئی۔ انہوں نے آپ کو روحانی بیٹا بنا لیا۔ اور وہاں کی تعلیم و تربیت نے آپ کو اسلامی معاشرت کا نمونہ بنا دیا۔

پھر دیوبند کا رخ کیا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے درس میں داخل ہو گئے۔ وہاں امتیازی حیثیت سے دورۂ حدیث پڑھا۔ آپ کے مدرس اول مولانا سید احمد دہلویؒ نے آپ کے علمی ذوق و شوق دیکھ کر فرمایا کہ:-

" اگر اسے پڑھنے کے لئے کتابیں میسر آجائیں تو یہ شاہ عبدالعزیز ثانی ہو گا۔"

(معماران پاکستان ص ۲۵۹)

دینی و علمی خدمات

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ سندھ واپس آ گئے۔ اور امروٹ میں ایک مطبع قائم کیا جس میں عربی و فارسی کی نایاب کتابیں اور "ہدایت الاخوان" نامی ماہنامہ چھاپتے رہے۔ دو سال تک مطبع چلانے کے بعد آپ نے مولانا راشد اللہ سے مل کر ۱۹۰۱ء میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور سات سال تک اس کا انتظام و اہتمام سنبھالے رکھا۔ ۱۹۰۹ء میں آپ کو حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند بلا لیا۔ اور وہاں رہ کر کام کرنے کا حکم دیا یہاں آپ چار سال تک جمعیت الانصار میں کام کرتے رہے۔ ۱۳۲۷ھ میں دار العلوم دیوبند میں جمعیت الانصار کا قیام مولانا سندھیؒ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آپ اس کے ناظم بنائے گئے تھے۔ اور سرپرست حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ جمعیت الانصار کے دو بڑے جلسے مراد آباد اور میرٹھ میں منعقد

ہوئے تھے یہ آپ ہی کی جد و جہد کے نتیجے تھے۔ آپ دارالعلوم کو سیاسی انداز سے ملی تنظیم کا مرکز بنانا چاہتے تھے۔ جس کا پہلا نقش جمعیت الانصار کا قیام تھا اسی دوران مولانا سندھیؒ اور دارالعلوم کے بعض اساتذہ کے مابین بعض علمی مسائل میں شدید اختلاف رونما ہوگیا جس کے سبب آپ کو دیوبند چھوڑنا پڑا اور حضرت شیخ الہند نے آپ کو دہلی بھیج دیا۔ (تاریخ دیوبند صہ ۱۹۷)

نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی

دارالعلوم سے اختلاف کے بعد آپ جب حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد پر دیوبند سے دہلی منتقل ہوئے۔ تو آپ نے ۱۹۱۳ء میں جامعہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کی بنیاد رکھی جس کے سرپرستوں میں شیخ الہندؒ کے علاوہ حکیم اجمل خان اور نواب وقارالملک شامل تھے۔ اسی دوران آپ کا ڈاکٹر انصاری سے تعارف کرایا گیا اور ڈاکٹر انصاری نے آپ کو مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر سے متعارف کرایا۔

مولانا سندھی نے یہ ادارہ مسجد فتح پوری دہلی کے ایک کمرے میں قائم کیا تھا جس میں مدارس عربیہ کے فضلاء اور گریجویٹ طلباء کو تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ ان کو قرآن مجید کے حقائق و معارف سے روشناس کرانے کے علاوہ حالات وقت کے مطابق تبلیغی اور سیاسی کاموں کی انجام دہی کے طریقے بھی بتائے جاتے تھے۔

مولانا سندھیؒ کے افغانستان چلے جانے کے بعد دو سال تک مولانا احمد علی لاہوریؒ نظارۃ المعارف القرآنیہ کے منتظم رہے۔ ان کی گرفتاری کے بعد یہ ادارہ

ختم ہوگیا۔ اس ادارہ کا مقصد یہ بھی تھا کہ جدید تعلیم یافتہ اصحاب اور علماء کرام خصوصاً فضلاء دیوبند کے درمیان روابط کو بڑھایا جائے۔ اور جدید و قدیم کی درمیانی خلیج کو پُر کیا جائے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے پھر بعد میں انہوں نے جامعہ اسلامیہ میں "بیت الحکمۃ" قائم کیا تھا۔ جس میں آپ نے بعض معرکۃ الآرار مضامین بھی لکھے۔ جن میں الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کا مضمون بڑا عمیق اور فکر انگیز ہے۔" (تاریخ دیوبند ص ۱۹۱)

جہادِ آزادی کا جذبہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریرات سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریکات اور حضرت شیخ الہند کی صحبت کے اثرات نے آپ کے دل میں جوشِ جہاد پیدا کر رکھا تھا جس سے کام لینے کے لئے حضرت شیخ الہند نے اپنے منصوبۂ جہاد کے سلسلہ میں آپ کو فی الفور کابل پہنچنے کا حکم دیا۔ کیونکہ ان دنوں یورپ جنگ کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ اور ہندوستان میں بغاوت کا از حد اندیشہ تھا۔ جس کی وجہ سے برطانوی حکومت کی سی۔ آئی۔ ڈی سرگرم عمل تھی۔ اور مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا حسرت موہانی وغیرہ جیل جا چکے تھے جو اس زمانہ میں سب سے زیادہ استاذ قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے اور طلباء بلا چون و چرا ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی اپنے استاذ کے حکم پر سفر کابل کی غرض و غایت پوچھے بغیر مولانا سیف الرحمٰنؒ اور مولانا عبد اللہ انصاری کو لے کر افغانستان پہنچ گئے۔

کابل پہنچنے کے بعد آپ کو حضرت شیخ الہند کے انقلابی منصوبہ کی نوعیت معلوم

ہوئی اور آپ یہ معلوم کر کے پھولے نہ سمائے کہ انگریزوں کے خلاف طاقت کے ذریعہ جہاد کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ اور آپ کو وہاں شیخ الہندؒ کی نمائندگی کرنی ہے۔

یہاں سے آپ کو سپہ سالار محمد نادر خان اور سردار محمود خان طرزی وغیرہ کے نام خطوط دیئے گئے تھے۔ جو آپ نے ان حضرات تک پہنچائے۔ سپہ سالار نے آپ کو ہر طرح امداد دینے کا یقین دلایا اور قیام کابل کے دوران آپ کی مشکلات کو حل کرنے میں امداد دیتے رہے۔

مولانا سندھیؒ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:۔

" احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ ہم بظاہر ان سے اجنبی رہیں اور اس پر ہم نے عمل کیا۔ ان کے خاندان کا ہمارے مشائخ دیوبند سے خاص رابطہ چلا آتا ہے اس لئے ان کا ہر قول وفعل اخلاص پر مبنی تھا۔ ترکی کے شریک جنگ ہونے کا اثر طرزی پر نسبتاً بہت زیادہ تھا اس لئے ہمارا رابطہ ان سے زیادہ ہوتا گیا۔ انہوں نے ہمیں سردار معین السلطنت سے ملایا۔ اس سے ہمارا ذکر سلطنت کے تمام سرداروں تک پہنچ گیا۔

سلطنت افغانیہ میں شرعی فیصلوں کا ایک محکمہ ہے جسے میزان التحقیقات الشرعیہ کہتے ہیں۔ اس محکمہ کا رئیس قاضی عبدالرزاق خان ہمارے دارالعلوم دیوبند کا تعلیم یافتہ ہے۔ حدیث حضرت گنگوہیؒ سے پڑھی تھی۔ انہیں جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ میرا نام عبیداللہ ہے تو بہت مسرور ہوئے۔ ایک دن سردار نائب السلطنت نے مجھے اپنے قصر زین العمارہ میں بلایا۔ عصر کے بعد وہیں

اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خان تشریف لائے اور کوئی آدمی نہ تھا۔ سردار نائب السلطنت نے میرا عریضہ حضور میں پیش کیا۔ آدھ گھنٹہ تک اعلیٰ حضرت اسے غور سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ آخر میں دعائیہ فقروں سے بہت متاثر ہوئے۔ اور مختصر الفاظ میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اور کام کرنے کے لئے زبانی ایک حکم ارشاد فرمایا جس کی تعمیل میں اپنے امکان بھر اخیر تک کرتا رہا۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا انتخاب کتنا صحیح تھا اور تحریک جہاد کے اس محاذ کے لئے آپ کی شخصیت کتنی موزوں تھی؟

(معماران پاکستان صہ ۲۶۴ تا ۲۶۵)

اسیری اور رہائی آپ کابل میں چھ سات سال تک وہاں کی اعانت سے اپنے منصوبہ میں رنگ بھرتے رہے وہیں آپ نے ایک تنظیم " حزب اللہ" کے نام سے ایک فوج جہاد کی اغراض کے لئے ترتیب دی۔ اور دوسری تنظیم حکومت کابل کی مصلحتوں کے پیش نظر حکومت موقتۂ ہند کے نام سے قائم کی جس میں غیر مسلم بھی شامل تھے۔

حاجی صاحب ترنگ زئی کی جماعت سرحد سے جو مجاہدین کابل پہنچتے وہ حزب اللہ میں شریک ہو جاتے۔ حکومت موقتۂ ہند کے تین مرکز بنائے گئے۔ کابل، نیپال اور بنگال۔ کابل کا محاذ مولانا عبید اللہ سندھی کے سپرد ہوا۔ حزب اللہ کا دیگر تمام کاروبار حکومت موقتہ مرکز کابل کے سپرد ہوا۔

امیر امان اللہ خان نے برسر اقتدار آنے کے بعد آپ کو ہی حکومت موقتہ ہند کا نمائندہ تسلیم کرتے ہوئے سرکاری معاملات حرب و صلح میں شریک کر لیا۔ جب

جنگ کا فیصلہ ہونے لگا تو آپ کو خصوصیت سے بلا کر اس مجلس میں شرکت کا اعزاز بخشا گیا۔ ادھر انگریزوں کا حکومت افغانستان پر روز بروز حکومت موقتہ ہند کے ارکان کو ملک سے نکالنے کے لئے دباؤ بڑھ رہا تھا۔ اس لئے امیر کابل نے آپ کو اپنی سرگرمیاں بین الاقوامی تقاضوں کے تحت معطل کرنے کا امر صادر کیا۔ جس پر ان حضرات نے افغانستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور واپس یاغستان کو آرہے تھے جب جلال آباد کے قریب پہنچے تو وہاں برطانوی افغانوں نے مولانا سیف الرحمٰن کو معہ ہمراہیاں گرفتار کر لیا۔

انور پاشا کے نام حضرت شیخ الہندؒ کا خط جلا دیا گیا۔ اوران ۲۰، ۲۵ مجاہدین کو اس کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا جس میں بمشکل دس آدمی سما سکتے تھے۔ جب امیر امان اللہ خان کا اقتدار مستقل ہو گیا تو انہوں نے آپ کو بلوا کر رہا کر دیا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا بیان ہے کہ:۔

" اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان کی سلطنت میں ہم نے چند روز اپنی حکومت کی ذرا سی جھلک دیکھ لی تھی۔ جس طرح وہ اپنے وزرار کی پہلی صف پر اعتماد کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ ان کا معاملہ اسی کے قریب قریب تھا۔ ہم ان کی پرائیویٹ مجلسوں میں شامل ہوتے تو جیسے وہ اپنے خاندان اور قومی بزرگوں کا احترام کرتے تھے ہم سے ان کا برتاؤ اسی طرح کا ہوتا۔ ہم نے کوئی مشورہ عرض نہیں کیا جو قبول نہیں فرمایا۔ ہم نے کوئی سفارش نہیں کی جو رد کی گئی ہو۔ ایسی حالت میں ہم سے جو کچھ ہو سکتا تھا ہم نے افغانستان کے استقلال و استحکام کے لئے بھی کیا "

(آپ بیتی نمبر نقوش)

مولانا سید محبوب رضوی فرماتے ہیں کہ :-

" ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو افغانستان بھیجا. اس وقت یہ خیال عام تھا کہ طاقت کے بغیر انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینا ممکن نہیں ہے اس کے لئے سپاہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے۔ اس تحریک کا مرکز حضرت شیخ الہندؒ نے یاغستان کے آزاد علاقے کو بنایا تھا۔ مولانا سندھیؒ نے کابل پہنچ کر متعدد اہم سیاسی کام انجام دئے۔ کابل میں کانگریس کمیٹی قائم کر کے انڈین نیشنل کانگریس سے اس کا الحاق کیا۔ برطانوی مقبوضات سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی تھی۔ اسی کے ساتھ انہوں نے حزب اللہ کے نام سے ایک فوج تیار کی۔ افغانستان میں راجہ مہندر پرتاپ کی سربراہی میں جو آزاد حکومت قائم کی گئی تھی اس کے ایک اہم رکن رہے۔ حضرت شیخ الہند کی حجاز میں گرفتاری کے بعد روس چلے گئے۔ اور وہاں سے ۱۳۴۲ھ میں ترکی کا سفر کیا۔ پھر وہاں سے ۱۳۴۴ھ میں حجاز چلے گئے جہاں چودہ سال کے قریب مقیم رہے۔ ۱۳۵۶ھ میں جب صوبوں میں کانگریس کی حکومت ہوئی تو یوپی کی حکومت نے مولانا سندھیؒ سے برطانوی دور کی پابندی کو اٹھا لیا اور ۱۳۵۸ھ میں ہندوستان واپس آ گئے "

(تاریخ دیوبند ص ۱۱۷)

اعتراف خدمات | حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں یوں تو بہت سے ایک سے ایک صاحب فضل و کمال ہوئے ہیں لیکن بعض حیثیتوں سے مولانا سندھیؒ امتیاز اور انفرادیت کے حامل ہیں۔ شیخ الہند کی تعلیمات کا وہ عنصر جسے دوسروں نے محفوظ رکھا اور اس کی اشاعت کی، ایسے افراد بہت ہیں

لیکن مولانا سندھیؒ نے جس عنصر کو اپنایا اور اس کی اشاعت میں اپنی جان کھپائی اس میں وہ اگر بالکل یکتا و تنہا نہیں تو بھی کم از کم امتیاز و انفرادیت کی شان ضرور رکھتے ہیں۔ مولانا سندھیؒ نے شیخ الہندؒ کے ذریعہ علوم ولی اللّٰہی تک دسترس حاصل کی۔ اور اس کے سب سے بڑے مبلّغ اور ترجمان کی حیثیت سے سامنے آئے۔ مولانا سندھی کی شخصیت اس اعتبار سے بڑی قابلِ قدر ہے۔ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا سندھیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے سب سے معتمد رفیقِ کار تھے۔ طویل جلا وطنی کا عرصہ گزار کر جب مولانا سندھیؒ ہندوستان آئے تو ایک موقع پر مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے ان سے دریافت کیا کہ تیس سال کی جلا وطنی کے زمانہ میں آپ پر عیش و عشرت کے بھی کچھ دن آئے؟

فرمایا: "مفتی صاحب یقین کیجئے اس پوری مدت میں ایک شب بھی ایسی نہیں آئی جس میں چین و آرام سے سویا ہوں۔ ہندوستان پہنچنے پر تیس برس کے بعد پہلی مرتبہ سکون کی نیند سو سکا ہوں"

مولانا احمد سعید صاحب اکبر آبادی نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"مولانا ننگے سر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اور مولانا سندھی دِلّی کی جامع مسجد کے جنوبی دروازہ کے نیچے کھڑے تھے کہ میں پوچھ بیٹھا۔ مولانا! آپ ہمیشہ ننگے سر رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

فوراً لال قلعہ۔ کی طرف اشارہ کرکے کچھ غصہ اور کچھ حسرت کے ملے جلے لہجہ میں فرمایا:۔

"میری ٹوپی تو اس دن سے سر سے اتر گئی جس دن کہ یہ لال قلعہ میرے ہاتھ سے

نکل گیا اب جب تک یہ مجھ کو واپس نہیں مل جاتا میری غیرت اجازت نہیں دیتی کہ میں ٹوپی سر پر رکھوں"

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

" حضرت مولانا عبید اللہ سندھی سابق ناظم جمعیت الانصار دارالعلوم دیوبند، سکھ مت سے آپ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ غیر معمولی ذکاوت، ذہانت اور حافظہ کے مالک تھے۔ دماغ خلقی طور پر سیاسی تھا۔ سیاست میں گہری نظر تھی۔ ابتداءً طبعی اور علمی انداز میں اور بعد میں مشاہداتی انداز میں یورپ اور ایشیا کے بہت سے انقلابات آپ کے سامنے گزرے اس لئے سیاسی اسکیموں کی ساخت و پرداخت میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ آپ نے حضرت شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال میں سرگرم حصہ لیا۔ افغانستان کی آزادی کی اسکیم آپ ہی نے مرتب فرمائی تھی۔ ۲۵ سال تک جلاوطن رہے۔ واپس تشریف لاکر فلسفہ ولی اللہی سے ملک و قوم کو روشناس کرایا۔ سندھ ساگر اکیڈمی اور ولی اللہی سوسائٹی قائم کی جس نے حضرت نانوتویؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم کی کافی خدمت کی۔ افغانستان میں آپ نے انڈین نیشنل کانگرس کی ایک باضابطہ شاخ قائم کر کے افغانستان کے حق میں ہندوستان کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ آپ کانگریس میں آزادیٔ وطن کے لئے شرکت کے حامی تھے۔ وہ بھی انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ من حیث القوم۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے جمعیت الانصار قائم کی جس کے دو بڑے بڑے

اجلاس مراد آباد اور میرٹھ میں ہوئے۔ اور اس کے حلقۂ اثر میں وسعت اور قوت پیدا ہوئی۔ آپ دارالعلوم کو ایک علمی انداز سے ملی تنظیم کا مرکز بنانا چاہتے تھے جس کا نقشِ اوّل جمعیت الانصار کا قیام تھا۔ جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی اور ریاست بہاول پور کے قصبہ دین پور میں آپ نے زندگی کے آخری لمحات بسر کئے اور ۲۱؍ اگست ۱۹۴۴ء ۱۳۶۳ھ کو دین پور میں انتقال فرمایا۔

افسوس ہے کہ جس ملک کی آزادی کے لئے انہیں ۲۵ سال ہندوستان سے جلاوطن رہ کر مصائب و آلام کی زندگی گزارنی پڑی۔ اس ملک کو اپنی زندگی میں آزاد نہ دیکھ سکے۔

(ماخوذ از تاریخ دارالعلوم دیوبند)
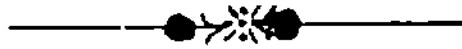
سید العلماء حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ

آپ کا تاریخی نام مختار احمد، عرفی نام میم شاہ اصل نام اصغر حسین اور نانا صاحب سید عبداللہ شاہ صاحبؒ عرف منا شاہ کا تجویز کردہ نام فرخ سیر ہے آپ کی تاریخ ولادت ۱۲۹۴ھ۔ آپ کے والد ماجد کا نام محمد حسن شاہ ہے آپ خاندان سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی بسم اللہ آپ کے نانا میاں جی منا شاہ صاحب نے کرائی۔ اور فارسی کی تعلیم آپ نے دیوبند ضلع سہارنپور میں ہی اپنے گھر اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ بعدازاں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر مولانا محمد الیسین صاحب دیوبندی اور مولانا منظور احمد دیوبندیؒ سے فارسی کی تکمیل کی۔ ۱۳۱۰ھ میں فارسی کی تکمیل کی۔ ۱۳۱۰ھ میں فارسی سے فارغ ہو کر دارالعلوم کے شعبہ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۰ھ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے دوسرے مشہور اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی

شامل ہیں۔

تعلیمی وتدریسی خدمات

علوم عربیہ کی تکمیل سے فارغ ہو کر آپ دارالعلوم دیوبند میں ایک سال چند ماہ تک دفتری کام کرتے رہے اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں آپ کو جونپور مدرسہ مسجد اٹالہ کا صدر مدرس بنا کر بھیجا گیا۔ اور وہاں ۱۳۲۷ھ تک برابر دینی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۳۲۷ھ میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی طلبی پر دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ اور درس و تدریس کے ساتھ ماہنامہ "القاسم" کی ایڈیٹری بھی فرماتے رہے۔ اسباق میں پابندیٔ وقت آپ کی بلند پایہ خصوصیت تھی۔

۱۳۵۴ھ میں آپ کی جواں سال صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ نے صبر شکر کے ساتھ اِنا للہ پڑھا اور نماز فجر پڑھ کر تجہیز وتکفین کا کام اپنے صاحبزادوں کے سپرد کر کے مدرسہ سبق پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور حسبِ دستور وقت مقررۃ تک سبق پڑھایا اور سبق کے بعد طلبا ر سے مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرائی۔ اور جنازہ تیار ہونے پر شریک جنازہ ہو گئے۔ اور جنازے کی نماز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے پڑھائی۔

آپ بیعت حضرت شاہ صاحب سے تھے۔ جو اپنے زمانہ کے کاملین میں سے تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

جس وقت دارالعلوم کی بنیاد میں پہلی اینٹ رکھنے کا مسئلہ آیا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی اینٹ وہ رکھے گا جس کے دل میں کبھی گناہ

کا ارادہ بھی نہ ہوا۔ اور فوراً ہی حضرت مدنی نے شاہ صاحب کا نام پیش کر دیا جس کو سب نے پسند کیا۔ حضرت شاہ صاحب پر اس قدر استغراق رہتا تھا کہ عزیزوں کو شناخت بھی نہ کر پاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ایک داماد اللہ بندہ تھے جب وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آتے تو آپ دریافت کرتے کہ بھائی کون ہو؟ آپ کے داماد فرماتے۔ "حضرت میں اللہ بندہ ہوں" حضرت شاہ صاحب فرماتے کہ اللہ بندے تو سب ہی ہیں۔ تم اپنا نام بتاؤ" وہ کہتے حضرت میں آپ کا داماد ہوں میرا نام اللہ بندہ ہی ہے۔

بہر حال ۱۳۳۰ھ میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ دار العلوم دیوبند میں بطور مدرس عربی مقرر ہوئے اور آخر وقت تک بطور استاذ حدیث تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ حدیث کی اعلیٰ کتب پڑھاتے رہے۔ اور بہت سے طالبان علم نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے ۱۳۳۰ھ میں پہلا حج کیا۔ پھر ۱۳۴۵ھ میں دوسرا، ۱۳۵۰ھ میں تیسرا حج ادا کیا۔

علمی تصانیف درس و تدریس کی خدمت کے ساتھ آپ نے بہت سی علمی تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں۔

۱۔ فتاویٰ محمدی مع شرح ۳ حصے ۔ ۲۔ رحمت رضوان، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حالات و فضائل مع دلچسپ حکایات علمیہ و نصائح و جواب اعتراضات ۔ ۳۔ مسافر آخرت مع ضمیمہ مفیدہ و جدیدہ ۔ ۴۔ کلیات شیخ الہندؒ ۔ ۵۔ گلزار سنت اس میں کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، لباس و نکاح وغیرہ تمام باتوں میں طریقۂ سنت بتایا گیا ہے۔ ۶۔ خواب شیریں ۔ ۷۔ نصیحۃ المخلصین مع

شجرات اصغریہ ۔ ۸۔ عہدنامہ جدید مع اسمائے حسنیٰ ۔ ۹۔ الجواب المتین بالحدیث سید المرسلین
۵۰ سوالوں کے جواب صحیح اور اوصاف حدیث سے دئے گئے ہیں۔ معاملات، عبادات
متفرقات ہر قسم کے مسائل اس میں موجود ہیں ۔ ۱۰۔ طہور المسلمین۔ تیمم کے بیان میں
عام فہم اور مفصل رسالہ ہے ۔ ۱۱۔ فرحت الصائمین، اس میں رمضان المبارک کے
متعلق تمام ضروری مسائل شب قدر، اعتکاف صدقہ فطر اور نماز عید کا مفصل ذکر
ہے ۔ ۱۲۔ تعبیر صادق۔ اس میں حدیث شریف سے خواب کے حالات حکایات عجیبہ
بیان کیئے گئے ہیں ۔ ۱۲۔ مولوی معنوی، حضرت مولانا روم کی سوانح عمری نہایت
صاف اور سلیس طرز اور عمدہ ترتیب سے لکھی گئی ہے ۔ ۱۳۔ تعبیر نامہ ہر دو حصص
۱۴۔ ملفوظات اصغریہ ۔ اس میں مسلمانوں کو دین کی طرف رغبت دلانے کے لئے
مفید ملفوظات جمع کئے گئے ہیں ۔ ۱۵۔ حیات خضر علیہ السلام۔ آپ کے متبرک حالات
کو حدیث و تفسیر و تاریخ کی معتبر کتب سے جمع کیا گیا ہے ۔ ۱۶۔ علم الاولین ۔ ۱۷۔
القول المتین فی الاقامۃ والتاذین ۔ اس میں اذان کی ابتدار، اس کی حقیقت اور
فضائل وغیرہ جمع ہیں ۔ ۱۸۔ چہل حدیث ۔ ۱۹۔ نیک بی بیاں ۔ ۲۰۔ تقویم شرعی
یعنی اسلامی جنتری ۔ ۲۱۔ دست غیب ۔ ۲۲۔ ارشاد النبی یعنی گلزار حدیث ۔ ۲۳۔
رفیق سفر ۔ ۲۴۔ حاشیہ سراجی ۔ جو درحقیقت سراجی کی ایک بہترین شرح ہے
۲۵۔ حیات شیخ الہندؒ ۔ یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے مفصل حالات
زندگی پر نہایت محققانہ کتاب ہے ۔

اخلاق و اوصاف مفتئ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
فرماتے ہیں کہ :۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف تھے۔ دار العلوم دیوبند کے درجہ علیہ کے استاذ تھے۔ ان سے ابو داؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر میں ہزاروں افراد ہوں گے۔ علوم قرآن وحدیث کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو۔ حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی۔ کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جاتے۔ اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔ دیوبند میں آپ کا مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ ہر سال برسات کے مواقع پر اس کی لپائی تپائی ناگزیر تھی۔ جس میں کافی روپیہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ:-

حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کر ڈالیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لیئے اس محنت سے نجات ہو۔

یہ سن کر پہلے تو فرمایا۔ "ماشاء اللہ، بات تو بہت عقل کی کہی ہے، ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا۔"

پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی۔ تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے تھے۔ فرمایا کہ:-

" میرے پڑوس میں سب غریب لوگوں کے کچے مکان ہیں اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے سب مکان پکے بنواؤں "!

اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان نہیں بن گئے۔ (نقوش و تاثرات)

حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے خاص محبین میں سے تھے۔ اور ان ہی کے مسلک و مشرب پر قائم تھے۔ بہت متواضع، منکسر المزاج اور خوش اخلاق بزرگ تھے۔ ان کی مجلس ایک صاحبِ دل درویش کی مجلس تھی۔ مسکراتے جاتے اور ظرافت آمیز جملوں میں چٹکلے چھوڑتے جاتے۔ اکثر حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے اور ہائے ہائے بہت کرتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ خشیتِ الٰہی اور خوفِ عاقبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اس لئے اکثر ہائے ہائے زبان پر ہوتی تھی۔ لوگوں نے تو غور نہیں کیا اردو کے بہت اچھے ادیب، مصنف اور خوش گو شاعر تھے۔ آپ کے یہاں طلباً اور دیگر عقیدت مندوں کا شام کے وقت ہجوم ہوتا تھا۔ ابو داؤد شریف کا درس آپ کا بہت مشہور درس تھا۔ میری آمد و رفت جن حضرات کے یہاں زیادہ ہوتی۔ ان میں سے ایک علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ کے یہاں ہر ہفتے جایا کرتا تھا۔ مجھے ان سے بہت انس تھا بڑے قابلِ قدر بزرگ تھے۔"

(حیاتِ عثمانی)

دارالعلوم دیوبند کا سیاسی مسلک

حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی فرماتے ہیں کہ:۔

"کہا جاتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے کانگریس کا بھرپور ساتھ دیا۔ لوگوں کے یہ ریمارکس میرے دل کو بچھو کے لگاتے ہیں۔ اسلامیہ کالج لائلپور میں جہاں میں آجکل بحیثیت پروفیسر کام کر رہا ہوں، پنجاب یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کو پولیٹیکل سائنس کی سوسائٹی کی طرف سے دعوت دی گئی۔ انہوں نے کالج میں نظریۂ پاکستان پر تقریر کرتے ہوئے برملا کہا:۔

"حیرانی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مولانا حسین احمد مدنیؒ صاحب شیخ الحدیث نے پاکستان کی مخالفت میں سر چوٹی کا زور لگا دیا جس کی ان سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی"

جب وہ تقریر کر چکے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے سیاسی افکار کو دارالعلوم دیوبند کی طرف جو نسبت دی ہے اسی کے ساتھ آپ کو دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم پاکستان کے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا بھی ذکر ان الفاظ میں کر کے منصف شعاری کا ثبوت دینا تھا اور یوں کہنا تھا کہ:۔

"حضرت مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے برعکس حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نظریۂ پاکستان اور مسلم لیگ کی وہ بھرپور حمایت کی کہ پاکستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی وران کی لیگ میں شرکت اور پاکستان کی حمایت نے ہندوستان کے گوشے

گوشے میں مسلمانوں کے اندر جوش بھر دیا اور شرعی حیثیت سے خصوصاً اور سیاسی حیثیت سے عموماً قائداعظم کی گاڑی جہاں رُکتی نظر آتی تھی وہاں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کو آگے رواں رواں کیا۔"

میری اس جوابی تقریر سے پروفیسر صاحب مذکور پر خاصا اثر پڑا اور انہوں نے میری بات کو تسلیم کر لیا۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ پاکستانی عوام و خواص میں یہ پروپیگنڈہ اثر کر چکا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کانگریس کا ہمنوا اور مسلم لیگ کا مخالف تھا جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے بارہا فرمایا کہ میں نے دارالعلوم دیوبند میں حتی الامکان کانگریس کے اثر کو روکنے کی کوشش کی ہے اور یہ کوشش بھی کی ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنے مسلک سے ہٹنے نہ پائے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا سیاسی مسلک کانگریس کی تائید ہرگز نہ تھا۔ بلکہ یہ انفرادی رائے تھی جس کا اثر متاثرین میں نمودار ہوا۔ اس کے برعکس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ استاذ حدیث مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی فاضل دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمی ناظم دارالعلوم دیوبند وغیرہم اور کتنے

ہی ارکانِ مجلسِ شوریٰ اور فضلاء دارالعلوم دیوبند مسلم لیگی تھے اور تحریکِ پاکستان کے حامی تھے۔ ان کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانوی اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ سے عقیدت رکھنے والے سب ہی حضرات مسلم لیگ کا دم بھرتے تھے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو مسلم لیگ سے اس لئے اختلاف تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ لیگ میں کتنے ہی حضرات وہ ہیں جو گورنمنٹ برطانیہ کے خطابات یافتہ ہیں۔ اور ان سے ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کی توقع غلط ہے۔ چنانچہ اپنے مکتوبات میں انہوں نے ان امور کی صراحت فرمائی ہے۔ لیکن مسلم لیگ اب وہ جماعت نہ تھی اس کے امیر اب قائدِ اعظم تھے جو بے لوث آدمی تھے اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جن کی دینی تربیت فرمائی تھی۔ بہرحال حضرت مولانا مدنی کی اپنی ذاتی رائے تھی اور وہ انہی مذکورہ تصورات کے ماتحت لیگ کے موافق نہ تھے۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ حضرت مولانا مدنی دارالعلوم کی طرف سے کانگریس کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ جمعیت علماء ہند دہلی کے صدر اور ممبر ہونے کی حیثیت سے کر رہے تھے۔ رہا دارالعلوم دیوبند کا معاملہ وہ ظاہر ہے کہ اس کا سیاسی پارٹی بندیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا اور دارالعلوم کے تمام ملازمین و مدرسین اس کے سختی سے پابند تھے۔ ہر کسی کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے۔ دارالعلوم سب کی محبوب اور مشترک متاع ہے اور اس کے اکثر مدرسین و منتظمین نظریہ پاکستان کے ہم خیال تھے"

(ماخوذ حیاتِ عثمانیؒ)

مولانا کی سیاسی خدمات | حضرت حکیم الامت تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند تحریک خلافت کے زمانہ سے ہی ہندوؤں کے ساتھ مل کر تحریک چلانے یا آزادی حاصل کرنے کے سخت خلاف تھے ۔ اور ان کی رائے صحیح تھی جب مسلم لیگ میدان عمل میں نکلی تو آپ نے قائداعظم کو تبلیغ کے لئے کئی دفعہ وفود بھیجے جن کے ذریعے قائداعظم کو اسلامی احکام پر چلنے کی دعوت دی گئی تھی ۔

غرض حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور ان کے رفقاء نے تحریک پاکستان میں جو شاندار کردار ادا کیا وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ علماء دیوبند نے پاکستان کی مخالفت کی ۔ کیونکہ علماء کی ایک جماعت جمعیت علماء ہند کھلم کھلا کانگریس کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت میں سرگرم رہی تھی ۔ حالاں کہ اس کے برعکس جیسا کہ آپ نے گزشتہ سطور میں پڑھا ہے کہ علماء کی ایک کثیر جماعت جو دارالعلوم دیوبند کے عہدیداران ، منتظمین و مدرسین اور فضلاء پر مشتمل تھی ۔ تحریک پاکستان کی خاطر عمل میدان میں نکلی اور مسلم لیگ کو ہر محاذ پر کامیاب کرایا ۔ سلہٹ اور سرحد ریفرنڈم میں لیگ کی کامیابی انہی حضرات کی کوششوں کا نتیجہ تھی ۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند بھی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اسی جماعت کے ایک ممتاز رکن تھے جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے سرپرست کی سربراہی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر کام کیا ۔ اور کھل کر حضرت حکیم الامت تھانوی کے دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت کی ۔ آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے

سیاسی مسلک ومشرب کے سختی سے پابند تھے۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے علما کی ان سیاسی سرگرمیوں اور خدمات سے بہت خوش تھے۔ اور دعا گو رہتے تھے اس سے قبل آپ جمیعت الانصار میں بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے رہے اور اس کے مختلف اجلاسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ اس کے بعد پھر حضرت شیخ الہند کے مشن کو بھی زندہ رکھنے کے لیے پیش پیش رہے۔ اور جہادِ آزادی میں مصروفِ عمل رہے۔

آپ نے ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ کو رحلت فرمائی۔
اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

مناظرِ اسلام حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن چاند پوری

مناظرِ اسلام مجاہدِ تحفظ ختم نبوت حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ صدر المبلغین دارالعلوم دیوبند علمائِ حق کے اس قافلے سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے دینِ متین کے تحفظ کے لئے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیتے ہیں اور تمام زندگی خدمتِ اسلام اور خدمتِ مسلمین میں گزار دیتے ہیں۔ آپ ۱۲۸۵ھ کو قصبہ چاندپور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم سید بنیاد علی صاحب ضلع بجنور کے مشہور اور حاذق طبیب تھے۔ آپ کے اجداد میں عارف باللہ شیخ طریقت اور صاحبِ کرامات بزرگ حضرت سید عارف علی شاہ صاحب تھے جن کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ سے جا ملتا ہے۔ آپ درسِ نظامی کی تکمیل کے لئے ۱۲۹۷ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور بڑی امتیازی شان سے سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ کے جلیل القدر اساتذہ

میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ شامل ہیں۔ ان حضرات کی خدمت میں دورۂ حدیث پڑھا۔ اور فیضِ صحبت حاصل کیا۔ چونکہ آپ کو فنِ معقولات میں خاص دلچسپی تھی اس لئے اس فن میں تحصیلِ کمال کی غرض سے معقولات کے نامور استاد مولانا احمد حسن صاحب کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے اور معقولات کی اعلیٰ کتب پڑھ کر اس فن میں کمال و مہارتِ تامہ حاصل کی۔

درس و تدریس

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن چاندپور واپس آ گئے اور اپنے والد صاحب کے مطب میں مشغول ہو کر تشخیصِ امراض و تجویز نسخہ جات و فنِ دوا سازی میں بدرجہ کمال حاصل کیا۔ اور ایک جیّد عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر و حاذق طبیب بھی بن گئے۔

اسی زمانہ میں مولانا منور علی صاحبؒ خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے دربھنگہ کے قریب مدرسہ امدادیہ قائم کیا اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے حکم پر آپ طبی شغل چھوڑ کر دربھنگہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں علمی درس میں مشغول ہو گئے۔ اور ایک زمانہ تک وہیں صدر مدرس رہے۔ پھر کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں رہے۔ اسی دوران میں آپ نے آریہ سماج کے رد میں متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ اور بابو رام چندر سے مشہور تاریخی مناظرہ کیا۔

۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی پر پھر دارالعلوم دیوبند واپس آنے کا حکم دیا اور مولانا حافظ محمد احمد قاسمی اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے غیر معمولی اصرار فرمایا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں آپ

کو ناظم تعلیمات مقرر فرمادیا گیا۔ ساتھ ہی سلسلۂ تدریس بھی جاری رہا اسی دور میں آپ نے قادیانیت کے رد میں بکثرت رسائل تحریر فرمائے جو خصوصیت کے ساتھ پنجاب و صوبہ سرحد میں بہت مقبول اور پسندیدہ ہوئے۔ چونکہ عوارضات ضعف پیری عیاں ہو چکے تھے اس لئے تقریباً نصف صدی سے زائد اپنے وطن چاند پور سے باہر رہ کر واپس آگئے۔ اور یہاں صرف ذکر و عبادت اور اوراد میں تا حیات مصروف رہے۔

آپ کے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کی ساری عمر کا ذخیرہ تقریباً آٹھ دس ہزار کتب منتخبہ کی صورت میں موجود ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ ذکی طباع اور تیز فہم علماء میں سے تھے آپ کی تقریر معروف و مشہور تھی، زبردست مناظر تھے، مبتدعین اور قادیانیوں کو تا بہ دروازہ آپ ہی نے پہنچایا۔ عرصہ دراز تک دربھنگہ اور مراد آباد وغیرہ میں صدارتِ تدریس کے فرائض انجام دیئے اور آخر میں دارالعلوم دیوبند کے عہدۂ نظامتِ تعلیم اور پھر نظامتِ تبلیغ پر فائز ہوئے اور دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آپ کی نمایاں اور غیر معمولی خطابت نے ملک کے گوشہ گوشہ کو مستفیض کیا۔ آپ کو ردِّ بدعات اور ردِّ قادیانیت سے خاص شغف تھا اور اس سلسلہ میں آپ کی بہت سی قابلِ قدر تصانیف ہیں جو طبع ہو چکی ہیں۔" (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

تبلیغ و مواعظ

مولانا چاند پوریؒ بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرح اس دور کے مشہور و مقبول مقرر تھے

ملک کے اطراف واکناف کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید نہ ہوا ہو۔ آپ کو فن تقریر میں ملکہ تامہ حاصل تھا آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وعظ سے قبل دل میں کوئی مضمون نہیں ہوتا۔ خطبہ پڑھنے کے بعد جو بھی مضمون اس وقت ذہن میں آتا ہے اسی پر بعونہ تعالیٰ تقریر شروع کر دیتا ہوں

آپ کی تقریر پند و نصائح کے ساتھ لطائف علمیہ و نکات حکمیہ معرفت عبادات قصص و حکایات سے پُر ہوتی تھی۔ آپ کو فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ابتدا میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تردید میں بکثرت رسائل تصنیف فرمائے۔ آپ کے زمانۂ قیام میں مرادآباد میں آریہ سماج مرادآباد کی جانب سے بنام اہل مرادآباد متعدد سوالات شائع کئے گئے تھے۔ مولانا نے ان کے لئے بیمثال جواب المسائل تحریر فرمائے۔ اسی زمانہ میں آریہ سماج کے مشہور و معروف مقرر پنڈت رام چندر سے امروہہ میں مناظرہ ہوا۔ اور پنڈت کو لاجواب ہو کر دہلی واپس جانا پڑا۔

فراغت علوم کے بعد جب آپ اپنے والد صاحب کے پاس طبی مشغلہ میں مصروف تھے۔ اس زمانہ میں حکیم بنیاد علی صاحب اپنے دونوں صاحبزادوں کے ہمراہ حج پر روانہ ہو گئے۔ اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ بقید حیات تھے۔ حکیم صاحب کو حضرت حاجی صاحب سے بے حد عقیدت تھی اور حضرت کو بھی حکیم صاحب سے خصوصی تعلق تھا۔ حکیم صاحب نے مع مولانا چاندپوری حج کی سعادت حاصل کی۔ اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحب کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ بعد فراغت حج حکیم صاحب کا مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا۔ صاحبزادگان کو حکیم صاحب کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نے دونوں صاحبزادوں کی سرپرستی فرمائی۔ اور ان کو تسلّی و تشفی دیتے رہے۔

دوسری مرتبہ جب مولانا چاندپوری حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں سے کتب خانہ علمیہ کا کافی ذخیرہ خرید کر لائے تھے۔ تیسری مرتبہ آپ نے حضرت حاجی صاحب کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ کی رفاقت میں حج کیا۔ اس سفر میں صرف مخصوص رفقاء شامل تھے۔ جب فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ اور دیگر رفقاء کو حضرت شیخ الہندؒ نے واپس وطن جانے کا حکم دیا۔

چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لے آئے۔ سلوک و تصوف کے منازل سب سے پہلے آپ نے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے طے کئے۔ اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔

زمانۂ قیام مکہ مکرمہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے استفادہ کیا اس کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کی۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی طرف رجوع کیا۔ پھر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری کی صحبت میں رہ کر زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کے بعد آپ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی آپ کا بیحد احترام و اکرام فرماتے تھے۔ حضرت حکیم الامت کی مجلس ارشاد میں کسی کو بولنے کی جرارت نہ ہوتی تھی۔ مگر مولانا چاندپوری اس سے مستثنیٰ تھے اور آپ اکثر علمی سوالات کرتے تھے۔ پھر ساری زندگی اپنے شیخ تھانوی کے مسلک و مشرب پر سختی سے پابند رہے۔ اور ہر معاملہ اپنے شیخ سے مشورہ کے بعد طے فرماتے تھے۔

(بزم اشرف کے چراغ)

دینی وسیاسی خدمات

درس وتدریس اور تبلیغ وتصنیف ومواعظ کی خدمت کے علاوہ آپ نے ملکی معاملات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر دینی وسیاسی اور قومی محاذوں پر سرگرمی سے عملی کام کرتے رہے۔ اپنے استاد حضرت شیخ الہند کی قیادت میں تحریک آزادی میں بھر پور حصہ لیا۔ جمعیت الانصار کے سالانہ جلسوں اور جمعیت علمار ہند کے اجلاسوں میں باقاعدہ شریک ہوتے رہے۔ پھر تحریک خلافت اور ترک موالات میں عملی حصہ لیتے رہے۔ اس کے بعد تحریک ختم نبوت اور تحریک پاکستان میں بھی آپ نے شاندار نمایاں خدمات انجام دیں اور اس سلسلے میں پورے ہندوستان کا دورہ فرماتے رہے۔ قادیانیت کے خلاف علامہ انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہمراہ پورے پنجاب کا سفر کیا اور مرزائیت کی رد میں اپنی ولولہ انگیز تقاریر سے مسلمانوں کے قلوب کو گرمایا بہت سے مناظرے کئے۔ اور متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ اسی طرح تحریک پاکستان کے سلسلہ میں اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت تھانوی کے حکم پر اپنے رفقار کار علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا شبیر علی تھانویؒ اور مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کے ہمراہ متعدد شہروں کا دورہ فرمایا۔ بارہا قائد اعظم سے ملاقاتیں کیں اور حضرت تھانویؒ کے نقطہ نظر سے قائد اعظم اور دوسرے زعمار لیگ کو آگاہ کیا۔ اور تبلیغ دین کا حق ادا کیا۔ حضرت تھانویؒ کی طرف سے بھیجے ہوئے تبلیغی وفود کی کئی بار قیادت فرمائی۔ اور ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی فرمائی اور آخر کار ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو باآواز بلند کلمہ پڑھتے ہوئے رحلت فرمائی۔"

(ماہنامہ الرشید ساہیوال)

جامع المعقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ

آپ ۱۳۰۴ھ میں مشرقی یوپی کے شہر بلیا کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے اُن کا خاندان پنجاب کے ضلع جھنگ سے جون پور آیا۔ اور پھر کچھ مدت کے بعد بلیا میں آباد ہوگیا۔ جونپور میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مشہور طبیب مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی سے حاصل کی۔ اور معقولات کی کتابیں مولانا فاروق احمد چڑیاکوٹی اور مولانا ہدایت اللہ خان (تلمیذ مولانا فضل حق خیر آبادی) سے پڑھیں دینیات کی تعلیم کے لئے مولانا عبد الغفار صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

۱۳۲۵ھ کے اواخر میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوکر اولاً ہدایہ اور جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اور ۱۳۲۷ھ میں دار العلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔

علمی و تدریسی خدمات تعلیم سے فراغت کے بعد اسی سال میں مدرسہ عالیہ فتحپوری کے مدرس دوم بنائے گئے پھر عربی

ضلع مراد آباد کے مدرسہ میں کچھ عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۲۱ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلایا گیا۔ ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۴ھ تک مدرسہ دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڑھ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار) میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ کو پھر دارالعلوم دیوبند میں بلایا گیا۔ ۱۳۴۳ھ کی روئیداد میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

" مولوی محمد ابراہیم بلیاوی تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں معقول و فلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں۔ فلسفہ و منطق اور کلام کے انتہائی اسباق صدرا، شمس بازغہ۔ قاضی مبارک، حمد اللہ امور عامہ کے علاوہ شرح مطالعہ، شرح اشارات وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ طلباء کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے۔ نہایت خوش تقریر ہیں۔ غرض یہ ایک نہایت قابل قدر اور شہرت و وقعت حاصل کرنے والے مدرس ہیں"

۱۳۶۲ھ میں پھر دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی اختیار کی۔ اولاً جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی۔ وہاں کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ عالیہ فتحپوری میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں اور بعد ازاں بنگال میں ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام کے مدرسہ میں صدر المدرسین رہے اور بالآخر ۱۳۶۶ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی سفارش اور مجلس شوریٰ کی منظوری سے دارالعلوم دیوبند میں آ گئے۔ ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت پر فائز ہوئے اور تادم واپسیں اس پر متمکن رہے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ جو برصغیر کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت علامہ بلیاویؒ ہر علم و فن خصوصاً علم کلام و عقائد میں یگانۂ روزگار تھے۔ انہوں نے تفسیر و حدیث، عقائد و کلام اور دوسرے علوم کی جو نمایاں خدمات انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہیں ان کے درس و تدریس کی مدت ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۸۷ھ تک ساٹھ سال ہوتی ہے۔ طلبا ان کے درس میں بڑے شوق اور انہماک سے شریک ہوتے تھے اور ان کے افاداتِ عالیہ سے مستفید ہونے کے متمنی رہتے تھے۔ درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی درس کا انداز نہایت باوقار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ لطائف و ظرائف، دقیقہ سنجی اور رسا لغ نظری سے اہم مسائل کو حل کرنے میں خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا۔ قصص و حکایات کو مسائل پر اس طرح منطبق کر دیتے تھے کہ مسئلے کے تمام پہلو واضح اور منقح ہو جاتے تھے۔ اُن کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ تلامذہ میں فن سے گہری مناسبت ہو جاتی تھی۔ اور ان پر علم و دانش کی راہیں کھل جاتی تھیں۔ وہ اپنے عہد میں عقائد و کلام اور منطق و فلسفہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ حدیث میں روایت سے زیادہ درایت سے کام لیتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے علوم پر ان کی گہری نظر تھی اور حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔ علامہ بلیاویؒ کی تصانیف میں رسالہ مصافحہ اور رسالہ تراویح اردو میں ہیں۔ ایک رسالہ انوار الحکمت فارسی میں ہے۔ یہ رسالہ منطق و فلسفہ کے مضامین پر مشتمل ہے۔ سلم العلوم پر ان کا عربی میں حاشیہ ضیاء النجوم ہے۔ میبذی اور خیالی پر بھی انہوں نے حواشی لکھے تھے۔ جو افسوس ہے کہ ضائع ہو گئے۔ آخر میں جامع ترمذی پر حاشیہ لکھ رہے تھے جس کے پورے ہونے کی نوبت نہ آسکی اور ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو وفات پائی۔ قبرستانِ قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔" (تاریخ دار العلوم دیوبند)

علامہ بلیاوی کے سیاسی نظریات

پاک وہند کے مسلمان جہاں اپنی زندگی میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے ممنون واحسان مند ہیں اوران کی دینی علمی تبلیغی واصلاحی خدمات قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہیں وہاں دارالعلوم کے متعدد فضلاء نے میدانِ سیاست میں بھی عملی قدم اٹھایا۔ اور ملتِ اسلامیہ کی ملکی و ملی سطح پر بھی رہبری ورہنمائی فرمائی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے عظیم قربانیاں دیں مصیبتیں برداشت کیں۔ اوراسی طرح دارالعلوم دیوبند مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہبری کا بھی مرکز رہا ہے۔ اس کے فضلاء نے نہ صرف مختلف تحریکوں کے ساتھ وابستہ ہوکر کام کیا۔ بلکہ متعدد تحریکوں کے عالم وجود میں آنے کا ذریعہ بھی بنے اور برابر مسلمانوں کی صحیح سیاسی رہبری کرتے رہے۔

دارالعلوم میں علامہ بلیاوی بھی جو ایک علمی شخصیت کے مالک تھے وقتی حالات کے تحت خاموش نہ رہ سکے۔ اور دو قومی نظریہ کے تحت ملکی سیاسیات میں شریک ہوکر عملی جدوجہد کو ضروری اور وقت کا اہم تقاضا سمجھا۔

چنانچہ آپ نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے سیاسی نظریات کی حمایت میں بھرپور عملی حصہ لیا اور تحریک پاکستان کے دوران دارالعلوم کے اربابِ حل وعقد میں سیاسی مسلک کے اختلاف کی بناء پر جو کشیدگی اور مخالفت کا شدید خلفشار رونما ہوا۔ اس سے حضرت علامہ بلیاوی کی شخصیت بھی متاثر ہوئی۔ اس وقت عام ملکی حالات کے پیشِ نظر طلباء واساتذہ کی ایک بڑی تعداد ملکی سیاسیات میں بھرپور حصہ لینے کی خواہش مند تھی۔ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے وہ دارالعلوم کے تعلیمی ادارہ ہونے اور بعض دیگر وجوہ

کے نقطہ نظر سے اس کے وابستگان طلباء و اساتذہ کی عملی جدوجہد کو مضر سمجھتے تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ دارالعلوم من حیث الجماعت عملی سیاسیات سے دامن کشاں رہے۔ لیکن یہ کش مکش یہاں تک بڑھ گئی کہ فریقین کے مابین عدم تعاون کی خلیج حائل ہو گئی۔ ایسے مواقع پر آئینی اداروں میں عموماً یہ طریق عمل جاری ہے کہ جب ذمہ دار اعلیٰ کسی حکمت عملی کو چلانے میں دشواریاں اور ناکامی محسوس کرتا ہے تو وہ مستعفی ہو کر علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ تاکہ عدم تعاون سے دو عملی کے مضر نتائج بروئے کار نہ آئیں۔

چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے ہم خیال اساتذۂ دارالعلوم نے بھی اس موقع پر اسی عاقلانہ تدبر کا ثبوت دیا اور وہ مستعفی ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جن اساتذہ نے دارالعلوم سے استعفاء دیا ان میں حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ اور دوسرے دو اساتذہ اور تقریباً ساٹھ طلبا شامل تھے۔ جو حضرت علامہ عثمانی کے سیاسی نظریات کے حامی اور ہم خیال تھے۔ یہ حضرات اساتذہ بعض مدرسین سے اختلاف اور دارالعلوم کے مفاد کی خاطر مستعفی ہو کر علیحدہ ہوئے۔ ورنہ دارالعلوم کی ایک بڑی جماعت جو دارالعلوم کے منتظمین و مدرسین پر مشتمل تھی دو قومی نظریہ کی حامی اور ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کی خواہاں تھی۔

اس وقت سرپرست دارالعلوم حکیم الامت حضرت تھانویؒ تھے۔ مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تھے۔ صدر مفتی حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ تھے۔
حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ دارالعلوم کے استاذ الحدیث اور حضرت

مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ ناظم تعلیمات تھے۔ یہ سب حضرات تحریک پاکستان کے حامی اور مجاہدین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حضرت علامہ بلیاویؒ شروع سے آخر تک دو قومی نظریئے کے حامی اور ایک اسلامی آزاد مملکت کے قیام کے خواہش مند رہے۔

پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"مولانا بلیاویؒ علامہ عثمانیؒ کے خاص قریبی احباب میں سے تھے۔ علامہ عثمانی ہی کی بیٹھک میں رہتے تھے۔ ہمیشہ مل کر کھانا کھاتے اور مغرب سے عشا تک ایک مجلس لگتی جس میں مولانا بلیاویؒ اور علامہ عثمانیؒ کے علاوہ مولانا عماد الدین شیرکوٹی انصاری۔ مولانا عبد السمیع دیوبندیؒ۔ مولانا مظہر الدین شیرکوٹی۔ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ۔ مولانا قاری محمد طاہر قاسمیؒ اور مولانا سراج احمد صاحب وغیرہ حضرات اکثر شامل ہوتے تھے۔ اور یہ سب حضرات ایک ہی نظریہ کے لوگ تھے۔"

(بحوالہ حیات عثمانی)

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ

آپ ۱۸۷۱ء کے لگ بھگ موضع بانیاں علاقہ ٹکری نندھیاڑ تحصیل بٹگرا
ضلع ہزارہ میں مولانا محمود علی بن محمد گل خان کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ
آپ سواتی پٹھان تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی علاقہ میں حاصل کی۔ اس وقت مستقل
مدارس کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔ مساجد ہی مدارس کا کام دیتی تھیں۔ بعد ازا
آپ سوسل گلی اوگی تشریف لے گئے۔ اور وہاں حضرت مولانا قاضی محمد عبد
صاحب سے استفادہ کیا۔ پھر احمد المدارس سکندر پور ہری پور ہزارہ تشریف
لے گئے۔ اور وہاں دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل حضرت مولانا احمد ہزاروی
درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں آپ نے بوئی گاڑ ضلع کیمبل پور میں کا
عرصہ تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشر
لے گئے۔ تین سال کے عرصہ میں باقی ماندہ کتب کی تکمیل کر کے ۱۳۲۳ھ
شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے دورۂ حدیث پڑھا اور س

فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۳۲ھ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ مدرسہ امداد الاسلام ہی میں پڑھا رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر و ارباب اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے دارالعلوم میں آپ نے "میبذی" کا پہلا آزمائشی درس دیا۔ جس میں ارباب اہتمام کے علاوہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی موجود تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"پہلا درس شرح وقایہ کا ہوا جس میں ان کا امتحان ہوا۔ اس درس میں امام العصر علامہ کشمیری۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ وغیرہم اکابر و اساتذہ سب شریک ہوئے مولانا رسول خان صاحبؒ نے معرکہ کا درس دیا۔ اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی۔"

۱۳۳۳ھ میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔ اور ۱۳۵۳ھ تک برابر ۲۱ سال اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر سر محمد شفیع مرحوم کی درخواست پر آپ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی تشریف لے آئے۔ اور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۴ء تک اورینٹل کالج میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو پڑھاتے رہے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور میں درس حدیث

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے

آخری چار سالوں میں حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ کی استدعا پر پہلے جز وقتی پڑھانا شروع کیا اور ستمبر ۱۹۵۴ء میں ریٹائرڈمنٹ کے بعد مستقل طور پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھاتے رہے اور جامعہ اشرفیہ کے ساتھ یہ تعلق آخری دم تک رہا۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ فرماتے ہیں کہ:-

"والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ کی دلی خواہش اور تمنا تھی بلکہ کاوش کی حد تک کوشش بھی تھی کہ حضرت الاستاذ مولانا رسول خان صاحب ہزاروی کو کسی نہ کسی طرح جامعہ اشرفیہ لایا جائے اورنٹیل کالج سے فراغت کے بعد حق تعالیٰ نے والد صاحب مرحوم کی اس دیرینہ آرزو کو پورا فرمایا اور حضرت الاستاذ قدس سرہٗ جامعہ میں بحیثیت استاذ الحدیث والفنون تشریف لے آئے۔ اور آخری لمحات تک جامعہ ہی سے وابستہ رہے اور تقریباً بیس سال تک جامعہ میں اپنے مخصوص انداز میں معقولات اور منقولات کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی دوران احقر بھی حضرت کے درس حدیث میں حاضر ہوتا رہا۔ درسِ حدیث میں بیٹھ کر محسوس ہوا کہ حضرت صرف معقولات ہی کے امام نہیں بلکہ منقولات میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اور بجا طور پر جامع المعقولات والمنقولات تھے۔

ترمذی شریف کے درس میں حضرت الاستاذ مذاہب اربعہ کے مسائل ان کے دلائل اور ترجیحات پر جس انداز سے بحث فرماتے تھے اس سے آپ کی قوتِ حافظہ، وسعتِ نظر اور دقتِ نظر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا۔ حضرت کے درس سے ہی یہ نکتہ واضح ہوا کہ جس معقول کی تائید کسی منقول شرعی سے نہ ہو وہ نامعقول ہے۔ بہرحال نقلِ صحیح کو اصل اور عقلِ سلیم کو تابع بنا کر جس

انداز اور امتزاج سے آپ درس حدیث دیتے تھے اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کرسکتے ہیں جو حضرت کے درس حدیث میں کبھی بیٹھے ہوں۔ حضرت کے درس کی ایک خاص بات جو میں نے خاص طور پر محسوس کی اور جسے میں نے اپنے لئے مشعلِ راہ بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت طویل اور دقیق مضامین کو مختصر اور آسان اسلوب میں ایسے جامع اور مرتب انداز سے ذہن نشین کراتے تھے جس کے بعد ہر طالب علم یوں محسوس کرتا تھا ع

"گویا یہ بھی میرے دل میں تھا"

یہ انداز میں نے بہت کم اساتذہ میں دیکھا دراصل اس اسلوب اور انداز کو وہی حضرات اپنا سکتے ہیں جن کی وسعتِ نظر اس فن کے تمام مبادیات اور اس کے سیاق و سباق پر حاوی ہو اور جو اپنے مافی الضمیر کو طلبا ر کے ذوق کے مطابق مرتب انداز میں بیان کر سکنے میں پوری طرح قادر ہوں۔ بہرحال حضرت کے درس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی حضرت کے اسباق میں شرکت کی ہو۔ اس کے بغیر اس کا تصور ہی مشکل ہے۔"

(سوانح مولانا رسول خان مؤلفہ قاری فیوض الرحمٰن)

قیام پاکستان کی حمایت

برصغیر پاک و ہند میں مسلم علمار کی جدوجہد کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہاں حکومت کی داغ بیل تو مسلم فاتحین نے ڈالی لیکن اسلامی معاشرے کے قیام کی جدوجہد کا سہرا مذہبی لاہنماؤں کے سر رہا۔ ہر دور میں اس جدوجہد کی مختلف شکلیں رہیں۔ محمد بن قاسم۔ محمود غزنوی اور قطب الدین ایبک کے دور سے مغلیہ حکومت کے قیام تک اس جدوجہد کا محور علمی، تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیاں ہیں سیاسی اور دوسرے قومی امور میں علمار کی جدوجہد کا آغاز مغلیہ تاجدار اکبر کے

دور سے ہوتا ہے۔ اکبر کی مذہبی پالیسی حکومت کے سیاسی اعمال پر بہت اثر انداز ہوئی جس سے ہندو اور مسلم اقوام کے بارے میں ایک نئے تصور کی ابتداء ہوئی۔ ایک خاص درباری ماحول پیدا ہوا۔ اور حکومت و محلات کے اس خاص ماحول کا اثر براہِ راست مسلم عوام پر پڑنے لگا۔ اس طرح ایک تحریک نے جنم لیا جس کے سرخیل حضرت شیخ احمد سرہندیؒ تھے۔ آپ کو قلعہ گوالیار میں بھی قید کیا گیا۔ لیکن آپ نے مسلم قوم کی اصلاح اور اس کی انفرادیت کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔

آپ کے بعد اس تحریک میں آپ کے خلفاء اور معتقدین نے گرمی کی ایک روح پھونک دی۔ پلاسی کی جنگ میں رمضان ۱۱۷۱ھ مئی ۱۷۵۷ء کے بعد مسلمانوں کے زوال کی ابتداء ہوئی۔

بنگال میں سراج الدولہ کے خون سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام وہاں حکومت کا پٹہ لکھا گیا۔ ادھر مغل سلطنت کی ناؤ جاٹوں، مرہٹوں، سکھوں اور بہت سی سیاسی و اقتصادی حالات کے بھنور میں ہچکولے کھا رہی تھی۔ اس دور میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریک اٹھی۔ جس نے مسلمانوں میں علمی اور سیاسی احیاء کی جدوجہد کا آغاز کیا۔

سید احمد شہید جیسے علماء کی سربراہی میں علماء کی انقلابی کوششیں آگے بڑھیں۔ برصغیر پر انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلم قوم عتاب کا نشانہ بن گئی اس کی مرکزیت ختم ہوگئی اور انگریزی حکمت عملی کی بدولت مسلمان مختلف سیاسی مذہبی اور علمی گروہوں میں بٹ گئے۔ ان میں دین و دنیا کے الگ تصورات نے جنم لے لیا۔ اس طرح ایک ہی قوم کے علماء اور دانشوروں کی جدوجہد کے محاذ بھی مختلف ہوگئے۔ بیسویں صدی عیسوی کے ربع ثانی میں برصغیر کے عوام نے جب

انگریز کی غلامی کا جُوا اتار پھینکنے کے لئے بھرپور جدوجہد کی تو مسلم رہناؤں کو دو مختلف محاذوں پہ دیکھا گیا چند رہنما کانگریس کے ساتھ مل کر اس جدوجہد میں شریک ہوتے اور اکثریت نے مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو کر آزادی کی جنگ لڑی۔ جدوجہد آزادی کے لئے اس دور کے علماء کی خدمات کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ امت کے اکثر علماء نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ دارالعلوم دیوبند سے متعلق علماء نے بھی آزادی کی یہ جنگ دونوں محاذوں سے لڑی۔ ان دنوں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ صدر مہتمم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ محدث وقت حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ۔ مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ استاذ حدیث مولانا رسول خان صاحبؒ ہزاروی اور حکیم الامت تھانویؒ کے سب ہی خلفاء اور معتقدین خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اعظمیؒ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور حضرت مولانا اطہر علی وغیرہم حضرات نے جو اکابر علماء دیوبند میں شمار کئے جاتے ہیں مسلم لیگ کا پورا پورا ساتھ دیا اور قیام پاکستان کی تحریک کی بھرپور حمایت کی۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"انگریز کے منحوس دور میں بعض فرقوں کی طرف سے اکابر علماء دیوبند کو عوام الناس کی نظروں میں (معاذ اللہ) حقیر و ذلیل کرنے کے لئے کئی بے خطا ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے خلاف بڑا شور و ہنگامہ برپا

کیا جاتا ہے۔ کبھی ان کو انبیاء علیہم السلام اور اولیائے عظام کی توہین کرنے والے ثابت کیا جاتا ہے (معاذ اللہ) حالاں کہ اس بے بنیاد الزام سے ان کا دامن قطعاً پاک ہے۔ اور کبھی یہ کہہ کر الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ کانگریسی ہیں اور ہندوؤں کے ہم نوا ہیں۔ حالاں کہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں ایک وقت تک وہ حضرات بھی کانگریس میں رہے جو بانیانِ پاکستان میں اہم کردار کے مالک ہیں۔ خصوصیت سے قائدِ اعظم مرحوم۔ لیاقت علی خان مرحوم اور سردار عبد الرب نشتر مرحوم وغیرہ وغیرہ۔

مگر بے شمار حضرات اکابر علماء دیوبند میں بھی اول سے آخر تک کانگریس کے مخالف رہے۔ اور مسلم لیگ کے پُرزور حامی رہے۔ مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور آپ کے جملہ مریدین خلفاء اور عقیدت مند حضرات خصوصیت سے مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ۔ شیخ الحدیث دار العلوم ٹنڈو الہ یار۔ شیخ کامل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفۂ اعظم حضرت تھانوی۔ محدث جلیل حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ۔ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری وغیرہ وغیرہ حضرات۔ اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور آپ کے سینکڑوں باکمال شاگرد۔۔۔۔ علیٰ ہذا القیاس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدنیؒ۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ۔ حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ اور امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد اسحاق مانسہروی اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات جو تن من دھن سے قیام پاکستان کے حامی تھے۔ لہٰذا سب اکابر علماء دیوبند

کو پاکستان کا مخالف قرار دے کر اور یوں دل کی بھڑاس نکالنا بالکل غلط ہے۔"

(ماخوذ بانیٔ دارالعلوم دیوبند)

پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی فرماتے ہیں کہ :-

"پاکستانی عوام و خواص میں یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے سب ہی فضلاء و علماء کانگریس کے ہم نوا اور مسلم لیگ کے مخالف تھے حالاں کہ یہ بات بالکل غلط ہے اور اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور کتنے ہی ارکانِ شوریٰ اور فضلاء دارالعلوم دیوبند مسلم لیگی تھے۔ اور تحریک پاکستان کے حامی تھے۔ اور ان کے علاوہ حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ سے عقیدت رکھنے والے سب ہی حضرات مسلم لیگ کا دم بھرتے تھے۔"

(بحوالہ حیاتِ عثمانی ص ۴۴۲)
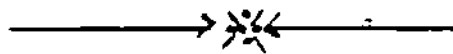
سیّد الملّت حضرت علّامہ سیّد سلیمان ندویؒ

آپ ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حکیم ابوالحسن صاحب ایک ممتاز و متین عالم دین تھے۔ اور آپ کا وطن بہار کے ضلع پٹنہ میں دیسنہ کا علاقہ ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر ہی میں حاصل کی۔ کیونکہ آپ کا سارا گھرانہ علمی تھا۔ ابتدائی اور متوسط تعلیم کے بعد ۱۹۰۱ء میں آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ جہاں سے پانچ سال تک حصولِ تعلیم کے بعد ۱۹۰۶ء میں فارغ و تحصیل کی سند ملی۔ اسی ماحول میں آپ کو علامہ شبلی جیسے مشہور زمانہ ادیب، مورخ، متکلم، فلسفی، محقق و مفکر کی تربیت و نگہداشت کا ماحول میسر آیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام کے دوران آپ نے جو کچھ حاصل کیا اس میں بعض دیگر اساتذہ کرام کا بھی حصہ قابلِ ذکر ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا محمد فاروق، مولانا حفیظ اللہ، مفتی عبداللطیف اور

مولانا عبدالحیؒ وغیرہ شامل ہیں ۔

آپ کی ذہانت اور علمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلبا. کی دستار بندی کے سلسلہ میں مارچ ۱۹۰۷ء میں لکھنؤ کے وسیع ہال میں جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا تو اس جلسے کی صدارت مولانا غلام محمد فاضل ہوشیار پوری نے کی۔ اس جلسہ میں بڑے بڑے ماہر فن علم وفضل شریک تھے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کو عین وقت پر جلسۂ عام میں عربی میں تقریر کرنے کے لئے کہا گیا اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے موضوعِ تقریر "ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی" مقرر کیا۔ آپ نے اس موضوع پر عربی میں اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے ہر طرف سے احسنت اور آفرین کی صدائیں بار بار بلند ہو رہی تھیں۔ اور تمام جلسہ محوِ حیرت تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ کے استاذ علامہ شبلی مرحوم نے جوشِ مسرت میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت علامہ ندویؒ کے سر پر باندھا جو آپ کے واسطے ہمیشہ کے لئے طرۂ امتیاز بن گیا۔

دینی وعلمی کارنامے

مختلف علوم وفنون کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد چالیس برس تک مسلسل آپ علمی تحقیقی اور تصنیفی مشاغل میں مصروف رہے۔ فراغت کے فوراً بعد "الندوہ" جیسے بلند پایہ خالص علمی ماہنامے کا آپ کو نائب مدیر بنا دیا گیا۔ رسالے کی ادارت برائے نام تھی۔ اصل میں یہ ایک شعبۂ تصنیف وتالیف تھا۔ اس رسالے کا معیار اس قدر اعلیٰ تھا کہ ملک کے چیدہ چیدہ اہلِ قلم کے مضامین ہی اس میں ترتیبِ اشاعت ہو سکتے تھے۔

علامہ ندویؒ کے معاصر شہیر مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے آپ کے بارے

میں لکھا ہے کہ:۔

"نگاہیں جس شوق اور بے تابی سے علامہ شبلیؒ کی تحریروں کی منتظر رہتی تھیں اس سے کچھ کم اشتیاق حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے علمی افادات کا بھی نہیں رہتا تھا۔"

(صدق جدید ۲۲ رجنوری ۱۹۵۴ء)

حضرت علامہ مرحوم نے اس زمانے میں جس قسم کے مضامین سپرد قلم کئے ان کی اہمیت، وقت پسندی اور گوناگونی کا اندازہ آپ چند مضامین کے عنوانات ہی سے کر سکیں گے۔

"اشتراکیت اور اسلام"۔ "علم ہیئت اور مسلمان"۔ "اسلامی رصد خانے" "مسئلہ ارتقاء"۔ "برنابہ کی انجیل" "تکررات القرآن"۔ "طبقات ابن سعد کا تعارف" "قیامت ایمان بالغیب" وغیرہ سید سلیمان ندویؒ کی علمی قابلیت وجامعیت کا اعتراف عظیم اہل علم اور اساتذہ نے کیا۔ علامہ شبلی اس سلسلہ میں اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۲ء میں اپنے خطبہ میں برملا فرما دیا:۔

"ندوہ نے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا، صرف ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔"

اس زمانے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جدید عربی اور علم کلام کے ایک اعلیٰ استاذ کی ضرورت پیش آئی۔ علامہ شبلیؒ نے یہ اہم مسند درس اپنے اس جوان عمر لیکن پختہ علم شاگرد کے سپرد کر دی اور وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب بلاشبہ لاجواب تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب علامہ ندوی کی عمر صرف پچیس سال کے لگ بھگ تھی۔ تدریس و تعلیم کا یہ سلسلہ وقفوں کے ساتھ

عرصے تک جاری رہا۔ اس زمانۂ تدریس میں جن ممتاز طلبا نے علم حاصل کیا ان میں مولانا مسعود عالم ندوی۔ مولانا محمد ادریس نگرامی اور مولانا شاہ معین الدین کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

۱۹۱۲ء میں برصغیر کی سیاست میں اسلامی اتحاد کی تحریک پیدا ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ سے اپنا شہرۂ آفاق رسالہ ہفت وار "الہلال" نکال رہے تھے۔ انہوں نے ان حالات میں حضرت علامہ ندوی کی معاونت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے الہلال کے ادارۂ تحریر میں شامل ہونے کے لئے زور دیا۔ مولانا آزاد کی اس خواہش و کوشش پر علامہ شبلی نے خود علامہ سید سلیمان ندوی کو یہی مشورہ دیا اور آپ آزاد صاحب کے ساتھ مل کر تحریر کے میدان میں علمی و ادبی خدمات سرانجام دینے لگے۔ آج تک چار دانگ عالم میں "الہلال" کی علمی و ادبی اور سیاسی خدمات کا جو شہرہ ہے بلاشبہ اس میں علامہ سید سلیمان ندوی کی کوششوں کا بھی ایک بڑا حصہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ "الہلال" کی معاونت چھوڑ کر پونے میں درس و تعلیم کی غرض سے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ادارت کا کام اس قدر متاثر ہوا کہ آزاد صاحب ان الفاظ میں علامہ صاحب سے واپس چلے آنے کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔

"آپ نے پونا میں پروفیسری قبول کر لی۔ حالاں کہ خدا نے آپ کو درس و تعلیم سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے۔ خدا کے لئے میری سنئے آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت دل میں رکھتا ہوں آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی کی راہ دکھا سکتے ہیں آپ آ کر "الہلال" بالکل لے لیجئے اور جس طرح جی چاہے اسے ایڈٹ کیجئے

میں صرف اپنے مضامین دے دیا کروں گا۔ اور کچھ تعلق نہ ہوگا۔ آپ فوراً وہاں سے استعفا دے دیں۔ اور کلکتہ چلے آئیں۔"

یہ خط آزاد صاحب نے علامہ ندوی صاحب کو ۹ر جنوری ۱۹۱۴ء کو لکھا تھا۔ دیکھئے مولانا آزاد ایسے نابغہ روزگار حضرت علامہ کی معاونت کی کتنی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ علامہ مرحوم کے جو مضامین "الہلال" میں شائع ہوئے وہ مضامین سید سلیمان ندوی کے نام سے منظر عام پر آچکے ہیں۔

نومبر ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ علامہ شبلیؒ کا وقت آخر نزدیک تر آگیا۔ انہوں نے علامہ ندوی کو تار دے کر پونا سے طلب فرمایا اور ہمیشہ کے لئے اپنے لب اور آنکھیں بند کرنے سے پہلے انہیں نہایت شفقت و محبت سے اپنی زیر تکمیل علمی مہمات بالخصوص "سیرت النبی" کو مکمل کرنے کی وصیت فرمائی اور یہ عہد مستحکم کر کے ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو اس بزم رنگ و بو کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحلت فرما گئے۔

اب علامہ شبلیؒ کی مسند خالی تھی اور اس عظیم مسند کی جانشینی کا شرف علامہ ندوی کو حاصل ہوا۔ پھر اپنے استاد سے کئے ہوتے وعدہ کو پورا کیا اور "سیرت النبی" کی باقی جلدیں لکھ کر بہت بڑا فریضہ سرانجام دیا۔

۱۹۱۵ء میں اعظم گڑھ تشریف لائے اور دارالمصنفین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے لئے آپ نے اپنے قلب و دماغ کی جملہ صلاحیتوں کو اس طرح مرد زکر دیا کہ کچھ عرصہ بعد علمی دنیا میں دور دور تک اس کی علمی خدمات کا شہرہ پھیل گیا۔ اس کے علاوہ آپ کی علمیت و عظمت و فضیلت کے لئے آپ کی تصانیف شاہد ہیں جن میں "سیرت النبی"۔ "خطبات مدارس"۔ "سیرت عائشہؓ"۔ "عرب و ہند کے تعلقات"۔ "ارض القرآن"۔ "خیام"۔ "حیات شبلیؒ"

اور دیگر مضامین، مقالات اور خطبات بڑی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔

قومی و سیاسی خدمات

دارالمصنفین کے قیام کے بعد حضرت علامہ مرحوم کے روز و شب پہلے سے بھی بڑھ کر علمی مشاغل میں صرف ہونے لگے۔ اس دور میں کچھ موقعوں پر قومی رہنماؤں نے ملکی سیاسی سرگرمیوں کی طرف دعوت دی۔ لیکن آپ سیاست میں آنے سے اجتناب کرتے تھے۔ ورنہ اگر سیاست میں پوری طرح داخل ہوتے تو شاید ملک و قوم کی سیاسی رہنمائی میں بھی وہ چوٹی کا مقام حاصل کر لیتے سیاسی سرگرمیوں سے بہت حد تک الگ تھلگ رہنے کی خواہش و کوشش کے باوجود ان کے ہم عصر ان کی سیاسی بصیرت و فراست کے قائل و معترف تھے۔

ایک بار گاندھی جی نے ان کے بارے میں کہا تھا:-

"یہ بڑا چاتر مولوی ہے۔"

حضرت علامہ صاحب نے سیاست میں باقاعدہ حصہ نہ لینے کے باوجود اپنی زندگی میں بعض ایسے کارہائے نمایاں بھی انجام دیئے جنہیں ہم ان کی شاندار ملکی و قومی خدمات قرار دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں۔

آپ نے ۱۹۱۷ء میں مجلس علمائے بنگال کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت فرمائی اور اس میں انگریزی حکومت کے جبر و تشدد کے باوجود ایسا جرأت آموز خطبہ دیا جس سے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں سے انگریز کی مرعوبیت اٹھ گئی۔

۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا عبدالباری فرنگی محل وغیرہ کے اصرار پر وفد تحریک خلافت کے ساتھ علمائے ہند کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے یورپ

تشریف لے گئے۔ اور وہاں انہوں نے نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے جمعیت علماء ہند کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت فرمائی۔ اس اجلاس کے شرکاء میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسے جلیل القدر عالم دین بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں آپ نے جو خطبۂ صدارت دیا وہ مسلمانوں کی سیاست میں قابلِ یادگار رہے۔

۱۹۲۷ء میں آپ نے انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر عہدِ رسالت میں اشاعتِ اسلام کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ اس اجلاس میں دیگر علماء و فضلاء کے علاوہ اقبال مرحوم ایسے مشاہیر بھی شامل تھے۔ جنہوں نے آپ کی علمیت و فضیلت اور اہلیت و صلاحیت کا اعتراف فرمایا۔ ہندوستان کی آزاد اور متحدہ حکومت کی صورت میں جو مسائل پیدا ہو سکتے تھے اور جو خدشات پیش آسکتے تھے۔ انہیں اپنی خدا داد بصیرت اور فراست سے بھانپ کر انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ:-

"آئندہ حکومت میں مسلمانوں کے خاص مذہبی اور شخصی قوانین کے تحفظ، ترقی، اصلاح اور استحکام کے لئے علیحدہ انتظام ہونا چاہئے۔"

حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:-

"دارالعلوم دیوبند محدثین دہلی کے نظر و فکر کی نشأۃ ثانیہ تھی۔ اس کے بانی اور پہلے سرپرست حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں باقاعدہ شریک تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پہلے اور دوسرے ذہن کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کے لئے صحت عقائد پر سر سید احمد خان مرحوم سے خط و کتابت کی جو انہی دنوں "تصفیۃ العقائد"

کے نام سے شائع ہو گئی۔ پھر ان حضرات کے ارشد تلامذہ اور دیوبند کے پرنسپل شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ خود علی گڑھ تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند مرحوم اور ان کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریروں سے نہ صرف دونوں ذہن ایک دوسرے کے قریب ہوئے بلکہ پہلے طبقے کی کافی حد تک دینی اصلاح بھی ہو گئی۔ علامہ شبلی مرحوم اور ندوۃ العلماء کے ذریعہ جو جدید اسلام کے نام سے سامنے آ رہے تھے۔ ان کی اصلاح کے لئے دارالعلوم دیوبند نے خاص سعی فرمائی جو تاریخ دیوبند کا بہترین سرمایہ ہے۔ سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نہ صرف دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے۔ بلکہ ان کے ارشد خلفا میں شمار ہوئے۔ جن کی علمی عظمت کا اعتراف علامہ اقبال مرحوم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ:۔

"مولانا شبلی کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی استاد الکل ہیں۔ اور علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندویؒ کے اور کون ہے۔ حضرت علامہ سید صاحب قلندر ہیں۔"

(مکاتیب اقبال جلد اوّل)

ڈاکٹر اقبال مرحوم کا درد مند دل جب سوئی قوم کو جگا رہا تھا تو علماء دیوبند نے محسوس کیا کہ مبادا ڈاکٹر اقبال مرحوم کی فکر اسلام کی اسنادی علم سے ذرا مختلف ہو جائے۔ اس لئے فلسفہ اسلام کی بعض گہرائیوں پر اقبال مرحوم سے گفتگو ہونی چاہیئے چنانچہ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لاہور تشریف لائے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم سے اہم ملی مسائل اور اسلام کی فکری گہرائیوں پر کئی دن تبادلہ افکار رہا۔ انجمن حمایت اسلام سے ڈاکٹر صاحب نے

قادیانیوں کے متعلق جو موقف اختیار کیا وہ زیادہ تر انہی مذاکرات کی صدائے بازگشت تھی بہرحال ڈاکٹر صاحب کے خیالات و افکار کی اصلاح میں علمائے دیوبند کا بہت بڑا دخل ہے اور انہی حضرات خصوصاً علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کوششوں کا ثمرہ ہے ۔ کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے افکار سلف سے کہیں نہیں ٹکرائے ۔ اور نازک سے نازک مسائل میں وہ اسلام کی شاہراہ عظیم سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوتے ۔ علامہ اقبال مرحوم اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جداگانہ قومی نظریے پر متفق ہوئے جس کی صدائے بازگشت ہندوستان کے سیاسی میدانوں میں برسوں بعد تک سنی جاتی رہی اسی طرح علامہ اقبال نے ستر خطوط علامہ سید سلیمان ندوی کے نام لکھے جن میں مسئلہ زمان و مکان ختم نبوت ، حقیقت وحی ۔ قرآن میں ناسخ و منسوخ اور اسلام میں خلیفہ کے اختیارات وغیرہ ایسے فلسفیانہ اور متکلمانہ قرآنی اور فقہی مسائل میں سید صاحب سے استفادہ کیا ہے ۔ (بیس بڑے مسلمان)

حصول پاکستان اور نظام اسلام کے لئے جدوجہد

ہندوستان کی تحریک آزادی میں علماء دیوبند نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے تحریک پاکستان میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی تائید کی بلکہ قائد اعظم کی قیادت کو مسلمانوں کے لئے ان حضرات نے مفید تصور کیا اور کبھی قائد اعظم کی مخالفت نہ کی ۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو تحریک پاکستان کے حامی علماء کی قیادت فرما رہے تھے انہوں نے قائد اعظم سے باقاعدہ خط و کتابت کی تھانہ بھون سے مسلم لیگ کے اجلاسوں میں تبلیغی وفود بھیجے گئے ۔ اور ۱۹۳۸ء کے اجلاس پٹنہ میں حضرت حکیم الامت کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا ۔ آل انڈیا مسلم لیگ

کی طرف سے ۱۹۴۳ء میں حضرت تھانویؒ کو دعوت شرکت دی گئی ۔ بہر حال حضرت تھانویؒ اور ان کے رفقاء کار شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ اور ان کے تمام خلفاء عظام خصوصاً علامہ سید سلیمان ندویؒ ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مولانا اطہر علی صاحب سلہٹیؒ وغیرہ حضرات نے حصول پاکستان کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تحریک پاکستان کے دوران ۱۹۴۵ء کے لیاقت کاظمی الیکشن میں جو کارنامہ سر انجام دیا اس کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو لیاقت علی خان مرحوم نے الیکشن کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو لکھا انہوں نے تحریر فرمایا :-

" میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا ۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا کی اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت ثابت ہوئی۔ آپ حضرات کا اس نازک موقعہ پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں آنا اور اس سرگرمی سے جدوجہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں خصوصاً اس حلقہ انتخاب سے جہاں ہماری جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا۔ آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بڑی حد تک ختم کر دئیے ہیں۔ اس سے بھی سخت معرکہ سامنے ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی امید ہے کہ دشمنان ملت اس معرکہ میں بھی خاسر و نامراد ہوں گے ۔ آپ کی تحریریں، تقریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتدبہ حد تک ختم کر دیں گی ۔"

سلہٹ اور سرحد ریفرنڈم میں ان حضرات نے جو کارنامے سرانجام دیئے اخبارات کے پرانے فائل اس کے گواہ ہیں اور ان حضرات کی تحریک پاکستان میں خدمات کے پیش نظر ہی نئی مملکت اسلامیہ کے پرچم کشائی کی رسم کی ادائیگی کا اعزاز انہی علما دیوبند کے دو جرنیلوں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو بخشا گیا تھا۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ ساری زندگی اپنے شیخ کے مسلک و مشرب پر قائم رہے۔ اور اپنے علم و فضل سے دنیائے اسلام کو سیراب و شاداب کرتے رہے آپ نے بھی ملکی سیاسیات میں اہم کردار ادا کیا۔ تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ اور پھر اپنے شیخ حضرت تھانوی کے سیاسی نظریات کی مکمل حمایت فرمائی آپ کی تحریر اور تقریر سے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ نے مسلم لیگ یا پاکستان کی مخالفت کی ہو۔ اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ نے مسلم لیگ اور پاکستان کی مکمل حمایت فرمائی۔

کلکتہ کے مشہور اخبار "عصر جدید" مورخہ ۷ مارچ ۱۹۴۶ء میں ایک فتویٰ ڈھاکہ کے ایک شخص محی الدین کے استفسار کے جواب میں کہ آیا مسلم لیگ کی حمایت کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ شائع ہوا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ:۔

"اس وقت مسلمان، کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔"

اس فتویٰ پر علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے بھی دستخط موجود ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے

کہ حضرت علامہ ندوی صاحبؒ بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔

یہاں یہ بات بھی پوری ذمہ داری سے واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تمام خلفاء اور متعلقین تحریک پاکستان کے حامی رہے۔ اور اپنے شیخ کے سیاسی نظریات کی مکمل تائید و حمایت کرتے رہے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ:-

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے سبھی خلفاء، پاکستان کے حامی تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند کے پانچ بڑے عہدیداران، سرپرست، صدر مہتمم، صدر مدرس، صدر مفتی اور مہتمم میں سے چار مسلم لیگ کے ہم خیال تھے۔ سرپرست حکیم الامت تھانویؒ تھے۔ صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب تھے۔ صدر مدرس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کانگریس میں تھے۔

ہمیں ان دوستوں پر بہت افسوس ہے جو پاکستان کی مخالفت میں تو دیوبند کا ذکر کرتے ہیں لیکن پاکستان کی حمایت میں اکابر دیوبند کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا جاتا۔ حالاں کہ ان اکابر کی خدمات کے بغیر پاکستان کی تعمیر کسی طرح ممکن نہ تھی۔ حلقۂ دیوبند کا ایک بہت بڑا طبقہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں علی الاعلان مسلم لیگ کے ساتھ تھا۔ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تمام خلفاء، پاکستان کے حامی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے مسلمانوں سے کئے گئے اس وعدے کو پورا کیا کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت پر مبنی ہوگا۔ اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے قرار داد مقاصد پاس کرائی۔ جس میں اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہوگا

اور اس کے قوانین شریعتِ اسلامیہ پر مبنی ہوں گے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ اور بڑی محنت سے قراردادِ مقاصد پاس کرائی۔ مگر افسوس کہ علامہ کی وفات کے بعد ملکی قیادت کے مدوجزر نے اس قرارداد کو بھی ایک یادگار ماضی بنا کر رکھ دیا۔ حالاں کہ یہ قراردادِ پاکستان کی روح تھی اور اسی مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔

لیاقت علی خاں مرحوم نے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے ارشاد کے مطابق تعلیماتِ اسلامیہ کا ایک بورڈ قائم کیا۔ جو شریعت کی روشنی میں پاکستان کی قانون سازی کرے۔ اور پھر یہ سفارشات دستور ساز اسمبلی میں پیش ہوں کہ بعض اعیانِ حکومت، کا خیال تھا کہ علماء اسلام وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلامی قانونی جزئیات مرتب نہ کر سکیں گی۔ اور روایات کے اختلاف میں الجھ کر رہ جائیں گے۔ مگر علمائے دیوبند نے وقت کے اس چیلنج کو بھی قبول کرلیا۔ اور مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ خلیفہ خاص حضرت حکیم الامت تھانویؒ جو اس بورڈ کے ممبران میں سے تھے انہوں نے اس بیدار مغزی، روشن خیالی اور وسعتِ نظر سے اسلام کی قانونی جزئیات مرتب کیں کہ حکمران طبقے کے لئے اعتراض کا کوئی موقعہ نہ رہا۔ سوائے اس کے کہ وہ قانونی مسودات کو سرخ فیتے سے باندھ رکھیں اور دستور ساز اسمبلی تک پہنچنے ہی نہ دیں۔ ہمیں اس وقت اس کی علت و غایت سے بحث نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ علماء دیوبند نے وقت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ہر موقع پر مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اکابر علماء اسلام نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی بھی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اجتہاد آزاد نہ ہو۔

پچھلے مجتہدین کرام کے بیان کردہ اصولوں کے ماتحت ہو۔ اور اس کا مقصد بھی نئے مسائل کا حل ہو۔ پہلے فیصلوں کی تردید و تنقیص نہ ہو۔ اس قسم کے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ نئے اجتہاد کا مطلب پچھلے مجتہدین کی تغلیط نہیں۔ پچھلے ذخیرۂ اجتہاد پر ایک ضروری اضافہ ہے۔ علماء دیوبند نے اس قسم کے اجتہاد کو کبھی منع نہیں کیا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کی اجازت انہی لوگوں کو ہو جو اس کے اہل ہوں اور پچھلے فقہاء مجتہدین کے اصول و فروع پر پوری نظر رکھتے ہوں۔ (ماخذ ماہ نامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر)

الغرض حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اور دوسرے اکابر علماء دیوبند نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا اور پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے اور پوری طرح پاکستان کے حامی اور خیر خواہ رہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں تعلیمات اسلامی بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اور بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا۔ پھر ۱۹۵۲ء میں دستوری مسائل پر غور کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی اس کی صدارت آپ ہی نے فرمائی۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء کے اوائل میں تحریک ختم نبوت کے لئے علماء کرام کی جو مجلس عمل تشکیل دی گئی اس کے بھی آپ صدر منتخب ہوئے اور آخر کار خدمت اسلام انجام دیتے ہوئے ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین

(اکابر علماء دیوبند مؤلفہ احقر بخاری غفرلہ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

آپ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور کے معروف و معزز عثمانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ لطیف احمد عثمانی مرحوم صوم و صلوٰۃ کے پابند اور بااخلاق انسان تھے۔ دیوبند کے مشہور پیر طریقت حضرت حاجی عابد حسین دیوبندیؒ سے بیعت تھے۔ آپ کے دادا مرحوم شیخ نہال احمد عثمانی دیوبند کے ایک معزز باثر سخی اور بہت بڑے رئیس تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی عمارت والی زمین انہی کی عطیہ کردہ ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ نہال احمد صاحب مرحوم کے خاص بہنوئی تھے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ اور آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کے خواہرزادہ اور حقیقی بھانجے تھے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ پھر اپنے ماموں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی زیر نگرانی خانقاہِ امدادیہ مدرسہ امداد العلوم میں داخل ہوکر مولانا محمد عبداللہ گنگوہی ؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۳ھ میں جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا۔ اور حضرت مولانا محمد اسحاق بردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے عربی ادب کی اعلیٰ کتب پڑھیں۔ پھر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی خدمت اقدس میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ اور ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰ نمبروں میں سند الفراغ حاصل کی۔

علمی و تدریسی خدمات

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ اپنے استاذ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی زیر نگرانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ۱۳۲۹ھ میں علمی و تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور ۱۳۳۶ھ تک مسلسل سات سال اسی مدرسہ میں مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ابتداء میں شرح وقایہ۔ نورالانوار وغیرہ کے اسباق آپ کے سپرد ہوتے۔ پھر بتدریج ترقی ہوتی گئی۔ اور فقہ میں ہدایہ، حدیث میں مشکوٰۃ شریف۔ فلسفہ میں میبذی اور علم کلام میں شرح عقائد وغیرہ مختلف فنون کی کتابوں کا درس آپ نے دیا۔ اور علم ادب عربی میں سبعہ معلقہ اور متنبی کی کتابیں پڑھائیں۔

سات سال مظاہر العلوم میں درس دینے کے بعد ۱۳۳۶ھ میں سہارنپور سے رخصت لے کر تھانہ بھون کے قریب مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں آپ نے ۱۳۳۸ھ تک دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف کا درس دیا۔ ۱۳۳۹ھ میں حج سے واپسی کے بعد آپ کا مستقل

قیام تھانہ بھون کی خانقاہِ امدادیہ اور مدرسہ امداد العلوم میں ہوگیا۔ یہاں
درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ فتویٰ نویسی کا شعبہ بھی
آپ کے سپرد کردیا گیا تھا اور آپ ان تمام شعبوں میں حضرت حکیم الامت
تھانویؒ کی زیرِ نگرانی علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ امداد العلوم تھانہ
بھون میں آپ نے بیضاوی شریف اور دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا۔
اور تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء کی
دستاربندی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دستِ مبارک سے ہوئی
تھی۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے قیام میں حضرت تھانوی کے انفاسِ قدسیہ
اور توجہات عالیہ کی برکت سے جو قابلِ قدر علمی اور تالیفی کارنامہ حضرت
مولانا عثمانی قدس سرہٗ نے انجام دیا۔ اس کی مثال علماءِ سلف اور قدماء کے
کاموں میں بھی نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

۱۳۴۶ھ میں مدرسہ راندھیریہ رنگون تشریف لے گئے تھے۔ جہاں
اڑھائی سال تک تبلیغی و علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۹ھ میں پھر تھانہ
بھون واپسی ہوئی۔ اور یہاں پہنچ کر حسبِ سابق حضرت حکیم الامت تھانوی
کی خدمت میں رہ کر درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی کے
شعبوں میں خدمات انجام دیتے رہے اور یہ سلسلہ ۱۳۵۸ھ تک جاری رہا۔
حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت بابرکت میں اتنی طویل مدّت اور عرصہ
دراز تک قیام کرتے اور حضرت سے علمی استفادہ اور روحانی استفاضہ کا
موقع حضرت عثمانی مرحوم کے برابر حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں سے کسی
دوسرے کو میسّر نہیں آیا اور اس شرف میں حضرت عثمانی مرحوم، حضرت اقدس
تھانویؒ علیہ الرحمۃ کے غالباً تمام ہی متوسلین پر سبقت لے گئے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۵۴ھ میں حضرت مولانا عثمانی مرحوم کے بعض احباب نے آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بلانے کی تحریک کی۔ اس پر آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کی اجازت سے تھانہ بھون سے ایک سال کی رخصت لے کر ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے۔ یونیورسٹی میں بھی اگرچہ آپ کے سپرد بخاری شریف۔ مسلم شریف۔ کتاب التوحید اور ہدایہ وغیرہ کے بڑے بڑے اسباق تھے۔ لیکن آپ کے ذوق علمی کو پورا کرنے کے لئے یہ اسباق بھی کافی نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے یونیورسٹی کے مذکورہ اسباق کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں جو آپ کی ہی سرپرستی میں آپ کے احباب نے قائم کیا تھا مؤطا امام مالک۔ بیضاوی شریف اور مثنوی مولانا روم کے اسباق بلا معاوضہ پڑھانے شروع کر دئے۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر شہید اللہ مرحوم۔ ڈاکٹر سراج الحق صاحب اور پروفیسر جیلانی صاحب اسی زمانے کے مولانا عثمانی کے شاگرد ہیں۔

مدرسہ اشرف العلوم کے اکثر حضرات مدرسین بھی مؤطا امام مالک اور مثنوی کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان اسباق کے علاوہ اس مدرسہ میں بھی آپ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

چوتھے سفر حج سے واپسی کے بعد لال باغ کی شاہی مسجد میں مولانا عثمانی کی زیر سرپرستی ایک عظیم دینی درسگاہ جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے نام سے قائم ہوئی۔ اس درسگاہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا شمس الحق فریدپوری جو حضرت حکیم الامت تھانوی سے بیعت تھے اور ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ سے تھا۔ حضرت تھانوی کے وصال کے بعد مولانا عثمانیؒ سے

تجدید بیعت کرلی اور آپ کے مخصوص خلفا میں شمار ہوتے ہیں[1]۔

موصوف کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ و مجاز حضرت حافظ جی حضور مشرقی پاکستان کی نایہ ناز علمی و روحانی شخصیت ہیں۔ جامعہ قرآنیہ کے مدرس اول اور شیخ الحدیث ہیں[2]۔ اس مدرسہ میں بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے بخاری شریف کا درس کم و بیش پندرہ سال تک نہایت پابندی سے دیا ہے۔ اس میں بھی جامعہ قرآنیہ کے تمام مدرسین شریک ہو کر علمی استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ڈھاکہ سے ترک تعلق کے بعد جب آپ مغربی پاکستان تشریف لے آئے تو جامعہ قرآنیہ کی سرپرستی بدستور فرماتے رہے اور ہر سال رمضان المبارک کی تعطیلات وہیں جاکر گزارتے تھے۔ اور شوال کے مہینہ میں بخاری شریف کے اسباق شروع کرانے کے بعد واپس تشریف لاتے تھے۔ اور شعبان کے مہینہ میں آپ ہی جاکر ختم بخاری کی رسم ادا فرماتے تھے۔ جامعہ قرآنیہ کے بیشتر مدرسین آپ کے مرید و شاگرد ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۴ء تک آپ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے بھی صدر مدرس رہے۔ یہاں مدرسہ کی تعلیمی نگرانی اور اساتذہ میں تقسیم اسباق کے علاوہ بخاری شریف، الاشباہ والنظائر، اصول بزدوی کے اسباق بھی آپ کے سپرد رہے۔ علاوہ ازیں ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق کے زمانہ میں یونیورسٹی کی تعطیلات گرما میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بھی آپ نے درس حدیث کی خدمات انجام دی ہیں اور مسلم شریف و ترمذی شریف کے اسباق بھی پڑھاتے ہیں۔

۱۹۵۴ء میں مسلم لیگ، عوامی لیگ اور دوسری پارٹیوں سے مقابلہ ہو

[1] مولانا شمس الحق فریدپوری کا تفصیلی تذکرہ آگے ملاحظہ فرمائیے۔ (مؤلف)
[2] افسوس ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے چند ماہ قبل اواخر ۱۹۸۷ء میں موصوف اس دار فنا سے دار البقاء کی طرف رحلت فرماگئے۔ (انوار الحق قاسمی ۸۸ء)

جس میں مسلم لیگ ناکام رہی۔ جس کی وجہ سے آپ مشرقی پاکستان میں قیام سے دل برداشتہ ہو گئے۔ اور مغربی پاکستان میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ مدرسہ عالیہ سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے حج کا قصد کیا۔ اور سفر حج سے واپسی کے بعد ڈھاکہ تشریف لائے ہی تھے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر بلانے کے لئے ڈھاکہ پہنچ گئے۔ اور آپ نے وہاں آنا منظور فرمالیا۔

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخر میں آپ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کے عہدہ شیخ الحدیث پر فائز ہو کر مسلسل بیس سال تک قرآن و حدیث کی خدمت اور تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ اور اپنی قوت و طاقت سے بڑھ کر زندگی کے آخری لمحات تک علوم قرآن و حدیث کی تعلیم اور نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ بہر حال آپ کی علمی و تدریسی خدمات کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

آپ کا فیض پورے برصغیر پاک و ہند۔ بنگلہ دیش سے نکل کر حرمین شریفین اور یوگنڈا تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر یہ سلسلہ واسطہ در واسطہ ہو کر بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی دور دراز تک پھیلا ہوا نظر آئے گا۔ اس لئے آپ سے فیض علمی حاصل کرنے والوں کی صحیح تعداد اور آپ کے تلامذہ کا قطعی اندازہ میں شمار کرنا از بس دشوار ہے۔ چند مشہور تلامذہ کے اسمائے گرامی سے ہی اندازہ لگائیے کہ جن کی علمی شخصیت اور تبحر علمی بجائے خود مسلّم ہے۔ اور جو بجا طور پر اپنے دور کے بلند پایہ استادان حدیث اور اکابر علماء میں شمار ہوتے ہیں ان سب کو حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ سے نسبت تلمذ اور شرف استفادہ علوم حاصل ہے:۔

- شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔
- حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ۔
- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔
- حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ۔
- حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوریؒ۔
- حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔
- حضرت مولانا عابد الرحمٰن کاندھلویؒ۔
- حضرت مولانا عمر احمد سورتی - اور
- حضرت مولانا عبدالرزاق افریقی وغیرہ مشاہیر علما آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

(تفصیل کے لئے علمی خدمات "تذکرۃ الظفر" میں ملاحظہ فرمائیے)

تصنیفات وتالیفات

مولانا عثمانی مرحوم کا نام اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اہل علم وعمل کے سلسلہ میں سرفہرست آتا تھا۔ بلکہ آپ ان کے صدر نشین تھے جن کے تبحر علمی، تقدس وبزرگی اور دینی علوم میں کمال جامعیت وبصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔ آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی کی زیرنگرانی خانقاہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اور اسی زمانے میں آپ کی نوک قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات وتصنیفات عالم ظہور میں آئیں جن پر عالم اسلام کے مشاہیر علما کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ بڑے بڑے محدث اور جلیل القدر مفسر آپ کے شاگردانِ کرام کی صف میں نظر آئے۔ اور بہت سے

جدید علوم کے ماہرین نے آپ کی ذات بابرکات سے علمی استفادہ کیا۔ درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کی خدمت کے علاوہ مختلف موضوعات پر ایک سو کے قریب چھوٹی بڑی کتب منظر عام پر آئیں جن کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

علم تفسیر۔ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا عثمانی مرحوم نے علم تفسیر اور علم حدیث کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور بہت بڑی بڑی مایہ ناز کتابیں فن تفسیر اور حدیث میں آپ نے یہاں کے قیام میں تالیف اور تصنیف فرمائی ہیں۔ یہاں کے زمانہ قیام میں آپ نے ایک سال کی محنت میں تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ تلخیص البیان " کے نام سے کیا تھا اور اس خلاصہ کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے بہت پسند فرمایا تھا۔

فقہ اسلامی حنفی کن کن آیات سے ماخوذ ہے اور علمائے احناف نے کون کون سی آیات سے کون کون سے مسائل فقہیہ سے استنباط کیا ہے۔ " احکام القرآن " میں ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سے قرآن کریم سے فقہ حنفی کے دلائل کا ایک بہت عمدہ اور مستند مجموعہ عربی زبان میں یک جا جمع ہو گیا ہے۔ علم تفسیر میں آپ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ " القول المیسور فی تسہیل ثبات الستور " حضرت تھانوی کے رسالہ ثبات الستور کی یہ تسہیل ہے آپ نے ایسی خوبی کے ساتھ یہ تسہیل فرمائی ہے کہ اصل رسالہ بہت ہی سہل اور آسان ہو گیا ہے۔

علم حدیث۔ مولانا عثمانی کا علم حدیث میں سب سے بڑا علمی شاہکار اعلاء السنن " ہے جو اس صدی کا ہی نہیں بلکہ شاید علم حدیث کا بہت بڑا کارنامہ اعلاء السنن اور اس کے مقدمہ کی تصنیف ہے۔ جو کہ بیس ضخیم جلدوں میں بڑے سائز کے چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ " احکام القرآن " اور " اعلاء السنن "

دونوں ایسی عجیب وغریب کتابیں ہیں جن کی مثال سے علمی دنیا تقریباً ایک ہزار سال سے خالی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی سرپرستی میں مولانا عثمانی مرحوم کے قلم گوہر رقم سے یہ نایاب موتیوں کا مخفی علمی خزانہ دنیا کو دستیاب ہوا۔

"اعلاء السنن" کے بارے میں یہاں صرف حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تاثر ہی ناظرین کے لئے اس کتاب اور اس کے مصنف کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کے لئے کافی ہے۔ مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں:

"مولانا عثمانی بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے۔ اگر اُن کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات حدیث وفقہ ورجال کی قابلیت ومہارت اور بحث وتحقیق کے ذوق محنت وعرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہانِ قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعے حدیث وفقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابلِ قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیق ذوق کا معیار ہے۔ مولانا موصوف نے یہ وہ قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے۔"

علم فقہ۔ آپ کو علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی بہت مہارت اور بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ اور اس فن میں کمال اور رسوخ کے حصول میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فیضِ صحبت کا بڑا دخل تھا۔ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں تالیف وتصنیف اور درس وتدریس کے ساتھ فتاویٰ کے

لکھنے کا کام بھی آپ کے سپرد تھا۔ آپ خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی بھی تھے۔
آپ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ " امداد الاحکام " کے نام سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں مکتبہ دار العلوم کراچی سے شائع ہوا ہے۔ جو علم فقہ کا محققی خزانہ ہے۔ اس کے علاوہ علم فقہ پر متعدد کتب شائع ہوئیں جن میں " القول الماضی فی نصب القاضی "۔ "کشف الدجی عن وجہ الربوا"، جبریہ تعلیم کے خلاف فتویٰ وغیرہ۔

علم تصوف۔ اس علم کی بھی مولانا مرحوم نے بڑی خدمت انجام دی ہے بہت سے متعلقین و متوسلین کی اصلاح و تربیت کر کے ان میں ذوق معرفت پیدا کرنے کے ساتھ بطور فن کے بھی اس علم کی مشکلات اور تحقیقات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے قلم سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں" اسباب المحمودیہ"، روح تصوف مع عطر تصوف " مرام الخاص "۔ " الدر المنضود "۔ " رحمۃ القدوس "۔ " انکشاف الحقیقت "۔ " القول المنصور فی ابن المنصور " "حقیقت معرفت "۔" الظفر الجلی باشرف العلی " وظائف وافادات وغیرہ۔

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر بہت سی کتب و رسائل تصنیف فرمائیں جن میں "تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین"۔ " تردید پرویزیت "۔ " رد منکرین حدیث "۔ " تردید غیر مقلدیت "۔ " براءۃ عثمانؓ "۔ " کف اللسان عن معاویہ ابن ابی سفیان "۔ " فضائل قرآن "۔ فضائل جہاد "۔ فضائل سید المرسلین " ولادت محمدیہ کا راز "۔ " حوائج بشریہ اور تعلیم نبوت "۔ " سفر نامہ حجاز " " انجاز الوطن "۔ " علمائے ہند کی خدمت حدیث "۔ " حیات اشرف "۔ " انوار النظر فی آثار الظفر "۔ " مسلمانوں کے زوال کے اسباب "۔ " دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب" اور " ذلت یہود اور عربوں کی حالیہ شکست "

وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا عثمانی کی سیاسی خدمات

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی مسلک بالکل وہی تھا جو آپ کے ماموں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تھا۔ حضرت مولانا عثمانی مرحوم تحریکِ خلافت کے طریقِ کار اور کانگریس کی متحدہ قومیت کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ تھے بلکہ حکیم الامت کے دستِ راست اور عملی و تحریری خدمات میں پیش پیش اور شریکِ کار ہو کر حضرت تھانوی کے مسلک کی توضیح اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر مولانا عثمانی مرحوم حصہ لے رہے تھے۔ اس لئے لوگوں کی طرف سے جوشِ انتقام میں بے سوچے سمجھے جو کچھ اذیتیں اور تکلیفیں حضرت تھانوی کو پہنچائی گئیں ان سب میں مولانا عثمانی بھی حضرت حکیم الامت تھانوی کے ساتھ برابر کے شریک اور حصہ دار بنے رہے۔

اسی زمانے میں مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر مفتی صاحب نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے پوچھا کہ حضرت تھانویؒ جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالاں کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔

مولانا عثمانی مرحوم نے جواب میں کہا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔ اور ان ہی کا

حکم غالب ہے"

غرضیکہ حضرت عثمانی مرحوم ایک رفیق کار ہونے کی حیثیت سے حضرت حکیم الامت تھانوی کے سیاسی مسلک کی تائید میں تحریری اور تقریری خدمات بجالاتے رہے۔ تحذیر المسلمین اور الخیر القامی وغیرہ رسائل مولانا عثمانی کے اسی زمانے کے ہیں۔ جن میں مولانا نے خلافت کمیٹی کے بعض لیڈروں کے محرمات اور کفریات پر متنبہ فرمایا ہے۔ اور جس مسلک کو حق سمجھا اس کے برملا اظہار میں ہرگز دریغ نہیں کیا۔ اور نہ کسی اپنے پرائے کی رعایت مدِ نظر رکھی۔ بلکہ ہر طرح کے طعن و تشنیع برداشت کرکے کلمہ حق کا اعلان کرتے رہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کی معیت میں مولانا عثمانی مرحوم ہمیشہ سے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی رہے۔ اور کسی دور میں بھی مسلمانوں کے لئے کانگریس کی شرکت سے متفق نہیں رہے۔ اس لئے جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اور دونوں جماعتیں آپس میں متحد رہیں اس وقت تک ان حضرات نے مسلم لیگ کا بھی ساتھ نہیں دیا پھر جب یہ صورت حال سامنے آئی کہ مسلم لیگ نے کانگریس سے اب علیحدگی اختیار کر لی ہے تو اس وقت ان حضرات نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

جھانسی کا الیکشن اور حضرت تھانوی کا فتویٰ

مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد پہلا الیکشن جھانسی میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سے کس کو ووٹ دیا جائے؟

ابھی تک حضرت حکیم الامت کا ذہن مسلم لیگ کی حمایت کے بارے میں

واضح نہیں تھا بلکہ بجا طور پر یہ خدشہ محسوس کرتے تھے کہ یہ لوگ مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ نہ کر دیں اس لئے اس تار کا جواب دینے کے لئے آپ نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے یہ مشورہ دیا کہ :-

"آپ کانگریس کی حمایت کے تو خلاف ہیں ہی۔ صرف تامل مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں ہے اس لئے آپ یہ جواب دیں کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے"

یہ جواب حضرت حکیم الامت نے پسند فرمایا۔ اور اس مضمون کا تار روانہ کر دیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ کامیاب ہو گئی۔ الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کی خوشخبری سنانے کے لئے مولانا شوکت علی مرحوم اور ان کے چند رفقاء تھانہ بھون آئے انہوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت تھانویؒ کے جوابی تار کو حضرت حکیم الامت تھانوی کے فتویٰ کی صورت میں بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا۔ اور جگہ جگہ چسپاں کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کانگریس کو ووٹ دینے کے لئے آئے تھے وہ بھی اس فتویٰ کو دیکھ کر مسلم لیگ کو ووٹ دیتے تھے۔ مولانا شوکت علی مرحوم نے تھانہ بھون میں جلسہ بھی کیا تھا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف سے تقریر کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ :-

"جب تک مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ تھی حضرت حکیم الامت اس سے علیحدہ رہے۔ کیونکہ کانگریس پر آپ کو بھروسہ نہیں ہے۔ یہ قوم غدار ہے پہلے بھی ۱۸۵۷ء میں دھوکہ دے چکی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ مسلم لیگ تجربہ کے بعد کانگریس سے علیحدہ ہو گئی۔ اب ہم اس کے ساتھ ہیں۔ مگر جب تک لیگ کے عہدے داران دین

مذہب کے پورے پابند نہ ہو جائیں گے ان پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے لیگ کے ارکان کو لازم ہے کہ وہ دیندار بنیں اور نماز کی پابندی کریں کہ قرآن نے اسلامی حکومت کا آئیڈیل بھی بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے وہ ہیں کہ ان کو زمین پر اقتدار دیا جائے تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں۔ اور برائی سے روکیں۔"

اس تقریر کو اخبار" الامان" دہلی نے بھی شائع کیا تھا۔ تحریک خلافت سے لے کر بعد کی تمام سیاسی تحریکات کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تحریرات شائع ہوتی رہی ہیں۔ جن میں تحریکات حاضرہ کے متعلق شرعی حکم واضح فرما کر مسلمانوں کی رہنمائی کی گئی ہے۔ حضرت تھانویؒ کے یہ تمام مضامین اور فتاویٰ جس قدر بھی دستیاب ہو سکے ہیں ان سب کو حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے" افاداتِ اشرفیہ در مسائل سیاسیہ" میں جمع فرما کر شائع کر دیا ہے۔ اس مجموعہ سے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا سیاسی مسلک معلوم ہونے کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات کا اندازہ بھی اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی آویزش کے دوران حضرت تھانویؒ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ دینے سے پہلے حالات اور واقعات کی مکمل تحقیق کی۔ اور کانگریس کی حامی جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ سے کچھ ضروری سوالات بھی کئے تھے یہ سوالات حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے لکھے تھے۔ جب مکمل تحقیق کر لی گئی تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مسلم لیگ کی حمایت و شرکت کی رائے دی۔ اور آپ کا فتویٰ بنام" تنظیم المسلمین" شائع

ہوا۔ یہ فتویٰ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کا تحریر شدہ ہے اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کی دینی حالت کے درست کرنے کے لئے حضرت تھانویؒ کی طرف سے مختلف اوقات میں متعدد وفود زعماء مسلم لیگ کے پاس بھیجے گئے (تذکرۃ الظفر)

قائدِ اعظم سے ملاقاتیں مسلم لیگ کی باقاعدہ حمایت کے بعد حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے زعماء اور خصوصاً قائداعظم کی دینی تربیت کے لئے اپنے متعلقین ومنتسبین علماء کرام کو مختلف اور مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے بھیجا۔ سب سے پہلے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت حکیم الامت نے ایک تبلیغی وفد بھیجا اس وفد نے قائدِ اعظم کو نماز کی تبلیغ کی اور اس اجلاس میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جو تاریخی بیان بھیجا اس کو عام اجلاس میں پڑھ کر سنانے کی خدمت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی انجام دی تھی۔ اجلاس پٹنہ سے ایک دن پہلے اس وفد نے قائدِ اعظم سے ملاقات کی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے قائدِ اعظم سے فرمایا کہ مسلمان ایک مذہبی قوم ہے۔ جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا کامیابی نہ ہوگی۔ آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کریں۔

قائدِ اعظم نے پہلے تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے مگر جب اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو یورپ کی سیاست ہے۔ اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام قائدِ حرب بھی تھا اور نماز کا امام بھی تھا جب تک مسلمان اچھے رہے یہی صورت رہی جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا ہے مسلمانوں کا تنزل شروع ہو گیا۔ مصطفےٰ کمال نے مذہب کو چھوڑا تو اس کی سلطنت مختصر ہو کر رہ گئی۔ جب تک مذہبی شان تھی خلیفہ اسلام کی بڑی سلطنت تھی اور رعب

تھا۔ امان اللہ خان نے بھی مذہب چھوڑا تو قوم نے علیحدہ کر دیا۔
قائدِ اعظم پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اگلے دن کھلے اجلاس میں اعلان کر دیا کہ:-
" اسلام عقائد و عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے قرآن نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہیئے۔"
قائدِ اعظم کی اس تقریر کو اخبار " الامان " میں اس سرخی کے ساتھ شائع کیا تھا
" مولانا حکیم الامت کی روحانیت کی تاثیر اور قائدِ اعظم کی تقریر "
اسی ملاقات میں تھانہ بھون کے وفد نے مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان کو نماز پڑھنے کی تبلیغ بھی کی تھی۔ اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ نماز پڑھا کریں اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب نماز پڑھیں قاضی شہر امام بنے اور قائدِ اعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی ان کے پیچھے نماز ادا کی۔
حکومت برطانیہ نے ایک بل آرمی بل کے نام سے پاس کیا تھا۔ کانگریس نے بظاہر اس کی مخالفت کی تھی۔ لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھی۔ اور بظاہر مسلم لیگ کی یہ حمایت مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھی۔ اس کی تحقیق کے لئے بھی حضرت تھانویؒ نے جو وفد قائدِ اعظم کے پاس بھیجا تھا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم بھی اس میں شریک تھے۔ مولانا عثمانی کے دریافت فرمانے پر قائدِ اعظم نے کہا کہ اس کی مخالفت تو کانگریس نے بھی نہیں کی بلکہ وہ یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ فوج میں تناسب آبادی کی رعایت رکھی جائے۔ اس وقت فوج میں ساٹھ فیصد سے زیادہ مسلمان ہیں۔ ہندو چالیس فیصد سے بھی کم ہیں۔ کانگریس کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو فوج میں ۲۵ فیصد رکھا جائے تو ہم آرمی بل مان سکتے ہیں —

قائد اعظم نے کہا کہ انقلاب آنے والا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی ہی اکثریت قائم رہے۔ اس لئے میں نے آرمی بل کی حمایت کی تھی مگر اس شرط پر کہ مسلمان فوج کو مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ بھیجا جائے۔ اور جو مسلمانوں کا تناسب تھا اس کو برقرار رکھنے کا حکومت نے وعدہ کیا تھا۔

(تذکرۃ الظفر ۳۶۲ تا ۳۶۸)

تحریک پاکستان میں عظیم کارنامے

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب علمار کرام کے کردار پر بحث کی جائے گی اور پاکستان کے بنانے میں علمار کی عملی جدوجہد کا ذکر آئے گا تو قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے سیاسی رفقار کے ساتھ ساتھ جن علمار کرام کا نام لیا جائے گا ان میں دیوبندی حلقہ کے سرخیل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے متوسلین کا نام سرفہرست ہوگا۔ حضرت تھانویؒ تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن رکھتے ہوئے ۱۹۴۳ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے مگر حضرت تھانوی کی جماعت اور ان کے متوسلین مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے رہے خصوصیت سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے جس کا ذکر مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ سے حضرت تھانویؒ نے ۱۹۲۸ء میں فرمایا تھا جیسا کہ اسی کتاب میں پہلے گذر چکا ہے۔ تحریک پاکستان میں بیش بہا کام کیا اور مولانا عثمانی مرحوم نے ہندوستان کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں اپنی تقاریر اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریک پاکستان کو مقبول عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ درست ہے کہ اس وقت جمعیت علمار ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی مگر ان علمار دیوبند کی خدمات کو نظر انداز کر دینا اور یہی پروپیگنڈہ کرتے رہنا کہ علمار کی سرگرمیاں پاکستان کے سراسر خلاف تھیں اور ان کو تحریک پاکستان

کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ یہ بات کس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ جنہوں نے نہ صرف پاکستان کی حمایت میں فتوے جاری کئے بلکہ خود بہ نفس نفیس حصہ لیا حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا شمار بھی قوم کے انہی محسنوں میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کی زبانی تائید کی تھی بلکہ عملی طور پر بھی اس کے لئے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔

جب پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آ گئے اور مخالفین کی طرف سے اس قسم کا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا کہ مسلم لیگ بے دین امرار کی نمائندہ ہے اسے جماعت علمار کی تائید حاصل نہیں ہے۔ ایسے حالات میں اگر مسلم لیگ کو مقتدر علمار کی با اثر جماعت کی حمایت وتائید حاصل نہ ہوتی تو الیکشن کا جیتنا آسان کام نہ تھا۔ اسی نزاکت حال کا احساس کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ دیگر مقتدر علمار کرام نے یہ تجویز کیا کہ مطالبہ پاکستان کے لئے علمار کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم آل انڈیا جمیعت علمار کانفرنس کے ۲۶-۲۷-۲۸۔ اکتوبر کی تاریخوں میں چار روز تک مسلسل اجلاس ہوتے رہے پانچ سو سے زائد علمار اور مشائخ نے اس میں شرکت کی۔ عام تاثر یہ تھا کہ خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی۔ اس کانفرنس میں جمیعت علمار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر صدارت مختلف قراردادیں پاس ہوئیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ووٹروں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیا جائے۔

کلکتہ کے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحریک پر شیخ الاسلام

علامہ شبیر احمد عثمانی رح کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو نائب صدر مقرر کیا گیا۔ لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی کافی عرصہ سے علیل ہونے کی وجہ سے سیاسیات سے عملی طور پر علیحدگی اختیار کئے ہوئے تھے اور جمعیت علماء ہند کے طریق کار سے اگرچہ عرصہ سے ان کو اختلاف چلا آرہا تھا مگر عملی طور پر اس سے بھی اختلاف کا اظہار ابھی تک نہیں کیا تھا جب اس صدارت کی قرارداد کو لے کر مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبند پہنچے تو علامہ شبیر احمد عثمانی آبدیدہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ:-

" بھائی میں تو سولہ مہینے سے صاحب فراش ہوں، مجھ میں سفر کی ہمت کہاں؟ اس کے لئے تو صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریریں کرنا ہوں گی۔"

مولانا ظفر احمد صاحب نے علامہ عثمانی کی معذرت کے جواب میں کہا کہ آپ صدارت قبول فرمالیں۔ کام کی ذمہ داری میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔

علامہ عثمانی نے خوش ہو کر جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول فرمالی غرضیکہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی انہیں اس علالت کے باوجود صدارت کے قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور بالآخر اس شرط پر سیاسیات میں حصہ لینے پر آمادہ ہو گئے کہ اگر علالت کی وجہ سے کام نہ کر سکے تو مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ان کی نیابت کرتے رہیں گے جسے منظور کر لیا۔

یہ زمانہ تحریک پاکستان کا نازک ترین دور تھا۔ اور اس زمانے میں مجلس احرار نیشنلسٹ مسلمان اور جماعت اسلامی۔ جمعیت علماء ہند اور خدائی خدمت گار سب مسلم جماعتیں اپنی اپنی اغراض اور مصالح کی بناء پر پاکستان کے خلاف متحد تھیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ کانگریس کی تائید کر رہی تھیں۔

مولانا عثمانی کے طوفانی دورے

۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقع پر جسے برصغیر کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کانگریس کے مطالبہ کے مطابق ہند ہے یا مسلم لیگ کے موافق ہند اور پاکستان میں تقسیم ہو جائے۔ جماعت اسلامی اور جمعیت علماء ہند نے مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی بجائے کانگریس میں شرکت کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اولین فرصت میں کانگریس اور اس کی حامی جماعتوں کی تردید میں ایک زوردار بیان جاری کیا اور فرمایا کہ:۔

"مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہاد آزادی میں اشتراک عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہل شرک غالب نہ ہو۔ مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں چنانچہ شرح سیر کبیر صـ ۲۴۱ جلد ۳ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اب فیصلہ اہل انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟ رہا مطالبۂ پاکستان، سو جب کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالتِ موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنا لینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جا سکے لازم اور ضروری ہے"

(حیات محمد علی جناح صـ ۳۰۴۵۔ از تعمیر پاکستان)

علاوہ ازیں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ علماء کرام جن کا مذاق ہی شروع سے الیکشنوں کے طوفان سے یکسوئی تھا ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے پھیل گئے۔ کیونکہ یہ الیکشن ایک صحیح مقصد یعنی اسلامی

سلطنت کے قیام کے لئے لڑا جا رہا تھا جس کا قیام ہندوستان کے ایک حصہ میں مسلم لیگ کی حمایت و کامیابی پر موقوف تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پاکستان الیکشن کے سلسلہ میں تقریباً چار ماہ تک پورے ہندوستان کا ایک ایسا طوفانی دورہ کیا جس کی لپیٹ میں یوپی، بہار، بنگال پنجاب۔ سندھ اور سرحد سبھی آگئے۔ جلسوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر روز جلسہ ہوتا تھا بلکہ ایک دن میں کئی کئی جلسے ہوتے تھے۔ صبح کو کسی جگہ اور شام کو کسی جگہ اور عشاء کے بعد تیسری جگہ۔ یہاں تک کہ مولانا عثمانیؒ کا کوئی ساتھی ان کے ساتھ نہ چل سکا۔ مسلسل سفر کی صعوبت اور شب بیداری کی وجہ سے مولانا کے ساتھی اکثر بیمار ہو جاتے۔ اور مولانا مرحوم کو بعض مقامات پر تنہا جانا پڑتا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے بڑھاپے میں بھی ان کی صحت ان کا برابر ساتھ دیتی رہی۔ یہ جہاں بھی پہنچتے ان کی بے غرضانہ اور مخلصانہ آواز پر عوام لبیک کہتے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ بدل جاتا۔ چار ماہ کی مسلسل تگ و دو کا یہ نتیجہ نکلا کہ عامۃ المسلمین کانگرس کی متحدہ قومیت کا مورچہ فتح کرنے کے لئے مردانہ وار مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر میدانِ عمل میں نکل آئے اس دورے میں مولانا عثمانی اعظم گڑھ بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور جامع مسجد کے اندر ایک عظیم الشان جلسہ میں مولانا نے بڑی ولولہ انگیز تقریر کی۔ تقریر کے بعد جامع مسجد سے ایک جلوس نکالا گیا یہ اتنا مرعوب کن جلوس تھا کہ جونہی یہ شہر کی روڈ پر پہنچا تو ہندوؤں کی ساری دکانیں بند ہو گئیں جس کی یاد وہاں کے لوگوں میں اب تک باقی ہے۔ (رسالہ دارالعلوم دیوبند)

ایسے ہی بیانات اور طوفانی دوروں سے ہوا کا رخ بدل گیا جو لوگ ابھی تک مسلم لیگ کی حمایت کیلئے کھڑے نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہو کر

اس کے مدد و معاون بن گئے۔ جس کا خود قائدِ اعظم کے ایک روحانی رفیق نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۶/جنوری ۱۹۴۶ء میں یوں اعتراف کیا کہ :-

"کل سے یہاں (لاہور میں) جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی، حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب دیوبندی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور بیسیوں حضرات علماء کرام تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور مسلم لیگ کی بڑی شد و مد سے حمایت کر رہے ہیں۔ ان بزرگوں کی آمد سے ہوا کا رخ بدل گیا ہے" (مشاہدات و واردات ص ۹/۱)

۲۷/نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ ضلع مظفر نگر اور ضلع سہارنپور سے ضمنی انتخاب کے لئے کانگریس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی کو منتخب کیا تھا۔ کاظمی صاحب بعض نمایاں خدمات مثلاً کاظمی ایکٹ ۱۹۴۰ء میں حصہ لینے کی وجہ سے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں خاصی شہرت کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ کاظمی صاحب کی امداد کے لئے مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی اس حلقہ میں دورہ کر رہے تھے۔ مسلم لیگ نے اس حلقۂ انتخاب کے لئے نواب زادہ لیاقت علی خان کو ٹکٹ دیا۔ مگر اس علاقہ میں لیگ کی کامیابی کی توقع نظر نہیں آرہی تھی اس لئے لیاقت علی خانؒ نے سردار امیر اعظم خان سابق مرکزی وزیر کو تھانہ بھون بھیجا۔

اتفاق کی بات ہے کہ محمد احمد کاظمی مولانا ظفر احمد عثمانی کے قریبی رشتہ دار تھے مگر مولانا عثمانی مرحوم نے دین کے معاملہ کو قرابت داری سے بلند رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا اور اپنے رشتہ دار کے مقابلہ میں نظریۂ پاکستان کی حمایت

کے لئے لیاقت علی خان کو ترجیح دی اور دینی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے
مولانا عثمانی نے سہارنپور، ڈیرہ دون، مظفر نگر اور بلند شہر کے اضلاع میں
لیاقت علی خان کی تائید کے لئے دورہ کیا وہ دورہ بحمداللہ کامیاب رہا اور اس
کے بڑے مفید اور دوررس نتائج پیدا ہوئے۔

مولانا انیس احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہندوستان میں بہت سے اضلاع اور
مقامات پر تشریف لاکر مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہنے اور پاکستان
کے قیام میں جدوجہد کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت عثمانی اس سلسلہ میں قصبہ کھاتولی
ضلع مظفر نگر میں تشریف لائے۔ سردار امیر اعظم خان جو لیاقت علی خان مرحوم کے
منیجر کے صاحبزادہ ہونے کے علاوہ خود پاکستان کے معروف آدمی ہیں۔ آٹھ دس
سال مرکزی وزارت میں شامل رہے۔ اور اب کراچی میں بہت بڑے کاروبار
الاعظم لمیٹڈ کے روح رواں ہیں۔ سردار صاحب نے آپ کی خدمت میں کچھ روپے
(تقریباً دو صد روپے) پیش کئے کہ آپ کرایہ وغیرہ میں صرف فرمائیں اور ہماری طرف
سے یہ ہدیہ منظور فرمائیں۔ حضرت نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا۔ کہ مسلم لیگ یا
پاکستان کا کام تمہارا یا تمہارے والد یا لیاقت علی خان کا کام نہیں ہے میرا اور
میری قوم کا کام ہے مجھے اس سلسلہ میں نذرانہ قبول کرنے سے معذور سمجھیں،
اصرار کے باوجود ہرگز قبول نہ فرمایا۔" (مکتوب بحوالہ تذکرۃ الظفر)

لیاقت علی خان مرحوم نے اپنے کامیاب ہونے پر پہلے مبارک باد کا تار مولانا
ظفر احمد صاحب کے نام دیا اور اس میں یہ بھی تھا کہ انہوں نے تین ہزار ووٹوں
سے کاظمی صاحب کو شکست دی ہے۔ اس کے بعد لیاقت علی خان نے مولانا
عثمانی مرحوم کے نام شکریہ کا ایک مفصل مکتوب ڈھاکہ سے روانہ کیا جس کے

چند جملے ملاحظہ فرمائیے :-

" مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دئے اب اس سے سخت معرکہ سامنے ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی تحریریں اور تقریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ حد تک ختم کر سکیں گی "

قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کا یہ خراج تحسین اور اعتراف حقیقت ان لوگوں کے لئے جو کہتے ہیں کہ پاکستان کے لئے قربانیاں کرنے والوں میں علماء کہیں نظر نہیں آتے۔ اور اس طرح وہ پاکستان سے علماء کرام کا اثر و رسوخ مٹانے کے درپے ہیں۔ سرمۂ بصیرت اور تازیانۂ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ اور ان کے متوسلین کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ جس کا اعتراف اس وقت کے مسلم لیگ کے تمام عمائدین کو تھا۔ اگر یہ حضرات حمایت نہ کرتے تو جمعیت علماء ہند کے مقابلے میں جس میں مشاہیر علماء کی بڑی تعداد شامل تھی۔ اور وہ کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی تو ان حالات میں مسلم لیگ کا کامیاب ہونا سب کو دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

حضرت مولانا عثمانی مرحوم کے طوفانی دوروں اور جلسوں کی خبریں علامہ

شبیر احمد عثمانی کو اخبارات اور خطوط سے ملتی رہتی تھیں۔

اسی زمانے میں مولانا عثمانی جب ایک بار دیوبند گئے تو علامہ شبیر احمد عثمانی نے خوش ہو کر فرمایا :-

" ہمیں یہ امید نہیں تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام لیں گے واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دئے "

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی ہوئی۔ تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے۔ کلکتہ میں بڑا عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع تھا، مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی ڈھاکہ سے تشریف لاکر اس اجلاس سے خطاب فرمایا تھا۔

۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو ڈھاکہ کے ایک شخص مسمی محی الدین کے استفسار پر مولانا عثمانی مرحوم نے بعض دوسرے حضرات کے ساتھ جن میں علامہ سید سلیمان ندوی بھی تھے مسلم لیگ کے حق میں فتوٰی لکھا کہ اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔

(عصر جدید کلکتہ مارچ ۱۹۴۶ء)

پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا تھا کہ شریعت کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی قومی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے تاکہ اپنے قومی نصب العین پاکستان کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ ہندوستان کی پیچیدہ صورت حال کا حل صرف اور صرف پاکستان ہے " ایک بیان میں مولانا عثمانی نے فرمایا کہ مسلم لیگ اگر بحیثیت جماعت پیچھے ہی رہ جاتے اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمیعت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آجائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں

کریں گے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جب کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ شائع فرمایا۔ اس پر بھی منجملہ اکابر علماء دیوبند کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کی تصدیق بھی ثبت ہے۔

حضرت مولانا عثمانی نے ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو ایک تار برطانوی کابینہ وفد کے نام دہلی روانہ کیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے۔ کل ہند جمعیت علماء اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی پشت پر ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا قومی ملی مطالبہ ہے اس مطالبہ کے انکار کا تصور بھی کسی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان اس سوال پر کمی بیشی کوئی مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مسلمان اس مطالبہ ملی کے حصول کے لیے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں" (۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء)

سلہٹ کا ریفرنڈم

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی نے انگریز اور کانگریس دونوں کو مطالبہ پاکستان کے ماننے پر مجبور کر دیا۔ مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائد اعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں اس لئے منعقد ہوا کہ اس طرح کا پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے پر غور کیا جائے۔ اس جلسہ میں شرکت کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مولانا ظفر احمد عثمانی کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ جلسہ میں مختلف انداز میں تقریریں ہوئیں۔ قائد اعظم کی رائے یہ تھی کہ:۔

"اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا، میری رائے یہ ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔"

اسی طرح سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا

ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ قائداعظم نے اس کو بھی منظور کرلیا۔ قرارداد پاکستان منظور ہوگئی تو ۱۱ر جون ۴۷ ۱۹ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ علامہ ظفر احمد عثمانی قائداعظم سے ملاقات کے لئے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ اور قائداعظم سے ان مسلمانوں کے بارے میں جو تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں رہ جائیں گے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ دوران گفتگو میں قائداعظم نے کہا کہ مجھے سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔ کیونکہ قائداعظم کی نظر میں سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اور سلہٹ کا علاقہ اگر پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا۔ جیسے ناریل وغیرہ۔

جمعیت علماء اسلام کے ان دونوں عظیم رہنماؤں نے کہا کہ ہم ان شاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور انشاء اللہ مسلم لیگ ہی کامیاب ہوگی۔ مگر آپ اس کا اعلان کردیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ اس پر قائداعظم نے کہا کہ جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ ان دونوں حضرات نے اس کے جواب میں ترکی سلطنت کا ذکر کیا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود حکومت نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔

اس پر قائداعظم نے کہا کہ آپ میری طرف سے اس کا اعلان کردیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ اس کے بعد طے ہوا کہ سلہٹ کی ریفرنڈم کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کام کریں گے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جاکر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ مگر سلہٹ میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور مرید زیادہ تھے۔ مولانا مدنی ہر سال رمضان بھی وہاں گزارا کرتے تھے۔ اس لئے جمعیت علماء ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔

مولانا عثمانی مرحوم کے احباب کے خطوط آئے کہ آپ کو خود یہاں پہنچنا چاہیئے زمین بہت سخت ہے ۔ ادھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خان کا تار مولانا کے سلہٹ پہنچنے کے لیئے آیا۔ مولانا اس وقت تھانہ بھون تشریف لائے ہوئے تھے ۔ وہاں پر بھی تار پر تار آئے ۔ تو مولانا تھانہ بھون سے ڈھاکہ اور وہاں سے سلہٹ پہنچے ۔ اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے اور نوابزادہ لیاقت علی خان ان دنوں سلہٹ اور آسام کا دورہ کر رہے تھے واپسی میں غفر گاؤں میں کانگریسی لوگوں نے جلسہ میں گڑبڑ مچادی تو مولانا عثمانی مرحوم کے پاس آدمی بھیجا گیا کہ جلدی سے غفر گاؤں آئیں ۔ چنانچہ مولانا عثمانی غفر گاؤں کے لیئے روانہ ہو گئے ۔ میمن سنگھ اسٹیشن سے حسین شہید سہروردی مرحوم بھی اسی گاڑی میں سوار ہو گئے ۔ جو غفر گاؤں میں گڑبڑ کی وجہ سے رات کو وہاں سے میمن سنگھ آ گئے تھے ۔ اور اب دوسرے جلسہ میں شرکت کے لیئے پھر غفر گاؤں جا رہے تھے ۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کو کرنی تھی جب آپ غفر گاؤں پہنچے تو مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے آپ کا استقبال کیا ظہر کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا ۔ مولانا نے اپنے خطبہ میں دلائل شرعیہ سے حمایت پاکستان کی ضرورت اور مخالفین کے شبہات بیان کیئے ۔ جلسہ بڑے سکون و آرام سے ہوا اور شروع سے آخر تک کوئی ہنگامہ نہیں ہوا ۔ اس کے بعد مولانا عثمانی نے مولانا سہول صاحب عثمانی کو ہمراہ لیا اور سلہٹ کے مضافات میں ان مقامات کا دورہ کیا جو پاکستان کے مخالف تھے ۔

اب پولنگ میں دو روز باقی تھے کہ اتفاق سے اس وقت شاہ جلال کا عرس بھی تھا ۔ لاکھوں آدمی اطراف سلہٹ سے اس عرس میں آئے ہوئے تھے مسلم لیگ نے شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جلسہ کا انتظام کیا بڑے وسیع پیمانے

پر۔ لاؤڈ اسپیکر لگائے گئے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے۔ عشار کے بعد مولانا نے حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر جلسہ کا افتتاح ہوا۔ مولانا عثمانی نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا دلائل سے ثابت کیا۔ اور بتایا کہ جس حصے کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے یہ اس لئے غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا اور مکہ کو دارالحرب رہنے دیا کیونکہ اس وقت مکہ کو دارالاسلام بنانے کی نسبت مدینہ کو دارالاسلام بنانا آسان تھا۔ کیونکہ مدینہ کی فضا سازگار تھی جب مکہ میں ایسے حالات پیدا ہوگئے تو مکہ کو بھی دارالاسلام بنا دیا گیا۔ اس لئے ہم بھی پہلے اسی حصہ کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں جس کی فضا سازگار ہے اور آسانی سے وہ حصہ دارالاسلام بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حصہ مسلم اکثریت کے صوبوں کا ہی ہو سکتا ہے۔

مولانا کی یہ تقریر ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔ سب سے بڑا شبہ یہ تھا کہ پاکستان اسمبلی میں ہندو بھی ہوں گے تو وہاں اسلامی حکومت کس طرح ہو گی؟

مولانا عثمانی صاحب نے فرمایا کہ اکثریت مسلمانوں کی ہو گی۔ ہندو ہمارے تابع ہوں گے مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے ہوں گے تو اسلامی حکومت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ یہود مدینہ و مشرکین سے کیا تھا اس میں صراحت موجود تھی کہ ہم سب مل کر ایک ہیں اور بصورت اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کو ماننا پڑے گا تو کیا یہ اسلامی

مملکت نہ تھی۔"

علماء سے بھی مولانا نے فرمایا کہ آپ عوام سے نہ اُلجھئے جو اشکال اور اعتراض کرتا ہو اس کا جواب دینے کو حاضر ہوں۔ اس کے بعد علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد ضلع سلہٹ کے کئی مقامات کا آپ نے دورہ کیا۔ اور سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔ اس دورہ میں مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ مولانا محمد سہول صاحب عثمانی بھی تھے۔ مولانا نے پولنگ کے دن تک سلہٹ میں کام کیا جس دن پولنگ شروع ہوئی مولانا عثمانی نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گئے تو غنودگی کی حالت میں مولانا نے دیکھا کہ مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر مولانا عثمانی پولنگ پر تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ واقعی جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں۔ اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں، جمعیت علماء ہند، مسلم لیگ بھائی بھائی۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ خواب سچا ہو گیا۔

شام کو رائے شماری کا نتیجہ نکلا تو ثابت ہوا کہ عظیم اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی اور پولنگ اسٹیشن سے اطلاع ملی کہ مسلم لیگ ۵۰ ہزار ووٹ سے جیت گئی۔ اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ مولانا نے شکرانے کے نفل پڑھے اور ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔

مسلم لیگ کی اس کامیابی پر مولانا عثمانی نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارک باد دی تو انہوں نے جواب دیا کہ اس مبارک باد کے آپ مستحق ہیں سلہٹ کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے اور یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔

بہر حال ۲۷ رمضان المبارک مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان منصہ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لئے قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدین مرحوم نے مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحریک پاکستان میں عظیم خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو دعوت دی۔ آپ نے سورۂ انا فتحنا کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ تمام وزراء اور عمائدین مسلم لیگ خاموش و باادب سنتے رہے پھر بسم اللہ کر کے مولانا عثمانی نے پاکستانی پرچم لہرایا، خوشی میں توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی مولانا ظفر احمد عثمانی مع جماعت علماء شریک رہے۔ اور چیف جسٹس مشرقی پاکستان سے آپ نے حلف لیا۔ اس کے بعد چیف جسٹس نے گورنر، وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء سے حلفِ وفاداری لیا۔

آئین اسلامی اور مولانا عثمانی

ابھی ملک تقسیم بھی نہیں ہوا تھا اس وقت سے ہی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء، علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مولانا محمد شفیع۔ مولانا اطہر علی، مولانا احتشام الحق تھانوی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور دوسرے اکابر علماء دیوبند پاکستان کے لئے اسلامی آئین بنانے کے لئے قائدین مسلم لیگ کو آمادہ کرتے رہے اور مسلم لیگ کے عمائدین سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے ان سے پاکستان میں آئین اسلامی جاری کرانے کا وعدہ لیتے رہے اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بھی ہمیشہ اس پر زور دیتے رہے۔ عام مسلمانوں کو بھی جلسوں میں اس پر آمادہ کرتے رہے۔ چنانچہ تقسیم سے پہلے ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو مولانا ظفر احمد عثمانی کی قائد اعظم سے جو ملاقات ہوئی تھی اس میں بھی قائد اعظم سے پاکستان میں آئین اسلامی ہونے کے اعلان کرنے کو کہا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم کو پھر ان کے دورہ مشرقی پاکستان کے موقع پر

اس کی طرف توجہ دلائی اور ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جلسوں میں شرکت کرتے رہے اور قرارداد مقاصد کی منظوری میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی تقاریر میں دستورِ اسلامی کے جلد نافذ کئے جانے کی حکومت پاکستان کو تاکید کرتے رہے ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور کرلینے کے بعد لیاقت علی خان مرحوم نے قومی اسمبلی کے ذریعے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی۔ اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا خاکہ تیار کرے۔

لیاقت علی خان نے ۱۹۵۰ء میں ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہیں کیا۔ اور وزیراعظم لیاقت علی خان مرحوم کے چیلنج کے جواب میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر ہر مکتب خیال کے ۳۳ علماء کے دستخط سے ۲۲ نکاتی دستور بناکر حکومت کو بھیجا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی بحیثیت صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام علماء کے اس اجتماع میں شرکت فرمائی اور ایک بیان میں حکومت سے صاف صاف لفظوں میں احتجاج کیا اور فرمایا:-

> "میں جناب لیاقت علی خان وزیراعظم حکومت پاکستان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہیں یا برطانیہ اور امریکہ کے قوانین کو؟ لیاقت علی خان کو قائداعظم کے اور خود ان کے وہ اعلانات اور وعدے یاد دلانا چاہتا ہوں جن میں بار بار یہ کہا گیا تھا کہ دستور پاکستان، آئین قرآن و نظام اسلام کے مطابق ہوگا۔ میری جماعت جمعیت علماء اسلام ایسی سفارشات ہرگز منظور نہیں کرے گی جس میں قرارداد مقاصد اور آئین اسلامی کو نظر انداز کیا گیا ہو اس لئے جمعیت کے تمام ارکان کو اپنی اپنی جگہ سفارشات کے خلاف

برابر احتجاج کرتے رہنا چاہیئے تاآں کہ ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے"

(دستوری سفارشات اور ان پر تنقید و تبصرہ صہ ۵۵)

۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا یہ ملّتِ اسلامیہ کے خلاف لادین عناصر کی ایک خطرناک سازش تھی۔ اس اندوہناک واقعہ پر ملّت نے سخت رنج و غم کا اظہار کیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے ڈھاکہ میں ایک زبردست تقریر کی جس میں لیاقت علی خان کی شہادت پر سخت غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔ ۱۹۵۲ء میں جب ملک غلام محمد صاحب ڈھاکہ گئے تو اس موقع پر بھی مولانا عثمانی نے علماء کی جماعت کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستورِ اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔

۱۹۵۳ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم الدین مرحوم نے پیش کی۔ جس پر غور کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتبِ فکر کے علماء کرام کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا۔ اس میں بھی مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم شریک تھے قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو دستوری روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد گورنر جنرل نے برطرف کر دیا جب کہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی۔ مگر مسئلہ قادیانی میں ان کی نازیبا روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔ اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا اگر خواجہ صاحب مرحوم نے مجلس تحفظ ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے چوہدری ظفر اللہ قادیانی کو وزارت سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف

یہ طرزِ عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

اس طرح خواجہ ناظم الدین کے دور میں جو آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ پھر ۱۹۵۶ء کے آئین میں اگرچہ قراردادِ مقاصد کے مطابق آئینی طور پر یہ تسلیم کرلیا گیا کہ پاکستان کا کوئی قانون قرآن و سنّت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور مروّجہ قانون میں جو قانون قرآن و سنّت کے خلاف ہوگا اس کو قرآن و سنّت کے موافق بنا دیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس آئین میں بھی کئی دفعات خلافِ اسلام پائی جاتی تھیں۔ علماء کرام نے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے۔ اس آئین پر غور و خوض کیا اور اس کی مذکورہ بنیادی اس دفعہ کو کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت کے موافق ایسی شرعی ترمیمات پیش کیں جن کو شامل کرنے سے ۱۹۵۶ء کا یہ آئین مکمل طور پر اسلامی آئین بن جاتا تھا۔ اسی لئے مولانا عثمانی ان ترمیمات کے ساتھ ہی ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کے حق میں تھے اگر مولانا عثمانی کے منشار کے مطابق یہ آئین بحال ہو جاتا تو آج ملک کی تقسیم کے صدمہ جانکاہ سے امت مسلمہ دوچار نہ ہوتی۔ کیونکہ اس آئین کو جس طرح چند ترمیمات سے شرعی اور اسلامی بنایا جا سکتا تھا اسی طرح اس میں پاکستان کے مغربی اور مشرقی دونوں حصوں میں اس قدر گہرا تعلق قائم رکھنے پر زور دیا گیا تھا اور ایک دوسرے کو اس طرح مربوط قرار دیا گیا تھا۔ کہ ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے جدا ہونے کا تصور باقی نہیں رہتا تھا۔ مگر پاکستان کے مخالف عناصر نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کو اپنے اغراض و مقاصد کے خلاف دیکھا اس لئے اس کی بحالی کے مطالبہ کی مخالفت کی اور نئے آئین کا مطالبہ کیا جس کے نتیجہ میں جو قیامت برپا ہوئی اور ملّی سالمیت کو جس قدر شدید اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہر محبّ وطن پر واضح ہے۔

"تذکرۃ الظفر"

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں مولانا عثمانی مرحوم جمعیت علماء اسلام مشرقی پاکستان کے صدر کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کے قائدین کر کراچی تشریف لائے۔ اس وفد میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا مفتی دین محمد خان صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ اور اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے لیے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں اعلان فرمایا تھا۔

۱۹۴۹ء میں خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کی طرف سے حکومت سعودی عربیہ کے لیے خیرسگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ اور حج کے موقع پر میدان عرفات میں سلطان ابن سعود مرحوم کی درخواست پر مسلمانان عالم کو خطاب فرمایا۔

مسٹر حسین شہید سہروردی کی وزارت عظمیٰ کے عہد میں حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لیے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تھا جس کے اعزازی رکن کی حیثیت سے مولانا عثمانی نے اس کے متعدد اجلاسوں میں شرکت فرما کر اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی۔

آخر میں اہل سیاست کی باہمی آویزشوں اور قوم کی متعصبانہ صوبہ پرستیوں سے دل برداشتہ ہو کر از خود عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں جو حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قائم کردہ ایک علمی درسگاہ ہے شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جو آخر دم تک جاری رہا۔

۱۹۶۹ء میں کراچی کے مقام پر مشرقی و مغربی پاکستان کے مقتدر علماء کرام کے ایک نمائندہ اجتماع میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء عمل میں آیا اور مولانا عثمانی رحمہ کو جمعیت کا امیر اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ انتہائی ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ چنانچہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اہم مقامات پر جمعیت کے خصوصی اجتماعات میں جہاں تک ممکن ہوا آپ شرکت فرماتے رہے۔

الغرض قیام پاکستان اور اس کے بعد نظام اسلام کے لئے آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ساری زندگی خدمتِ اسلام میں بسر کی اور ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو یہ مردِ حق خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

(مولانا عثمانی کی علمی و سیاسی خدمات کی تفصیل "تذکرۃ الظفر" مؤلفہ سید مفتی عبدالشکور ترمذی ملاحظہ فرمائیے)

مخدوم الامّت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ

آپ قصبہ واہ مل پور ضلع کیمبل پور میں ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولانا اللہ داد صاحبؒ ایک بڑے محدّث اور جیّد عالم دین تھے ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ پھر فارسی کی تعلیم کے لئے قاضی نور محمد صاحب کی خدمت میں راولپنڈی پہنچے۔ اس کے بعد مولانا قاضی گوہر دین صاحب کی خدمت میں ضلع کیمبل پور پہنچے۔ پھر یہاں سے مکھڈ شریف پہنچے۔ یہاں شرح جامی تک تعلیم حاصل کر کے ضلع ہزارہ کے موضع ڈھینڈہ (جو ہری پور سے تین میل مغرب کی طرف ہے) میں منطق و فلسفہ پڑھنے کے لئے مولانا محمد معصوم صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے پھر مولانا ممدوح کی ہمراہی میں بقیہ علوم کی تکمیل کے لئے امرتسر چلے آئے۔ یہ شہر کچھ آپ کو خود بھی پسند آیا اور کچھ اپنے اساتذہ کے مشورے سے مستقل طور پر رہائش یہیں پر اختیار کر لی۔ اس کے کافی عرصہ بعد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارشادِ گرامی پر تجویز

کی مشق حضرت قاری کریم بخش صاحب سے امرتسر ہیں کی اور دورۂ حدیث کی تجدید کے لئے امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت اقدس میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

تعلیمی وتدریسی خدمات تکمیل تعلیم کے بعد حضرت مفتی صاحب نے درس وتدریس کو پسند فرمایا اور مدرسہ نعمانیہ میں بحیثیت مدرس اپنے فرائض کی بجا آوری میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہر طرف آپ کا طوطی بولنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صدر مدرس کی جگہ خالی ہوتے ہی مدرسہ کی دوررس انتظامیہ نے باتفاق رائے حضرت مفتی صاحبؒ کا اسم گرامی اس اہم جگہ کے لئے تجویز کر لیا۔ اس کے بعد بحیثیت صدر مدرس تو مدرسہ کی حالت ہی بدل گئی۔ یہ سب کچھ حضرت مفتی صاحب کی پُرخلوص انتھک کوششوں کے نتائج تھے۔ دُور دُور کے لوگ پروانہ وار کھنچنے لگے۔ حتیٰ کہ جو طلباء فارغ ہو گئے تھے وہ بھی مستفیض ہونے کے لئے درسوں میں شریک ہونے لگے۔ نہ صرف شہر امرتسر میں بلکہ قرب وجوار کے سارے علاقوں میں مدرسہ نعمانیہ کا نام اعلیٰ اور معیاری تعلیم کے مرکز کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب نے کم وبیش چالیس سال تک تدریس کی خدمت انجام دی۔ اسی دوران میں نزدیک و دور کے صدہا طلباء نے حضرت اقدس مفتی صاحبؒ سے علوم فاضلہ حاصل کئے۔ جن میں سے بکثرت باقاعدہ فارغ التحصیل ہو کر جامع منقولات ومعقولات ہوئے۔ اور آج ان میں سے اکثر وبیشتر حضرات اپنی اپنی جگہ پر مقتدار کی حیثیت سے دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء میں اصلاح وتربیت کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔ چونکہ آپ کو اپنے مرشد حکیم الامت تھانویؒ کی ہر ادا پسند تھی اس لئے ہر چیز میں یہی کوشش فرماتے کہ بعینہ

مرشد کے طریق پر قائم رہیں۔ اسی لئے طلباء کو متوجہ فرماتے رہتے کہ دیکھو! "حقیقی علم اس کا نام نہیں جو تم پڑھ رہے ہو، یہ تو صرف صورت علم ہے حقیقی علم وہ ہے جو انسان کو عمل کرنے کے لئے بے چین کر دے۔ نیز فرماتے کہ علم نام ہے اس نور کا، جس کے ذریعہ سے اچھے اور بُرے کاموں میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ اور یہ نور پیدا ہوتا ہے تقویٰ سے، لہٰذا تقویٰ پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے"

حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری فرماتے ہیں:۔

حضرت مفتی صاحبؒ علوم ظاہرہ میں کامل و مکمل اور مقامات باطنہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے معقول و منقول کا اس وقت سے زیادہ معتقد ہوا جب کہ انہوں نے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں منطق کی مشہور کتاب حمداللہ کا مشکل ترین مقام مسئلہ وجود رابطی مولوی حافظ عبیداللہ صاحب سلمہٗ کو میرے سامنے پڑھایا اور تھوڑے وقت میں ایسا حل فرمایا اور عبارت کو منطبق کیا کہ میں حیران رہ گیا۔ دوسرے بارہا امرتسر کی حاضری میں درس قرآن پاک سننے کا موقع میسر آیا۔ ترجمہ کے ضمن میں لطائف و معارف کا اس قدر انبار ہوتا تھا کہ گویا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ لطف یہ کہ قرآن کے الفاظ کی حدود سے استنباط باہر نہ ہوتا تھا عوام و خواص اپنی اپنی استعداد کے موافق صوفیانہ نکات اور معارف اصلاحیہ سے بہرہ اندوز ہوتے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ترقی کرتے۔ غرضیکہ حضرت مفتی صاحب، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم و معارف کا خزانہ تھے۔

(احسن السوانح ص ۵،۴)

مصنف "احسن السوانح" لکھتے ہیں کہ:

حضرت والا مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا درس قرآن کریم آپ کی تدریس و تعلیم اور مواعظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ تدریس و تعلیم کے مخاطب تو صرف چند طلباء اور

متعلمین ہوتے تھے اور بیان صرف کتابی مضامین تک محدود ہوتا تھا علوم عربیہ وغیرہ کے قواعد اور ان کے متعلقات، اشکالات اور جوابات بیان ہوتے تھے۔ اور عام مواعظ کبھی کبھی جمعہ اور اجتماعات میں ہوتے بخلاف درس قرآن کریم کے ہر روز بعد از نماز صبح ہوتا تھا۔ اور اس میں علمائے کرام، طلبائے مدارس اسلامیہ اور عوام اہل اسلام کا مجمع ہوتا تھا۔ اگرچہ عام مستورات کے لیئے تو درس سے فیض حاصل کرنے کا انتظام نہ تھا۔ مگر خاص خاص مستورات بھی خصوصی انتظامات کے ساتھ گاہے گاہے فیض یاب ہوتی تھیں۔ حاضرین کو کیا دولت حاصل ہوتی تھی۔ کیسے کیسے اور کتنے حضرات فیض یاب ہوتے تھے اور کس کس انداز کے اسرار و رموز اور دقائق بیان فرمائے جاتے تھے۔ انداز بیان کتنا سلجھا ہوا اور دل آزاری سے پاک وصاف اور دوراز کار اور زائد چیزوں سے خالی ہوتا تھا اور کس خلوص اور قلب کی گہرائی سے نکلے ہوئے الفاظ ہوتے تھے اس کی حقیقت سامعین اور حاضرین ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ دنیاوی امراض خبیثہ سے دور اور پاک ومقدس درس ہوتا تھا جس میں شائبہ بھی ایسی چیزوں کا نہ تھا۔ یہ درس پوری پابندی اور استقامت کے ساتھ حضرت والا کی آخر عمر شریف تک چلتا رہا۔ کئی داخلی اور خارجی موانع پیش آئے مگر حضرت والا نے کسی رکاوٹ اور مانع کی پرواہ نہ فرماتے ہوئے جب تک طاقت رہی اپنے محبوب جل شانہٗ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے میں فرق نہ آنے دیا۔ حضرت والا نے سب سے پہلے کٹڑہ مہان سنگھ کی مسجد میں درس قرآن مجید بعد از نماز فجر شروع فرمایا۔ معقولات ومنقولات کی تدریس وتعلیم بھی مدرسہ نعمانیہ میں ساتھ ہی ساتھ چلتی رہی جس کی اس سے قبل ابتداء فرما چکے تھے۔ کچھ مدت کے بعد تقریباً ۲۵-۱۹۲۴ء مطابق ۴۳-۱۳۴۲ھ کو پرانے جیل خانے والی مسجد میں درس قرآن کریم منتقل ہوگیا۔ اور ۱۹۳۰ء م ۱۳۴۹ھ تک تقریباً پانچ چھ سال اسی

جگہ یہ درس جاری رہا۔ اس کے بعد ۱۹۳۰ء ۱۳۴۹ھ سے ۱۹۴۷ء ۱۳۶۶ھ تک مسجد نور چڑہ منڈی میں سترہ سال تک درس کا یہ فیض جاری رہا۔ پاکستان بن جانے کے بعد جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں نو دس سال تک جب تک طاقت وقوت رہی یہ درسِ قرآن جاری رہا۔ جب مکان کے بالائی حصہ سے جس میں آپ کا قیام تھا نیچے اترنے کی طاقت نہ رہی تو احباب اور خدام نے عرض کیا کہ آپ اوپر ہی تشریف رکھیں۔ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ آواز آپ کی نیچے پہنچ جائے گی ہم اوپر ہی آلہ مکبر الصوت کا انتظام کردیں گے۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ سامعین کے سامنے ہونے اور دیکھنے سے مضامین کی آمد ہوتی ہے۔ صورتوں اور چہروں میں بھی حق تعالیٰ نے بڑی کشش رکھی ہے۔ اگر آپ حضرات سامنے تشریف فرما نہ ہوں گے تو درس میں کیا آئے گا۔ اور درس چل کس طرح سکے گا۔ یہ ارشاد فرماکر درس بند کردیا۔

اور یہ فیض جو کٹڑہ مہان سنگھ امرتسر سے شروع ہوا تھا جس کی کل مدت تقریباً پینتیس سال ہوتی ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ جامع مسجد نیلا گنبد میں جمعہ کے وقت جو وعظ ہوتا تھا اس کو بھی بوجہ ضعف وکمزوری مجبوراً بند کرنا پڑا اور صرف ملفوظات کا سلسلہ جاری رہا جو اخیر وقت یعنی وصال شریف تک جاری رہا۔

آپ کے زمانہ تدریس وتعلیم میں کس قدر تشنگانِ علوم نے اپنی پیاس بجھائی اس کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ چند مشہور اہل علم وفضل کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے فیضِ علمی وروحانی سے اپنے دامنوں کو پُر کیا ہے:۔

- ★ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ
- ★ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔
- ★ حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ

- ★ حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی ؒ
- ★ مولانا سید محمد داؤد غزنوی مرحوم
- ★ مفتی محمد شفیع سرگودہا
- ★ مولانا بہاؤ الحق قاسمی ؒ
- ★ مولانا عبید اللہ امرتسری
- ★ مولانا مفتی محمد خلیل مرحوم
- ★ صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور
- ★ مولانا قاری فتح محمد پانی پتی وغیرہ وغیرہ

(ماخوذ از حسن السوانح شائع کردہ جامعہ اشرفیہ لاہور)

جامعہ اشرفیہ لاہور کا قیام

غیر منقسم ہندوستان کے اکابر علماء کرام نے اپنی فہم و فراست سے انگریزوں کے غاصبانہ تسلط کے فوراً بعد یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب بالواسطہ اور بلاواسطہ اسلام کی بیخ کنی کی جائے گی۔ اس لئے نازک ترین وقت میں اس دین حنیف کو ان بھیڑیوں کے خونریز پنجوں سے بچانے کی اور آنے والی نسلوں کو دین سے قریب رکھنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ ایسے دینی مدارس قائم کئے جائیں جو آنے والے پُر فتن دور میں مسلمانوں کے لئے ڈھال کا کام انجام دے سکیں۔ چنانچہ سب سے پہلے دیوبند جیسی غیر معروف بستی میں جہاں تقریباً ایک ڈیڑھ صدی قبل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جنت کے باغوں کی خوشبو محسوس کی تھی۔ دارالعلوم کے نام سے محض توکل علی اللہ ایک مدرسہ قائم کیا گیا جس کی آج ہزاروں شاخیں پاکستان و ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام پاکستان تک امرتسر میں دینی

تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

اگست ۱۹۴۷ء م ۱۳۶۶ھ میں پاکستان وجود میں آیا۔ اور حضرت مفتی صاحب مشرقی پنجاب کے بے شمار مہاجروں کی طرح اپنا گھر اپنا سارا مال و متاع چھوڑ کر لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور پہنچ کر سب سے پہلی بات جو آپ کے ذہن میں آئی وہ یہ نہیں تھی کہ اپنے لئے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے کون کون سی کوٹھیاں الاٹ کرائی جائیں۔ لائسنس حاصل کرنے کے لئے کون کون ذرائع اختیار کئے جائیں اور جھوٹے کلیم بھر کر کون کون سی زمینیں اور دکانیں حاصل کی جائیں۔ انہوں نے اگر سوچا تو بس یہی سوچا کہ دین کی خدمت کے لئے کیا کیا جائے بالآخر قیام پاکستان کے بعد محض سوا مہینے کے اندر اندر نیلا گنبد کے علاقہ میں مولچند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کے لئے حاصل کر کے اواخر ستمبر ۱۹۴۷ء میں جامعہ اشرفیہ کے نام سے دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جسے عنداللہ اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ گنے چنے چند ہی برسوں میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اساتذہ و طلبہ کے بیٹھنے تک کی گنجائش نہ رہی۔ چنانچہ ایک مخصوص اجلاس میں اس صورتِ حال پر غور کر کے مادّی وسائل نہ ہونے کے باوجود یہ طے کیا گیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے جامعہ کی ایک ایسی وسیع و عریض عمارت تعمیر کی جائے جو نہ صرف شہر لاہور اور اس کے ملحقہ علاقوں کے لئے کافی ہو بلکہ پورے پاکستان کی تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکے۔

یہ عام مشاہدہ بار بار ہوتا رہتا ہے کہ جس نیک کام کی تکمیل کے لئے اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب پر بھروسہ کیا جائے وہ کام اس خوبی اور نفاست کے ساتھ انجام پاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے فرق صرف نظر کا ہے دنیادار حیرت کرتے ہیں کہ اتنا عظیم منصوبہ بغیر مادی وسائل کے اتنے قلیل عرصہ

میں کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ اور اہل اللہ حضرات حق تعالیٰ جل شانہٗ کی عظیم الشان قدرت کا تصور کر کے حیرت میں ڈوب جاتے ہیں کہ اللہ اللہ لاکھوں کروڑوں میں سے اپنے ایک بندے کو چن کر اس کے ہاتھوں بغیر مادّی ذرائع کے ایسا شاندار کارنامہ انجام دلوایا جس کی مثال دُور دُور نہیں ملتی۔ توکل علی اللہ پر پختگی دیکھئے کہ اس مخصوص اجلاس کے تھوڑے ہی دنوں بعد فیروز پور روڈ پر نہر کے کنارے ایک سو کنال زمین خرید لی گئی جس کی قیمت ایک لاکھ پچیس ہزار روپے تھی اور وعدہ یہ کیا گیا کہ ایک ماہ کی قلیل ترین مدت میں ساری رقم ادا کر دی جائے گی جب کہ جامع کے پاس اس وقت دو تین ہزار سے زائد روپے نہ تھے۔

چونکہ من جانب اللہ تعالیٰ جل شانہٗ لاہور کی سرزمین پر اس جامعہ اشرفیہ کا بننا مقدر ہو چکا تھا اس لئے غیب سے اس کثیر رقم کی فراہمی کے سامان پیدا ہوئے۔ کراچی کے ایک بہت بڑے تاجر اور مدرسہ کے مخلص خادم جناب الحاج محمد شفیع صاحب مرحوم نے فرمایا:-

" گھبرانے کی ضرورت نہیں جتنا انتظام ہو سکتا ہے کر لیں بقیہ میں دے دوں گا "

الحاج محمد شفیع صاحب کے اس اخلاص کے باعث اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف روئی کے کاروبار سے دو کروڑ روپے نفع اور بچت کا عطا فرمایا۔ قبل اس کے کہ حاجی صاحب موصوف زمین کی خرید کے لئے روپیہ مرحمت فرماتے حق تعالیٰ نے ایک ہفتہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ سے زائد کا انتظام کرا دیا۔ پانچ سات ہزار روپیہ میاں محمد شفیع صاحب نے ادا فرمایا۔

اس طرح تیس دن سے پہلے ہی پہلے اتنی کثیر رقم کی ادائیگی کر کے زمین کی رجسٹری کرا لی گئی۔ اس ادائیگی کے فوراً بعد کئی لاکھ کے سرمایہ سے جامعہ کی تعمیر کا کام اسی

توکل علی اللہ کے بل بوتے پر شروع کر دیا گیا۔ پھر تو یہ حال ہوا کہ:۔

" ادھر کوئی ضرورت سامنے آئی اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی انتظام کر دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ حضرت اقدس مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ ہمیں دینی کاموں کے لئے ایک خاص مقدار میں سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے وافر میسّر آجاتا ہے "

چنانچہ ایک دفعہ اسی تعمیر کے سلسلہ میں لوہا نہیں ملتا تھا۔ تعمیر کمیٹی نے حضرت مفتی صاحب سے ذکر کیا۔

آپ نے فرمایا " اللہ تعالیٰ بندوبست فرمائے گا "

اسی دن یا اس سے اگلے دن حضرت مفتی صاحب کی مجلس میں ایک صاحب آئے اور مدرسہ کی تعمیرات کے متعلق استفسارات کرنے لگے۔ حضرت نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

" جتنا کام ہمارے اختیار میں ہے اتنا ہم کئے جا رہے ہیں۔ اب چونکہ لوہا نہیں مل رہا اس لئے تعمیری کام بھی آج کل بند ہے "

اسی وقت انہوں نے پچاس ہزار روپے کا لوہا مہیا کرنے کا ذمہ لے لیا۔

اسی طرح غیبی امداد کے ذریعہ انتہائی قلیل مدت میں پاکستان کے سب سے بڑے دینی دار العلوم کی تعمیر بحسن و خوبی اختتام پر پہنچی۔ جس کے لئے سرکاری یا نیم سرکاری امداد سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا گیا بس خود بخود اسلام کا درد رکھنے والے حضرات کھنچے چلے آتے تھے۔ اور خدمات پیش کرتے تھے کہ ان سے روپیہ یا سامان لے کر کارِ خیر میں صرف کیا جائے۔ جب کہ حضرت مفتی صاحب اپنے مرشد حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرح استغناء کے پیکر تھے۔ اور آپ کے استغناء کا بھی یہ عالم تھا کہ صرف اس شخص کی امداد قبول کی جائے گی جو یہ سمجھ کر مدد کرے کہ ہم اس کا روپیہ لے کر

اس پر احسان کر رہے ہیں کوئی ہم سے رسمی شکر گذاری کی بھی امید نہ رکھے۔ بلکہ اسے تو ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ ہم نے اس کی رقم کو ایک ایسے کارِ خیر میں صرف کیا جس سے وہ ہمیشہ مستفیض ہوتا رہے گا۔ (تذکرۂ حسن)

جامعہ اشرفیہ کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے بہت سے اہل اللہ حضرات اور دین کی تڑپ رکھنے والے بے شمار مخلصین کو جمع فرما دیا تھا۔

۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء، بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر اس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس پُر آشوب دور میں بھی عوام کی عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ کوئی خاص اعلان نہ ہونے کے باوجود لوگ دور دور سے کھنچے چلے آئے اور تھوڑی سی دیر میں فیروز پور روڈ پر ایک ایسا جمِ غفیر ہو گیا کہ تاحدِ نظر ہر طرف لوگوں کے سر ہی سر نظر آتے تھے۔

سنگِ بنیاد رکھنے کے موقعہ پر جامعہ اشرفیہ کے منتظمین، اساتذہ، طلبا اور دیگر حضرات کے علاوہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند خلفاء عظام جن میں سے مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شروانیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب اور ان حضرات کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور سردار عبد الرب نشتر اور دیگر علماء و طلباء و معززین شہر نے سنگِ بنیاد رکھنے کے موقعہ پر شرکت فرمائی

یہاں پر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ سب سے پہلے سنگِ بنیاد مسجد کا رکھا گیا۔ تعین جگہ سے قبل ممبرانِ مدرسہ کے اندر اختلاف تھا کسی کی رائے یہ تھی کہ مسجد

سڑک کے قریب بنے۔ اور کوئی کہتا تھا کہ موجودہ درسگاہوں کے نزدیک رہے
ایک صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔
آپ نے ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجد یہاں تعمیر ہونی چاہئے
اب یہ مسجد بعینہٖ اسی جگہ ہے۔ جہاں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا تھا۔ اس طرح یہ معمولی سا اختلاف بھی ختم ہوگیا۔

مسجد اور جامعہ کی تاریخہائے سنگِ درج ذیل ہے:۔

بنائے مسجد تاسیس علی التقویٰ

۱۳ ھ ۷۴

تاسیس طیب مسجد جامعہ اشرفیہ　　　　عظیم الشان مسجد در لاہور

۱۳۵۷۴　　　　۱۹ ء ۵۵

جامعہ اشرفیہ بنائے اشرف ہے

۱۳ ھ ۷۴

گو مکرر کہ مسجد اشرف　　　　اشرفیہ مسجد پاکیزہ بابرکات

۱۳۷۴ = ۶۸۷ × ۲　　　　۱۳ ھ ۷۴

بگفتام شام وضع سنگِ بنیاد

۱۳ ھ ۷۴

قادیانیت کے خلاف جہاد

دنیا کے چند بڑے فتنوں میں ایک بڑا فتنہ مرزائیت ہے۔ اس کی ساری کی ساری
عمارت جھوٹ دھوکے اور فریب کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہے۔ اب تو بفضلہٖ تعالیٰ مسلمان
ان کے جھوٹے دعوؤں اور ہتھکنڈوں کو بخوبی سمجھ گئے ہیں۔ لیکن حضرت اقدس مولانا
مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ کے دور میں انگریزوں کی شہ پر اور انہی کی محافظت

میں یہ لوگ ہر چہار جانب اپنے جال پھیلانے میں مصروف تھے بلکہ اس لحاظ سے انگریزوں کے منظور نظر بھی تھے۔ کہ ان کے نبی نے جہاد کو یکسر حرام قرار دیا تھا اور انگریز اس حقیقت سے واقف تھے کہ جب تک مسلمانوں میں جہاد باقی ہے نہ صرف ان کے قدم بلکہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کے قدم بھی مسلمانوں کے سامنے نہیں جم سکتے۔ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ تھی کہ بھولے بھالے مسلمانوں کو ان کے دجل و فریب سے اچھی طرح واقف کرایا جائے۔ چنانچہ علماء دیوبند نے بروقت اپنے فرض کو پہچانا اور تن من دھن سے اس کی بجا آوری میں لگ گئے اور اس ضمن میں ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۲ھ کی سب سے پہلی کل ہند احرار کانفرنس قادیان میں منعقد کی گئی۔ تاکہ ہر سال باطل کے مقابلہ میں حق کو واضح کیا جا سکے۔ اور دنیا کو بتایا جا سکے کہ یہ بے چارہ نبی اور اس کے یہ بے چارے حواری اس قدر بے چارے ہیں کہ ان میں مناظرہ کی جرأت ہے اور نہ مباہلہ کی۔

اس عظیم الشان کانفرنس کی پوری تفصیل تحریک ختم نبوت کی تاریخ میں موجود ہے کہ کس طرح اپنے فرنگی خداؤں کے ذریعہ راستہ میں روڑے اٹکائے گئے۔ شرکاء جلسہ کو کس کس طرح زبانی اور تحریری طور پر دھمکیاں دی گئیں اور کس طرح غیر مسلم ہموطنوں کی خوشامدیں کر کے کوشش کی گئی کہ یہ کانفرنس نہ ہونے پائے۔ لیکن نہ صرف اس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا بلکہ آئندہ بھی اسی طرح کی سالانہ کانفرنسیں ڈنکے کی چوٹ پر قادیان کے قرب و جوار ہی میں ہوتی رہیں۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ بھی انہی سرفروشوں میں سے تھے جنہوں نے اس کانفرنس کے انعقاد پر لبیک کہی، دامے، درمے سخنے اور قدمے ہر ممکن مدد کے لئے تیار ہو گئے اور اس تعلق کے ساتھ کہ کاش آج ان کی ہزار جانیں ہوتیں تو وہ بھی ناموس رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر

پچھا ورکر کے یہی سمجھتے اور سچا طور پر سمجھتے کہ حق ادا نہ ہو سکا۔ خود بھی قادیان پہنچ گئے اور وہاں بغیر کسی جھجک کے بغیر کسی خوف اور خطرے کے اپنی مدلّل اور موثّر تقریر میں ببانگ دہل یہ اعلان فرمایا کہ:۔

"اس خود ساختہ نبی کو جو لوگ نبی مانتے ہیں یا مجدد سمجھتے ہیں یا کسی بھی طور پر اس کے افعال واقوال کی تائید کرتے ہیں وہ سب کے سب صریح کفر میں مبتلا ہیں اگر تجدید ایمان کئے بغیر مر گئے تو کوئی بھی طاقت انہیں نارِ جہنم سے نہیں بچا سکتی، اس نارِ جہنم سے جو چند روزہ نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے"

اس کانفرنس کے انعقاد نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں جو لوگ اس فتنہ کا شکار ہو چکے تھے وہ عذاب الٰہی کا انتظار کرتے رہے اور جو لوگ شش و پنج میں مبتلا تھے اور حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتے تھے اور اس جال میں پھنسنے ہی والے تھے ان میں سے بیشتر اپنا دامن بچا لے گئے۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہ جرأت یہ بیباکی اور یہ صاف گوئی حق ہی میں ہو سکتی ہے۔ پیٹھ کے پیچھے سے خنجر گھونپنا اور جھوٹ اور فریب سے اپنا کام نکالنا باطل ہی کو زیب دیتا ہے آخر یہ اتنے بہت سے علماء جو یہاں جمع ہوئے ہیں اور باطل کے سینے پر مونگ دل رہے ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں خواہ مخواہ محض تفنن طبع اور تفریح کے لئے تو آتشِ نمرود میں نہیں کود رہے: تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے کبھی زہر ہلاہل کو قند نہیں کہا پھر انہیں کوئی لالچ بھی نہیں، کوئی ٹیکس، کوئی ہدیہ کوئی نذرانہ بھی نہیں چاہئے جب کہ خود ساختہ نبی کو اپنی آمدنی کا دس فیصدی حصہ بھی دینے کا مطالبہ ہے: تاکہ اس کے لئے محل بنائے جا سکیں۔ اور نئے نئے ماڈل کی کاریں خریدی جا سکیں۔ سمجھنے والے سمجھ گئے اور تاڑنے والے تاڑ گئے کہ طمع کدھر ہے اور للّٰہیت کہاں ہے۔

اس پہلی ہی کانفرنس نے دنیا کو بتا دیا کہ عزتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

پر مر مٹنے کا جذبہ آج بھی اتنا ہی تر و تازہ ہے جتنا آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے تھا۔ اور یہی جذبہ آج عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کشاں کشاں قادیاں میں لے آیا ہے ان کے معصوم چہروں کے انوار بتا رہے ہیں کہ یہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی تعریف پر پورے اترتے ہیں۔ انہیں موت سے کوئی ڈر نہیں، موت تو آنا ہی ہے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر مٹ جائیں یقیناً یہ سب کے سب سچے ہیں مختصر ترین الفاظ میں اس مقدس کانفرنس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ درحقیقت جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ کی ایک جیتی جاگتی عملی تفسیر تھی۔

اس کے بعد اگرچہ حضرت مفتی صاحب اپنے پائے مبارک کی شدید ترین تکلیف کے باعث اگلے سالانہ جلسوں میں شریک نہ ہو سکے تاہم دیوبند اور دیگر مقام سے سرفروش علماء کی جو جماعتیں قادیان کے لئے روانہ ہوتیں۔ آتے جاتے وقت ایک دو روز کے لئے امرتسر ٹھہرتیں۔ اور علماء کے قیام و طعام کا انتظام بغیر کسی تکلف کے اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ ہی کیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب نے دوسرا اہم ترین سفر پنج کٹھارہ کا کیا۔ یہاں خاکسار تحریک کے غلط عقائد کے بیج بوئے جا رہے تھے۔ دینی حمیت و غیرت کو للکارا جا رہا تھا۔ ڈر تھا کہ یہ فتنہ پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ چنانچہ اس کی بیخ کنی کی بھی ضرورت تھی۔ کیسا شاندار برکت والا سفر تھا کہ حضرت مفتی صاحب مختلف علماء دین کے سربراہ کی حیثیت سے نفی و اثبات لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر کرتے ہوئے اس علاقہ کے مختلف دیہاتوں میں پیدل پہنچے اور وہاں ایک ایک شخص کے عقائد درست کرائے، بیچارے معصوم

صفت دیہاتیوں کو بتایا کہ جس دین اسلام کے تم نام لیوا ہو وہ حقیقت میں ہے کیا اور اس میں عقائد کی صحت و درستی کتنی ضروری ہے یہ سفر بھی بر وقت ہوا اور انتہائی کامیاب رہا۔ دین متین کے دشمنوں کو یہاں بھی منہ کی کھانی پڑی الغرض حضرت مفتی صاحبؒ آخر وقت تک باطل قوتوں کے خلاف جہاد میں مصروف رہے۔ اور ہر باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

تحریک پاکستان میں اہم خدمات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اس گروہ کے سربراہ تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ آپ کے تمام خلفاء اور متوسلین حصول پاکستان کی جدوجہد میں مصروف رہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ انہوں نے بھی اپنے شیخ کی ہدایات پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع اور دوسرے اکابر علماء کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور بڑی دلچسپی سے امرتسر اور اس کے قرب و جوار کے الیکشنوں میں مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ بے شمار مسلمانوں نے حضرت مفتی صاحب کی قائد اعظم اور ان کے نصب العین "قیام پاکستان" سے دلچسپی اور میلان کے باعث مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دے کر بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا اگرچہ حضرت کا اصل مقصد سیاست کے بجائے کچھ اور تھا۔ وہ اسلام کی سربلندی چاہتے تھے اور اسی لئے قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا۔

اس سلسلہ میں جناب احسان قریشی صابری صاحب لکھتے ہیں کہ:

"۱۹۳۸ء میں حضرت مفتی صاحب کے شیخ طریقت حکیم الامت حضرت مولانا

اشرف علی تھانویؒ امرتسر تشریف لائے۔ موسم گرما اپنے شباب پر تھا۔ مفتی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب حال مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور راقم الحروف کے ذمے حضرت حکیم الامت کی خدمت تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس مجلس میں امرتسر کے بہت سے علماء اور صوفیاء کرام جمع تھے اور حضرت تھانوی اس مجلس میں حضرت مفتی صاحب سے یوں مخاطب ہوئے۔

"محمد حسن! مجھ سے اکثر مجالس میں آج کل کانگریس اور مسلم لیگ کے سلسلہ میں سوالات کئے جاتے ہیں اور کئی اصحاب جناح صاحب کے بارے میں مجھ سے پوچھتے ہیں۔ میری عرض ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت جناح صاحب کے ہاتھ میں ہے جناح صاحب سیاست میں مسلمانان ہند میں قابل ترین شخصیت مانے جاتے ہیں مخالفین بھی مانتے ہیں کہ جناح صاحب سرکاری آدمی نہیں۔ ملک و قوم یعنی مسلمانان ہند کی آزادی کے لئے ان کے دل میں انتہائی تڑپ، ولولہ اور جذبہ ہے۔ اسی لئے برطانوی حکومت کے مقابلہ میں بھی اور کانگریس کے مقابلہ میں بھی انہوں نے ہمیشہ مسلمانان ہند کی بہتری کے لئے آواز بلند کی ہے۔ جناح صاحب کے خلاف کئی کم فہم مسلمان یہ غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ وہ جاہ پسندی کے لئے یہ سب کام کر رہے ہیں۔ ایسا غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کو شرم آنی چاہیئے۔ اگر جناح صاحب جاہ پسند ہوتے تو کسی خطاب یا عہدہ کے لئے کوشش کرتے جس کا ملنا ایسے قابل شخص کے لئے بہت ہی سہل ہے۔ لیکن جناح نے کبھی اس کی خواہش نہیں کی وہ انتہائی دیانتدار اور مخلص مسلمان ہیں۔ ان کی کوششیں یقیناً کامیاب ہوں گی۔ باری تعالیٰ مسلمانوں کے لئے علیحدہ ریاست کے قیام کا سہرا انشاء اللہ جناح صاحب کے سر باندھیں گے۔ میں نے اپنے تمام خلفاء متبعین اور مریدین کو کہہ دیا ہے کہ ہر بات میں جناح صاحب کا ساتھ دیں۔ محمد حسن! آپ بھی اس سلسلہ میں جو کچھ ہو سکے کر گزرنا!"

حضرت حکیم الامت تھانوی کی ہدایت پر ہی حضرت مفتی صاحب نے امرتسر میں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں خاموش لیکن بے بہا کام کیا۔ حضرت تھانویؒ تو ۱۹۴۳ء میں انتقال فرما گئے لیکن حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۷ء کے چار سالوں میں مسلم لیگ کے لئے اپنی جدوجہد تیز کر دی اور قیام پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔

(روزنامہ نوائے وقت ۱۰ رجون ۷۷ ۱۹ء)

دستور اسلامی کے لئے مساعی

علماء دیوبند نے تحریک پاکستان میں زبردست عملی حصہ اس لئے لیا تھا کہ پاکستان میں قرآن وسنت کا نظام رائج کیا جائے گا۔ اور قیام پاکستان کا اصل مقصد بھی یہی تھا مگر قیام پاکستان کے بعد کچھ مغرب نواز لوگ اپنے ان خیالات کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ کہ اول تو اسلام میں سرے سے کوئی دستورِ مملکت ہی نہیں ہے اور بالفرض محال ہو بھی تو مختلف فرقوں کے علماء کسی ایک دستور پر ہرگز متفق نہیں ہو سکتے۔ عام طور پر ایسے حضرات کی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے عوام الناس سے پوچھا جاتا تھا کہ بلاشک وشبہ اسلام برحق ہے لیکن آپ کونسا اسلام چاہتے ہیں دیوبندیوں کا؟ اہلحدیث کا؟ شیعوں کا؟ گویا بالفاظ دیگر صاف الفاظ میں یہ کہا جاتا تھا کہ پاکستان جس کا مقصد یعنی لا الٰہ الا اللہ کے لئے معرض وجود میں آیا۔ اس پر عمل پیرا ہونا قطعی ناممکن ہے اور گویا ملک کے اتحاد اور اتفاق کا تقاضا یہ ہے کہ انگریز آقاؤں کی غلامی کی زنجیر سے جول کا توں اپنے دست و پا کو جکڑا رہنے دیا جائے۔

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے نہ صرف اس پھیلتے زہر کے مہلک اثرات کو محسوس کیا بلکہ اس کا تریاق بھی ڈھونڈ نکالا۔ انہوں نے مختلف

مکاتبِ فکر کے علماء کو کراچی مدعو کیا تاکہ ایک ایسا دستورِ مملکت تیار کیا جا سکے جس پر علماء کرام کا ہر فرقہ متفق ہو اور تین چار دن کے مختصر ترین عرصہ میں بنیادی اصولوں کی تکمیل کے بعد اسے شائع کر کے یہ بتا دیا جائے کہ الحمدللہ آپس کے اختلافات کے باوجود آج بھی اسلام کے نام لیوا اسی نظامِ حکومت کو ترجیح دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے پیارے محبوب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہو۔ اس متبرک اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ کو بھی مدعو کیا گیا۔ اور دوسرے بزرگوں کے ساتھ ساتھ ان کی رائے کو بھی بے حد قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سے اس بات کے قائل تھے کہ نظریات و خیالات میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس اختلاف کی بنا پر کسی پر کفر و شرک کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا: تاوقتیکہ کفر و شرک کھل کر سامنے نہ آجائے۔

اس اجلاس میں جن مقدس و بزرگ ہستیوں نے شرکت کی ان میں سے چند اکابر علماء دیوبند کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں :۔

- مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور۔
- شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ امیر انجمن خدام الدین لاہور۔
- سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان۔
- مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دار العلوم کراچی۔
- شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جامعہ اشرفیہ لاہور۔
- استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی جامعہ خیر المدارس ملتان
- بدر العلماء حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ سابق محدث دار العلوم ٹنڈو الہ یار۔

- مخدوم العلماء حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ بانی جامعہ امدادیہ کشور گنج مشرقی پاکستان۔
- شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ سابق شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔
- محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بانی جامعہ اسلامیہ کراچی۔
- خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ مہتمم دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار۔

ان کے علاوہ مختلف مکاتب فکر کے اہم جید علماء کرام نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ اس اجلاس کے کچھ دنوں بعد ۱۹۵۳ء میں بنیادی اصول اسلام مملکت پاکستان پر دوبارہ غور و خوض اور ضروری ترمیم و اضافہ کرنے کے لئے انہی ۳۱ علماء کرام کا ایک اور اجتماع کراچی میں ہوا جنہیں دو مو بیدا کابر علماء نے شرکت فرمائی۔ بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد کچھ اصولوں کی وضاحت کی گئی پھر اس اجتماع کی بھی پوری تفصیل شائع کر کے باتفاق رائے یہ ثابت کر دیا گیا کہ اسلامی اصولوں کے مطابق پاکستان میں حکومت کا قیام ناممکن نہیں۔ نیز یہ کہ ہر مکتب فکر کے علماء کی یہ متفقہ رائے ہے کہ پاکستان کی فلاح و بہبود کے لئے اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل پیرا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ اپنی مرنجان مرنج طبیعت، درویشانہ صفت اور بے تعصبی کے باعث حسب سابق اس اجتماع میں بھی روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی ہر رائے کو انتہائی قیمتی اور وزنی تصور کیا جاتا تھا اور اس پر ہر طبقہ کے علماء سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر فرمایا کرتے تھے اس کے علاوہ نومبر ۱۹۵۲ء میں پاکستان کے اس دور کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے

دستوری مسائل پر غور و فکر کرنے کے لیے پاکستان کے جن علماء کو مدعو کیا گیا ان میں سرفہرست حضرت قبلہ مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ کا بھی اسم گرامی تھا ، حضرت مفتی صاحب نے پاؤں کی شدید تکلیف اور سرد ترین موسم کے باوجود دستوری مسائل کے لئے تیسری بار کراچی کا سفر کیا۔

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی سرکردگی میں علماء کرام کا یہ مختصر سا قافلہ وزیر اعظم کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ وزیر اعظم نے بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ اپنی کوٹھی سے باہر نکل کر سب کا استقبال کیا۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے فرداً فرداً سب حضرات علماء کا تعارف کرایا۔ اس مشورہ کمیٹی میں جو علماء اور وزراء شریک ہوئے ان میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں :-

حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحبؒ ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ ۔ مولانا مفتی اشفاق الرحمن کاندھلویؒ ۔ مولانا اطہر علی صاحبؒ ۔ مولانا شمس الحق فریدپوریؒ ۔ مولانا سید داؤد غزنویؒ اور مولانا عبد الحق صاحب اکوڑہ خٹک ۔ وزراء میں خواجہ ناظم الدین سردار عبد الرب نشتر اور مولوی تمیز الدین مرحوم ۔

مجلس کی کارروائی شروع ہوئی۔ وزیر اعظم نے بعض اشکالات پیش کئے اور ان کا حل چاہا۔ وزیر اعظم کی طرف سے سردار عبد الرب نشتر اور مولوی تمیز الدین صاحب ترجمانی فرماتے تھے۔ اور علماء کی طرف سے مدلل جوابات پیش ہوتے رہے اور ان کی توضیح و ترجمانی کے فرائض اکثر مولانا احتشام الحق صاحب ادا فرماتے رہے اخیر میں علماء کرام نے شرعی دستور کے مرتب کرنے پر بہت زور دیا۔ اور اس کے سیاسی ، ملکی و ملی فوائد بیان کئے جس سے وزرائے کرام بہت متاثر ہوئے اور علمائے عظام بھی بہت قوی امید لے کر فارغ ہوئے۔

اخیر میں جانے سے تو واضح ہوئی یہ گفتگو ساڑھے تین گھنٹے جاری رہی۔
اس اجتماع کا یقیناً خاطر خواہ نتیجہ نکلتا اور پاکستانیوں کی دیرینہ خواہشات پوری ہوتیں لیکن افسوس کہ کچھ ہی دنوں بعد کرسیوں اور عہدوں کے لالچ میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ شروع ہو گئی۔ جو لوگ نااہل تھے وہی اسلامی نظام سے سب سے زیادہ خائف تھے، اور اس سیاسی اتار چڑھاؤ میں انھوں نے بھرپور حصہ لیا۔

جمعیت علماء اسلام کی صدارت یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ تقسیم ہند سے قبل علماء کی دو بڑی طاقت ور تنظیمیں سرگرم عمل تھیں، ایک طرف کانگریس کی متحدہ قومیت کی حامی جمعیت علماء ہند تھی اور دوسری طرف جداگانہ نظریہ قومیت کی داعی جمعیت علماء اسلام جو مسلم لیگ کے ساتھ تھی۔ جمعیت علماء ہند کے سربراہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی تھے اور جمعیت علماء اسلام کے صدر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی تھے۔ مسلم عوام میں کانگریس اور مسلم لیگ کو متعارف کرانے والے یہی علماء حضرات تھے اور جب اپنے اپنے لیگی اور کانگریسی نظریے کو لے کر میدان میں اُترے تو ان میں ایک تاریخ ساز جنگ چھڑ گئی جس کے نتیجے میں پاک بھارت کے پندرہ کروڑ مسلمانوں کی متحدہ قومیت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا اس وقت اگر علماء دین کسی بھی ایک نظریے کو اپنائے رہتے تو متحدہ ہندوستان کے تمام مسلمان اس انتشار سے بچ کر ایک عظیم قوت کی حیثیت سے رہ سکتے۔ تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان بن گیا اور دنیا کے نقشے میں سب سے بڑی مملکت وجود میں آئی تو اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ تمام علماء دین اپنے پرانے جھگڑوں کو چھوڑ کر اس خداداد مملکت کو ایک خالص اسلامی ملک بنانے کی کوشش میں

متحد ہو جائیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان کے ان تمام علماء کرام کو جو کانگریس کے حامی تھے اور جمعیت علماء ہند سے تعلق رکھتے تھے جمعیت علماء اسلام سے مل کر ایک خالص اسلامی مملکت بنانے کی جد وجہد میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

ادھر سے حضرت مدنیؒ کے پیغامات متحدہ نظریہ قومیت کے حامی علماء کے نام آئے کہ پاکستان قائم ہو گیا ہے جمعیت علماء ہند کے ارکان سچے دل سے پاکستان اور نظریہ پاکستان کے حامی ہو کر رہیں۔ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے پاکستان کو نقصان پہنچے۔ یا اس کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو۔

حضرت علامہ عثمانیؒ نے جمعیت علماء اسلام کو پاکستان میں منظم کرنے کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے درخواست کی کہ آپ بزرگ ہیں اب اس کام کو آپ کریں۔ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ :-

" ہم سابق کانگریسیوں کا میدان میں آنا ٹھیک نہیں ہے آپ حضرات اس نیک کام کو جاری رکھیں ہم لوگ آپ کی ماتحتی میں کام کریں گے۔ ہمیں حضرت مدنی کا یہی حکم ہے کہ آپ لوگوں سے تعاون کیا جائے۔"

قیام پاکستان کے بعد حضرت علامہ عثمانیؒ صرف تین سال زندہ رہے اس زمانہ میں اپنی علالت وضعف کے باوجود انہوں نے قرارداد مقاصد اور اسلامی دستور کے لئے فضا ہموار کرنے کی خاطر مشرقی ومغربی پاکستان کے دورے کئے اور ہر جگہ دینی عناصر کو بشمول ان عناصر کے جو پاکستان کے خلاف رہے تھے اس کی دعوت بھی دی کہ اب جب کہ ایک اسلامی مملکت وجود میں آچکی ہے اور وہ اختلافی مسئلہ طے ہو گیا ہے کہ ہندوستان تقسیم ہو یا ایک رہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام دینی عناصر اس کی اسلامی تشکیل میں ہاتھ بٹائیں فروعی اختلافات سے اجتناب کریں اور باہمی

تعاون و تناصر سے اسلام کے فروغ کی جدوجہد میں عملاً سرگرم ہو جائیں۔ چنانچہ بہت سے وہ دینی افراد جو پہلے پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں عملاً شریک نہ تھے یا کانگریس کے ہمنوا اور پاکستان کے مخالف تھے اس پر آمادہ ہو گئے اور یقیناً بہت سے حضرات نے اپنے ذہن کو پاکستان کے وجود سے ہم آہنگ کر لیا اور اخلاص کے ساتھ حضرت علامہ عثمانیؒ سے تعاون شروع کر دیا۔

۱۹۴۹ء میں حضرت علامہ عثمانی رحلت فرما گئے۔ اور جمعیت علماء اسلام کی جدید تشکیل بشمول ان علماء کے جو جمعیت علماء ہند سے تعلق رکھتے تھے اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے، عمل میں آئی۔ پہلے کراچی میں جمعیت علماء اسلام قائم ہوئی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ صدر منتخب ہوئے۔ پھر کل پاکستان کی بنیاد پر اس تنظیم کو قائم کیا گیا۔ مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے مکان پر اجتماع ہوا۔ اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا داؤد غزنویؒ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا محمد متین خطیبؒ جیسے اکابر علماء شریک ہوئے تھے اس اجتماع میں حضرت محمد حسن صاحب کو صدر اور حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو نائب صدر منتخب کیا۔ اور مولانا محمد متین خطیب صاحب ناظم اعلیٰ منتخب کئے گئے حضرتِ اقدس مفتی محمد حسن صاحبؒ چونکہ بوجہ علالت و معذوری امارت کے فرائض انجام دینے سے قاصر تھے۔ اس لئے آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو جمعیت کا قائم مقام صدر مقرر فرما دیا۔ اور پھر یہ علماء کرام بڑی سرگرمی سے اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ مفتیٔ اعظم حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب نے شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی کی ہدایات کے مطابق اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر شب و روز کی محنت سے تین ماہ میں دستورِ اسلامی کا خاکہ

تیار کر لیا۔ اور ملّتِ اسلامیہ کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب نے پاکستان میں اسلامی نظام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ باطل نظریات کے خلاف بھی عملی جہاد کیا۔

۱۹۵۳ء میں مرزائیت کے خلاف باوجود ضعف و معذوری کے میدانِ عمل میں نکلے۔ اور تحریک ختم نبوت میں علماء کے شانہ بشانہ اہم کردار ادا کیا اور مجلس عمل تحریک ختم نبوت کے سرپرستِ اعلیٰ کی حیثیت سے ختم نبوت کانفرنسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ آپ نے یکم جون ۱۹۶۱ء کو رحلت فرمائی۔ اللہ درجات بلند فرمائے۔

(بحوالہ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور یو،پی کے مشہور عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ سادات میں سے تھیں اور آباؤ اجداد جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں ہیں اور دیوبند کے ممتاز اہل علم تھے، ہمیشہ علمی مشاغل میں مصروف اور اہل قصبہ ان کے معتقد رہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندیؒ ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۲۰، ۲۱ر شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے اور ایک دینی ماحول میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی۔ فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں۔ حساب

فنون وریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحبؒ سے حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ جن عظیم المرتبت علماء امت سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی۔ فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ سید العلماء حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ اور حضرت مولانا رسول خان ہزاروی جیسے اکابرین شامل ہیں۔

علمی وتدریسی کارنامے حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم وتدریس کا سلسلہ دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی کتابوں سے شروع فرمایا پھر سالہا سال اوپر کے سب درجات میں تمام علوم فنون اپنے باکمال اساتذہ کے زیر سایہ پڑھائے۔ حضرت مفتیٔ اعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تو صرف چھ گھنٹے کی پابندی تھی۔ مگر میں روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتا تھا۔"

بالآخر بزرگوں کی خواہش وایماء پر آپ کو درجۂ علیاء (دورۂ حدیث) کے اساتذہ میں شامل کر لیا گیا۔ جس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب سلہٹ میں تشریف فرما تھے۔ وہاں حدیث پڑھانے کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی جس کے لئے حضرت مدنیؒ نے آپ کو بذریعہ خط دعوت دی۔ آپ نے عذر کیا کہ:۔

"اس وقت تک دارالعلوم میں مجھے کبھی حدیث پڑھانے کا اتفاق نہیں ہوا میرا مشغلہ زیادہ تر ادب اور دوسرے فنون رہے۔"

اس پر تقاضے کا خط آیا کہ ایسا کیوں؟ حدیث کی تعلیم کو ضروری سمجھو، پھر دیوبند

تشریف آوری کے وقت دوبارہ تقاضا فرمایا۔ آپ نے عرض کیا

"جہاں استاذ محترم حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ درس حدیث دیتے ہوں وہاں ایسا احمق کون ہوگا جو مجھ سے حدیث پڑھنے کو گوارا کرلے۔"

فرمایا نہیں کوئی نہ کوئی کتاب حدیث کی ضرور پڑھایا کرو۔

بار بار تقاضا فرمایا۔ بالآخر دارالعلوم کی طرف سے سب سے پہلے مؤطا امام مالک کا درس آپ کے سپرد ہوا۔ اور اس کے بعد دورۂ حدیث کی دوسری کئی کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔ سنن ابوداؤد آپ کے استاذ مہربان بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ پڑھاتے تھے۔ ۱۳۵۴ھ میں انہیں دوران سال سفر پیش آیا تو ابوداؤد کا درس آپ کے سپرد فرماکر تشریف لے گئے۔ پھر استاذ موصوف کی خواہش پر مستقل طور سے یہ درس آپ ہی کی طرف منتقل ہوگیا۔ اور سالہا سال جاری رہا۔ یوں تو ہر علم و فن میں آپ کا درس بہت مقبول رہا، علوم عقلیہ، منطق اور فلسفہ وغیرہ کی انتہائی کتابوں میں آپ کا درس بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا لیکن آپ کے دو درس خصوصیت سے بہت مشہور ہوئے۔ ایک دورۂ حدیث کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد شریف کا اور دوسرا عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا۔ ان کتابوں کے درس میں شرکت کو مختلف ممالک کے نہ صرف طلباء بلکہ علماء کرام بھی اپنی سعادت شمار کرتے تھے۔

جب شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں درس بخاری دیتے تھے، سخت علیل ہوکر دیوبند تشریف لے آئے تو غالباً تعلیمی سال کے اختتام میں تین ماہ باقی تھے اس وقت جامعہ کے مہتمم صاحب ان کی جگہ حضرت مفتی صاحب کو لینے کے لئے دیوبند تشریف لائے۔ ان کے اصرار اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے ارشاد پر آپ نے تین ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بخاری شریف کا درس دیا اور اس سے قبل ۲۶

سال تک دارالعلوم دیوبند میں درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رہا۔ پاکستان تشریف لائے تو کراچی میں کوئی دینی مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں یہ سلسلہ جاری کیا جاسکتا مگر کچھ منتہی طلباء یہاں بھی آگئے۔ ان کو آپ نے اور حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی ؒ نے جامع مسجد حبیب لائن میں بعض اسباق پڑھائے۔ پھر شوال ۱۳۷۰ھ میں آپ نے دارالعلوم کراچی کی تاسیس فرمائی تو اس میں بھی کئی سال بخاری شریف کے درس سے طلباء کو مشرف فرمایا۔ جب قویٰ میں انحطاط اور ملّی مصروفیات میں اضافہ ہوا تو کئی سال بخاری شریف کا درس اس طرح جاری رکھا کہ بخاری کتاب الوضو تک آپ پڑھاتے اور باقی کتاب دارالعلوم کے دوسرے اساتذہ پڑھاتے تھے۔ زندگی کے آخری چار سال جن میں آپ صاحبِ فراش رہے ان میں یہ سلسلہ تو جاری نہ رہ سکا مگر طلباء و اساتذہ دارالعلوم کے اصرار پر ہر سال بخاری شریف کا پہلا اور ستہ کا آخری درس آپ ہی دیا کرتے تھے۔ دارالعلوم کراچی میں بخاری شریف کے علاوہ مؤطا امام مالک اور شمائل ترمذی کا درس بھی کئی سال جاری رہا۔

بہرحال برصغیر پاک و ہند کے تمام صوبوں اور ریاستوں کے علاوہ چین، انڈونیشیا، ملایا، برما، سیلون، افغانستان، ایران، ترکستان، بخارا، سمرقند اور افریقہ وغیرہ کے بھی ہزارہا طلباء نے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا ہے۔ جن میں محدثین و مفسرین بھی ہیں۔ فقہاء و متکلمین بھی، سیاسی زعماء بھی ہیں اور مدرسین و مصنفین بھی، غرض دین کے ہر شعبہ میں آپ سے استفادہ کرنے والے جلیل القدر علماء دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں ان کی دینی خدمات مختلف شعبوں میں جاری ہیں چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب۔ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب

صفدر، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی۔ حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی۔ مولانا انوار الحسن شیر کوٹی۔ مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیلی۔ مولانا سید نور الحسن بخاری۔ مولانا سید بادشاہ گل صاحب مولانا عرض محمد صاحب۔ مولانا سبحان محمود صاحب۔ مولانا قاضی عبد الکریم کلاچی مولانا قاری عبد العزیز شوقی مرحوم۔ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی۔ مولانا مفتی عبد الحکیم سکھروی۔ مولانا صدیق احمد صاحب چاٹگامی۔ مولانا مفتی محی الدین صاحب ڈھاکہ مولانا آفتاب احمد مدنی اور عبد القدوس صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی وغیرہ وغیرہ۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

بحیثیت صدر مفتی دار العلوم دیوبند

جب حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز فرمایا۔ اس وقت دار العلوم کے صدر مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی تھے جو جامع الکمالات ہی نہیں بلکہ مفتیان ہند کے استاذ و مربی تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے ان سے مشکوٰۃ، جلالین اور موطا وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں۔ آپ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ دار العلوم دیوبند میں آئے ہوئے سوالات گاہے گاہے حضرت مفتی صاحبؒ کو عنایت فرما دیتے۔ آپ جواب لکھ کر پیش کرتے جو اصلاح و تصدیق کے بعد دار الافتاء سے جاری کر دئے جاتے۔

۱۳۴۴ھ میں مفتی اعظم ہند حضرت اقدس مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی دار العلوم سے مستعفی ہو گئے۔ تو اس منصب کے لئے موزوں شخصیت کے انتخاب کا مشکل مرحلہ ذمہ داران دار العلوم کے سامنے آیا۔ ضرورت ایسی جامع شخصیت کی تھی جو اس خلا کو دار العلوم دیوبند کے اعلیٰ تحقیقی معیار کے مطابق پُر کر سکے۔ چند سال تک دار الافتاء کا کام مختلف صورتوں سے جاری رہا۔ بالآخر اساتذہ و بزرگوں اور ذمہ داران

دارالعلوم کی نگاہِ انتخاب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پر آکر رُکی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ ہر علم و فن کے اسباق متواتر بیس سال پڑھا چکے تھے علمی تبحر سب کے نزدیک مسلّم، مگر تواضع کی یہ شان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ خود کو کسی طرح بھی اس منصب کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ دارالعلوم کی طرف سے اس کی پیش کش ہوئی تو قبول کرنے میں آپ کو بہت پس و پیش ہوئی۔ بالآخر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ جو حضرت مفتی اعظم کے مرشد و مربّی تو تھے ہی اس وقت دارالعلوم دیوبند کے بھی باضابطہ سرپرست تھے ان کی خدمت میں مشورہ کے لئے یہ خط لکھا کہ :۔

"ایک ضروری عرض اس وقت یہ ہے کہ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) میں موجودہ مفتی صاحب کے متعلق ارباب حل وعقد کو عام شکایت ہے اس لئے وہ تبدیل کرنا چاہتے ہیں پہلے بھی اس سلسلے میں ایک مرتبہ میرا نام لیا گیا تھا مگر نامکمل بات ہو کر رہ گئی تھی۔ اس مرتبہ پھر یہ سلسلہ اٹھا ہے اور یہاں اکثر حضرات مجھے اس کام کے لئے مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ کام فی نفسہٖ سخت ہے اور پھر مجھ جیسے ناکارہ نااہل کے لئے جس کو اس کام کی اب تک کچھ زیادہ نوبت بھی نہیں آئی۔ مگر یہ تجویز ہوئی ہے کہ مولانا سید اصغر حسین صاحب یا مولانا اعزاز علی صاحب کے ملاحظہ کے بعد فتاویٰ روانہ کئے جائیں گے تاہم ابتدائی کام تو مجھے ہی کرنا پڑے گا۔ البتہ یہ نفع بھی اس میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کام قابو میں آگیا تو دینی نفع بھی بہت بڑا ہے اور درس و تدریس میں جو دماغی تکلیف میری وسعت سے زائد ہو رہی تھی اس میں تخفیف ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اس کا حل حضرت ہی کی زبان فیض ترجمان سے چاہتا ہوں"

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ :۔

قبول کرلینا چاہئے حدیث اِنْ اُکرِہْتَ عَلَیْہَا اُعِنْتَ عَلَیْہَا میں وعدہ ہے۔ مختصر یہ کہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے افتار پر بحیثیت صدر مفتی فائز کر دیا۔

آپ حسبِ عادت پوری جانفشانی کے ساتھ اس مشکل ترین علمی کام میں منہمک ہو گئے۔ درس کا سلسلہ بھی جزوی طور پر جاری رہا۔ اس وقت آپ کا مشاہرہ پینتالیس روپے مقرر کیا گیا۔ آپ کے فتاویٰ پر نظر کرنے کے لئے آپ ہی کی خواہش پر آپ کے استاد محترم حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کو مامور کر دیا گیا تھا۔ اہم اور مشکل فتاویٰ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مشوروں کا سلسلہ زبانی اور بذریعہ خط و کتابت جاری رہتا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو ہر کام نہایت مستعدی، احساسِ ذمہ داری، احتیاط اور پھرتی سے نمٹانے کی عادت تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتار سے جو فتاویٰ جاری ہوتے تھے آپ کے دارالافتار میں منتقل ہونے ہی ان کی تعداد اور کیفیت وضخامت میں نمایاں اضافہ ہوا۔ جس کا اندازہ اعداد و شمار سے ہوتا ہے جو ۲۵ شوال ۱۳۵۸ھ میں دفتر اہتمام کی ہدایت پر تیار کئے گئے تھے۔ ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہر سال فتاویٰ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور فتاویٰ زیادہ محققانہ اور مفصل بھی ہونے لگے۔

۱۳۴۸ھ میں (یعنی یکم شوال ۱۳۴۸ھ سے ۳۰ رمضان ۱۳۴۹ھ تک ایک سال میں) دارالعلوم دیوبند کے دارالافتار سے کل ۲۸۷۵ فتاویٰ جاری کئے گئے جو نقل فتویٰ کے رجسٹر میں ۴۰۴ صفحات پر مشتمل تھے۔ لیکن اگلے سال کے وسط میں جب فتویٰ کا کام حضرت مفتی اعظم کے سپرد کیا گیا تو اس سال صرف چھ ماہ میں فتاویٰ کی تعداد میں ۶۶۱ کا اور رجسٹر کے صفحات میں نوّے کا اضافہ ہوا۔ پھر یہ اضافہ

روز افزوں ہوتا گیا۔ ۱۳۵۲ھ میں فتاویٰ کی تعداد چار ہزار چھ سو پانچ اور صفحات رجسٹر کی تعداد ۷۶۸ ہو گئی جو ۴۸۰ کے مقابلے میں تقریباً دو چند ہے۔ اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے صرف چار سال کے عرصہ میں بارہ ہزار سے زیادہ فتاویٰ تحریر فرماتے جن میں سے صرف ایک ہزار " امداد المفتین" کے نام سے شائع ہوتے۔ باقی دارالعلوم دیوبند کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے تقریباً اڑتیس فتاویٰ اتنے مفصل اور تحقیقی انداز میں لکھے گئے ہیں۔ کہ وہ مستقل رسالے بن کر کچھ " امداد المفتین" میں، کچھ " جواہر الفقہ" میں اور کچھ الگ مستقل کتابچوں کی صورت میں شائع ہوتے۔ دارالافتا میں دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ خصوصاً جن پیچیدہ مسائل میں علماء کا باہمی اختلاف رائے ہوتا وہ بھی فیصلہ کے لئے یہیں آتے تھے حضرت مفتی اعظمؒ فریقین کے آراء اور دلائل و تحقیقات کا تنقیدی جائزہ لے کر اپنی تحقیق اور فیصلہ تحریر فرماتے۔ فتاویٰ کی مذکورہ بالا تعداد میں ایسے فتاویٰ بھی بکثرت ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اور فقہی تحقیقات کو اس زمانہ کے فقہاء ارباب تقویٰ اور آپ کے بزرگوں نے جس انداز میں سراہا اور دل کھول کر داد اور دعائیں دیں۔ اس کی تفصیلات بہت ہیں جن کا یہ موقع نہیں ہے۔

الغرض حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کے عظیم منصب کا حق پوری طرح ادا کرتے رہے اور قیام پاکستان تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم پاکستان نمبر)

تحریک پاکستان اور مفتی اعظم

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ طبعاً ہنگاموں، سیاسی جلسوں اور جلوسوں سے الگ رہنا پسند فرماتے تھے لیکن جب بھی اسلام اور مسلمانوں کی کسی اہم دینی

ضرورت نے سیاست میں عملی حصہ لینے کا تقاضا کیا۔ آپ اس میں بھی سرگرمی سے بقدرِ ضرورت شریک ہوئے۔ پہلی جنگِ عظیم کے اواخر میں جب مجاہدین بلقان ہر طرف سے کفر والحاد کے نرغہ میں تھے۔ اس کی نزاکت اکابر علماء دیوبند نے پوری شدت سے محسوس کی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے اپنے تلامذہ اور مریدین کے ذریعہ مجاہدین بلقان کے لئے چندہ جمع کرنے کی مہم چلائی یہ وقت حضرت مفتی صاحب کی نوعمری اور طالب علمی کا تھا آپ نے اس پرخلوص مہم میں نہایت سرگرمی سے رضاکارانہ حصہ لیا۔ سخت بارش کے زمانہ میں پیدل گاؤں گاؤں پھر کر چندہ جمع فرمایا۔

جس زمانہ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور تدریس کے منصب جلیل پر فائز تھے اسی زمانہ میں مسلم لیگ نے کانگریس کے علی الرغم مسلمانان برصغیر کے لئے ایک آزاد و خود مختار وطن پاکستان کا مطالبہ کیا اس موقعہ پر اکابر علماء دیوبند اپنی دیانت دارانہ رائے کی بنا پر دو مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ جمعیت علماء ہند کے سرکردہ زعماء کا تھا جو کانگریس کے ہم آواز ہو کر متحدہ قومیت کا حامی اور تقسیم ہند کے خلاف ——— اور مطالبۂ پاکستان کو مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتا تھا۔

دوسرا گروہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہما پر مشتمل تھا جو حکیم الامت تھانوی کی رائے کے مطابق مسلمانانِ ہند کو کافروں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے قیام پاکستان کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت سمجھتا تھا اور جس طرح کا اشتراک بعض مسلم جماعتیں کانگریس کے ساتھ کرنے لگی تھیں اسے درست نہ سمجھتا تھا۔

شروع میں یہ اختلاف آپس کے تبادلۂ خیالات علمی مباحثوں اور دارالعلوم کی

چہار دیواری تک محدود رہا لیکن پاکستان کے لئے ہونے والا الیکشن جوں جوں قریب آرہا تھا مخالفین کا یہ پروپیگنڈہ زور پکڑتا جارہا تھا کہ:-

"مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ ہے اسے علماء کی تائید حاصل نہیں"

ادھر ارباب لیگ بھی محسوس کررہے تھے کہ جب تک ہر محاذ پر علماء کرام بھرپور تعاون نہ فرمائیں پاکستان کا قیام ممکن نہیں ہے۔

تحریک پاکستان کی خاطر دارالعلوم دیوبند سے استعفار

اب وقت آگیا تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو کھول کر عوام کے سامنے لایا جائے اور پاکستان کا مطالبہ سیاسی وشرعی حیثیت سے جیسا کہ حق بجانب، بروقت اور ضروری ہے۔ اس کا صرف اظہار ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی آواز پوری قوت سے پہنچائی جائے دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے اس اختلاف کا مسلسل اظہار نظم دارالعلوم کے لئے مناسب نہ تھا اس لئے حضرت حکیم الامت تھانوی کے مشورہ سے دارالعلوم سے علیحدگی کا فیصلہ فرمالیا۔ یہ فیصلہ ان حضرات کے لئے جتنا صبر آزما تھا اس کا اندازہ ہر ایک کو نہیں ہوسکتا۔ ان حضرات نے اپنے بچپن، جوانی اور کہولت کے شب و روز اسی کی چہار دیواری میں گزارے تھے۔ زندگی کی ولولہ انگیز توانائیاں اسی کی تعمیر میں صرف کی تھیں۔ ان حضرات کے لئے یہ صرف ایک درسگاہ نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی امیدوں کا مرکز تھا۔ دارالعلوم ان کا وطن بھی تھا، آغوش مادر بھی، لیکن ملک وملت کی خاطر اب اس آغوش مادر سے ضابطہ کا تعلق باقی رکھنا ممکن نہ تھا بالآخر ۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کا وہ دن آپہنچا جب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی معیت میں حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور آپ کے برادر معظم زاد حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ۔ جناب خلیفہ محمد عاقل صاحبؒ

اور دیگر دو علماء کرام، دارالعلوم دیوبند کی خدمات سے مستعفی ہوگئے۔ استعفار کے بعد آپ تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ تو حضرت حکیم الامت تھانوی نے دیکھتے ہی دیوانِ حماسہ کا ایک مصرعہ کچھ تصرف کر کے اس طرح پڑھا ؎

اَضَاعُوا کَا دَ اَیَّ فتیً اَضَاعُوا

افسوس! لوگوں نے تجھے اپنے ہاتھ سے کھو دیا اور وہ کیسے عظیم انسان کو کھو بیٹھے۔

۱۳۳۵ھ سے ۱۳۶۲ھ تک تدریس وافتاء کی ۲۷ سالہ خدمات کے بعد جب حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوئے تو مشاہرہ ۶۵ روپے تھا۔

مسلم لیگ کی تحریک جو دو قومی نظریہ پر مبنی تھی حکیم الامت حضرت تھانوی اس کی حمایت ۱۳۵۶ھ ہی سے اپنی تحریروں کے ذریعے فرما رہے تھے۔ تحریک پاکستان میں حضرت مفتیٔ اعظم کا حصہ بھی شروع میں محض علمی خدمات تک محدود رہا۔ دارالعلوم سے استعفار کے بعد تو قیامِ پاکستان کی جدوجہد ہی شب و روز کا مشغلہ بن گئی تھی۔

قیامِ پاکستان کے لئے سرگرم جدوجہد

اس سلسلہ میں عام فتاویٰ اور متفرق مضامین کے علاوہ آپ نے ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں ایک مستقل رسالہ "کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ" تصنیف فرمایا جس میں اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کو نہایت تفصیل سے واضح فرمایا۔ اس موضوع پر یہ پہلی علمی کتاب تھی جس میں غیر مسلموں سے مسلمانوں کی موالات مصالحت اور استعانت کی تمام صورتوں کے علیحدہ علیحدہ شرعی احکام انتہائی خوبی اور تفصیل سے جمع کئے گئے۔ دلائل میں حضرت مفتیٔ اعظم

نے اپنی عادت کے مطابق قرآن و سنت اور فقہی عبارات کے نہایت معتمد شواہد پیش کئے اور عقل و سیاست کے ہر پہلو سے یہ ثابت کیا کہ موجودہ موالات میں کانگریس کی حمایت سے دراصل کفر کی حمایت لازم آئے گی۔ اور اس میں حصہ لینا قرآن و سنت کی رو سے کسی طرح جائز نہیں۔ یہ رسالہ اسی وقت بڑی تعداد میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں اپنے مرشد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دس رسائل، متفرق مضامین اور ملفوظات و مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کر کے کتابی شکل میں "افاداتِ اشرفیہ در رسائل سیاسیہ" کے نام سے شائع فرمایا۔ یہ مجموعہ بھی اس موضوع پر بہت مؤثر ثابت ہوا۔

بروقت ایک اہم فتویٰ ۔ ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات تحریک پاکستان کے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ سہارنپور اور مظفر نگر وغیرہ کے حلقۂ انتخاب سے کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی جانب سے قائدِ ملت لیاقت علی خان مرحوم کھڑے ہوتے جو بعد میں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم بنے۔ یہاں مسلم لیگ کی کامیابی سب ہی کو مشکل نظر آ رہی تھی مگر حضرت مفتی صاحب کے ایک فتویٰ نے فضا یکسر بدل دی۔ یہ فتویٰ پوسٹروں کی شکل میں پورے حلقۂ انتخاب میں چسپاں کیا گیا جس کا بڑا عنوان یہ تھا۔

"کانگریس کی حمایت کفر کی حمایت ہے"

جناب خواجہ آشکار حسین صاحب نے جو مسلم لیگ کی ہائی کمان کی جانب سے اس حلقہ کا جائزہ لینے پر مامور تھے ماہنامہ نقاد میں یہ واقعہ قدرے تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:۔

"سب سے سخت مقابلہ خود لیاقت علی خان کے حلقۂ انتخاب میں تھا۔"

آگے فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم سہارنپور پہنچے وہاں حامیان لیگ نے کہا کہ یہاں مفتی محمد شفیع صاحب کے فتوے کے بغیر کام نہ چلے گا۔ میں نے دیوبند جاکر مفتی صاحب موصوف کا فتویٰ بھی حاصل کیا اور سہارنپور پہنچ کر اس کی طباعت کے انتظامات کرائے۔ ۲۷ رنومبر کو پولنگ ہونے والی تھی۔ ۲۴ رنومبر کو لیاقت علی خان سہارنپور پہنچے۔ میں فوراً ڈاک بنگلہ پہنچا۔ لیاقت صاحب بڑے جوش سے بغل گیر ہوئے اور فتوے کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ میں نے فوراً مفتی صاحب کا فتویٰ پیش کیا دیکھ کر اچھل پڑے پھر حالات کے متعلق استفسار کرنے لگے۔"

(ماہنامہ نقاد کراچی اکتوبر ۱۹۵۲ء)

خطبۂ صدارت جمعیت علماء اسلام حیدرآباد کانفرنس

دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو جانے کے بعد نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی گئی جس کے مقاصد میں سرفہرست یہ تھا کہ مطالبہ پاکستان کے لئے مؤثر جدوجہد کی جائے۔ اور جو مسلمان مطالبہ پاکستان سے منحرف یا تردد کی حالت میں کھڑے ہیں انہیں قیام پاکستان کی مجاہدانہ جدوجہد میں شریک کیا جائے۔ اس جمعیت کے سب سے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی چنے گئے۔ حضرت مفتی صاحب جمعیت کی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ اور باقاعدہ آپ تحریک پاکستان کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔

جمعیت علماء اسلام کی شہر شہر کانفرنسیں ہوتی رہیں اور آپ ان میں شرکت فرماتے اور حصول پاکستان کے لئے خدمات انجام دیتے رہے۔

۲۴ رجنوری ۱۹۴۷ء میں جمعیت علماء اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس

حیدر آباد سندھ میں منعقد ہوئی جس کی صدارت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو کرنا تھی مگر بروقت ان کو شدید علالت پیش آگئی۔ تو حضرت مفتی صاحب کو اس کانفرنس کی صدارت کے لئے سندھ روانہ کیا۔ یہاں کے علماء اور عوام کے عظیم الشان تاریخی اجتماع میں آپ نے جو خطبۂ صدارت پڑھا، سیاست کے اسلامی اصولوں کا بے نظیر مرقع ہے۔ اس میں آپ نے سیاسی قیادت کے شرعی اصول اور غیر صالح امیر کی اطاعت کے شرعی حدود پر سیر حاصل بحث فرمانے کے بعد معترضین کے جوابات اور علماء و عوام کے فرائض دلنشین انداز میں بیان فرمائے۔ یہ خطبۂ صدارت اس زمانہ میں ہزارہا کی تعداد میں طبع ہوا۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد اس کی دوبارہ اشاعت نہ ہو سکی۔

کانگریسی خیال رکھنے والے مسلمان جو گاندھی جی، پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کی قیادت کو شرعاً جائز قرار دے رہے تھے ان کا ایک بڑا اعتراض مسلم لیگ پر یہ تھا کہ اس کے لیڈر علم دین سے بے بہرہ اور اسلامی شعائر سے بے پرواہ ہیں اس لئے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی بجائے کانگریس کی حمایت کرنا چاہیئے۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس اعتراض کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں نہایت بسط کے ساتھ دیا ہے جو قائد اعظم کی قیادت پر ایک اعتراض اور اس کا جواب" کے عنوان سے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوا تھا اب اس کی ذرا تفصیل ماہنامہ البلاغ کے مفتیٔ اعظم نمبر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا کہ "دنیا کے تمام مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر بالکل دوسری ملت ہیں۔ یہ دو متضاد ملتیں بھائی بھائی نہیں ہو سکتیں وطن کی بنیاد پر انہیں ایک قوم یا ایک برادری نہیں کہا جا سکتا" مسلمان دینی

اعتبار سے کتنا بھی گیا گزرا ہو مگر کافر و مشرک سے بہر حال بہتر ہے۔" ہندو اکثریت کی حکومت کو اپنے اوپر اپنے اختیار سے مسلّط کرنا مسلمانوں کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔"

مسلمانوں کو ایک مغالطہ یہ دیا جاتا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی تو ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کیا تھا اگر وہ جائز تھا تو اب کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کیوں جائز نہیں؟ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "مسلم لیگ اور کانگریس کے متعلق شرعی فیصلہ" میں اس کا نہایت مفصل جواب دیا۔ کہ حضرت شیخ الہند نے ہندوؤں کے اشتراک عمل کو اس لئے گوارا کیا تھا کہ اس وقت قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندو اس قیادت کے پیچھے چل رہے تھے چنانچہ اگر ہندوستان اس وقت آزاد ہو اہوتا تو حکومت مسلمانوں کو ملتی۔ ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام میں کافروں سے جزوی طور پر مدد لینا فی نفسہ کوئی ناجائز کام نہیں اور اب معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کہ کانگریس کی قیادت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر پورے ہندوستان کا مرکزی اقتدار کانگریس کو ملا تو پورے ملک پر ہندو اکثریت قائم ہو جائے گی اور اپنے اختیار سے کسی کافر حکومت کو اپنے اوپر مسلط کرنے کی اسلام کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔ حضرت شیخ الہند نے بھی اسے کبھی جائز قرار نہیں دیا۔"

غرض شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں ان حضرات علماء دیوبند نے انتھک جدوجہد اور مجاہدانہ سرگرمی سے کام لے کر قرآن و سنّت کے مدلل قانون مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کر دیئے۔ ان اکابر علماء دیوبند کی تصانیف فتاویٰ، تحریروں اور تقریروں سے مسلمانوں پر جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قیام پاکستان کا مطالبہ درحقیقت قرآن و سنّت کے اصولوں پر مبنی ہے اور

کانگریس کا پھیلایا ہوا کافرانہ جال مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی سے نکال کر ہندوؤں کی بدترین غلامی میں پھانسنے کے لیئے بُنا گیا ہے تو وہ جوق در جوق مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

سلہٹ اور صوبہ سرحد کا ریفرنڈم | حضرت مفتی اعظم اور دوسرے اکابر علماء کی سرگرم جدوجہد کا

یہ نتیجہ نکلا کہ جو ۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے لیئے ہوئے تھے ان میں تمام مسلم نشستیں مسلم لیگ کو ملیں یہ سو فیصد کامیابی قیام پاکستان کے لئے سنگِ میل ثابت ہوئی کیونکہ اسی اسمبلی کو ہندوستان کا آئین بنانا تھا اور ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ بھی بڑی حد تک اسی کو کرنا تھا اس کے بعد ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات میں بھی مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ کا لوہا منوا لیا۔ اور ثابت کر دیا کہ مسلمان ہندوؤں کی غلامی کے لیئے تیار نہیں، بالآخر انگریز، ہندو اور سکھ تینوں قوموں کو مطالبۂ پاکستان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور تقسیم ہند کے لیئے ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کی تاریخ طے ہو گئی قیام پاکستان اور تقسیم ہند کا جو نقشہ تجویز کیا گیا تھا اس پر غور کرنے کے لئے ۹ر جون ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم نے مرکزی اسمبلی کے تمام مسلم ارکان کا اجلاس دہلی میں طلب کیا اگرچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اسمبلی کے رکن نہ تھے مگر خصوصی دعوت پر دونوں حضرات بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اجلاس نے متفقہ طور پر قیام پاکستان کا مجوزہ نقشہ منظور کر لیا مگر ہندو انگریز گٹھ جوڑ نے قیام پاکستان کے فیصلہ میں ایک شق یہ بڑھا دی تھی کہ سلہٹ اور صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوں یا بھارت میں، اس کا فیصلہ وہاں کے عوام سے بذریعہ ریفرنڈم کرایا جائے گا حالانکہ ۴۵ء کے انتخابات

میں یہاں کے مسلمان بھی اپنا ووٹ پاکستان کے حق میں دے چکے تھے مگر یہ شق پنڈت نہرو نے اس وجہ سے رکھوائی تھی کہ صوبہ سرحد میں اس وقت کانگریسی وزارت قائم تھی جو خان برادران چلا رہے تھے ۔ اس کانگریسی وزارت نے بھی گاندھی اور نہرو کے عزائم کے لئے فضا خوب بنائی تھی ۔ اور پاکستان کے حامی سینکڑوں علماء کرام کو جیلوں میں بند کر دیا گیا تھا ۔ اسی لئے مسلمانوں کو سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کی بڑی فکر تھی ۔

یہ تھے وہ حالات جن میں متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے مسلم ارکان کی یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی ۔ اس کانفرنس سے فارغ ہو کر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ۱۱ رجون ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم سے دہلی میں ان کی قیام گاہ پر ملاقات فرمائی ۔ قائد اعظم نے کھڑے ہو کر پرجوش خیر مقدم کیا ۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے قائد اعظم کو حصول پاکستان پر مبارک باد پیش کی ۔ تو انہوں نے کہا :-

" مولانا ! اس مبارک باد کے مستحق تو آپ ہیں اور آپ ہی کی کوششوں سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے "

اس کے بعد قائد اعظم نے کہا کہ :-

" اس وقت سب سے اہم مسئلہ سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کا ہے اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو بہت بڑا نقصان ہوگا "

ان حضرات نے فرمایا کہ :-

" انشاء اللہ پاکستان اس میں کامیاب ہوگا بشرطیکہ آپ اعلان کریں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہوگا " ۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ :-

" میں پاکستان کے مقدمہ میں مسلمانوں کا وکیل تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس

مقدمہ میں کامیاب کیا۔ پاکستان ان کو مل گیا اب میرا کام ختم ہوا اب مسلمانوں کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح کا چاہیں نظام قائم کریں اور چونکہ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہاں اسلامی نظام اور اسلامی ریاست قائم ہو۔"

اسی ملاقات میں یہ طے ہوا کہ سلہٹ کا دورہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی فرمائیں اور سرحد کا دورہ علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مفتئ اعظم فرمائیں گے۔

پختونستان کی سازش

جب تک قیام پاکستان کا فیصلہ نہ ہوا تھا، کانگریس کی طرف سے ایک ہی رٹ لگائی جا رہی تھی کہ ہندوستان میں بسنے والی قومیں ہندو، مسلم اور سکھ وغیرہ خواہ وہ کسی صوبے کے باشندے ہوں، سب مل کر ایک قوم ہیں۔ ان کا وطن بھی ایک ہونا چاہیئے لہٰذا مسلمانوں کی الگ حکومت پاکستان میں قائم کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس پورے عرصہ میں کسی نے پختونستان کا نعرہ بلند نہیں کیا۔ حالانکہ ہندوستان جو چودہ پندرہ صوبوں کا ملک تھا اس میں صوبہ سرحد کی حیثیت ایک چھوٹے سے صوبے کی ہوتی اور متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اقتدار ہمیشہ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہوتا۔ سرحدی گاندھی اور اُن کے ساتھیوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا کہ ہندوستان متحد رہے۔ مرکز میں ہندوؤں کا اقتدار ہو اور صوبہ سرحد کے غیور مسلمان ہندوؤں کے زیر نگین ہوں لیکن جب انگریز اور ہندوؤں نے پاکستان کا مطالبہ مان لیا تو پاکستان کا ہر صوبہ انہیں الگ قوم نظر آنے لگا۔ اور صوبائی قومیت کی بنیاد پر انہوں نے شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور مفتئ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے دورۂ سرحد سے پہلے ہی یہاں پختونستان کا نعرہ بلند کرا دیا۔ چنانچہ:-

" سرحد کی کانگریس پارٹی، خدائی خدمت گار اور زلمئی پختون کی ایک مشترکہ نشست منعقد ہوئی جس میں ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ تمام پختونوں کی ایک آزاد ریاست کا اعلان کیا جائے گا۔ یہ جلسہ سوکڑی ضلع بنوں میں منعقد ہوا تھا۔"

درحقیقت یہ پاکستان کو لنگڑا لولا کرنے کے لئے کانگریس کی ایک چال تھی۔ جس نے ریفرنڈم کی شرط تو رکھوا دی تھی مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی دیکھ کر پریشان تھی کہ قیام پاکستان کے لئے سرحد کے غیور مسلمانوں کا جوش وخروش دوسرے صوبوں سے کم نہیں اور اس کی امید بہت کم تھی کہ کوئی بھی غیرت مند مسلمان صوبہ سرحد کا الحاق پاکستان کی بجائے بھارت کی کافرانہ حکومت کے ساتھ پسند کرے گا اس لئے کانگریس نے مسلمانوں میں صوبہ وارانہ تعصب کی آگ بھڑکا کر یہ چاہا تھا کہ اگر صوبہ سرحد بھارت کو نہ مل سکے تو یہ فائدہ بھی کم نہیں کہ وہ پاکستان سے بھی الگ ایک مستقل ریاست بنے جس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ پاکستان کمزور ہو گا دوسرا یہ کہ پختونستان بھارت کے لئے ایسا نوالہ تر ہو گا۔ کہ اُسے ہڑپ کر جانا اس کے لئے ہر وقت ممکن ہو گا۔ اسی مستقل ریاست کا نام پختونستان رکھا گیا تھا اور یہ نعرہ چونکہ صوبائی تعصب پر مبنی تھا اس لئے اس کے چل جانے کی امید تھی، جس کے لئے کانگریس کے پورے وسائل حرکت میں آچکے تھے۔ سرحد کے دیندار اور غیور مسلمان پختونستان کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے جن میں وہاں کے اس وقت کے مشہور مشائخ پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مگر یہ سب حضرات اس کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ دیوبند کے اکابر یہاں آکر عوام کو صحیح دینی صورت حال سے آگاہ فرمائیں۔ یہاں کے عوام دینی امور میں علماء دیوبند کے علاوہ کسی کی بات پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔

یہ تھے وہ نازک حالات جن میں حضرت شیخ الاسلام کی معیت میں صوبہ سرحد

کا دورہ حضرت مفتیٔ اعظم نے کیا۔ اور بظاہر حالات اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے صوبہ سرحد کے غیور مسلمانوں کو ہندو کی غلامی سے بچایا۔

ریفرنڈم کے موقع پر صوبۂ سرحد کا تاریخی دورہ

یوں تو قیام پاکستان کی جدوجہد میں حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے پورے ہندوستان کے طول وعرض کے دورے کئے اور جگہ جگہ عام وخاص جلسوں سے خطاب فرمایا، آپ کا مدراس اور دکن کا دورہ بھی بہت کامیاب دورہ تھا۔ لیکن ریفرنڈم کے نازک موقع پر صوبہ سرحد کا یہ دورہ تاریخی اور انقلابی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ کانگریس نے "پختونستان" کے پردے میں سرحد کے غیور مسلمانوں کو غلام بنانے اور پاکستان کو لنگڑا لولا کرنے کے لئے جو خطرناک جال پھیلایا تھا وہ اسی دورے سے تار تار ہوا۔ پیر صاحب مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے اس دورے کا انتظام کیا تھا۔ وہ خود بھی ان حضرات کے ساتھ مجاہدانہ سرگرمی سے شریک رہے۔ یہ سخت گرمی کا زمانہ تھا مگر یہ حضرات صوبہ بھر میں شہر شہر، گاؤں گاؤں پھر کر کلمۂ حق پہنچاتے رہے۔

فتح مبین

اللہ تعالیٰ نے ان مخلصانہ کوششوں کو ایسا شرف قبول عطا فرمایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری فضا پاکستان کے حق میں جوش وخروش سے بھر گئی۔ اور جب ریفرنڈم ہوا تو اس میں سرحد کے غیور مسلمانوں نے اپنا فیصلہ دے دیا کہ صوبہ سرحد اور پاکستان ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔

سیاسی مبصرین کی یہ قطعی رائے ہے کہ اگر اس نازک وقت میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرحد کا دورہ نہ فرماتے اور پیر مانکی شریف و پیر زکوڑی شریف کے اپنے اثرات پوری طرح کام نہ کرتے تو ریفرنڈم میں پاکستان کی کامیابی ممکن نہ تھی۔ ریفرنڈم کا جو نتیجہ صوبہ سرحد میں سامنے

آیا۔ سلہٹ کا نتیجہ بھی اس سے مختلف نہ تھا اس محاذ کو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا اطہر علی صاحبؒ نے سر کیا تھا۔ مضبوط پاکستان کے قیام میں یہی ریفرنڈم کا مرحلہ باقی تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ان بوریہ نشین علماء حق کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو سرخروئی عطا فرمائی۔

پہلے جشنِ آزادی پر پاکستان میں پرچم کشائی

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ کی شب کو گویا نزولِ قرآن کی سالگرہ کے وقت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا اقتدار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور پاکستان سب سے بڑی اسلامی مملکت بن کر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا۔ اس روز پاکستان میں جو سب سے پہلا جشنِ آزادی منایا جانے والا تھا اس میں شرکت کے لئے دیوبند سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مفتیٔ اعظمؒ کو بھی مدعو کیا گیا لیکن حضرت مفتیٔ اعظم شدید علالت کے باعث سفر نہ فرما سکے۔ حضرت شیخ الاسلام کراچی تشریف لائے اور قائدِ اعظم کی خواہش پر اس تقریب میں پاکستان کا سبز ہلالی پرچم آپ ہی نے اپنے دستِ مبارک سے بلند فرمایا۔ اُدھر مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے انجام دی۔

تاریخی کارنامہ قراردادِ مقاصد

قیامِ پاکستان مسلمانوں کی جد و جہد کا پہلا مرحلہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی نصرت و حمایت سے نوازا تھا۔ اب دوسرا مرحلہ یہاں اسلامی نظامِ حیات قائم کرنے کا تھا چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اسلامی دستور کی جد و جہد کا آغاز فرما دیا اور یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلامی دستور کا ایک اجمالی خاکہ مرتب کیا جائے تاکہ حکومت کے سامنے مطالبہ

قدرے وضاحت کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ یہ خاکہ مرتب کرنے کے لئے حضرت شیخ الاسلام نے جن اکابر علماء کرام کو خصوصی دعوت دی ان میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب دکنی قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے اسلامی دستور مرتب کرنے کے لئے شب و روز محنت کی اور ایک اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرکے حکومت کو پیش کر دیا۔ اس کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور مفتیٔ اعظمؒ نے ایک تاریخی کارنامہ "قراردادِ مقاصد" کے نام سے منظور کرا کے سرانجام دیا۔ قراردادِ مقاصد جو پاکستان کے ہر آئین میں بطور دیباچہ شامل چلی آ رہی ہے اور ۱۹۷۳ء کے موجودہ آئین میں بھی شامل ہے۔

یہ وہ اہم قومی دستاویز ہے جس میں مملکت خداداد پاکستان کے مقاصد اور قومی جہد و عمل کی سمت، قرآن و سنت کی روشنی میں مقرر کی گئی ہے اور ان بنیادی حدود کا تعین کیا گیا ہے جن پر دستور سازی کے تمام مراحل انجام پائے تھے۔ اور جن کی پابندی دستور ساز اسمبلی کو اور پاکستان کے ہر آئین کو کرنی تھی۔ یہ تاریخی دستاویز پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے سب سے پہلا ٹھوس قدم تھا۔ اب تک پاکستان کے دستور و قانون میں جو جو اسلامی دفعات شامل ہوئیں یا آئندہ شامل ہوں گی وہ سب درحقیقت اسی قراردادِ مقاصد کی مرہونِ منت ہیں۔

قراردادِ مقاصد اگرچہ دستور ساز اسمبلی میں اس وقت کے وزیر اعظم شہیدِ ملت خان لیاقت علی خان مرحوم نے پیش کی تھی۔ مگر اس کا مسودہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مفتیٔ اعظم نے طویل غور و خوض کے بعد مرتب فرمایا تھا اس کی تیاری اور اس کے بعد اسے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے منظور کرانے میں حضرت شیخ الاسلام اور حضرت مفتیٔ اعظم کو طویل علمی اور سیاسی جدوجہد کرنی پڑی۔ برسرِ اقتدار طبقہ کا

ایک گروہ اس راہ میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کر رہا تھا۔ قائد ملت لیاقت علی خاں مرحوم نے اس گروہ کے علی الرغم شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء علماء حق کی حمایت کی اور اسمبلی میں ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد خود پیش کر کے اسے منظور کرایا۔ یہ سب شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور مفتی اعظمؒ کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ الغرض حضرت شیخ الاسلام کی دینی، علمی اور سیاسی جدوجہد میں حضرت مفتی اعظمؒ برابر شریک رہے۔

بورڈ آف تعلیماتِ اسلام کی رکنیت

پھر جب ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے باقاعدہ آئین سازی کا کام شروع کیا تو قائدِ ملت لیاقت علی خان نے ایک ”اسلامی مشاورتی بورڈ“ بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسلامی دستور کا خاکہ تیار کر کے پیش کرے اور اس کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی پاکستان کا آئین تیار کرے۔ یہ بورڈ مندرجہ ذیل چھ حضرات پر مشتمل تھا۔

- حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ صدر۔
- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رکن۔
- جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سابق استاد جامعہ عثمانیہ دکن، رکن
- جناب پروفیسر عبد الخالق صاحب رکن
- جناب ظفر احمد صاحب انصاری سیکرٹری
- جناب جعفر حسین مجتہد شیعہ

مگر علامہ سید سلیمان ندوی اس وقت تک ہندوستان میں تھے پھر پاکستان تشریف لانے کے بعد بھی کافی عرصہ بعد ۱۹۵۲ء میں آپ نے عہدۂ صدارت سنبھالا۔ اس وقت تک یہ بورڈ صدر کے بغیر ہی اپنے فرائض سر انجام دیتا رہا۔ یہ بورڈ ۹ راگست ۱۹۴۹ء

سے اپریل ۱۹۵۴ء تک تقریباً چار سال قائم رہا۔ اور حضرت مفتی اعظم شروع سے آخر تک اس کے ممتاز رکن رہے۔ اس بورڈ نے نہایت عرق ریزی کے بعد دستور پاکستان کے لئے جو سفارشات پیش کی تھیں اگرچہ ۱۹۵۶ء و ۱۹۷۳ء کے دستوروں میں ان کی جھلک موجود تھی لیکن افسوس کہ اس بورڈ کی تمام سفارشات کسی بھی دور کے آئین میں نہ تو تمام کی تمام رُو بہ عمل لائی گئیں نہ انہیں ارباب حل و عقد نے شائع کیا۔

بورڈ آف تعلیمات اسلام کا تعلق تو صرف دستور کی حد تک تھا پاکستان کے موجودہ قوانین سے اس کا تعلق نہ تھا موجودہ قوانین کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالنے کے لئے علامہ سید سلیمان ندوی نے حکومت پر زور دیا تو ۱۹۵۰ء کے اواخر میں ایک لاء کمیشن بنایا گیا جس میں علماء کرام کی جانب سے ابتداء میں صرف علامہ سید سلیمان ندوی کو ممبر بنایا گیا۔ جسٹس رشید اور جسٹس میمن ماہر قانون کی حیثیت سے شریک کئے گئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی وفات کئی ماہ قبل ہو چکی تھی جو حضرت مفتی اعظم کے استاد بھی تھے اور پھوپھی زاد بھی تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے محسوس فرمایا کہ اسلامی قانون کے ماہر کی حیثیت سے لاء کمیشن میں حضرت مفتی صاحب کی شرکت ناگزیر ہے۔ چنانچہ لاء کمیشن میں اپنی شرکت باقی رکھنے کے لئے حکومت کے سامنے یہ شرط رکھ دی کہ حضرت مفتی صاحب کو بھی کمیشن کا رکن بنایا جائے، بالآخر آپ کو اس کی بھی رکنیت قبول کرنی پڑی۔ یہ کمیشن دو سال تک قائم رہا لیکن وزارتوں کے تغیر اور برسر اقتدار طبقہ میں کئی ایسے افراد کی طرف سے مسلسل رکاوٹوں کے باعث جو اس ملک میں اسلامی نظام دیکھنے کے روادار نہ تھے اس کمیشن کی مساعی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکیں۔

ایک موقع پر اس کمیشن کی ایک میٹنگ میں حضرت مفتی صاحب نے کمیشن کے چیئرمین کو جو ایک جسٹس تھے مخاطب کر کے فرمایا:-

"کہ قانون سازی کے کام کو اسلام کے رخ پر آپ چلنے نہیں دیتے اور غلط رخ میں نہیں چلنے دوں گا نتیجہ یہ ہو گا کہ گاڑی یہیں کھڑی رہے گی"

چنانچہ یہی ہوا، گاڑی کھڑی رہی۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام کی قیادت

۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مرکزی جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے لیکن ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء میں حضرت سید صاحب کی وفات کے بعد جہاں دستوری مساعی کی دوسری ذمہ داریاں حضرت مفتی صاحب کے کاندھوں پر آپڑیں۔ اسی کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کی صدارت بھی آپ کو سونپ دی گئی۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب مغربی پاکستان میں ایک اور جمعیت اسی نام سے قائم ہو چکی تھی جس کا مرکزی جمعیت سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے اسلامی دستور کی جدوجہد کے ساتھ ہی شب و روز کی مساعی سے ان منتشر جماعتوں کو مرکز سے مربوط کیا اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفۂ خاص حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے اس شرط پر صدارت قبول فرمائی کہ جمعیت کی ذمہ داری کا تمام کام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب انجام دیں اور اس مقصد کے لئے حضرت مفتی صاحب کو جمعیت کا قائم مقام صدر بنا دیا گیا۔ جتنے سرکاری اداروں میں آپ بحیثیت ممبر شریک ہوتے ان سب میں آپ نے اپنی شرکت کی یہ شرط ارباب حل و عقد سے ہمیشہ منوائی کہ ہم پر عوامی تقریر و تحریر پر وہ پابندیاں عائد نہیں ہوں گی جو سرکاری ملازمین پر ہوتی ہیں۔ چنانچہ صدارت جمعیت علماء اسلام سے پہلے اور بعد میں آپ نے جمعیت کی جانب سے تحریک دستور اسلامی کے لئے مشرقی و مغربی پاکستان کے طول و عرض کے بار بار دورے کئے اور ضلع ضلع

میں پہنچ کر اسلامی دستور کے لیے عوامی شعور کو بیدار کیا۔ مغربی پاکستان کا ایک دورہ جو ۱۸ / دسمبر ۱۹۵۵ء سے ۳ / جنوری ۱۹۵۶ء تک جاری رہا اس میں حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی کو بھی شرف ہمرکابی حاصل ہوا۔ قائم مقام صدر جمعیت علماء اسلام کی حیثیت سے آپ نے تقریباً ۳ سال تک جمعیت کی خدمات انجام دیں۔ آپ کی مساعی جاری تھیں کہ ملک میں انقلاب آیا اور جنرل محمد ایوب خان مرحوم نے مارشل لگا کر تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دیدیا دورانِ مارشل لاء میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ صدر جمعیت علماء اسلام بھی رحلت فرما گئے۔ پھر جب مارشل لاء ہٹا اور جماعتیں دوبارہ منظم ہوئیں تو جمعیت علماء اسلام کے نام سے بعض علماء کرام نے ایک نئی تنظیم قائم فرمائی۔ اس لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اصل جمعیت علماء اسلام کی تنظیم جدید کرنے سے باز رہے تاکہ علماء کرام کے مابین تفرقہ پیدا نہ ہو اور پاکستان میں اسلامی نظام کے لئے انفرادی طور پر علمی و عملی میدانوں میں کوشش فرماتے رہے جس کی تفصیل بہت زیادہ ہے اس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ جب ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے کچھ پہلے سیاسی ہنگاموں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ پاکستان میں خالص اسلامی حکومت کے بجائے کمیونزم اور سوشلزم پھیل جانے کے خطرات قوی ہو گئے۔ اور سوشلزم کو عین اسلام باور کرانے کے لئے پروپیگنڈہ اور جلسے جلوس عام ہو گئے تو اس مسئلہ کی نزاکت نے پھر حضرت مفتی اعظم کو مرکزی جمعیت علماء اسلام کے احیاء پر مجبور کر دیا کیونکہ ضابطہ میں قائمقام صدر آپ ہی تھے۔ چنانچہ مغربی و مشرقی پاکستان کے تمام ارکان جمعیت کا اجلاس بلا کر جمعیت کی صدارت تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی طرف منتقل فرما دی اور خود کسی عہدے کے بغیر مرکزی جمعیت علماء اسلام کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے اسلام اور سوشلزم کے درمیان جو بنیادی خلیج حائل ہے۔ اسے تحریر و تقریر کے ذریعہ

واضح فرمایا۔ آپ نے ایک رسالہ "اسلام کا نظامِ تقسیم دولت" اور دوسرا رسالہ "اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی" اسی دور میں تصنیف فرمائے۔ جو کثیر تعداد میں شائع ہوئے۔ تقریباً ایک سال اس جدوجہد میں صرف ہوا۔ جس سے مسئلہ کی وضاحت تو بحمداللہ پوری طرح ہوگئی مگر سیاست کے میدان میں مسائل اور حقائق سے زیادہ زور روزر کام کرتے ہیں۔ انتخابات کا نتیجہ بالکل برعکس نکلا اور اس کے اثر سے پاکستان پر جو زوال آنا تھا آگیا۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

تاسیس دارالعلوم کراچی

ہجرت پاکستان کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دو کاموں کو اپنا مقصد زندگی بنالیا تھا۔ ایک پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد، دوسرے کراچی میں یہاں کے شایانِ شان دارالعلوم کا قیام ابتدائی دو سال تو قرار دادِ مقاصد اور اسلامی دستور کی جدوجہد جو انتہائی بے سروسامانی میں ہو رہی تھی اسی کی مشغولیت اتنی رہی کہ دارالعلوم کے قیام میں کامیابی نہ ہو سکی۔ فتاویٰ کا مشغلہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونے کے بعد بھی آپ کا جزوِ زندگی بنا رہا مگر اس عرصہ میں جو فتاویٰ لکھے گئے وہ کسی رجسٹر میں نقل کئے بغیر ہی روانہ کر دئے جاتے تھے نقل کا کوئی انتظام نہ تھا البتہ نہایت اہم اور منتخب فتاویٰ آپ خود ہی ایک رجسٹر میں نقل فرمالیا کرتے تھے۔

جیکب لائن سے آپ کی رہائش آرام باغ کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں منتقل ہوئی تو مسجد باب السلام کے احاطہ میں دروازہ کے اوپر آپ نے ایک کمرہ دارالافتاء کا تعمیر کرایا تاکہ فتویٰ حاصل کرنے والوں کو سہولت ہو۔ نقلِ فتویٰ اور دارالافتاء کے انتظام کے لئے ایک صاحب کو تنخواہ پر رکھ لیا اور فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے کے لئے مولانا فضل محمد صاحب سواتی اور مولانا امیر الزمان صاحب کشمیری

کو مقرر فرمایا۔ یہ دونوں حضرات حضرت مفتی صاحب کے شاگرد ہیں۔ اسی سال اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ محلہ نانک واڑہ میں سکھوں کے زمانے کے ایک اسکول کی خالی عمارت دارالعلوم کے لئے عطا فرما دی۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے داماد جناب مولانا نور احمد صاحب کو ساتھ لے کر چندے کی اپیل یا ساز و سامان کے بغیر نہایت سادگی سے اس عمارت میں مدرسہ قائم فرما دیا۔ ایک استاذ اور چند طلبہ سے اس مدرسہ کا محض اللہ کے بھروسہ پر آغاز ہوا۔ اس وقت تک کراچی میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کے سوا کوئی مدرسہ نہ تھا بلکہ پورے پاکستان میں گنے چنے ہی مدارس تھے علوم دینیہ کے طلبہ پریشان تھے یہ مدرسہ کھلا تو ملک کے اطراف و اکناف سے طلبہ آنے شروع ہو گئے اور چند مہینے کے اندر اندر یہی مدرسہ "دارالعلوم کراچی" بن گیا اب دارالافتاء بھی یہیں منتقل ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب کا جو وقت دستوری جدوجہد سے بچتا تھا وہ درس و فتویٰ اور دارالعلوم کی انتظامی نگرانی میں یہیں صرف فرمانے لگے۔ حضرت مفتی صاحب دارالعلوم کے صدر تھے۔ اور آخر تک صدر رہے۔ جناب مولانا نور احمد صاحب دارالعلوم کے سب سے پہلے ناظم تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں وہ نہایت ہی جانفشانی سے دارالعلوم کا انتظام کئی سال تک چلاتے رہے۔

دارالعلوم کے ہر شعبہ میں کام جس تیز رفتاری سے بڑھ رہا تھا اس کے سامنے موجودہ عمارت بہت تنگ محسوس ہونے لگی۔ ادھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد حضرت مفتی صاحب کی دلی تمنا تھی کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کے شایانِ شان دارالعلوم قائم ہو۔ اس کے لئے وہ احاطہ زمین جس میں حضرت شیخ الاسلام کا مزار ہے شب و روز کی جدوجہد سے باضابطہ حاصل فرمایا اور دارالعلوم کو وہیں منتقل کرنے کے خیال سے نقشہ منظور کرا کے تعمیر کا کام شروع

کرا دیا، مگر بعض لوگوں کی مزاحمت کے باعث کُھدی ہوئی بنیادیں اسی حال میں محض جھگڑا ختم کرنے کے لئے چھوڑ کر نانک واڑہ تشریف لے آئے حکومت اور رفقاء کار نے بہت زور دیا کہ تعمیر جاری رکھی جائے۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ:-

" دارالعلوم بنانا فرض کفایہ اور مسلمانوں کو جھگڑے سے بچانا فرض عین ہے فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں لگنا دین کی صحیح خدمت نہیں میں جھگڑا مول لے کر یہاں ہرگز دارالعلوم نہ بناؤں گا "

تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے کورنگی میں حضرت مفتی صاحب کو چھپّن ایکڑ زمین دارالعلوم کے لئے عطا فرما دی۔ تو جدید تعمیرات بقدر ضرورت مکمل ہو جانے کے بعد دارالعلوم یہاں منتقل فرما دیا۔ اور نانک واڑہ کی عمارت میں دارالعلوم کے چند شعبے رہ گئے۔

بورڈ آف تعلیمات اسلام کی رکنیت سے فارغ ہو جانے کے بعد آپ کی مصروفیات دارالعلوم میں بڑھتی چلی گئیں۔ پھر جب جنرل محمد ایوب خان کی حکومت آئی اور عوامی سطح پر اسلامی دستور و قانون کے لئے جدوجہد کے راستے مسدود ہو گئے تو آپ کی تمام تر توجہات کا مرکز یہی دارالعلوم بن گیا اور لسبیلہ چوک کے پاس اپنا ذاتی کشادہ مکان جو نہایت شوق و محنت سے کتنی ہی تکلیفیں جھیل کر اپنی ضروریات کے مطابق تعمیر کیا تھا اسے چھوڑ کر مستقل رہائش دارالعلوم کے احاطہ کورنگی ہی میں اختیار فرمالی اور یہاں کئی سال تک کھپریل کی چھت کے صرف دو کمروں میں بسر ہوئے۔ زندگی کے آخری لمحات تک درس و فتوای، اصلاح و ارشاد اور انتظام دارالعلوم میں مشغولیت رہی۔ احاطۂ دارالعلوم کے اسی مکان میں ۱۰ر شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء میں رحلت فرمائی اور احاطۂ دارالعلوم ہی کے قبرستان میں اب محوِ آرام ہیں۔ ناریل کے اُن درختوں کے سایہ تلے جو پندرہ سال

قبل خود کھڑے ہو کر لگائے تھے بہرحال حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے خلوص وللہیت کا یہ ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم کو دنیا کے عظیم دینی مدارس کی صف میں لاکھڑا کیا اور پاکستان کے عظیم ترین دینی اداروں میں اسے ممتاز مقام حاصل ہے دارالعلوم اور دین کے مختلف شعبوں میں اس کی عظیم الشان خدمات حضرت مفتی اعظم کا ایسا صدقہ جاریہ ہے جو انشاء اللہ صدیوں باقی رہے گا۔

دارالعلوم کی مفصل تاریخ اس کی خدمات کا جائزہ اور اس کے مختلف شعبوں کا تعارف اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے اس کی کچھ تفصیلات ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر میں ملاحظہ فرمائیے۔

تصانیف و تالیفات حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جہاں دوسری دینی و علمی خدمات مسلم ہیں۔ وہاں تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی آپ کا ایک مستقل محبوب مشغلہ تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت کی تصانیف اکثر اردو میں اور کئی عربی زبان میں ہیں۔ تصانیف کی کل تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔ صرف فقہی موضوعات پر آپ کی پچانوے تصانیف ہیں یہاں صرف ان کی چند ممتاز تصانیف کا ذکر پیش خدمت ہے۔

تفسیر و حدیث۔ تفسیری خدمات میں "تفسیر معارف القرآن" ۸ جلدوں میں ایک مشہور زمانہ تفسیر ہے۔ جس کی اس دور میں نظیر نہیں ہے۔ "احکام القرآن" عربی دو جلدوں میں فقہی دلائل کا خزانہ ہے۔ حدیثی خدمات میں تقریر ترمذی اکابر علماء دیوبند کا سلسلۂ اسنادِ حدیث، مختصر چہل حدیث، اسلامی معاشیات پر چہل حدیث وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فقہ۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ امداد المفتین۔ اسلام کا نظام اراضی۔ آلاتِ جدیدہ، مسئلہ سود۔ آداب المساجد۔ تصویر کے شرعی احکام۔ بیمہ زندگی اور

"جواہر الفقہ" وغیرہ فقہی کتب ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے رسائل فقہی مسائل پر شائع ہوئے ہیں۔

عقائد وکلام ۔ ایمان وکفر قرآن کی روشنی میں"، مقام صحابہؓ"، ختم نبوت کامل۔ نزول المسیح عربی۔ ہدیۃ المہدئیین فی آیات خاتم النبیین عربی۔ ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری۔ مشرقی اور اسلام۔ سنت و بدعت وغیرہ۔

معیشت وسیاست ۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت۔ اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات۔ دستور قرآنی۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق۔ ووٹ کی شرعی حیثیت۔ سرمایہ داری، سوشلزم اور اسلام۔ خطبہ صدارت کل ہند جمعیت علمار اسلام حیدر آباد کانفرنس۔ افادات اشرفیہ و رسائل سیاسیہ۔ جہاد پاکستان۔ اور وحدت امت وغیرہ وغیرہ۔

سیرت وتاریخ ۔ سیرت خاتم الانبیاءؐ۔ آداب النبیؐ۔ شہادت کائنات شہید کربلا۔ ذوالنون مصری۔ فتوح الہند۔ دو شہید اور درس عبرت وغیرہ۔

اصلاح وارشاد ۔ گناہ بے لذت۔ گناہوں کا کفارہ۔ بسم اللہ کے فضائل۔ روح تصوف۔ مصیبت کے بعد راحت۔ ذکر اللہ اور درود وسلام کے فضائل۔ آداب الشیخ والمرید۔ خلاصہ وتسہیل قصد السبیل۔ دل کی دنیا۔ ملفوظات امام مالکؒ۔ مقدمہ حیٰوۃ المسلمین۔

تعلیم وتبلیغ ۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا نظام تعلیم۔ طلبہ کے نام دو اہم پیغام اور وصیت نامہ وغیرہ۔

زبان وادب ۔ کشکول اردو وفارسی کلام نظم ونثر۔ نفحات عربی نظم ونثر کا مجموعہ۔ تحفۃ الوطن۔ شرح نفحۃ الیمن عربی وغیرہ۔

متفرقات ۔ اسلام میں نظام مساجد۔ میرے والد ماجد۔ نقوش و

تاثرات، مجالس حکیم الامت، مکاتیب حکیم الامت۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کا مزاج و مذاق۔ تاریخ قربانی۔ مقدمہ امداد الفتاوٰی۔ مقدمہ فتاوٰی دارالعلوم وغیرہ وغیرہ۔

(تفصیل خدمات کے لئے البلاغ مفتی اعظم نمبر ملاحظہ فرمایئے)
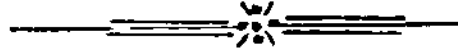
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

آپ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے والد کی طرف سے صدیقی النسب اور والدہ کی طرف سے فاروقی النسب تھے۔ آپ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ کو شہر بھوپال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحبؒ جید عالم دین تھے حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان کے پیر بھائی بھی تھے اور اس کے علاوہ گہرے ذاتی تعلقات بھی تھے خاندان کی مذہبی روایات کے مطابق آپ کی تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن سے کرائی گئی اور نو برس کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہوئے۔ پھر ابتدائی دینی تعلیم حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے زیر نگرانی مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کیا گیا۔ خود حضرت تھانوی آپ کو سہارنپور لے گئے اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے سپرد کر دیا۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر مروّج

علوم کی تکمیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے کی۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری مولانا حافظ عبداللطیف صاحب اور مولانا ثابت علی صاحبؒ جیسے جلیل القدر علماء و اساتذہ سے علمی استفادہ کیا۔ اور ۱۹ برس کی عمر میں ۱۳۳۶ھ میں سند فراغ حاصل کی۔ مظاہر العلوم سے سندِ فراغت حاصل کرکے آپ دارالعلوم تشریف لے گئے اور وہاں دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے مایۂ ناز اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔

تعلیمی و تدریسی خدمات

۱۳۳۸ھ سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے مدرسہ امینیہ سے تعلق قائم ہوا۔ مدرسہ امینیہ کا یہ وہ دور تھا جب مفتی کفایت اللہؒ صاحب مدرسہ کے روحِ رواں تھے لیکن مدرسہ امینیہ سے آپ کا تعلق صرف ایک سال قائم رہا۔ آئندہ سال دارالعلوم دیوبند کی کشش آپ کو دارالعلوم کھینچ لائی۔ آپ کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ جن عظیم اساتذہ کے آگے ایک سال قبل زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ وہی آپ کو تدریس کی دعوت دیں۔ قدرت نے یہ شرف بخشا۔ کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے جلیل القدر علماء و اساتذہ کے پہلو بہ پہلو مسندِ درس پر فائز ہوں۔ دارالعلوم میں پہلے ہی سال جو اسباق دئے گئے ان میں ہدایہ اور مقاماتِ حریری جیسی مشکل کتابیں تھیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"مجھے کبھی ابتدائی کتابیں نہیں دیں، شروع ہی سے مشکل اور اہم کتابوں کی تدریس کا آغاز کیا۔ دارالعلوم دیوبند سے یہ تعلق کم و بیش نو برس قائم رہا۔ اس زمانہ میں حضرت نے بعد نمازِ فجر قرآنِ حکیم کا درس نودرہ میں بھی دیا جس میں متوسط اور منتہی

طلبا شریک ہوتے تھے۔ آپ کا یہ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا جس میں تفسیر، حدیث، علم کلام اور فقہ کے اہم مسائل پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ طلبا اس کثرت سے شامل ہوتے کہ نودرہ بھر جاتا۔ اور بہت سے طلبا، باہر بھی کھڑے ہو جاتے، کئی طلبا تفسیری نکات کو قلم بند کرتے۔ اس درس قرآن کا دار العلوم اور اساتذہ و طلبار پر خاص اثر ہوا۔

حیدر آباد دکن میں

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم دیوبند سے حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے استعفا دے دیا۔ تو حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کو یہ پسند نہ تھا کہ وہاں اپنے علمی و تدریسی شغل کو جاری رکھیں۔ نیز حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی سے تعلقات تھے ان کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا اس لئے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مرحوم دار العلوم کو خیر باد کہہ کر حیدر آباد دکن جاکر وکیل فیض الدین مرحوم کے ہاں اقامت پذیر ہوئے۔

وکیل صاحب مرحوم کو بڑا علمی ذوق تھا۔ بڑا عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا۔ حضرت مولانا کاندھلوی مرحوم کے قیام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر وکیل صاحب موصوف نے صحیح بخاری کا درس لینا شروع کر دیا اور ایک صد ماہوار مشاہرہ بھی مقرر کیا حضرت کاندھلوی مرحوم کو یہ فرصت کے لمحات بڑے مغتنم مل گئے۔ تمام رات فتح الباری کا مطالعہ کرتے تھے اور "متنی فتح الباری" مطالعہ کی آتنا ہی سبق پڑھا دیا کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کاموں کے لئے بھی فرصت مل گئی۔ اسی دوران حج بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین مرحوم کی رفاقت میں سفر حج کیا گیا۔ اسی مدت قیام میں حضرت مولانا مرحوم نے "التعلیق الصبیح" عربی شرح "مشکوٰۃ المصابیح" لکھی۔ اور دمشق جاکر اس کی چار جلدیں طبع کرائیں۔ اور اس طرح ۱۳۴۷ھ سے

۱۳۵۷ھ تک آپ کا قیام حیدرآباد دکن میں رہا۔ حیدرآباد دکن کے زمانۂ قیام میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مولانا عبدالباری ندوی آپ کے خاص احباب ورفقاء میں تھے۔ ان حضرات کی مجالس کی رونق عجیب ہوتی تھی۔ اور ان مجلسوں میں متعدد اہلِ علم، وکلاء صحافی اور علماء ومشائخ کی شرکت بھی ہوتی تھی۔

(بحوالہ ماہنامہ بینات کراچی)

بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

مولانا محمد میاں صدیقی لکھتے ہیں کہ :-

۱۹۲۹ء میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم کی انتظامیہ سے اختلاف کی بناء پر ڈابھیل ضلع سورت چلے گئے تھے اور ان دونوں حضرات کی وجہ سے وہاں اہلِ علم وفضل کا اجتماع ہو گیا تھا۔ ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء میں دوبار آپ کو بھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی طرف سے دعوت دی گئی مگر آپ نے قبول نہ کی اور حیدرآباد دکن کو ترجیح دی۔ اگرچہ وہاں نہ دارالعلوم سے وابستگی جیسی نعمت تھی اور نہ علامہ کشمیری اور علامہ عثمانی جیسے علم وحکمت کے سرچشموں سے قرب حاصل تھا۔ مگر اس اعتبار سے وہاں کا زمانۂ قیام آپ کی زندگی کا قیمتی حصہ گردانا جاسکتا ہے۔ کہ "التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" جیسی عظیم اور مایہ ناز کتاب کی تالیف کا موقع ملا۔ اور اس کی ابتدائی چار جلدیں وہیں کے دوران دمشق جاکر طبع کرائیں اور التعلیق الصبیح کی تالیف واشاعت ہند سے نکل کر عرب ممالک میں آپ کے تعارف کا ذریعہ بنی۔

اس کے بعد جب علامہ شبیر احمد عثمانی دوبارہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم بن کر ڈابھیل سے واپس دارالعلوم تشریف لائے تو وہاں شعبۂ تفسیر کا اجراء کیا گیا اور شیخ التفسیر کے عہدۂ جلیلہ کے لئے علامہ عثمانی اور علامہ قاری محمد طیب مہتمم

: دارالعلوم نے آپ کو دوبارہ دارالعلوم آنے کی دعوت دی جس وقت آپ کو یہ دعوت دی گئی اس وقت آپ کو حیدرآباد میں ڈھائی سو روپے ماہانہ سے زیادہ مشاہرہ مل رہا تھا اور دیوبند میں صرف ستّر روپے ماہانہ کی پیش کش کی گئی کیونکہ اس وقت وہاں اساتذہ کی تنخواہوں کا یہی معیار تھا۔ تمام احباب اور گھر والوں نے شدید مخالفت کی اور کہا کہ ڈھائی سو روپے چھوڑ کر ستّر روپے ماہانہ پر جانا کہاں کی عقل مندی ہے مگر قدرت نے آپ کو جس قناعت سے نوازا تھا اس کا اندازہ دوسرے نہیں کر سکتے تھے۔ احباب اور گھر والوں سے کہہ دیا خواہ تنگی ہو یا فراخی ہیں دارالعلوم کی دعوت کو رد نہیں کر سکتا۔ اور آپ نے دارالعلوم کی درخواست قبول کر لی۔ اور اس طرح حیدرآباد دکن کو خیرباد کہہ کر بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند چلے آئے۔ دارالعلوم میں تقریباً دس برس بحیثیت شیخ التفسیر علمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے تفسیر بیضاوی اور ابن کثیر کے علاوہ ابوداؤد اور طحاوی بھی بارہا پڑھائی۔ اس طرح سے آپ نے ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۴۶ھ تک اور پھر ۱۳۵۸ھ سے ۱۳۶۸ھ تک دارالعلوم دیوبند میں مسندِ حدیث و تفسیر کو رونق بخشی اور اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس دوران ہزاروں طالبانِ علم نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا محمد یوسف بنّوری۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ مولانا سید محمد میاں دیوبندی۔ مولانا معراج الحق صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ مولانا محمد سالم قاسمی۔ مولانا سید محمد اسعد مدنی۔ مولانا عبیداللہ انور مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی۔ مولانا محمد مالک کاندھلوی۔ مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی۔ مولانا عبیداللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔ مولانا عبدالرحمٰن نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ

مولانا پروفیسر انوارالحسن شیرکوٹی مرحوم۔ ڈاکٹر رشید احمد جالندہری، ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی۔ مولانا عبدالحلیم قاسمی۔ مفتی نذیر احمد کشمیری۔ مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور مولانا مشرف علی تھانوی وغیرہ نامور علمار کرام شامل ہیں۔

(تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق

مدرسہ امینیہ دہلی، حیدرآباد دکن اور دارالعلوم دیوبند میں اپنے فیض علمی سے ہزاروں افراد کو فیض یاب کرنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں آپ پاکستان تشریف لائے یہاں آتے ہی امیر ریاست بہاولپور کی دعوت پر بطور شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور تشریف لے گئے۔ اور وہاں تقریباً دو سال تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر جب لاہور میں حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سعی و کاوش سے جامعہ اشرفیہ کے نام سے ایک عظیم دینی درسگاہ کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ تو آپ حضرت مفتی صاحب کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے آئے۔

واقعہ یوں ہوا کہ تقسیم ہند کے خونچکاں ہنگاموں اور واقعات نے علم و حکمت کے جن موتیوں کو بکھیر دیا تھا حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب انہیں سمیٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی دوران مولانا محمد ادریس صاحب جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں شمولیت کی خاطر لاہور تشریف لائے۔ حضرت مفتی صاحب کی نگاہِ انتخاب نے اس پیکرِ علم و عمل کو اپنی درسگاہ کے لئے چن لیا اور فرمایا کہ:-

"مولانا! میں آپ کو میٹھا اور پلاؤ چھوڑ کر سوکھی روٹی کی دعوت دیتا ہوں۔"

مولانا نے بلا تامل جواب دیا۔ "حضرت! خدمت دین کی خاطر مجھے منظور ہے۔"

مولانا کاندھلوی کو احساس تھا کہ جامعہ عباسیہ بہاولپور سے وابستگی کی صورت میں شاید خدمت دین کا حق ادا نہ ہو سکے اس لئے ان تمام مادّی منافع سے قطع نظر کرلی جو سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے۔ چنانچہ جامعہ اشرفیہ لاہور چلے آئے۔ اور زندگی کے آخری لمحہ تک جامعہ اشرفیہ سے وابستہ رہے۔ جامعہ اشرفیہ کے چوبیس سالہ عرصۂ تدریس میں بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں طلبا نے آپ سے درس حدیث لیا۔ اور فراغت کے بعد آج خود بھی اپنی اپنی جگہ درس و تدریس میں مشغول ہیں۔

آپ نے ۸ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ۔ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

تبلیغی و تصنیفی خدمات

یوں تو پورے برصغیر پاک و ہند میں آپ نے تبلیغی فرائض انجام دئے۔ بڑے بڑے شہروں میں دینی درسگاہوں کے سالانہ جلسوں میں آپ تبلیغ دین کی غرض سے شمولیت فرماتے رہتے تھے لیکن آپ کی تبلیغ اور دعوت و ارشاد کا پاکستان میں اصل مرکز نیلا گنبد رہا۔ جامع مسجد نیلا گنبد لاہور میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمانے کا معمول تھا۔ اس مسجد میں ممتاز وکلاء، مصنف اور بڑے بڑے ذمہ دار افسر خطبۂ جمعہ سننے کے لئے آتے اور محظوظ ہوتے۔ آپ کے بعض خطبات جمعہ کتابچوں کی صورت میں شائع بھی ہوئے۔ اس کے علاوہ مستقل مشغلہ تدریس رہا اور اس کے ساتھ ساتھ تصنیفی خدمات بھی انجام دیں۔ اور تقریباً تمام دینی موضوعات پر قلم اٹھایا جس موضوع پر قلم اٹھایا اس پر لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ایک سو سے زائد ہے جن میں "التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح"، بقول علامہ قاری محمد طیب صاحب، آپ کا علمی شاہکار ہے۔ جو پانچ جلدوں میں ہے۔ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا

مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"مولانا کاندھلوی مرحوم کے علمی کمالات کا کچھ اندازہ ان کی تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے۔ حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف پر آپ کی مفصل شرح تو عرصہ دراز سے علماء و طلباء میں خاص مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔"

اس کے علاوہ چند مشہور تصانیف یہ ہیں۔

تفسیر "معارف القرآن" یہ اردو میں ایک علمی تفسیری خزانہ ہے اور اپنی نظیر آپ ہے۔ "الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی" یہ عربی میں ہے اور ۲۲ جلدوں میں ہے۔ "دلائل الفرقان علی مذہب النعمان" عربی۔ "اعجاز القرآن" اردو۔ "مقدمۃ الحدیث" "کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ"۔ "القول المحکم"۔ "الدین القیم"۔ "سیرت المصطفیٰ" اردو چار جلد۔ "خلافت راشدہ"۔ "تحفۃ القاری فی حل مشکلات البخاری"۔ "حجیت حدیث"۔ "عقائد اسلام"۔ "اصولِ اسلام"۔ "علم الکلام"۔ "دعوتِ اسلام"۔ "احسن الحدیث"۔ "اسلام اور نصرانیت"۔ "اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف"۔ "دستورِ اسلام"۔ "نظامِ اسلام"۔ "اسلام اور اشتراکیت"۔ "شرائط نبوت" اور "شرح حدیث افتراقِ امت" وغیرہ وغیرہ۔

مرزائیت و عیسائیت کے خلاف جہاد

آپ کی تصنیفی و تالیفی زندگی کا عرصہ نصف صدی سے بھی زائد پر پھیلا ہوا ہے۔ اس پورے عرصے میں دو قسم کی کتابیں اور رسائل تصنیف و تالیف کئے۔ ایک وہ جو مثبت انداز میں تھے اور دوسرے وہ جن سے براہِ راست کسی نظریے کا رد کرنا مقصود تھا۔ جن غلط اور باطل نظریات کے رد میں سب سے زیادہ کتابیں، رسائل اور مضامین لکھے وہ قادیانیت، عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث اور انکارِ حدیث ہیں۔ عیسائی اور قادیانی مذہب کے بڑے بڑے استاد

آپ کو نوجوانی ہی سے یعنی ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے۔ قادیانی فتنہ اس وقت اپنی زندگی کے ابتدائی مگر انتہائی خطرناک مراحل میں داخل ہو چکا تھا برصغیر کے سبھی علماء اس فتنۂ ارتداد کے مقابلے اور سدِ باب کے لئے سینہ سپر تھے۔ ہر طرف تحریر، تقریر اور مناظروں کا ہنگامہ بپا تھا۔ عیسائی حکومت برسر اقتدار تھی اور وہ بھی ایسی حکومت جس کی قادیانیوں کو مکمل حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ علمائے حق قادیانیوں سے مناظرے ہی کر سکتے تھے۔ ان کے کفریہ عقائد اور دعاوی کا تحریری اور تقریری طور پر دلائل و براہین سے رد ہی ممکن تھا۔ چنانچہ علماء نے اس ضمن میں اپنا فرض بخوبی ادا کیا اور خاص طور پر دہلی، یوپی اور پنجاب کے علماء نے اُمتِ مسلمہ کو عہدِ حاضر کے اس فتنۂ کبریٰ سے بچانے کے لئے اپنی تمام تر علمی فکری اور عملی صلاحیتوں سے کام لیا اپنے قابلِ فخر اساتذہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کے ہمراہ کئی بار قادیان، فیروز پور، گورداسپور اور لاہور آنا ہوا۔ اور ایسی ایمان افروز تقریریں کیں کہ استادوں کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

"دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس کے دوران اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاذ محترم حضرت علامہ کشمیری صاحبؒ فرما رہے تھے۔ عام مسلمانوں میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا۔ اس دورے میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ اور احقر کو حضرت شاہ صاحبؒ کا ہمسفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں یہ طے ہوا کہ ہر سال ایک جلسہ خود قادیان میں کیا جائے۔ جس میں مرزا کے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے۔ ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع ملا۔ فیروز پور پنجاب میں

قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو ان سے مناظرے کے لئے دار العلوم دیوبند کی طرف سے مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیقِ سفر رہے خود حضرت شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی پہنچ گئے۔ تین روز یہ مناظرہ جاری رہا۔ حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہ اور کوشش نے چند سال میں ایسا کر دیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانیت نے دم توڑ دیا اور یہ لوگ مناظرے، مباہلے کا نام چھوڑ کر زیرِ زمین سازشوں میں مصروف ہو گئے۔

(بحوالہ مقالہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مطبوعہ ماہنامہ البلاغ، کراچی)

قادیانیوں کے خلاف باقاعدہ تحریری جہاد کا آغاز ۱۳۴۲ھ/۳۲-۱۹۲ء سے "کلمۃ اللہ فی حیاتِ روح اللہ" کے نام سے ایک کتاب لکھ کر کیا۔ دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"اس دورِ پُرفتن میں ہر طرف سے دین پر فتنوں کا ہجوم ہے جس میں ایک بہت بڑا فتنہ مرزائیت کا ہے۔ اس فتنے کا بانی منشی مرزا غلام احمد قادیانی ہے اولاً اس نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر مثیلِ مسیح ہونے کا۔ پھر مسیح اور عیسیٰ ہونے کا اور اپنی مسیحیت کی دھن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مدعی بنا۔ اور ان کے رفع الی السماء کو محال قرار دیا۔ اور صدہا اوراق اس بارے میں سیاہ کئے۔ علماء اہلسنت والجماعت نے ردِّ مرزائیت پر عموماً اور حیاتِ عیسیٰ پر خصوصاً مفصل، مختصر اور متوسط کتابیں تالیف فرمائیں۔ اور بارگاہِ خداوندی سے اجر حاصل کیا۔ ۱۳۴۲ھ میں اس ناچیز اور بے بضاعت نے بھی ایک رسالہ "کلمۃ اللہ فی حیاتِ روح اللہ" کے نام سے لکھا تھا۔ جس کو حضرت مخدومنا مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے اپنے اہتمام سے شائع فرمایا تھا۔

(حیاتِ عیسیٰ طبع ملتان ۱۳۷۶ھ ص ۳، ۴)

حیاتِ عیسیٰ میں قرآنی آیات اور احادیثِ صحیحہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ:-

"کسی جسمِ عنصری کا آسمان پر اٹھایا جانا نہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے نہ سنت اللہ سے متصادم ہے۔ اور اسی طرح کسی جسمِ عنصری کا بغیر کھائے پیئے زندگی بسر کرنا اور ایک عرصہ تک زندہ رہنا ممکن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وفات نہ پانے اور زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب نزول پر چار دلیلیں قرآن حکیم سے اور چھ دلیلیں احادیثِ صحیحہ سے دی گئی ہیں"

یہ کتاب اگرچہ مرزائے قادیان کی رد میں تالیف کی گئی مگر اس سے عیسائیوں کا بھی رد ہوا کیونکہ وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی چڑھا دیا گیا تھا۔

تقسیمِ ہند کے بعد جب پاکستان میں تشریف لے آئے تو یہاں بھی امتِ مسلمہ کو اس فتنے کا سامنا تھا۔ ۱۹۵۲ء کے آخر میں قادیانیت کے خلاف علماء حق کی جدوجہد نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی۔ اس وقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بقیدِ حیات تھے۔ جامع مسجد نیلا گنبد میں زیادہ تر جمعہ کے روز حضرت مفتی صاحب تقریر فرمایا کرتے تھے کبھی کبھی جامع مسجد نیلا گنبد میں حضرت مولانا کاندھلویؒ کی تقاریر ہوتیں۔ اور ملک کے مختلف حصوں میں جو جلسے منعقد ہوتے وہاں تشریف لے جاتے اور قادیانیت کے خلاف بصیرت افروز تقریریں کرتے۔ ۱۹۵۳ء کے آغاز میں جب بہت سے علماء تحریک ختم نبوت کی پاداش میں دار و رسن کی صعوبتیں اٹھا رہے تھے۔ آپ تحریری و تقریری جہاد میں مصروف تھے۔ فروری ۱۹۵۳ء کا کوئی ایک جمعہ تھا۔ شہر لاہور میں ہر طرف ہنگامہ بپا تھا۔ نیلا گنبد چوک میں آگ لگی ہوئی تھی۔ جامعہ کی گلی میں بعض شرپسند اپنے گھروں کے دروازوں سے گولیاں برسا رہے تھے اور کسی کے باہر جانے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب جمعہ کی نماز کے لئے

مسجد نیلا گنبد گئے اور قادیانیت ہی کے خلاف پرزور تقریریں کیں۔

جس طرح ابتدائے عمر سے قادیانیوں کے خلاف تحریر اور تقریر کے ذریعے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ اسی طرح زندگی بھر عیسائیوں کے خلاف بھی سرگرم عمل رہے۔ عیسائیوں کے عقائد کے رد میں متعدد کتابیں لکھیں۔ خاص طور سے ان موضوعات پر بہت زور دیا۔ عقیدۂ تثلیث کا رد۔ عیسائیوں نے اسلام پر، یا حضورِ اقدس صلعم پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب اور اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ، اور اسلام کے محاسن۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ قادیانیوں کے خلاف تحریری جہاد کا آغاز۔ "کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ" لکھ کر کیا اور یہ کتاب اگر ایک طرف قادیانیوں کے رد میں لکھی گئی تو دوسری طرف اس سے عیسائیوں کا بھی رد مقصود تھا کیونکہ وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔ "کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ" کتاب کے بعد "احسن الحدیث فی ابطال التثلیث" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ اس میں عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث، اور الوہیت عیسیٰ کے عقیدہ کا رد کیا۔ اور اسلام کے عقیدۂ توحید پر ایسے مدلل انداز میں بحث کی کہ جواب کی کوئی راہ باقی نہ چھوڑی۔ حتیٰ کہ توریت، زبور اور انجیل سے عقیدۂ توحید کو ثابت کیا۔

کراچی سے ۱۹۷۲ء میں اس کتاب کا انگریزی ٹرانسلیشن بھی مکتبۃ الیقین انٹرنیشنل کراچی نے شائع کیا ہے۔ دعوتِ اسلام، اسلام اور نصرانیت، پیام اسلام مسیحی اقوام کے نام۔ بشائر النبیین۔ یہ سب رسائل و کتب عیسائیوں کے رد میں ہیں۔ الغرض حضرت مولانا کاندھلوی نے جہاں قادیانیت و عیسائیت کا رد کیا۔ وہاں دوسرے بہت سے باطل فرقوں اور نظریات کے رد میں بھی تحریر و تقریر کے ذریعے خدمت انجام دی۔ جبریہ و قدریہ کا رد، دہریہ کا رد۔ شیعیت کا رد۔

آپ کا زندگی بھر مشن رہا اور ان باطل فرقوں کے خلاف بہت سی کتابیں ورسائل اور مضامین لکھے۔ ان کے علاوہ فتنۂ انکارِ حدیث کے خلاف بھی تحریری وتقریری جہاد کیا۔ دوسرے شہروں کے علاوہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسوں میں جب کہ پنجاب کے اکثر اضلاع کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ آپ نے اس موضوع پر انتہائی مدلّل اور مفصل تقریریں کی ہیں اور فتنۂ انکارِ حدیث کے رد میں کئی رسائل لکھے۔ اور بہت سے مضامین شائع کرائے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام خدمات کے صلہ میں حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔ (تفصیل کے لئے تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی ملاحظہ فرمایئے)

تحریکِ پاکستان سے وابستگی

مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرار دادِ پاکستان پاس ہوئی۔ اور اس کے بعد پورے برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ ملک قائم کرنے کی تحریک شروع ہو گئی۔ ۱۹۴۵ء تک اس تحریک نے ہمہ گیر صورت اختیار کر لی۔ اور آسام سے لے کر درۂ خیبر تک ہر صوبے میں یہ تحریک عروج پر پہنچ گئی۔ ۱۹۴۵ء ہی میں کلکتہ میں مسلم لیگ کی حمایت کے لئے برصغیر کے ان تمام علماء ومشائخ نے مل کر جمعیت علماءِ اسلام کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کو صدر منتخب کیا گیا اور اس طرح برصغیر کے وہ تمام علماء جو کانگریس کے نظریۂ متحدہ قومیت کے خلاف اور دو قومی نظریہ کے قائل تھے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند بھی اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور اپنے استاذِ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی طرح دو قومی نظریئے کے زبردست

حامی اور علمبردار تھے۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے ماحول پر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کا زیادہ اثر تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اکثر اساتذہ اور طلبہ مسلم لیگ کے خلاف اور کانگریس کے حامی تھے اور صورت حال ایسی تھی کہ کھل کر مسلم لیگ، قائد اعظم اور دو قومی نظریے کی بات کرنا بہت مشکل مرحلہ بن گیا تھا لیکن حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ برملا ایک قومی نظریے کی تردید اور دو قومی نظریے کی حمایت کرتے، دوران درس کئی بار مولانا ابوالکلام آزاد کا رد کیا۔ عام مجالس اور تحریر و تقریر کے علاوہ درس میں بھی جب کفار سے جہاد و قتال کی آیات آتیں تو ایک قومی نظریے کا خوب کھل کر رد کرتے۔

مستقل دو کتابیں "دستورِ اسلام" اور "نظامِ اسلام" اسی موضوع پر لکھیں حتیٰ کہ "معارف القرآن" اور "سیرت مصطفیٰ" میں بہت سے مقامات پر مختلف آیات کی تفسیر کے ذیل میں ایک قومی نظریے کی تردید کی۔ سیرت المصطفیٰ میں جہاد کے موضوع پر بہت طویل کلام کیا ہے۔ اور جہاد کی حقیقت اور غرض و غایت بیان کی ہے۔ سیرۃ المصطفیٰ میں ایک مستقل عنوان باندھا۔ قوم پرستوں کا مغالطہ، اس عنوان کے تحت عقلی انداز میں ایک قومی نظریے کا رد اس طرح کیا ہے۔

"میرے دوستو! اور عزیزو، قومیت اور وطنیت ایک فتنہ ہے۔ بت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی کا درجہ ہے۔ مسلمانوں کو اپنا بھائی اور کافروں کو اپنا دشمن سمجھو۔ قوم پرستوں کا یہ کہنا کہ ایک وطن اور ایک ملک کے باشندے ایک قوم ہیں یہ ان کا محض ایک مغالطہ اور دھوکا ہے۔ اس گروہ کا ایک خاص نظریہ اور خاص عقیدہ ہے۔ جو شخص اس عقیدے اور نظریے میں ان کا موافق اور ہم خیال ہے وہ ان کا دوست ہے اگرچہ وہ دوسرے ملک اور دوسرے وطن کا باشندہ ہو اور جو شخص اس نظریہ اور اس عقیدہ میں ان کا مخالف ہو وہ ان کا

دشمن ہے۔ اگرچہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو"

حضرت مولانا کاندھلوی نے اہلسنت والجماعت کے عقائد پر ایک مفصل کتاب "عقائد الاسلام" کے نام سے تالیف کی جس کے آخر میں ایک قومی اور دو قومی نظریے کو خالص قرآن و سنت کی روشنی میں پرکھا اور اس کا تجزیہ کیا ہے اس کے علاوہ کئی رسائل اور مضامین بڑے عالمانہ انداز میں دو قومی نظریے کی وضاحت پر لکھے ہیں ایک رسالہ جس کا عنوان "دو قومی نظریہ اور اسلامی مملکت کا قیام و بقا" ہے۔ اس میں دو قومی نظریے کے ثبوت میں مدلّل اور جامع کلام کیا ہے"

آپ کے صاحبزادے مولانا محمد میاں صاحب صدیقی لکھتے ہیں کہ :۔

"علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے خصوصی شاگرد ہونے کے علاوہ قدرت نے ان سے خاندانی رشتے بھی قائم کر دیئے۔ اور پھر مولانا کاندھلوی کو تحریک پاکستان میں علامہ عثمانی کی رائے اور نظریات سے کامل اتفاق تھا۔ ہمیشہ اپنی ذاتی اور علمی مجلسوں میں نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریے کی زبردست تبلیغ کرتے رہے ہمیشہ یہی فرماتے کہ :۔

"مجھے سب سے زیادہ بغض ہندو سے ہے"

"کسی بڑے سے بڑے آدمی سے بھی ہندو مسلم اتحاد کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اور نظریہ پاکستان سے والہانہ عشق رکھتے تھے"

۱۹۴۷ء کے اوائل میں دیوبند میں مسلم لیگ کا عظیم الشان جلسہ ہوا۔ سردار عبدالرب نشتر مرحوم اس میں شرکت کے لئے دیوبند آئے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے سردار نشتر کے اعزاز میں ضلع کے مسلم لیگی زعماء کی دعوت کی جس میں مولانا کاندھلوی بھی شریک تھے۔ اس موقع پر مولانا کاندھلوی مرحوم نے سردار نشتر کو مخاطب کر

کے ایک شعر کہا ہے

عبد ربم بہر کافر نشترم
دست اخوان، بہر اعدا خنجرم

بہرحال آپ ابتدا ہی سے تحریک پاکستان سے وابستہ رہے تھے اور اپنے معاصر اکابر علماء دیوبند حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور دیگر علماء کے ساتھ تحریک پاکستان کے لئے عظیم خدمات انجام دیتے رہے اور بڑی شد و مد کے ساتھ دو قومی نظریے کی حمایت کرتے رہے۔

دستورِ اسلامی کی تدوین میں حصہ ان اکابر علماء دیوبند کی سعی و کاوش کے نتیجہ میں ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی مملکت کا رنگ ابھرا۔ تقسیم ملک کے بعد ہندوؤں اور سکھوں نے جس وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا۔ اور تاریخ کے صفحات میں جس خونی باب کا اضافہ کیا۔ اس نے وقتی طور پر مسلمانوں کے فکر و ذہن کو مفلوج کر دیا لیکن جب سات آٹھ ماہ گذرے اور مسلمانوں کو کچھ ہوش آیا تو انہیں فکر ہوئی کہ جس غرض کے لئے پاکستان بنایا تھا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے جان و مال کی قربانی دی۔ ہزاروں خاندانوں کی بربادی برداشت کی گئی۔ اب اس مقصد کو بروئے کار لایا جائے۔ وہ مقصد یہ تھا کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت کی اساس پر قائم ہو۔ اس مملکت خداداد کے کروڑوں مسلمان اسلامی نظام کی برکات کا مشاہدہ کریں۔ اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں اور اس دور کی بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے نشان راہ بن سکیں۔ اس جد و جہد کا آغاز سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے کیا جو تحریک پاکستان میں قائد اعظم کے دست و بازو تھے اور جنہیں بانیان

پاکستان میں سب سے زیادہ بلند مقام حاصل تھا۔ علامہ عثمانی نے چند اہل علم و دانش کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان کا دستور کتاب و سنّت کی روشنی میں مرتب کرنے کے لئے ایک خاکہ تیار کیا جائے جو دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ باہمی مشورے سے اس کام کی انجام دہی کے لئے چار علماء کے نام تجویز ہوئے :-

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ ۲۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ ۳۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی۔ لیکن اتفاق سے اس وقت ان میں سے کوئی بھی پاکستان میں موجود نہ تھا سب کے سب بھارت میں تھے۔ ان حضرات کو پاکستان آنے کی دعوت دی گئی۔ تین ماہ کے مختصر عرصے میں علامہ عثمانی کی زیر ہدایت ان حضرات نے دستوری خاکہ مرتب کیا۔ ان علماء کرام اور ارکانِ دستوریہ کے درمیان اسلامی آئین کے ضامن صرف قائد اعظم مرحوم ہی تھے۔ انہوں نے اگرچہ اپنی ایک ملاقات میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفیقِ خاص مولانا ظفر احمد عثمانی کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ :-

"میں پاکستان کے مقدمے میں مسلمانوں کا وکیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقدمے میں کامیاب کیا۔ انہیں پاکستان مل گیا۔ میرا کام ختم ہوا۔ اب مسلمانوں کی اکثریت و جمہوریت کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح کا چاہے نظام قائم کرے اور چونکہ پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہاں نظامِ اسلامی قائم ہو۔"[1]

---

[1] تعمیرِ پاکستان اور علماء ربانی ص ۱۷۹

عوام اور علماء دونوں کی امیدیں قائداعظم سے وابستہ تھیں مگر قدرت کو پاکستانی مسلمانوں کا ایک اور امتحان مقصود تھا۔ قائداعظم ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو خالقِ حقیقی سے جاملے۔ علامہ عثمانی نے پاکستان کے دستور کو قرآن و سنّت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے جو ابتدائی کام کیا تھا۔ اس کو شدید دھچکا لگا۔ لیکن علاّمہ عثمانی اور ان کے رفقاء اس حادثے سے تھک ہار کر نہیں بیٹھے۔ انہوں نے اپنا وطن گھر بار اور عزیز و اقارب، ذاتی اغراض کی خاطر نہیں چھوڑے تھے۔ وہ اس ملک میں اسی دستور اور اسی نظام کو سربلند دیکھنا چاہتے تھے جس کے نام پر یہ بنا تھا۔ علامہ عثمانی دستور ساز اسمبلی میں اس ارادے کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔ کہ اپنی قدرت کی حد تک اسلامی دستور کے لئے کوشش کریں گے۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ اربابِ اقتدار کے مایوس کن طرزِ عمل کے خلاف احتجاجاً مستعفی ہو جائیں۔ ایوانِ اقتدار میں جو لوگ ہر گھڑی اسلام کا نام لیتے تھے مگر زیرِ زمین ان کی کوششیں یہ تھیں کہ اسلام کو ملکی، سیاسی اور عملی زندگی میں آنے سے روکا جائے۔ علاّمہ عثمانی کی طبع زیرک ان سیاست دانوں کے تیور بھانپ گئی تھی ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے ۹ر۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس بلائی گئی۔ علامہ عثمانی ؒ نے بصیرت افروز خطبہ صدارت پڑھا اور اربابِ حکومت کے عزائم سے پردہ اٹھایا۔

لیاقت علی خاں مرحوم وزیراعظم تھے۔ علامہ عثمانی کو عوام میں جو بے پناہ مقبولیت اور مرکزیت حاصل تھی انہیں اپنے الیکشن میں اس کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا خدا نے انہیں ایسا سحر آفریں اندازِ خطابت عطا کیا تھا کہ لاکھوں کے مجمع میں آگ لگا دیتے تھے۔ لیاقت علی خاں مرحوم نے اندازہ لگا لیا کہ اگر علامہ عثمانی بگڑ گئے۔ تو ملک میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔ جسے کوئی روکنے والا نہیں ہو گا۔

اور خود علامہ صاحبؒ نے اسمبلی کو یہ چیلنج کیا کہ آپ کھل کر انکار کر دیں کہ ہم اسلامی دستور نہیں بنانا چاہتے۔ میں اسمبلی سے استعفا دوں گا اور مسلمانوں کو بتاؤں گا کہ تمہیں دھوکہ دیا گیا ہے۔"

یہ صورتِ حال دیکھ کر لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثمانی سے قرار دادِ مقاصد کا مسودہ تیار کرنے کی درخواست کی۔ علامہ عثمانی نے ان کی درخواست پر قرار دادِ مقاصد کا مسودہ تیار کیا جو مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع تھا ارباب اقتدار کی بحث و تمحیص کے بعد ۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی نے معمولی ترمیمات کے ساتھ پاس کیا۔

قرار دادِ مقاصد کی منظوری علامہ شبیر احمد عثمانی کا ایسا کارنامہ تھا جو تاریخ پاکستان میں سنہری حروف سے لکھا گیا۔ مگر یہ ملک کی بدقسمتی تھی کہ قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے بعد علامہ عثمانی زیادہ دیر اس دنیا میں نہ رہ سکے کہ ان کی مساعی سے دستورِ اسلامی کی تدوین کے اگلے مراحل طے ہوتے۔ ابھی بنیادی اصول پر غور و فکر جاری تھا کہ علامہ صاحب کی صحت خراب ہو گئی اور ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ نے جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان کا دستور کتاب و سنت کے مطابق بنانا لازمی ہو گیا۔ اس عظیم کام کے لئے ماہرین کی ضرورت تھی۔ علامہ عثمانی نے ۱۹۴۹ء میں جس بورڈ کی تجویز پیش کی تھی، اربابِ حل و عقد نے اس کی منظوری دے دی۔ بورڈ کی صدارت کے لئے نظرِ انتخاب قدیم و جدید علوم کے جامع اور حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ خاص علامہ سید سلیمان ندویؒ پر پڑی۔ سید صاحب اس وقت بھوپال میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے پر فائز تھے لیاقت علی خان مرحوم نے سید صاحب سے خط و کتابت شروع کی۔ اسی سال وزیر

داخلہ خواجہ شہاب الدین حج کے موقع پر خیر سگالی وفد لے کر حجاز گئے۔ سید صاحب بھی بھارت سے حج کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب نے وہاں سید صاحب سے متعدد ملاقاتیں کیں مگر ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ بالآخر لیاقت علی خان نے مولانا احتشام الحق تھانوی کو سید صاحب کو پاکستان آنے اور تعلیمات اسلامی بورڈ کی صدارت قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے بھوپال بھیجا۔ مولانا احتشام الحق صاحب اس اہم مشن پر بھوپال گئے اور آپ نے سید صاحب کو پاکستان میں دستور اسلامی کی تدوین میں تعاون کرنے بلکہ اس کی نگرانی و سرپرستی قبول کرنے پر آمادہ کرلیا اور سید صاحب جون ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے آئے۔ لیاقت علی خان مرحوم نے مروجہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک لا کمیشن مقرر کیا۔

جسٹس رشید، جسٹس میمن اور سید صاحب رکن منتخب ہوئے ماہر فقہ اسلامی کی حیثیت سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کو بھی کمیشن کا رکن بنایا گیا۔ لیکن بورڈ کی رپورٹ اور سفارشات ارباب اقتدار کی طبع نازک پر گراں گذریں انہوں نے اسے راز سربستہ بنا دیا اور اتنی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ کہ عمل نہ سہی کم سے کم عوام کی آگاہی کے لئے اس رپورٹ ہی کو شائع کر دیا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی علمار کو یہ بھی طعنہ دیا جانے لگا کہ وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں اس لئے لوگوں کے سامنے کوئی اسلامی دستوری خاکہ پیش کرنا بے سود ہے۔ علمار نے اس چیلنج کو قبول کیا اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی مساعی سے کراچی میں مختلف مکاتب فکر کے علمار کا ایک نمائندہ اجتماع ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو منعقد ہوا جس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے ۳۴ علمار نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں اکابر علمار دیوبند میں سے علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ

مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، مولانا احتشام الحقؒ۔ مولانا شمس الحق فریدپوریؒ۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ وغیرہ ممتاز علماء شامل تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مکاتبِ فکر میں سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مولانا قاضی عبدالصمد سربازی۔ مولانا ابوجعفر محمد صالح، مولانا حبیب اللہ۔ مولانا محمد صادق کراچوی۔ مولانا راغب احسن۔ مولانا حبیب الرحمٰن مولانا مفتی صاحب داد۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ پیر محمد ہاشم مجددی۔ مولانا محمد داؤد غزنویؒ۔ مولانا محمد اسماعیل، مفتی جعفر حسین مجتہد۔ مفتی کفایت حسین مجتہد۔ پیر محمد امین الحسنات۔ مولانا ظفر احمد انصاری۔ پروفیسر عبدالخالق۔ مفتی دین محمد خان اور حاجی خادم الاسلام محمد امین وغیرہ علماء قابلِ ذکر ہیں۔

ملک کے تمام مذہبی مکاتبِ فکر کے ان مقتدر رہنماؤں نے متفقہ طور پر اسلامی مملکت کے لئے راہنما بنیادی اصول مرتب کر کے اتحاد و اتفاق کی بے مثال یادگار قائم کی جس کام کو اربابِ بست و کشاد جن کے پاس تمام وسائل کی فراوانی تھی چار برس کی مدت میں پورا نہ کر سکے اِن علماءِ امت نے جو تمامتر مادی ذرائع سے محروم تھے صرف چار روز میں مکمل کر کے قوم کے سامنے رکھ دیا۔ ان مختلف الخیال علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا اور انہیں ایک فارمولے پر متحد کرنا بہت مشکل کام تھا۔ مگر مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے حسنِ تدبیر اور ہمت بلند نے اس مشکل کام کو آسان بنا دیا۔ اور وہ ملک کے مختلف الخیال علماء کو یک جا بٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ لیڈرانِ قوم جو علماء کو سیاست اور امورِ مملکت سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیتے تھے وہ علماء کی پیش کردہ بنیادی سفارشات پر چونک پڑے اور مسٹر بروہی جیسے دانشوروں کے لئے بھی، جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ قرآن میں دستور مملکت کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہیں " غور و فکر کا ایک

باب کھل گیا۔ بہرحال حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے بھی آئین پاکستان کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھلنے کے لئے دوسرے علماء کرام کے ساتھ مل کر بھرپور جدوجہد کی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا کاندھلویؒ نے مستقل رسائل لکھے۔ اور مولانا کاندھلوی نے ایک رسالہ "نظام اسلام" کے نام سے اور ایک کتاب "دستورِ اسلام" کے نام سے لکھی۔ ان حضرات کو اگرچہ کسی منظم جماعت کی پشت پناہی اور اس کے وسائل حاصل نہ تھے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے ارکان اسمبلی کو اتنا مواد بہم پہنچا دیا کہ سردار عبدالرب نشتر جیسے مخلص افراد نے اسلامی دستور کی ضرورت واہمیت اور اس کے دوررس نتائج وثمرات پر مؤثر اور پُر مغز تقریریں کیں۔ اور اس حد تک خوش آئند تبدیلی رونما ہوئی کہ وہی مسٹر بروہی جو قرآن میں دستورِ مملکت کی موجودگی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے انہوں نے وزیرِ قانون کی حیثیت سے اس دستور کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جس میں یہ ضمانت دی گئی کہ۔

" پاکستان میں قرآن وسنّت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی"

حضرت مولانا کاندھلوی صاحبؒ نے بے شمار تقریروں کے علاوہ متعدد ٹھوس مضامین رسائل اور کتابیں تالیف کیں۔ جن میں اسلامی نظام مملکت کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اس موضوع پر جو سب سے مفصل اور مدلّل کتاب تالیف کی وہ "دستورِ اسلام" ہے۔

دستورِ اسلامی کی تدوین ونفاذ کے سلسلے میں ہونے والی کوششوں میں ارباب اقتدار میں لیاقت علی خان پیش پیش تھے کیونکہ علماء کا متفقہ فارمولا ان کی پیش کردہ قرار دادِ مقاصد کے عین مطابق تھا۔ مگر بدقسمتی سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے محرومی کے بعد اکتوبر ۱۹۵۱ء میں قوم لیاقت علی خان جیسے مخلص رہنما سے بھی محروم

ہوگئی۔ لیاقت علی خان کے بعد خواجہ ناظم الدین وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے خواجہ ناظم الدین اور سردار عبدالرب نشتر جیسے چند ایک رہنماؤں کے سوا جو ملک قوم اور مذہب سبھی کے لئے مخلص تھے۔ زمام اقتدار ایسے ہاتھوں میں آنا شروع ہوگئی جو مذہب کو اپنے محلوں سے بہت دور رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں ملک و قوم کے مفاد سے زیادہ اپنا ذاتی مفاد عزیز تھا۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ پاکستان کے انتظامی ڈھانچے پر نوکر شاہی کی گرفت کا آغاز ہوگیا۔ جب حالات پر مایوسی کے دبیز پردے گرتے دیکھے۔ تو پھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے رفقاء سرگرم عمل ہوئے۔ اور ۱۴، ۱۵ نومبر ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں مولانا احتشام الحق تھانوی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت علماء اسلام کی زیر صدارت ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی گئی اس کانفرنس میں پچاس ہزار علماء اور ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی علماء اور مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع نے حکومت کو صاف الفاظ میں بتایا کہ :-

"پاکستان میں کوئی ایسا دستور ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا جو اسلام کے نام پر بنایا گیا ہو مگر اس کی روح سے خالی ہو۔ یہ مسلمانوں کا ایسا فیصلہ ہے جس کو منوانے کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔"

علماء اور مسلمانوں کے اس نمائندہ اجتماع سے ایوان اقتدار میں زلزلہ آگیا۔ کانفرنس ختم ہوتے ہی اگلے روز خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے اکابر علماء کو دعوت نامے جاری کئے گئے۔

۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء کو حسب ذیل علماء کو گفتگو کے لئے کراچی بلایا گیا۔

۱۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ ۲۔ مولانا اطہر علی۔ ۳۔ مولانا محمد داؤد غزنویؒ۔

۴۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ ۵۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ ۶۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ ۷۔ مولانا شمس الحق فرید پوریؒ۔ ۸۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ ۹۔ مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک۔ ۱۰۔ مولانا مفتی دین محمد ڈھاکہ۔

یہ تمام علماء مقررہ وقت پر رات کے ۹ بجے (۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء) پرائم منسٹر ہاؤس پہنچے۔ خواجہ ناظم الدین نے باہر آکر علماء کا استقبال کیا۔ مولانا احتشام الحق تھانوی نے علماء کا تعارف خواجہ صاحب سے کرایا۔ خواجہ صاحب کے علاوہ اسپیکر اسمبلی مولوی تمیز الدین، سردار عبدالرب نشتر اور ان کے علاوہ دو اور مرکزی وزراء اور سیکرٹری مذاکرات میں شریک ہوئے۔ گفتگو کا سلسلہ رات کے دو بجے تک جاری رہا۔ سردار نشتر نے وزراء کی ترجمانی کی اور علماء کی طرف سے زیادہ گفتگو مولانا احتشام الحق صاحب کرتے رہے۔ سردار نشتر اور مولوی تمیز الدین نے کتاب و سنت کے مطابق دستور مرتب کرنے کے سلسلے میں عملی مشکلات پیش کیں۔ علماء نے ان کے تسلی بخش جواب دیئے اور دستور اسلامی کے سیاسی، معاشی اور اقتصادی فوائد سے آگاہ کیا۔ تمام گفتگو میں افہام و تفہیم کی فضا قائم رہی۔

آخر میں خواجہ صاحب نے علماء کو یقین دلایا کہ:۔

"آپ حضرات بے فکر رہیں، انشاء اللہ علماء اور عوام کی خواہش کے مطابق آئین بنایا جائے گا"

خواجہ صاحب کے اس فقرے پر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے فرمایا:۔

"ہماری بھی دعا ہے خدا آپ کو "ناظم دین" بنائے"

اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس دستوری رپورٹ کو ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو پیش ہونا تھا اسے ۲۲ دسمبر تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ اور پھر ۲۲ دسمبر کو جو دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش کیا گیا وہ کافی حد تک اسلامی تھا۔ ۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو پھر ان علماء کرام

کا کراچی میں اجتماع ہوا جنہوں نے ۲۲ نکاتی فارمولا مرتب کیا تھا۔ اس کے ۱۱ جنوری سے ۱۸ جنوری تک نو اجلاس ہوئے۔ مختلف اجلاسوں کی صدارت ان حضرات نے کی۔ ۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ ۲۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ ۳۔ مفتی محمد حسن صاحب ۴۔ مولانا ابوالحسنات قادری۔ ۵۔ مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی۔

اس اجتماع میں علماء کرام نے چند ترمیمات کے ساتھ نئے دستور کی تائید کی۔

اس کے بعد دستور سازی کن مراحل سے گزری، دستور بہ توڑی گئی، ۱۹۵۶ء کا آئین پاس ہوا۔ اسے ناکام بنانے کی سازش ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لا آیا۔ اور پھر تیرہ برس سے بھی زائد ملک پر غیر جمہوری بلکہ غیر نمائندہ حکومت مسلط رہی۔ یہ ایک طویل داستان ہے یہاں اس کے بیان کا نہ موقع ہے اور نہ گنجائش ہے۔

بہرحال جنوری ۱۹۵۱ء سے لے کر زندگی کے آخری مرحلے ۱۹۷۴ء تک پاکستان میں اسلامی دستور کی تدوین و نفاذ کی کوئی کوشش اور تحریک ایسی نہ تھی جس میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے حصہ نہ لیا ہو۔ علماء کے تمام مشترکہ اجتماعات میں شرکت کی۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعے ہمیشہ کوشاں رہے کہ اس ملک میں اللہ کا قانون نافذ ہو۔ اسی کا بول بالا ہو۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں طویل عرصے کے بعد جب فوجی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ملک میں جمہوری حکومت برسر اقتدار آئی تو ایک مدت تک آئین کے بارے میں کوئی واضح صورت حال سامنے نہ آسکی جس کی بنیادی وجہ وہ ابتر اور مایوس کن حالات تھے جو عوامی حکومت کو فوجی حکومت سے ورثے میں ملے تھے۔ یحییٰ خان کی ناکامیوں اور خاص طور پر مشرقی پاکستان کے سانحہ نے پوری قوم کو مفلوج کر دیا تھا۔ علماء و مشائخ جنہوں نے اس ملک کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیں اور بڑی جدوجہد کے بعد یہ ملک حاصل کیا تھا ان کو ملک کے دو حصے ہونے کا بے حد صدمہ ہوا جس کا اندازہ عام آدمی نہیں لگا

سکتا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور حضرت مولانا اطہر علی وغیرہ علماء جو اس وقت حیات تھے۔ مشرقی پاکستان کے اس عظیم سانحہ سے نڈھال تھے۔ یہ حضرت ہی صحیح معنوں میں پاکستان کے خیر خواہ، محب وطن اور معمار تھے۔ انہی حضرات نے ملک وملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور یہی حضرات ہر باطل قوت کا مقابلہ کرتے رہے۔ ان حضرات نے آخر دم تک اپنا مشن جاری رکھا اور ہر حکومت سے مطالبہ کرتے رہے کہ مسلمانوں کے اس ملک میں جسے دو قومی نظریے کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا، قرآن وسنت ہی کا دستور نافذ ہونا چاہیے۔

۱۹۷۰ء میں بعض پارٹیوں نے سوشلزم اور کمیونزم کا نعرہ لگایا تو یہ علماء حق میدان میں نکل آئے۔ اور پورے ملک میں مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے زیر اہتمام کانفرنسیں کیں اور مسلمانوں کو اس لادینی فتنہ سے آگاہ کیا۔ اور ایک فتویٰ بھی شائع کیا جس پر ۱۱۵ علماء کے دستخط ثبت ہیں۔ اس میں سوشلزم اور کمیونزم کے کفر ہونے کا حکم لگایا گیا تھا۔ یہ حضرات علاقائی عصبیت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ صوبائی اور علاقائی تعصب سے ملک وملت کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسی صوبائی عصبیت، بنگالی اور پنجابی جھگڑے نے ہماری خداداد مملکت پاکستان کو دو لخت کیا ہے۔ حضرت کاندھلوی فرماتے ہیں کہ:- "اس وقت پاکستان میں جو لوگ صوبائی مختاری کا نعرہ لگا رہے ہیں خدا کی قسم یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے ہرگز خیر خواہ نہیں یہ اپنے چند روزہ موہوم اقتدار کی خاطر مسلمانوں کو غلام اور ان کی عظیم حکومت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں، خوب سمجھ لو، یہ لوگ میر جعفر اور میر صادق کے مثنیٰ اور جانشین ہیں ان کا ارادہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی حکومت کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیں۔"

(ماخوذ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

محققِ اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

محققِ اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، موجودہ صدی کے عظیم اسلامی متکلم، مفکر اور مورخ تھے، ان کے بزرگ دو ڈھائی صدی پہلے عرب سے ایران ہوتے ہوئے برصغیر پاک و ہند وارد ہوئے اس خاندان کی ایک شاخ نے ضلع پٹنہ میں ایک بستی گیلانی کے نام سے بسائی، اگر اس بستی میں مولانا مناظر احسن جیسی نادرۂ روزگار ہستی نے جنم نہ لیا ہوتا تو عین ممکن ہے کہ اس کی شہرت ضلع پٹنہ کی حدود سے متجاوز نہ ہوتی۔ مولانا موصوف ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا کے نام کے ساتھ "گیلانی" اسی بستی کی نسبت ہے یہ نسبت ہرگز یعنی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے متعلق نہیں ہے۔ مولانا گیلانیؒ کا خاندان ذی وجاہت تھا، مالی فارغ البالی اور علمی اعتبار سے گرد و نواح کے دیہات میں نمایاں تھا۔ ان کے والد یا جد ابوالخیر صاحب زمینداری میں مشغول تھے مگر ان کے چچا ابونصر صاحب شعر و سخن کی مجلسیں جمانے اور علم و فضل کی محفلیں برپا کرتے تھے۔ ان کے جدِ امجد سید محمد احسن صاحب اس علاقے میں جید عالم گزرے ہیں۔ غالباً انہی کی مناسبت سے ان کا نام رکھا گیا تھا۔ مولانا گیلانی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی تیرہ چودہ سال کی عمر میں راجپوتانہ کی مسلم ریاست ٹونک

ج دیئے گئے جہاں خیرآبادی سلسلہ کے چراغ سحر اور جامع معقولات مولانا سید حکیم برکات احمد
مسندِ درس علم کے پروانوں کو سمیٹے ہوئے تھی۔ مولانا مناظر احسن صاحبؒ نے ان سے چھ
ل تک دینی علوم کے علاوہ منطق وفلسفہ کا درس لیا۔ کچھ عرصہ اجمیر میں مولانا ٹونکیؒ کے شاگرد
لانا معین الدین صاحب سے بھی مذاکراتی استفادہ کیا لہٰذا انہیں بھی استاد کہہ کر یاد
کرتے تھے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے بعد حدیث کی تحصیل کے لئے دارالعلوم دیوبند
میں داخل ہوئے۔ اور یگانۂ روزگار علماء سے استفادہ کیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا
محمود حسن صاحبؒ سے نہ صرف ترمذی اور بخاری شریف کا درس لیا بلکہ ان سے بیعت بھی
۔ امام العصر محمد انور شاہ کشمیریؒ سے مسلم شریف کا درس لیا۔ ان کے علاوہ دوسرے اساتذہ
میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ۔ فخر الہند مولانا
حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور سید العلماء مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ شامل ہیں۔

آپ نے ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ اور ۱۳۳۲ھ میں دورہ حدیث میں
شریک رہ کر کتب حدیث کی سند حاصل کی۔ دورانِ تعلیم میں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں
کی وجہ سے اپنے اساتذۂ گرامی کے منظورِ نظر رہے۔ اور ان کے فیضِ علمی و روحانی سے
آپ نے خوب مالامال ہوئے۔

علمی و تدریسی خدمات

دورۂ حدیث کے اختتام کے ساتھ ہی آپ دارالعلوم دیوبند کے ماہانہ مجلّہ "القاسم" سے منسلک ہو گئے
یہ تعلق ۱۳۳۹ھ تک قائم رہا۔ دارالعلوم کے آرگن کے کرتا دھرتا بننے کا شرف مولانا کے لئے
کم نہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے علمی اور تحقیقی مضامین اور والہانہ طرزِ
نگارش سے علمی وادبی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ "سوانح ابوذر غفاری" اور "کائنات
روحانی" دونوں کتابیں آپ کے اسی دَور کی یادگار ہیں۔ پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ
کی سفارش سے مولانا گیلانی کا حیدرآباد دکن کے جامعہ عثمانیہ میں تقرر ہو گیا۔ جہاں جلد ہی

شعبۂ دینیات کے صدر منتخب ہو گئے اور تقریباً پچیس برس تک حیدرآباد میں علمی و تدریسی خدمات
انجام دیتے رہے۔ اس دوران ہزاروں افراد نے آپ کے درس و تربیت سے فیض حاصل کیا۔
حیدرآباد دکن کے قیام کے بارے میں جناب اختر راہی ایم اے لکھتے ہیں:۔

"حیدرآباد دکن نے اردو یونیورسٹی" جامعہ عثمانیہ" کے نام سے قائم کی تھی جو اپنے مخصوص نظام
تعلیم کی وجہ سے ہندوستان بھر میں اپنی مثال آپ تھی۔ اور روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ روز افزوں
ترقی کے ساتھ شعبۂ دینیات میں ایک عالم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتفاقاً مولانا گیلانی حیدرآباد
گئے اور اپنے دور کے بڑے مفسر مولانا حمید الدین فراہیؒ سے ملاقات ہوئی۔ مولانا فراہیؒ نے ان کی
ذات میں جوہر قابل تلاش کر لیا اور جامعہ عثمانیہ چلے آنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر مولانا گیلانی
دارالعلوم دیوبند چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے لیکن جب خود دیوبند کے بزرگوں نے اس مشورے
کی تائید کی تو وہ جامعہ عثمانیہ جانے پر رضامند ہو گئے۔

۱۳۳۸ھ م ۱۹۲۰ء میں لیکچرار دینیات کی حیثیت سے مولانا کا تقرر ہوا۔ ترقی کرتے
کرتے ریڈر بنے۔ پروفیسر ہوتے اور آخر کار کئی سال تک صدر شعبۂ دینیات کے فرائض
انجام دے کر ۱۳۶۸ھ میں ریٹائر ہوئے، اور وظیفہ یاب بھی ہوتے۔ حیدرآباد دکن میں
مولانا گیلانی کو مولانا حمید الدین فراہیؒ کی صحبت میسر آئی۔ مطالعۂ قرآن میں ان سے مدد
لی۔ ان کی طرزِ فکر اور اعتدالِ نگاہ، مولانا فراہیؒ کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ مولانا گیلانی دکن
کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

" یہ کور نصیب گو حیدرآباد میں پیدا نہیں ہوا تھا مگر میرے جسم میں جو کچھ ہے
حیدرآباد ہی کا ہے۔ اب بھی حیدرآباد ہی میرے سدِ رمق کا ذریعہ ہے پھر اپنی محبوب
تعلیم گاہ ہے، ہماری جامعہ عثمانیہ جس میں میرے دماغ و دل نے آنکھیں کھولیں اس
ماحول میں میری پرورش ہوئی"[1]

[1] ماہنامہ الحق۔ اکوڑہ خٹک دسمبر ۱۹۷۹ء

مولانا گیلانی وُسعتِ نظر، علمی تبحر اور دینی مسائل میں دسترس کی وجہ سے شعبۂ اسلامیات
روحِ رواں تھے، اساتذہ اور طلبا میں یکساں مقبول تھے یونیورسٹی کی سینٹ مولانا کے
د کو اتنا قیمتی خیال کرتی تھی کہ مدت ملازمت میں توسیع ہو سکتی تھی مگر سقوطِ حیدرآباد
دنیا ہی بدل ڈالی نئی سیکولر ہندی نے شعبۂ دینیات کو اڑا دیا۔ اور لادینی نظام تعلیم
عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے شعبۂ اسلامیات قائم کیا گیا جو جامعہ کے
مقاصد کے پیش نظر بے حقیقت تھا۔ چنانچہ مولانا اس جبری تنزل سے دل برداشتہ
تھے۔ اور مدت ملازمت کے دن پورے ہوتے ہی وطن چلے آئے اور خود ان کے بقول
زندگی بسر کرنے لگے۔ وطن واپس آنے کے بعد ان کی زندگی کا دورِ تنہائی شروع ہوا
فرصت میں ہمہ تن تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ ہزاروں صفحات لکھ ڈالے
کا قلم خوب جولانی دکھاتا رہا۔ مگر کیفی زندگی نے ان کا سکون لوٹ لیا۔ علامہ سید
سلیمان ندویؒ کی مجلسِ ماتم میں شرکت کے لئے لکھنؤ گئے وہاں سے واپسی پر دوسرے
دوسرے روز مکان میں چوروں کی کافی تعداد گھس گئی جو کچھ ساتھ لے جا سکتی تھی لے
مولانا گیلانی کے الفاظ "صبح کو جب آنکھ کھلی تو آنکھیں کھل گئیں" ادھر مولانا
کلوتے صاحبزادے پاکستان میں مقیم تھے ان کی طرف سے بھی فکرمند تھے۔ ضعیفی میں
مسلسل اضافہ ہوتا رہا بیٹے کی جدائی اور رنج و آلام نے گھیر لیا۔

۱۹۵۳ء کے آخر میں قلبی شکایت کا حملہ ہوا اور فوری علاج معالجہ سے افاقہ ہو گیا
۱۹۵۴ء میں چند ماہ بعد شکایت عود کر آئی اور حملہ اتنا شدید ہوا کہ ڈاکٹروں نے
تصنیف و تالیف پر مکمل پابندی عائد کر دی۔ مولانا کا قلم پہلے حملے کے بعد اپنی پوری
رفتار سے چل پڑا تھا۔ دل کے ہاتھوں رک گیا۔ دو سال تک تندرستی اور بیماری کے درمیان
کشمکش چلتی رہی۔ اسی دور کے خطوط میں مولانا نے اس زندگی کو برزخی زندگی سے تعبیر
غرض اس آخری دور میں تین جلدوں میں ضخیم و جسیم "سوانح قاسمی" ترتیب

دی اس بارے میں مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

" میں نے سوانح قاسمی لکھنے کی فرمائش کی تو بہت خوشی اور امنگ سے قبول کرتے ہوئے لکھا کہ میری علمی زندگی کی ابتداء القاسم ہی سے ہوئی تھی اور شاید انتہا بھی " القاسم" یعنی مولانا نانوتویؒ پر ہوگی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سوانح قاسمی کی چوتھی جلد آپ نے شروع کی پانچ صفحے لکھنے پائے تھے کہ عمر فانی نے جواب دیا اور القاسم پر ہی انتہا ہو گئی "

۵ رجون ۱۹۵۶ء کو دن کے معمولات انجام دے کر خواب استراحت کے لئے لیٹے اور خواب ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پاس ہی لیٹے ہوئے بھائی کو بھی پتہ نہ چلا کہ چھپا بھائی ایک طویل سفر کر کے اپنے اللہ سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین

تصنیف و تالیف

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ:-

" حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ مشاہیر فضلائے دارالعلوم دیوبند میں سے تھے۔ منفرد طرز مصنف نیز ذہن و ذکاء اور طباعی منفرد تھے۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے آرگن رسالہ " القاسم " کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر منتخب کئے گئے اور عرصہ دراز تک قلمی خدمات سے ہندوستان کے علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سفارش پر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پروفیسر مقرر ہوئے اس دوران بہت سی مفید اور علمی تصانیف آپ کے قلم سے نکلیں " کائنات روحانی "۔ " سوانح ابوذر غفاری "، " النبی الخاتم "۔ " مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت "۔ " اسلامی معاشیات "، " امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی "۔ اور " رحمۃ للعالمین " وغیرہ آپ کی مخصوص اور مشہور تصانیف ہیں۔ تصانیف اور علمی مقالات کا عدد میں کافی ہے۔ جو مقبول خواص و عوام ہے۔ آخر میں احقر کی فرمائش پر " سوانح قاسمی " تین

میں مرتب کی جو آپ کی تصانیف میں ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ تقریر و خطابت نہایت عالمانہ ادیبانہ اور پُرجوش ہوتی تھی۔ دقیقہ سنج اور نکتہ رس علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور ہندوستان کے مشاہیر علماء میں آپ کو ممتاز حیثیت حاصل تھی"

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ:۔

مولانا گیلانی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ عالموں میں عالم، ادیبوں میں ادیب، مورخوں میں مورخ، فقیہوں میں فقیہہ، محدثوں میں محدث، مفسروں میں مفسر، اور محققوں میں محقق تھے۔ فارسی اردو ان کا یکساں مذاق تھا۔ شعر و شاعری کا ذوق اور سخن شناسی و سخن سنجی دونوں سے حصہ وافر ملا تھا وہ ہندوستان کی اس گذشتہ تہذیب و ثقافت کی یادگار تھے جب فقیہہ و محدث کے لئے خشک ہونے اور عالم کے لئے شعر کو غیر موزوں پڑھنے کی شرط نہ تھی۔ مولانا کی تصانیف میں سے سب سے پہلے "النبی الخاتم" پڑھی، کتاب عجیب البیلے انداز میں لکھی گئی ہے۔ صحت سماوی کا انداز بیان، خطیبوں کا جوش و برجستگی، عشاق کی مستی اور وارفتگی، عقل و جذب کی لطیف آمیزش حسب معمول معمولی اور مشہور واقعات سے نکتے اور عظیم نتیجے نکالتے جاتے ہیں۔ اور وہ اس سرعت و کثرت کے ساتھ کہ پڑھنے والا مصنف سے شکایت کرنے لگتا ہے کہ ع

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

میں نے اپنی ساری عمر میں سیرت نبوی میں رحمۃ للعالمین اور النبی الخاتم سے زیادہ مؤثر کتاب نہیں پڑھی۔ کتاب پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف علم و انشا پردازی کی کرشمہ سازی نہیں ہے۔ اس کے اندر ان کا سوزِ دروں اور خونِ جگر بھی شامل ہے اور واقعہ یہی ہے کہ ؎

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے، وسعتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں مولانا کی نظیر اس وقت ممالکِ اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے۔ والغیب عند اللہ۔ تصنیف و تالیف کے لحاظ سے وہ عصرِ حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کیا ہے وہ بیسیوں آدمیوں کو مصنف اور محقق بنا سکتا ہے اس ایک آدمی نے تن تنہا وہ کام کیا ہے جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور منظم جماعتیں کرتی ہیں، ان جیسا آدمی برسوں میں پیدا ہوا کرتا ہے اور اب ان جیسا آدمی برسوں میں بھی پیدا نہ ہوگا۔"

(پرانے چراغ)

جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ "الحق"، حضرت علامہ گیلانی کی مایۂ ناز تالیف "النبی الخاتم" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

اکتوبر ۱۹۵۱ء کی بات ہے کہ ملتان کے ایک دینی مدرسہ کے جلسۂ دستار بندی میں شمولیت کا اتفاق ہوا، تقریبِ دستار بندی کے اختتام پر حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فضلاء مدرسہ سے مختصر خطاب فرمایا اور اس وقت شاہ جی مرحوم کے ضعف و علالت اور نقاہت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اور آسمانِ خطابت کا یہ آفتاب پوری طرح گرہن کی زد میں تھا۔ شاہ جی نے فضلاء کو دیگر نصائح اور ذمہ داریوں پر تنبیہ کے ساتھ ساتھ فتنۂ انکارِ حدیث پر توجہ دلائی۔ پھر حجیّتِ حدیث کے ضمن میں حضرت علامہ گیلانی مرحوم کی کتاب "تدوینِ حدیث" کو سراہتے ہوئے اس کے مطالعہ پر زور دیا اور فرمایا:۔

"میں نے جب مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب "تدوینِ حدیث" کا مطالعہ کیا تو مجھ پر وجدانہ رجذب کی حالت طاری ہوئی۔ حضرت گیلانی جب اس کتاب کو لکھ رہے تھے تو مجھے خیال ہوا کہ مولانا گیلانی اور صاحبِ مدینہ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سارے حجاب ہٹا دئے گئے ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مولانا گیلانی لکھ رہے ہیں تدوینِ حدیث، فتنۂ انکارِ حدیث کی رد میں آخری قاطع اور کامیاب چیز ہے۔"

تدوینِ حدیث کی طرح شاہ جی مرحوم کی یہ بات علامہ گیلانیؒ کی کتاب "النبی الخاتم" پر بھی صادق آتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ سیرت لکھتے وقت صاحبِ سیرت علیہ السلام کی خاص توجہات اور عنایات سیرت نگار کے شاملِ حال رہیں اور روح القدس کے فیضِ خاص سے مؤلف کی روح فیضیاب ہوتی رہی۔ مبدءِ فیاض نے ان کی دستگیری کی اور عشق کی آگ اور سوز و گداز میں ڈوب کر مصنف نے صاحبِ محبوبیت کبریٰ کا ایک ایسا حسین مرقع "النبی الخاتم" کے نام سے تیار کیا جو درد و سوز، جذب و وجد کے ساتھ ساتھ استناد و تحقیق اور استخراجِ نتائج کا شاہکار ہے۔ کتاب کا اندازِ بیان ایسا ہے کہ آسمانی صحیفوں اور الہامی عبارتوں کا گمان ہوتا ہے اگر کسی دوسری کتاب کی تلاوت جائز ہوتی تو جی چاہتا کہ اس کی تلاوت کی جائے۔ سیرتِ مطہرہ کے واقعات و احوال کو عجیب و غریب ربط و ترتیب سے مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ کہ ہر سطر صداقتِ رسالتؐ کا دعویٰ بھی ہے، اور دلیل بھی۔ پہلے مکی زندگی کا بیان ہے پھر مدنی زندگی کا۔ جیسے دماغ کا دورقرار دیا ہے حضرت علامہ گیلانیؒ اپنے وقت کے نہ صرف محققِ اجل اور نقادو بصیر عالم تھے بلکہ صاحبِ حال اور صاحبِ بزرگ بھی۔ اور جب سوز و گداز کے ساتھ علم و تحقیق بھی جمع ہو جائے تو نشہ کیوں دو آتشہ نہ ہو"

(ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک ستمبر ۱۹۶۶ء)

آپ کے شیخ و مربّی حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

" مناظر احسن کے سارے مناظر احسن ہیں"

علامہ سید سلیمان ندویؒ آپ کی تالیف "النبی الخاتم" کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ مناظرِ اسلام، متکلم ملّت، اور سلطان القلم کے قلم کی روانی اسلام کی محافظت میں تیغ رانی کا کام دیتی ہے"

(ماہنامہ الرشید لاہور ص۱۰)

جناب علامہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

" مولانا گیلانی کی تصانیف کو اسلوبِ نگارش اور ربطِ تحریر کے لحاظ سے نہیں بلکہ

اس نقطۂ نظر کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے کہ ان میں علوم وحقائق اور استنباط و استخراجِ مسائل کا کس قدر گراں بہا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔"

یوں تو مولانا کی ہر تحریر اپنے اندر جاذبیت رکھتی ہے تاہم ان کی مندرجہ ذیل تالیفات بہت مقبول ہیں:-

۱۔ ابوذر غفاریؓ۔ ۲۔ الدین القیم۔ ۳۔ النبی الخاتمؐ۔ ۴۔ تدوینِ قرآن۔ ۵۔ تدوینِ حدیث ۶۔ تدوینِ فقہ۔ ۷۔ اسلامی معاشیات۔ ۸۔ ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ۹۔ مقالاتِ احسانی ۱۰۔ تفسیر سورۂ کہف۔ ۱۱۔ سوانح قاسمی سہ جلد۔ ۱۲۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ۔ ۱۳۔ کائناتِ روحانی ۱۴۔ رحمۃ للعالمین۔ ۱۵۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ اور الفرقان لکھنؤ کے مجدد الف ثانی نمبر اور "شاہ ولی اللہ نمبر" میں ان کے مقالات جانِ اشاعت تھے۔ ان مقالات سے جہاں ان کے ذوقِ تاریخ، اندازِ فکر اور ژرف نگاہی نمایاں ہے ان کے سینے میں اٹھتے ہوئے طوفان اور مچلتے ہوئے ارمان بھی ظاہر ہیں۔" (بحوالہ الحق اکوڑہ خٹک۔ دسمبر ۱۹۷۹ء)

بہر حال حضرت مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھنے کا آغاز "القاسم" سے کیا اور آخر "سوانح قاسمی" کی چوتھی جلد لکھتے لکھتے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ملک کا کوئی قابلِ ذکر مجلہ ایسا نہ تھا جس کے صفحات ان کی قلم کاریوں سے رنگین نہ ہوں۔ بیسیوں کتابوں پر مقدمے لکھے، ہر اہم مذاکرے میں شرکت کی۔ اور اپنے تبحر علمی کا لوہا منوالیا۔ محدثوں کی محفل ہو یا فقہا کی مجلسِ افتاء، مورخوں کی انجمن ہو یا شاعروں کی سوسائٹی، ہر جگہ اُن کی شخصیت جانِ محفل تھی۔ مولانا نے زندگی میں ہزاروں صفحات لکھے۔ درجن بھر اہم کتابیں ان کی یادگار ہیں مگر ایک دو کتابوں کے علاوہ کوئی کتاب باضابطہ طور پر نہ لکھی۔ کسی طرف سے تحریک ہوئی اور پھر ؎

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

وہ صفحات کے صفحات لکھتے چلے جاتے تھے اور کبھی نظرِ ثانی نہ کرتے، یہ فریضہ ان کے مخاط

احباب، عزیز شاگرد یا ناشر اپنے طور پر کرا دیتے تھے۔ "النبی الخاتم" اور "الدین القیم" ان کے شاگرد عزیز ڈاکٹر غلام دستگیر رشید (پروفیسر فارسی نظام کالج حیدر آباد) نے ترتیب دیں۔ "تدوین حدیث"۔ "تفسیر سورۂ کہف" اور "مقالات احسانی" کی ترتیب و تدوین اور ذیلی سرخیاں مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب حیدر آبادی (حال کراچی) کی سعی و محنت کا نتیجہ ہے۔

مولانا سے کسی رسالے کے مدیر یا دوست نے فرمائش کی۔ موضوع سامنے آیا تو پھر خیالات کا سیلاب نوک قلم پر آگیا۔ اور اسے صفحۂ قرطاس پر قلم بند کرتے چلے گئے۔ "النبی الخاتم" اور "مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" اسی طرح وجود میں آئیں۔ بعض اوقات لیکچر کی تیاری یا کسی طالب علم کی رہنمائی کے لئے نوٹس لیئے اور یہ نوٹس ضخیم کتاب بن گئے۔ "الدین القیم"، "اسلامی معاشیات"، "تدوین حدیث" اور "تدوین قرآن" اسی قبیل کی تالیفات ہیں۔

مولانا کی پہلی کتاب "ابوذر غفاری رضؓ" کو دیکھ کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا تھا:

"اس کتاب کا مؤلف آئندہ چل کر عظیم محقق ثابت ہوگا"

چنانچہ حضرت تھانویؒ کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی ان علمی و تصنیفی خدمات کے صلہ میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

(ماخوذ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک)

تحریک آزادی میں علماء کا کردار

برصغیر پاک و ہند میں آزادی کی تحریک اسی دن سے شروع ہوگئی تھی جب ایک بیرونی طاقت انگریز نے اس سرزمین پر اپنے پنجے گاڑنے شروع کئے تھے۔ سراج الدولہ، ٹیپو سلطان اور دیگر مسلمان حکمرانوں کی انگریزوں کے خلاف جنگیں، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ جہاد، سید احمد شہیدؒ کی تحریک مجاہدین، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک مجاہدین کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا۔ کہ مسلمانوں میں ایمانی حرارت پیدا کر کے صوبہ سرحد کی جانب سے انگریزوں کے خلاف پیش قدمی کی جائے۔ اور ہندوستان

کو غیر ملکی آقاؤں کے پنجے سے آزاد کرایا جائے۔ سید احمدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہو جانے کے بعد ان کے باقی ماندہ ساتھیوں نے سوات کی حدود میں ستھانہ کے قریب مرکز جہاد قائم کر کے طویل عرصے تک شمع حریت کو روشن رکھا اور انگریز حکومت کے خلاف مسلسل لڑتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کو اس کی بہت مہنگی قیمت ادا کرنی پڑی۔ انگریزوں نے آزادی کے بارے میں سوچنے والوں کو چن چن کر ختم کرنا شروع کر دیا اور اس ظالمانہ کارروائی کا نشانہ خاص طور پر اکابر علماء دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ حافظ ضامن تھانویؒ وغیرہ علماء و مجاہدین بنے جو تحریک آزادی کے قائدین میں سے تھے یہ حضرات اکابر دیوبند بنفس نفیس جہاد آزادی میں شریک رہے۔ حضرت حافظ ضامن صاحب شہید ہوئے اور باقی حضرات میں سے حضرت گنگوہیؒ گرفتار ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ کو گولی لگی مگر حق تعالیٰ نے ان کو دینی علوم کی اشاعت کے لئے زندہ رکھا۔ حضرت حاجی صاحب اور مولانا کیرانویؒ وغیرہ علماء مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس کے بعد ان حضرات کے جانشین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند جو غلامی سے نفرت اور آزادی سے محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے تھے سر پر کفن باندھ کر نکلے اور آزادی کی تحریک کو بڑی سرگرمی سے آگے بڑھایا۔ تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت اور ترک موالات کی تحریک۔ حضرت شیخ الہندؒ کے جذبۂ حریت کی واضح نشانیاں ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ ان تحاریک کے روح رواں اور عظیم قائد تھے۔ ساری زندگی انگریز حکومت کے خلاف جہاد کرتے رہے اور بالآخر بے پناہ قربانیوں کے بعد انگریزوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا گیا۔ بعد میں جب مسلمانوں کو ہندوؤں کے متعصبانہ رویے سے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں انگریز کے چلے جانے سے ہندو اکثریت کے پھندے میں نہ پھنس جائیں تو حضرت شیخ الہندؒ کے جانشینوں میں سے حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے دو قومی نظریے کے تحت تحریک پاکستان

کو حرزِ جان بنالیا۔ پھر اس کے لئے اتنی قربانیاں دیں کہ انگریز کو اپنا بوریا بستر سمیٹنا پڑا ۔ اور ان اکابر علماء دیوبند کی مخلصانہ جدوجہد آزادی کے نتیجے میں مملکت خداداد پاکستان نصیب ہوئی۔ تو مقصد یہ ہے کہ یہ سب کچھ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت شیخ الہندؒ۔ مولانا محمود حسنؒ حکیم الامت تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر علماء کرام کی بے پناہ قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ ان حضرات نے آزادی کی ہر تحریک میں قائدانہ عملی حصہ لیا۔ اور خصوصاً تحریک پاکستان میں پوری قوت سے کام کیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں جناب محمد اقبال صاحب سہیل لکھتے ہیں کہ:۔

"تحریک پاکستان میں صفِ اول کے جن علماء کرام نے ملت کو جگانے اور آزادی کے لئے دن رات کام کیا اس کی داستان بڑی ولولہ انگیز ہے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا اطہر علیؒ۔ مولانا شمس الحق فریدپوریؒ۔ مولانا جمال الدین فرنگی محلیؒ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ مولانا مفتی دین محمد خانؒ۔ پیر صاحب سرسینہ شریف۔ پیر صاحب مانکی شریف۔ پیر زکوڑی شریف۔ پیر جماعت علی شاہ۔ مولانا داؤد غزنویؒ۔ مولانا راغب احسن۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری۔ اور مفتی جعفر حسین اور جانے کتنے ہی مشائخ و علماء کرام نے خاموشی سے تحریک پاکستان میں عظیم الشان کردار ادا کیا تھا۔ برصغیر کے علماء کی اپنی ایک روایت رہی ہے کہ وہ کسی بھی پلیٹ فارم میں خود نمائی پسند نہ فرماتے تھے۔ کلکتہ میں ۲۶ر تا ۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جو آل انڈیا جمعیت علماء اسلام کی زبردست کانفرنس ہوئی تھی اس میں پانچ سو صفِ اول کے علماء و مشائخ شامل تھے۔ اس کانفرنس کی تفصیلات پردہ میں رہیں مغربی دنیا میں تحریک پاکستان کے خلاف جو اہم کتابیں اور شدید تنقیدیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اس کانفرنس کی قراردادوں کو تحریک پاکستان کی کارفرما قوت قرار دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ لیاقت علی خان مرحوم جس حلقہ سے کھڑے ہوئے تھے وہ کانگریس کا گڑھ تھا مگر مولانا ظفر احمد

عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کوششوں نے لیاقت علی خان کو کامیاب کرایا اور یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے رفقاء کی سعی و کاوشوں نے مسلم لیگ کو ہر میدان میں کامیاب کرایا اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں جمعیت علماء اسلام نے کانگریس اور جمعیت علماء ہند کو شکست سے دوچار کیا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے صوبہ پنجاب جمعیت علماء اسلام کانفرنس لاہور جنوری ۱۹۴۶ء میں ۔ ہمارا پاکستان کے عنوان سے جو ولولہ انگیز اور تاریخی خطبہ پڑھا تھا۔ اس کی صدائے بازگشت دنیا بھر میں پاکستان پر لکھے گئے لٹریچر میں آج تک سنی جاتی ہے جیسے کہ راقم نے عرض کیا ہے کہ برصغیر کے علماء کی اپنی ایک روایت رہی ہے۔ علماء و مشائخ کی بہت عظیم تعداد نے خاموشی سے کارفرما قوت کے طور پر کام آنا مناسب سمجھا۔ اس بات کے بھی دلائل موجود ہیں کہ ڈاکٹر علامہ اقبال نے کئی دفعہ کوشش فرمائی کہ علماء قیادت کریں لیکن علماء و مشائخ کا اپنا ایک انداز تھا۔ جسے وہ نشاۃ ثانیہ کے لیے مناسب اور درست قرار دیتے تھے اور پھر ان عظیم علماء نے مولانا محمد علی جوہر اور علامہ اقبال کی رائے پر صاد کر کے اجماع کے ساتھ قائداعظم کی قیادت کو نہ صرف چلنا تھا بلکہ اس قیادت کو تسلیم کر کے پوری قوت سے تحریک پاکستان کے لئے بھرپور کام کیا تھا۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے نوائے وقت ۷ فروری ۱۹۸۶ء کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک عجیب وغریب بات کی۔ انہوں نے فرمایا کہ:-

"علماء نے تحریک پاکستان میں 'معاونین کی حیثیت سے کام کیا تھا جو حضرات اجنبی عینک لگا کر تحریک پاکستان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ انہیں ڈاکٹر اسرار صاحب کی یہ بات پسند آئے گی۔ حالاں کہ یہ بات تحریک پاکستان سے متعلقہ ریکارڈ کے بالکل منافی ہے۔

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ۔ پیر صاحب مانکی شریف اور پیر صاحب زکوڑی شریف کا مرہون منت تھا۔ اور سلہٹ کا ریفرنڈم مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا اطہر علیؒ وغیرہ علماء کی کوششوں سے کامیاب ہوا تھا۔

یوپی مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں اسلامی نظام حکومت کا خاکہ بنانے کے لئے جو کمیٹی مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سربراہی میں قائم کی تھی وہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت میں علماء "معاونین" نہیں تھے۔ کہنے کی بات یہ ہے کہ علماء تحریک پاکستان میں کارفرما قوت کے طور پر کام کر رہے تھے۔ یہ ملک بنانے کی تحریک تھی۔ بنے بنائے ملک میں نظام نافذ کرنے کی تحریک نہ تھی۔ اس تناظر میں دونوں کا عمل یکسر مختلف ہے۔ ملک بنانے کی اس تحریک میں اجنبی سامراج سے ٹکراؤ تھا اور ساتھ ہی اس سامراج کے ساتھ مشترک ہندو سامراجیت سے بھی واسطہ تھا۔ اور آزادی لینی تھی۔ صورت حال سیاسی تناظر میں بے حد مختلف تھا۔ تحریک پاکستان میں علماء کارفرما قوتوں کے طور پر ملت کو جگانے اور اٹھانے کا کام کر رہے تھے۔ جب کہ اس وقت کی برصغیر کی چوٹی کی قیادت اہل الرائے حضرات اور بالغ نظر مفکرین نے اس سلسلے میں اقبال سے رجوع کیا تھا اور اقبال نے اپنے گہرے بصیرت وفکر سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کا چناؤ کیا جو انگریزی سامراج کی باریکیوں سے پوری طرح واقف ہو۔ ہندو جاتکیت کے مکروہ دھوکا کو خوب پہچانتا ہو۔ ملی جذبے سے سرشار ہو اور اسلام کی بالادستی اور عظمت کا فکری ودلی طور پر قائل ہو۔ اور سب سے بڑھ کر پختہ کردار کا انسان ہو۔ تحریک آزادی کی نوعیت ایسی ہی تھی۔ متعدد ریکارڈ پر یہ حقائق روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اقبال نے قائد اعظم محمد علی جناح کے چناؤ پر مولانا محمد علی جوہر سے ہی مشورہ نہیں کیا تھا بلکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سب سے پہلے اس پر صاد کیا تھا۔ اور قائد اعظم کی دینی تربیت اور دینی رہنمائی مولانا تھانویؒ ہی نے کی تھی۔ ان علماء نے پاکستان بننے کے بعد بھی بہترین رول ادا کیا تھا تعلیمات اسلامیہ بورڈ کی شاندار اور عظیم خدمات ہماری تاریخ کا بنیادی حصہ ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۲، مارچ ۱۹۸۶ء)

دو قومی نظریے کی تائید و حمایت

ہندوستان کے طبقہ علماء دیوبند میں یہ شرف اور سعادت حضرت حکیم الامت تھانوی کو حاصل ہوا کہ سب سے پہلے پاکستان کا تخیل اور خالص اسلامی حکومت کا خیال آپ ہی نے پیش کیا تھا۔ اس کے ساتھ کانگریس کے معاملہ میں علی الاعلان کھلے بندوں قائد اعظم اور مسلم لیگ کی حمایت واعانت اس وقت کی جب پورے ملک میں سیاسی طوفان آیا ہوا تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ ہندو اور انگریز دونوں ناگ ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے کہ جتنے کافر ہیں سب اسلام کے دشمن ہیں، کوئی گورا ہو یا کالا، دونوں ہی سانپ ہیں بلکہ گورے سانپ سے کالا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ اگر گورے سانپ کو گھر سے نکال دیا جائے تو ڈسنے کو کالا موجود ہے۔ جس کا ڈسا ہوا زندہ ہی مشکل سے رہتا ہے۔"

حضرت تھانویؒ کے نزدیک ہندو مسلم اتحاد ایک بہت بڑا فتنہ تھا۔ آپ دو قومی نظریے کے علمبردار تھے اور مسلمانوں کا کانگریس میں شریک ہونا دینی موت کے مترادف سمجھتے تھے آپ نے مسلم لیگ کی حمایت میں کھلم کھلا اعلان کیا تو مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہو کر جنگ پاکستان لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس پر کانگریس مشتعل ہو گئی۔ اور حضرت کو راستہ سے ہٹانے کے لیے قتل کے منصوبے بنانے لگی۔ بلکہ فی الواقعہ حضرت کے اعلان کی اشاعت کے بعد آپ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا مگر قاتل ہیبت حق کی تاب نہ لا کر الٹے پاؤں واپس دوڑ گئے۔ اور پھر ساری تحریک مسلم لیگ کے دوران کسی کو ایسی جرأت نہ ہوئی۔ سیاسی معاملات میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس استقلال و استقامت کو دیکھ کر محقق اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ کو لکھا کہ:-

" اللہ تعالیٰ حضرت تھانویؒ کے سایہ کو ملت اسلامیہ کے سر پر دیر تک صحت و سلامتی کے ساتھ قائم رکھے اور اس وقت کے طوفان کے اکیلے ملاح کو اتنا تو وقفہ دے کہ کم از کم یہ

طوفان سر سے ٹل جائے۔ علماء میں افسوس ہے کہ سب اُدھر ہی چلے گئے جدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔ ایک حضرت ہی ہیں جن سے اس جماعت کی آبرو باقی ہے ۔"

(حکیم الامت ؒ صہ ۳۵۶)

حضرت مولانا گیلانی ؒ جیسے اہلِ نظر محقق حضرت کی درازیٔ عمر کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور اہلِ غرض انہیں اپنے راستہ سے ہمیشہ کے لئے ہٹانے کی تیاریوں میں مصروف تھے مگر یہ مردِ حق کانگریسیوں کے تمام ناجائز حربوں کے باوجود مسلم لیگ کی حمایت سے باز نہ آئے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس نعرۂ حق کی تائید کرنے والی پہلی عظیم شخصیت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تھی جو تحریک آزادی کے عظیم مجاہد حضرت شیخ الہندؒ کے سیاسی وعلمی امور کے ترجمان تھے۔ علامہ عثمانیؒ اپنے استاد و مرشد شیخ الہندؒ کی طرح دو قومی نظریے کے حامی تھے۔ انہوں نے دو قومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندانِ اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ غلط یا صحیح طور پر دنیا میں اقوام کی تقسیم وطن، نسل، زبان اور طرزِ تمدن وغیرہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے اور اب بھی موجود ہے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا کی جو تعمیر جدید ہوئی اس میں تخلیق کے اعلیٰ ترین مقاصد کے پیشِ نظر، اللہ کے پیدا کئے ہوئے تمام انسانوں کی باعتبار قومیت کے ایسی ثنائی تقسیم کر دی گئی جس کے احاطہ سے کوئی فردِ بشر باہر نہ رہ سکے۔ اب اسلامی نقطۂ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطرِ ہستی کی صحیح معرفت حاصل کرکے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کی زمین میں رائج کرنے کا التزام کر لیا ہے۔ وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے

اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا اس کا شرعی نام کافر ہوا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ یاد رہے کہ ایمان وکفر کی یہ تقسیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی تھی لیکن آپ سے قبل ہر نبی کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اسی لئے ان کی بعثت سے قومیتوں کے قائم شدہ امتیازات کلیتہً مٹائے نہیں جا سکتے تھے البتہ رحمۃ للعالمین کی بعثت عامہ نے تشخصات اور محدود امتیازات کی قدر و قیمت گھٹا دی یا ختم کر دی۔ جن کو لوگوں نے اپنے جہل و تنگ نظری سے شرافت و کرامت کا اصلی معیار بنا رکھا تھا۔ اسی اساسی نقطۂ نظر سے لا محالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی اور اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔ (خطباتِ عثمانیؒ ص۲۴۷)

اسی دو قومی نظریہ کے تحت حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حصولِ پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی اور شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی رہبری و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا پھر اسی دو قومی نظریۂ اسلام کی تائید و حمایت میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا اطہر علی صاحب جیسے جلیل القدر علماء میدان میں نکلے اور اپنی تحریروں اور تقریروں سے مسلمانان ہندوستان کو شرعی حیثیت سے مطمئن کیا۔

محققِ اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور اپنے استاذِ محترم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سیاسی نظریات کی مکمل تائید و حمایت کی اور اپنے ان ہم عصر ممتاز علماء دیوبند کے شانہ بشانہ دو قومی نظریہ کے تحت تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔ مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ان علماء و مشائخ

خاموشی سے کام کیا۔ یہ حضرات خودنمائی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر
یہ حضرات علماء دیوبند مسلم لیگ میں شرکت کر کے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں متحدہ
ہندوستان کے مسلمانوں کی رہنمائی نہ کرتے تو مسلم لیگ کی طرف ہوا کا رخ موڑنا اور نظریہ
پاکستان کی طرف سیاست کے دھارے کا منہ پھیرنا ناممکن نہیں تو دشوار بہت تھا درآنحالیکہ
جمیعت علماء ہند دہلی کے اعاظم کار، مجلس احرار کے شعلہ بیان مقررّ، جماعت اسلامی کے نثار،
انجمن خاکسار کے بیلچہ بردار، صوبہ سرحد کے سرخپوش ڈاکٹر خان اور گاندھی جی کے چیلے
عبدالغفار خان۔ پنجاب کے یونینسٹ انگریزوں کے حاشیہ بردار، سندھ میں جی ایم سیدوں
کے نمک خوار سارے کے سارے قائداعظم اور تحریک پاکستان کے یکسر مخالف تھے۔ سیاست
کی اس گھٹاٹوپ سیاہی میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ان روحانی فرزندوں اور
جانشینوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے مخالفت کے بادلوں کو چھانٹ کر رکھ
دیا۔ اور مسلمانان ہند کو شرعی حیثیت سے دلائل اور براہین سے مطمئن کرنے میں کامیاب
ہوگئے۔ اور آخر کار پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ اور مخالف طاقتیں ناکام ہوگئیں ؎

(بحوالہ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

دستور پاکستان کا خاکہ

پاکستان بنے ہوئے ابھی چھ سات ماہ ہی گذرے
تھے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کو اس کی
فکر ہوئی کہ جس غرض کے لئے پاکستان بنایا گیا اور جس کی خاطر ان علماء کرام اور لاکھوں مسلمانوں
نے اپنے گھر بار کو چھوڑا اور قربانیاں پیش کیں اب اس کا دستور اسلام کے اصول صحیحہ پر
ایسا مرتب ہو جس کے تحت اسلامی نظام کی برکات کا مشاہدہ کر سکیں۔ اور اسے دوسروں
کے لئے نشان راہ کے طور پر پیش کر سکیں۔ چنانچہ کراچی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی
کے مشورہ سے کچھ مسلمانوں کی ایک جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان کا دستور کتاب و سنّت
کے اصول پر بنانے کے لئے ایک خاکہ مرتب کیا جائے۔ جو ممبران اسمبلی کے سامنے رکھا جا سکے

اور اسی کی روشنی میں دستور بنوانے کی سعی کی جاسکے حضرت علامہ عثمانیؒ مرحوم کے مشورہ سے مندرجہ ذیل چار علماء اس کام کے لئے تجویز ہوئے۔

۱۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

۳۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

۴۔ حضرت مولانا ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی

مگر حسنِ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت کوئی بھی پاکستان میں موجود نہ تھا سب کے سب ہندوستان میں مقیم تھے حالانکہ ان حضرات کی زندگی سخت خطرہ میں تھی۔ کیونکہ ہندو انہیں اپنا دشمن تصور کرتے تھے۔ کہ انہوں نے علامہ عثمانیؒ کے ساتھ مل کر جہاد پاکستان میں حصہ لیا تھا۔ خصوصاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تو بہت ہی زیادہ دشمن تھے کہ وہ بڑے سرگرم عمل رہ چکے تھے مگر بایں ہمہ انہوں نے پاکستان آنے کی سعی نہ کی تھی۔

ان حضرات کو پاکستان لانے کے لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو ہندوستان بھیجا، مولانا تھانویؒ نے انہیں تدوین دستور کے لئے کراچی آنے کی دعوت دی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ تو کسی عذر کے سبب اس وقت نہ آسکے باقی تینوں حضرات کام کی اہمیت کے پیش نظر فوراً پاکستان آگئے۔ اور وسط ۱۹۴۸ء میں یہ حضرات دستور کے خاکہ مرتب کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اور قریباً تین ماہ میں ایک مختصر سا خاکہ علامہ عثمانیؒ کی زیر ہدایت مرتب کر لیا۔ کام ختم ہونے پر حضرت مولانا گیلانیؒ اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب تو واپس چلے گئے مگر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو دو وجوہات کی بنا پر کراچی روک لیا گیا ایک تو اس لئے کہ ان کا بھارت واپس جانا خطرہ سے خالی نہ تھا دوسرے اس لئے کہ ان

کام کی تکمیل کے لئے ان کا یہاں رہنا اشد ضروری تھا۔ بہرحال حضرت مولانا گیلانیؒ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کے تلمیذ رشید ہونے کی حیثیت سے دو قومی نظریہ کے تحت تحریک پاکستان کی مکمل حمایت کی اور آخر دم تک پاکستان کے دلی طور سے خیر خواہ اور پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے خواہاں رہے۔ اسی لئے دستور پاکستان کے خاکہ کی ترتیب و تدوین کے لئے علامہ عثمانیؒ کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے اور دستور کی تیاری میں شبانہ روز تین ماہ تک لگے رہے۔ پھر چند مجبوریوں کے تحت واپس ہندوستان چلے گئے۔ وہاں ہندوستان میں مولانا گیلانیؒ مرحوم کئی انجمنوں اور علمی مجالس کی اعزازی رکنیت بھی رکھتے تھے۔ اور ندوۃ المصنّفین دہلی کے رکن تھے۔ ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۶۷ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ میں بھی شامل رہے اور اسی طرح ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے اعزازی مدیر کی حیثیت سے ایک سال کام کیا۔ الغرض آخر دم تک علمی، دینی اور اسلامی خدمات میں مصروف رہے۔"

(ماخوذ از تعمیرِ پاکستان و علمائے ربّانی)

رئیس العلماء حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ

آپ ماہ رمضان ۱۳۱۲ھ کو بانس بریلی یا شاہجہانپور میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد جناب اکبر علی صاحب کسی بڑے سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ آپ نسبتاً فاروقی تھے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کے حقیقی چچا تھے۔ زمیندار اور امیر گھرانہ تھا۔ آپ بچپن ہی سے اپنے چچا حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے پاس رہے اور ان ہی کی نگرانی میں آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا۔ پھر حضرت تھانویؒ کے حکم سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا جہاں دوسرے مشاہیر علماء اور اساتذہ کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ اور شیخ وقت حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جیسے بزرگوں سے علمی و روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی آپ پر خصوصی نظر عنایت تھی اور فراغت تعلیم کی سند اپنے دست مبارک سے آپ کو عطا کی۔ اس کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند جاکر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے درس حدیث میں شرکت کی اور وہاں سے بھی دورۂ حدیث سے فارغ

ہوکر سند حاصل کی۔

علمی و دینی خدمات

فراغت تعلیم کے بعد آپ تھانہ بھون ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔ اور دینی کتب کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا پھر کچھ عرصہ بعد " امداد المطابع " کے نام سے ایک پریس جاری کیا۔ اور تھانہ بھون سے ماہنامہ " الامداد " شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی یاد میں جاری کیا۔ پھر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو ساتھ ملا کر " تفسیر بیان القرآن " کا خلاصہ کر کے " تلخیص البیان " کے نام سے شائع کئے۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت کی بہت سی تصانیف، مواعظ و ملفوظات اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف " اعلاء السنن " بیس جلدوں کی ضخیم کتاب اور " احکام القرآن " وغیرہ مایۂ ناز کتب کی پہلی طباعت کا مکمل انتظام آپ ہی کا کارنامہ تھا۔ حضرت تھانویؒ کے قلمی مسودات جن میں بکثرت عبارتیں قلم زد ہو کر حواشی پیچ در پیچ صورت میں لکھی ہوتی تھیں ان کو صحیح پڑھنا بھی ہر ایک کا کام نہ تھا۔ پھر کاتب سے اس کی کتابت کرانا اور تصحیح کا انتہائی اہتمام کر کے چھپوانا صرف آپ ہی کی خصوصیت تھی۔ بقول مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حق تعالیٰ جل شانہٗ حضرت حکیم الامتؒ کی تصانیف و مواعظ سے جو عظیم فائدہ امت کو پہنچایا ہے اس میں حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ کا خاص حصہ ہے۔

(ماہنامہ البلاغ۔ رمضان ۱۳۸۸ھ)

خانقاہ امدادیہ کا اہتمام

دینی و علمی خدمات کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ مدرسہ امداد العلوم اشرفیہ تھانہ بھون میں تدریسی خدمات بھی سر انجام دیں پھر جب مولانا احمد حسن سنبھلی سے مدرسہ اور خانقاہ کا اہتمام و انتظام اچھا نہ چل سکا تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے آپ کی ذہانت و قابلیت کے پیش نظر ۱۳۷۷ھ میں مدرسہ امداد العلوم اور خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کا اہتمام و انتظام حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ

کے سپرد کر دیا جسے آپ نے بہت احسن طریقے سے سرانجام دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

"برادرم مولانا شبیر علی تھانویؒ نے خانقاہِ امدادیہ و مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون کا انتظام بہت خوبی سے انجام دیا ہے جس کو اہلِ سلسلہ نے بہت پسند کیا ہے۔"[1]

اس کے ساتھ ساتھ آپ کو دارالعلوم دیوبند سے بھی ایک خاص تعلق اور رابطہ تھا۔ آپ باقاعدہ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی تھے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ آپ کے خاص رفیق اور ہمعصر تھے ان سے ملاقات کے لئے آپ اکثر دیوبند جاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ قیام دیوبند کے دوران حضرت قاری صاحب اور آپ دفتر دارالعلوم میں مصروفِ گفتگو تھے پنکھا اس دوران میں چل رہا تھا تو آپ نے فوراً تھانہ بھون کی مخصوص روایات کے تحت یہ محسوس کیا کہ کئی گھنٹے تک دارالعلوم کا پنکھا ہماری وجہ سے چل رہا ہے یہ کوئی دارالعلوم کا کام تو نہیں تھا اس لئے اس کا خرچہ ہمیں ادا کرنا چاہیے۔ ایک روپیہ مہتمم صاحب کے حوالہ کیا۔ کہ یہ دارالعلوم میں جمع کر دیا جائے سبحان اللہ! یہ کیسے عظیم لوگ تھے کہ ذرا ذرا سی باتوں کو بھی کس انداز سے سوچتے تھے۔

ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے بعد دوسری سب سے بڑی دینی درسگاہ سہارنپور میں "مظاہر العلوم" کے نام سے قائم ہوئی جہاں سے علم کے چشمے جاری ہوئے۔ اس وقت ان دونوں عظیم دینی درسگاہوں کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ ان کی وفات کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور کی مجلس شوریٰ نے جس شخصیت کو مدرسہ کی سرپرستی کے لئے منتخب کیا وہ حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ کی ذاتِ گرامی تھی چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

---

[1] البلاغ کراچی ۱۳۸۸ھ ص۵۲ بحوالہ ذکر مجذوبؒ

مولانا شبیر علی تھانویؒ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سرپرست مقرر ہوئے اور شوال ۱۳۶۹ھ میں حج کو چلے گئے۔ اور وہاں سے مستقل پاکستان کو چلے گئے۔ کراچی میں رہائش اختیار کی اور بہشتی زیور مکمل و مدلل کی طباعت کا انتظام کیا۔ اور آخر دم تک دینی علمی اور تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے اور ۲۸ رجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن ۰

(آپ بیتی. صـ ۱۶)

تحریک پاکستان اور مولانا شبیر علی تھانویؒ

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال مرحوم نے مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنے خطبۂ صدارت کے دوران میں ظاہر کیا۔ جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعے باقاعدہ مطالبہ کیا گیا تھا۔ بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے بلکہ اس کا مکمل خاکہ اور حصول کا پروگرام بھی بنا چکے تھے۔ جون ۱۹۲۸ء میں مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو دوران گفتگو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے دارالاسلام کی اسکیم کی خاصی تفصیل ان کے سامنے بیان فرمائی، فرمایا کہ:-

"جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجرا احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، دوسری قوموں کے ساتھ مل کر یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں اس مقصد کے لئے تو صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیے اور اسی کو یہ کوشش کرنی چاہیے۔"

مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں کہ:-

"پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں تھانہ بھون میں کان میں پڑیں۔" (نقوش و تاثرات صـ ۲۲۰)

گویا دربارِ اشرفیہ میں حصول و بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت تیار ہوا جب کہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب وخیال بھی نہ تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے حصولِ پاکستان کے لئے راہ عمل یا نظام پاکستان کا خاکہ پیش کرنے پر ہی اکتفا نہ فرمایا تھا بلکہ اس کے لئے عملی جدوجہد بھی اسی زمانہ سے شروع کر دی تھی۔

(۱) سب سے پہلے حضرت تھانویؒ نے ہندوستان میں اسلامی قوانین رائج کرنے کی مہم شروع کر دی تھی۔

(۲) سب سے پہلے کانگریس کے خلاف اور مسلم لیگ کی حمایت میں جماعت علماء میں سے دربار اشرفیہ ہی سے اعلان جاری ہوا۔

(۳) سب سے پہلے حضرت تھانویؒ ہی نے مسلم لیگ کی تطہیر اور قائداعظم میں تدین پیدا کرنے کی کوشش کی۔

(۴) اور سب سے پہلے حصول پاکستان کے لئے جہاد کی تیاری بھی حضرت تھانویؒ نے فرمائی۔

ان سب کاموں کی تفصیل، سیرت اشرف اور "تعمیر پاکستان و علماء ربانی" میں ملاحظہ فرمائیے یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال حضرت تھانویؒ کی یہ تمام عملی جدوجہد ۱۹۴۰ء میں لاہور کے تاریخی اجلاس کے اندر قرار دادِ پاکستان پاس کرنے سے پہلے کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے نہ صرف سب سے پہلے پاکستان کا تخیل پیش کیا بلکہ اس کے حصول کے لئے عملی جدوجہد کرنے والوں میں بھی آپ کا درجہ اَلسّابقون الاوّلون کا ہے اور اس عملی جدوجہد میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہی حضرات سب کاموں میں حضرت

تھانویؒ اور قائدِ اعظم کے درمیان نمائندگی کا حق ادا کرتے تھے اسی سلسلہ میں منشی عبدالرحمن خان صاحب فرماتے ہیں کہ:-

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جب اربابِ مسلم لیگ کو تبلیغ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اپنے خدام اور خلفاء کو وفود کی صورت میں قائدِ اعظم کی خدمت میں بارہا بھیجا۔ ان وفود کی نمائندگی جو حضرات فرماتے تھے ان میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اور مولانا شبیر علی تھانویؒ شامل ہیں اور خاص طور پر دربارِ اشرفیہ کی طرف سے مولانا شبیر علی تھانویؒ بطور سفیرِ تبلیغ قائدِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اور قائدِ اعظم کو حضرت تھانوی کے قریب تر لانے میں بڑا کام کیا۔ قائدِ اعظم کی تمام تر دینی اصلاح و تربیت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا فیضان تھا۔ اور ان کا اسلامی شعور حضرت تھانوی ہی کی بدولت تھا۔" (تعمیر پاکستان و علمائے ربانی)

اصلاحِ قائدِ اعظم

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو جنہوں نے سب سے پہلے نظریۂ پاکستان پیش کیا تھا۔ فراستۃً معلوم ہو گیا تھا کہ پاکستان ایک نہ ایک دن معرضِ وجود میں آکر رہے گا جس کے حصول کا سہرا قائدِ اعظم کے سر ہو گا۔ مگر قائدِ اعظم انگریزی ماحول میں تعلیم و تربیت پانے کی وجہ سے دین کی تعلیم سے کما حقہٗ واقف نہ تھے اور نہ ہی ان کے رفقاء کار دیندار قسم کے لوگ تھے اس لئے حضرت تھانویؒ نے محسوس کیا کہ جنگِ پاکستان لڑنے والوں کو دین کی تبلیغ کی جائے۔ اور انہیں کتاب و سنت کی پیروی کی تلقین کی جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مئی ۱۹۳۸ء میں مولانا شبیر علی تھانویؒ مہتمم خانقاہِ امدادیہ کو بلایا اور اُن سے فرمایا کہ:-

" میاں شبیر علی! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔ لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ لوگ دیندار بن جائیں۔ ہمیں و یسے بھی

سلطنت کی طلب نہیں۔ صرف ہم کو یہ مقصود ہے کہ جو سلطنت قائم ہو وہ دیندار اور دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہو اور بس۔ تاکہ اللہ کے دین کا بول بولا ہو۔[1]

حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ نے یہ سن کر عرض کیا کہ پھر تبلیغ نیچے کے طبقہ یعنی عوام سے شروع ہو یا اوپر کے طبقہ یعنی خواص سے؟ اس پر حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ۔ اوپر کے طبقہ سے کیونکہ وقت کم ہے۔ خواص کی تعداد کم ہے اور الناس علیٰ دین ملوکہم۔ اگر خواص دیندار اور دیانتدار بن گئے تو انشاء اللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔"

الغرض ۴ رجون ۱۹۳۸ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہونے والا تھا جس میں اکابر لیگ نے جمع ہونا تھا اس لئے حضرت تھانویؒ نے وہاں ایک تبلیغی وفد بھیجنے کا فیصلہ فرمایا اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو اس کا امیر الوفد مقرر کر کے مولانا شبیر علی تھانویؒ اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ۔ ارکان وفد کو علامہ عثمانیؒ کے نام ایک خط دے کر ان کے پاس دیوبند روانہ کیا تاکہ وہاں سے وہ انہیں لے کر آگے روانہ ہو جائیں۔ حضرت نے مولانا شبیر علی صاحب کو قائد اعظم سے گفتگو کرنے کے لئے کچھ ہدایات دیں کہ:۔

"جناح صاحب سے جو باتیں کرنی ہیں وہ میں نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو خط میں لکھ دی ہیں وہ امیر الوفد بھی ہیں اور گفتگو کا سلیقہ بھی ان کو بہت بہتر آتا ہے۔ لیکن اگر کسی وقت گفتگو کا تم کو اتفاق ہو جائے تو گفتگو میں اس کا لحاظ رکھنا کہ گفتگو نرم لہجہ میں ہو۔ اختلافی مسائل درمیان میں بالکل نہ آئیں۔ اگر مخاطب اختلافی مسائل درمیان میں لانا چاہے تو بہ لطائف الحیل اس سے گریز کرنا اور دوسری گفتگو شروع کر دینا اگر مخاطب کے کسی عمل کے متعلق کچھ تنقید کرنا ہو تو لہجہ تنقیدی نہ ہو بلکہ ہمدردانہ اور تبلیغی ہو۔

---

[1] تعمیر پاکستان و علمائے ربانی صہ ۶۶

الفاظ بھی نرم ہوں اور جواب ایسا دینا جس کو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے۔"

تبلیغی وفود - جب یہ حضرات مولانا شبیر علی تھانویؒ اور مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ - حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچے تو ان کی والدہ صاحبہ سخت بیمار تھیں اس لئے انھوں نے روانگی سے عذر کر دیا اور چونکہ فوری طور پر کوئی دوسرا امیر الوفد نہ مل سکا جو قائدِ اعظم سے گفتگو کر سکتا اس لئے یہ وفد روانہ نہ ہو سکا۔ اس کے بعد جب دسمبر ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمقام پٹنہ ہونا قرار پایا تو اس اجتماع سے فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت تھانویؒ نے دوسرا وفد تیار کیا جو مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا عبدالجبار ابوہریؒ۔ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ اور مولانا معظم حسین امروہیؒ پر مشتمل تھا جس کے رئیس الوفد مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے وفد کو اپنے دو رسائل دیئے ان میں سے ایک رسالہ میں حضرت تھانویؒ کا مسلم لیگ کے نام سے تاریخی پیام تھا جس میں اربابِ لیگ کو دینی شعائر اور وضع اسلامی کی پابندی کی تلقین کی گئی تھی جس کی روشنی میں انہیں نے قائدِ اعظم سے گفتگو کرنی تھی۔

وفد نے پٹنہ پہنچنے کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خان کی معرفت قائدِ اعظم سے گفتگو کا وقت لیا جو پانچ بجے شام کا مقرر ہوا۔ وقتِ مقرر پر ارکانِ وفد قائدِ اعظم کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ قائدِ اعظم نے کھڑے ہو کر ارکانِ وفد سے مصافحہ کیا اور عبدالعزیز صاحب بیرسٹر پٹنہ نے جن کے قائدِ اعظم مہمان تھے۔ ارکانِ وفد کا تعارف کرایا اور ایک گھنٹہ تک گفتگو جاری رہی جس میں قائدِ اعظم کو نماز پڑھنے کی تبلیغ کی گئی اور قائدِ اعظم نے فرمایا۔

"میں گنہگار ہوں خطاوار ہوں۔ آپ کو حق ہے کہ مجھے کہیں۔ میرا فرض ہے کہ اس کو سنوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھوں گا۔"

(بحوالہ صدر)

جس کی تفصیل "مشاہدات و واردات" اور "تعمیر پاکستان و علمائے ربانی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ اپنی اس پہلی ملاقات کا اثر یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔

" میں نے حضرت تھانویؒ کی ہدایات کے مطابق قائد اعظم سے گفتگو کی۔ انہوں نے نہ یہ کہ جوابات تسلی بخش عنایت فرمائے بلکہ ان کے جوابات ایسے تھے کہ ہم سب اور خصوصیت سے میں بہت متاثر ہوا۔ کیونکہ اگر دوران گفتگو میں ان کے کسی دینی عمل کی کوتاہی کے متعلق عرض کیا گیا تو بغیر کسی تاویل یا حجت کے انہوں نے اپنی کوتاہی کو تسلیم کیا اور آئندہ اس عمل کی اصلاح کا وعدہ کیا اور ہم سے کہا کہ آپ بھی دعا کریں کہ میں اپنی اصلاح کر سکوں۔"

(تعمیر پاکستان ص۲۹)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ جب بھی قائد اعظم میں کوئی خلاف شریعت بات دیکھتے فوراً ان کے پاس وفد بھیج کر ان کی اصلاح کی کوشش کرتے۔ اس طرح مختلف اوقات پر مختلف وفود ان کے پاس بھیجے۔ دو تین مرتبہ تو مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی بھی مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ کے ہمراہ گئے۔ مگر بعد میں مولانا شبیر علی صاحبؒ اکیلے ہی بطور سفیر دربار اشرفیہ قائد اعظم کے پاس حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے پیغامات لے جاتے رہے۔ اور اصلاح طلب امور کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے رہے۔ قائد اعظم سفیر دربار اشرفیہ مولانا شبیر علی صاحب سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے ان کی باتوں کو بغور سنتے اور ایسی ملاقات کے لئے یوں اشتیاق ظاہر کرتے کہ:۔

" آپ تو کبھی تشریف لاتے ہیں حضرت تھانویؒ کی باتیں مجھے سمجھاتے ہیں اور علماء بھی میرے پاس آتے ہیں مگر سب مجھ سے موجودہ سیاست میں بات کرتے ہیں جس سے وہ حضرات ناواقف ہیں اور میں مذہب سے ناواقف ہوں۔ حضرت تھانویؒ نے آپ کو ایک مرتبہ بھی کسی سیاسی امر میں گفتگو کے لئے نہیں بھیجا۔ مجھے آپ کے ذریعہ خاص مذہبی معلومات

حاصل ہوتی ہیں۔ جو اور جگہ نصیب نہیں ہوئیں۔ اگر آپ کو کچھ اور کہنا ہو تو بیٹھ جائیے مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں بڑے شوق سے سنوں گا۔" (تعمیر پاکستان و علمائے ربانی)

تبلیغی خطوط۔ قائدِاعظم کے پاس تبلیغی وفود بھیجنے کے علاوہ حضرت تھانویؒ وقتاً فوقتاً انہیں اور دیگر اربابِ لیگ کو تبلیغی خطوط بھی لکھتے رہتے تھے جیسا کہ "اعلام نافع" میں درج ہے کہ:۔

"میں خود اس (مسلم لیگ) کی اصلاح کا برابر سلسلہ جاری رکھتا ہوں چنانچہ عام رسائل بھی اور خاص ذمہ داروں کے نام خطوط بھی بھیجے جاتے ہیں۔ ابھی لیگ کے اجلاس پٹنہ میں اپنے عزیزوں کو اس کام کے لئے وہاں روانہ کیا۔ غرضیکہ جتنا بھی ہو سکتا ہے لیگ کے ذمہ دار حضرات کو برابر دین کی تبلیغ کر رہا ہوں اگر میرے ساتھ سب مسلمان خصوصاً علماء بھی مل کر ان پر زور دیتے اور ان کو نماز روزہ کی اور دوسری وضع اسلامی اور تمام دینی شعائر کی پابندی پر مجبور کرتے تو اب تک مسلم لیگ حقیقی معنوں میں مسلم لیگ ہو جاتی۔"

اسی طرح "افاداتِ اشرفیہ اور رسائل سیاسیہ" میں درج ہے کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔

"جس زمانے میں کانگریس مسلم لیگ سے مفاہمت کی گفتگو کر رہی تھی۔ میں نے ایک خط مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح کو اس مضمون کا لکھا تھا کہ مفاہمت میں چونکہ مسلمانوں کے امور دینیہ کی حفاظت نہایت اہم اور بہت ضروری ہے اس لئے شرعیات میں آپ اپنی رائے کا بالکل دخل نہ دیں بلکہ علماء محققین سے پوچھ کر عمل فرمائیں۔ تو انہوں نے نہایت شرافت اور تہذیب سے جواب لکھا اور اطمینان دلایا کہ اس ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خطوط اُردو میں ہوتے تھے اور خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ ان کا انگریزی ترجمہ کر کے اصل خط کے ساتھ منسلک کر دیتے تھے تاکہ انہیں سمجھنے میں آسانی ہو اور اس تمام خط و کتابت کا ریکارڈ مولانا شبیر علی تھانویؒ مہتمم خانقاہ امدادیہ محفوظ رکھتے تھے

جو انقلاب ۱۹۴۷ء میں شائع ہو گئی۔ مگر قائدِ اعظم نے اس کا جو فائل مجلس دعوۃ الحق بمبئی کے ممبران کو حضرت تھانویؒ کی وفات کے بعد دکھایا تھا وہ یقیناً قائدِ اعظم کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کے پاس رہا ہوگا۔

نتائجِ تبلیغ :۔ حضرت تھانویؒ کی تبلیغی مساعی کا یہ نتیجہ نکلا کہ قائدِ اعظم نے شیعہ طریق پر نہیں بلکہ مسنون طریق پر پابندی کے ساتھ پانچ وقت نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اتباعِ سنت میں خود کو شیعہ کہلانا پسند نہیں کیا بلکہ جب انہیں ایک شیعہ وفد نے کوئٹہ میں احساس دلایا کہ آپ ہمارے فرقہ سے ہیں تو انہوں نے بڑی جرأت سے فرمایا:۔

NO! I AM MUSLIM "نہیں میں مسلمان ہوں"۔ چنانچہ بعد وفات ان کی تجہیز و تکفین بھی اسی مسنون طریقہ پر ہوئی تھی اور نمازِ جنازہ بھی مسنون طریقہ پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھائی۔ ان پر اکثر خوفِ خدا طاری رہتا۔ وہ پہلے سیاست و مذہب کو الگ الگ سمجھتے تھے مگر بعد میں مذہب کو سیاست پر ترجیح دینی شروع کر دی۔ ہر وقت انگریزی لباس میں ملبوس رہنے کی عادت ترک کر کے اکثر و بیشتر اسلامی لباس میں منظرِ عام پر آنے لگے۔ قرآن اور اسلامی لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا توکل و تواضع و انکساری و عاجزی اور دنیا سے نفرت کا جذبہ ان میں پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے ان کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ جس کی تفصیل "تعمیرِ پاکستان اور علمائے ربانی" کے باب تدین قائدِ اعظم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تصدیقِ صدیق :۔ اسی لئے حضرت تھانویؒ کے مریدِ خاص اور قائدِ اعظم کے یارِ غار نواب جمشید علی خان صاحب جن کے پاس اکثر قائدِ اعظم اپنی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کے ہمراہ موسمِ سرما میں باغپت جا کر رہا کرتے تھے اور جو انہیں حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات سنایا کرتے تھے لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ بالکل حقیقت ہے کہ قائدِ اعظم کی تمام تر دینی تربیت حضرت تھانویؒ کا فیضان تھا اور ان کا اسلامی شعور حضرت والا کی بدولت تھا۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ نے قائدِ اعظم کو

حضرت والا کے قریب لانے میں بڑا کام کیا۔ قائدِ اعظم باغیت کے دوران قیام میں حضرت والا
کا بہت خلوص اور ادب سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ قائدِ اعظم کو تھانہ بھون حاضر
ہونے کا انتہائی شوق تھا لیکن افسوس کہ چند در چند وجوہات کی بنا پر ان کی یہ تمنا پوری نہ
ہوسکی۔ قائدِ اعظم پر آخری زمانہ میں جو مذہبی رنگ غالب ہوا اور جس کو ہم سب نے دیکھا
یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں کا صدقہ تھا" (تعمیر پاکستان اور علمار ربانی)

قائدِ اعظم کا حضرت تھانویؒ کو خراجِ تحسین۔ متذکرہ بالا تبلیغی وفود اور خطوط
سے قائدِ اعظم کے دل میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتنی عزت و عظمت تھی اس کی تفصیل
کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قائدِ اعظم کی نظر میں حضرت تھانویؒ کے بعد
دوسرا عالم جچتا ہی نہ تھا جیسا کہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اپنی روئیداد میں لکھتے ہیں :۔

" حضرت کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ بمبئی میں جمعیت علمار اسلام کی کانفرنس
تھی جس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا قاری محمد طاہر قاسمی اور میں شریک ہوئے۔ تو
بمبئی کے چند تاجر جن کو حضرتؒ سے تعلق تھا ہم سے ملے اور بیان کیا کہ قائدِ اعظم کی مجلس میں
ایک دفعہ یہ گفتگو آئی کہ کانگریس میں علمار زیادہ ہیں اور مسلم لیگ میں علمار کم ہیں جن کی وجہ
سے مسلمانوں کو مسلم لیگ سے زیادہ دلچسپی نہیں۔

یہ سن کر قائدِ اعظم نے جوش کے لہجہ میں فرمایا کہ تم کن کو علمار کہتے ہو؟ انہوں نے مولانا
حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کا نام لیا۔ قائدِ اعظم
نے فرمایا کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ عالم ہیں مگر ان کی سیاست ایک ہی ہے کہ انگریزوں کے دشمن
ہیں۔ اس دشمنی میں وہ مسلمانوں کے مفاد کی بھی رعایت نہیں کرتے۔ مولانا کفایت اللہ صاحب
اچھے مفتی ہیں اور کچھ سیاستدان بھی۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد نہ عالم ہیں نہ سیاستدان
مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑے عالم ہیں جن کا علم و تقدس اگر ایک پلڑا میں رکھا جائے
اور تمام علمار کا علم و تقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری

ہوگا۔ وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں جو چھوٹے سے قصبہ میں رہتے ہیں مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پرواہ نہیں۔"

بہر حال حضرت حکیم الامتؒ کے تبلیغی مشن نے قائداعظم کی مذہبی زندگی کی کایا ہی پلٹ دی تھی۔ اور ان کی آخری زندگی میں ایک صحیح مسلمان اور مومن کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی الغرض جس طرح پاکستان کا تخیل پیش کرنے کا شرف حضرت تھانویؒ کو حاصل ہے اسی طرح قائداعظم کی اصلاح و دینی تربیت کا شرف بھی انہیں ہی حاصل رہا ہے۔

(تفصیلات کے لئے "تعمیر پاکستان اور علماء ربانی" مؤلفہ منشی عبدالرحمٰن خان ملاحظہ فرمایئے)

مجلس دعوۃ الحق کا قیام

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی اصل سیاست یہ تھی کہ جس طرح بھی بن سکے مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دیا جائے اس لئے آپ کی حمایت لیگ سیاسی اغراض کے لئے نہ تھی بلکہ اس غرض کے لئے تھی کہ مسلمان لیگ کے اندر داخل ہو کر اپنی تنظیم اور لیگ کی اصلاح کی فکر کریں تاکہ یہ کانگریس کا مقابلہ کر سکے۔ اور متعصبین اسلام کو ہندوستان سے نہ مٹا سکیں اور اسلام اپنے اصول و شعائر کے ساتھ ہندوستان میں باقی رہے۔ مسلم لیگ چونکہ نہ علماء کی جماعت تھی اور نہ بالکل دینداروں کی۔ اس لئے حضرت تھانویؒ کو اس کی قیادت سے کچھ دینی مضرتوں کا احتمال تھا جس کی وجہ سے آپ نے ایک ایسی تبلیغی جماعت بنانے کی ضرورت محسوس کی جو تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے حقوق کا گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے وقت شریعت کے خلاف نہ کر بیٹھے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضرت کے ایماء پر "مجلس دعوۃ الحق" قائم ہوئی۔ اور اس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

(۱) مسلمانوں کی حفاظت و مدافعت کے لئے تنظیم و تبلیغ کو وسیع پیمانہ پر ہندوستان میں پھیلانا۔

(۲) مسلم لیگ کے لیڈروں کو دینداری کی طرف متوجہ کرنا کہ اس کے لیڈروں کی اصلاح سے بہت کچھ عوام کی اصلاح متوقع ہے۔

(۳) مسلم لیگ کی مجلس کے ارکان کے پاس ان کے جلسوں میں یا خاص اوقات میں چند مخلصین کا وفد بھیجتے رہنا۔

(۴) مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو شعائر اسلام کی پابندی کی تبلیغ کرنا اور مجلس عاملہ سے مسلم لیگ کے ممبران پر قانونی طور پر شعائر اسلامیہ کی پابندی کو لازم قرار دینے کی درخواست کرنا۔

چنانچہ اسی پروگرام کے مطابق مجلس دعوت الحق نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سرپرستی میں تبلیغی کام شروع کر دیا تھا۔ حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد مولانا شبیر علی تھانویؒ اس مجلس کے سرپرست و سربراہ مقرر ہوئے جنہوں نے بڑی تندہی اور جانفشانی سے کام کو جاری رکھا۔ اور مجلس کے پروگرام کو وسیع تر بنایا اور مجلس کے اکابر علماء نے پاکستان کی حمایت کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے زعماء اور سرکاری ملازمین میں دینی جذبات پیدا کئے تاکہ وہ دو قومی نظریہ کے تحت نئے جوش اور ولولہ کے ساتھ ایک اسلامی مملکت کی تشکیل اور اس کے قیام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

الغرض حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ نے مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق جو اہم کردار ادا کیا۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ارباب لیگ خصوصاً قائد اعظم کو تبلیغ کرنے کا جو فیصلہ فرمایا تھا اور بار بار اپنے خدام اور خلفاء کو وفود کی صورت میں قائد اعظم کی خدمت میں بھیجا تھا وہ مجلس دعوت الحق ہی کا پروگرام تھا اور مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ نے سفیر اشرف کی حیثیت سے جو عظیم کارنامے انجام دئے تھے۔ وہ مجلس دعوت الحق کی خدمات کا ایک سنہری باب ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی یہ خدمات قبول فرمائیں۔ آمین (تفصیلات کیلئے "تعمیر پاکستان اور علماء ربانی" "سفیر اشرف" اور "اشرف السوانح" دیکھئے

فقیہہ الاسلام حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ

حضرت مفتی صاحب کا وطن کرنال کی تحصیل کیتھل کا مشہور قصبہ گمتھلہ گڈھو تھا۔ آپ کے والد ماجد جناب حکیم محمد غوث صاحب مرحوم دہلی کے تعلیم یافتہ علاقہ کے مشہور ترین حکیم تھے۔ فارسی میں بہت ذوق رکھتے تھے اور دہلی کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت و ارادت کا تعلق تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ محرم ۱۳۱۵ھ کو آپ کی نہیال موضع کنگیڑی ضلع کرنال میں ہوئی۔ قرآن شریف اور معمولی لکھنا پڑھنا اپنے قصبہ کے پیر جی محمد اسحاق صاحب وغیرہ سے سیکھا اور پھر سہارنپور مدرسہ مظاہر العلوم میں آکر شیخ المحدثین حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ظلِ عاطفت میں علوم دینیہ کی باقاعدہ تحصیل شروع کردی۔ اسی اثنا میں درسِ نظامی کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے زیرِ سایہ خانقاہِ امدادیہ میں کئی حضرات مدرسین مولانا انوار الحق امروہوی اور مولانا سید احمد حسن سنبھلی سے پڑھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور گاہ بہ گاہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے استفادہ فرماتے رہے۔ خانقاہِ امدادیہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص اہتمام پایا جاتا تھا یہ خانقاہ کی خصوصیت تھی۔ مدرسہ

عبدالرب دہلی میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب جو حضرت نانوتویؒ کے شاگردوں میں امتیازی شان رکھتے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے مدرس رہ چکے تھے اور حضرت تھانویؒ کے اساتذہ میں سے تھے مفتی صاحب نے ان کی خدمت میں رہ کر دوبارہ مسلم شریف اور ترمذی شریف حدیث کی دو کتابوں کو پڑھا تھا۔ سندِ حدیث حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک سے حاصل کی۔

علمی و تصنیفی خدمات

درسِ نظامی سے فراغت کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ایما سے حضرت مفتی صاحبؒ موضع اجرارہ ضلع میرٹھ کے مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ کے طلباء اور دوسرے مسلمانوں کو مستفید کرتے رہے اس کے بعد مختلف مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے زیرِ سرپرستی تبلیغی، تدریسی، تالیفی اور فتوٰی نویسی کی خدمات انجام دینے لگے۔ حضرت حکیم الامت کو چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ پر حد درجہ اعتماد اور اطمینان تھا۔ اس لئے بڑے بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور کیا جاتا تھا یوں تو آپ نے تعلیمی زمانہ کا بھی کافی حصہ خانقاہِ امدادیہ میں گذارا تھا مگر درسیات سے فراغت کے بعد تو تقریباً ۲۵ سال تک خانقاہ سے تعلق قائم رہا۔ اس ۲۵ سال کے عرصہ میں تقریباً ایک سال تک تعلیمی اور تبلیغی امور انجام دیتے اور کچھ مہینے ریواڑی کے عربی مدرسہ میں مدرس ہو کر قیام فرمایا۔ باقی زندگی کا اکثر حصہ حضرت حکیم الامت کے زیرِ سایہ گذارا۔ اور اس دوران خدمت درس و تدریس اور افتاء کے علاوہ بہت سے فتنوں کے خلاف تحریکات میں بھی عملی حصہ لیتے رہے۔ اور علمی و فقہی اور گراں قدر تصنیفی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

بہشتی گوہر جو بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ ہے اس پر آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ

کے حکم سے اصلاح فرمائی تھی گویا اس کو دوبارہ لکھا گیا۔ اور بیان القرآن پر نظرثانی کے وقت بھی حضرت تھانویؒ نے مفتی صاحب کو شریک رکھا تھا۔ زمانۂ قیام تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی زیرنگرانی حضرت مفتی صاحب نے فتوی کا جو کام کیا تھا اس کا نام حضرت تھانوی نے سلسلۂ امداد کے تفاؤل کے ساتھ "امداد المسائل" رکھا تھا۔ مگر اس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت تھانویؒ نے سال بھر کے جمعوں کے واسطے الگ الگ خطبات کا جو مجموعہ بنام "خطبات الاحکام لجمعات العام" تصنیف فرمایا تھا وہ بکثرت آیات واحادیث پر مشتمل ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے عام نفع رسانی کی خاطر ان خطبات کی آیات واحادیث کا ترجمہ مع ضروری فوائد کے لکھا اور بعض ایسی روایات جن کو حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اصل مسودہ میں تحریر فرمایا تھا۔ مگر نظرثانی کے وقت بغرض اختصار ان کو حذف فرمایا تھا۔ ان کا ترجمہ بھی "اضافہ" کا عنوان قائم کر کے دیا تھا۔ یہ ترجمہ عنوان بالا سے طبع ہو کر "خطبات الاحکام" کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ان کے علاوہ کئی اور تصانیف بھی آپ نے تالیف فرمائیں جن میں "حیلۂ ناجزہ"، "رسالہ جبریہ تعلیم"، "قانون اوقاف"، "المختارات"، "تجدد اللمعہ فی تعدد الجمعہ"، "القول الرفیع فی الذب عن الشفیع"، "وفاق المجتہدین" اور "افادۃ العوام" وغیرہ علمی شاہکار ہیں۔

حضرت مفتی صاحب طبعی ذہانت وفطانت کے علاوہ ایک خاص علمی ذوق رکھتے تھے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اخلاق وعادات میں اسلافِ قدیم کا نمونہ تھے۔ تبع سنت اور ایک سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ متعدد بار حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلی مرتبہ غالباً ۱۳۲۵ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور تقریباً آٹھ ماہ قیام کیا اور دوسرا حج کر کے واپسی ہوئی۔ قیام مدینہ منورہ کے دوران مدرسہ عالیہ علوم شرعیہ میں درس حدیث و فقہ کی بڑی بڑی کتابیں مسلم شریف اور مؤطا امام مالک، ہدایہ وغیرہ کے درس دئے، حرم نبویؐ کے بعض اساتذہ بھی درسِ حدیث میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک مدرسِ حرم سے

ایک مرتبہ آپ نے دریافت کیا کہ آپ تو صاحب مذہب ہیں، مؤطا امام مالک آپ کے امام کی کتاب ہے۔ اس کو تو آپ حنفیوں سے زیادہ سمجھتے ہوں گے پھر آپ اس کے سبق میں کیوں شریک ہوتے ہیں؟"

تو اس عالم نے فرمایا: "اپنے مذہب کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کا جواب تو ہم خود دے دیتے ہیں مگر احادیث میں جو تطبیق آپ دیتے ہیں ان کو سننے کے لئے میں آتا ہوں پھر اس کو جا کر حرم نبوی میں طلبا کو سناتا ہوں یہ فن تطبیق جیسا کہ آپ حضرات کو آتا ہے ہمیں نہیں آتا"

بہر حال حضرت مفتی صاحبؒ حضرت حکیم الامت کے زیر تربیت رہے اور ساری زندگی علمی و تصنیفی خدمات انجام دیتے رہے اور زندگی بھر تبلیغی کاموں میں مصروف رہے۔ باطل فرقوں کے خلاف تحریری و تقریری جہاد کرتے رہے۔ آگے آپ کی چند دوسری دینی و تبلیغی خدمات کا تذکرہ اختصاراً پیش کیا جاتا ہے۔ (ماخوذ از بزم اشرف کے چراغ)

تحریک تقرر قضاۃ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں ایک دار الاسلام کا قیام چاہتے تھے جہاں شرعی عدالتیں قائم کی جا سکیں اور معاشرہ کو جن روز افزوں جرائم نے تباہ کر رکھا ہے اس کی اصلاح کی جا سکے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضرت تھانویؒ نے ہی سب سے پہلے کوشش شروع کی مسلمانوں کے سرزمین ہند پر قدم رکھنے کے فوراً بعد ہندوستان کے ساحلی علاقہ کے ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے الگ مسلمان افسر ہوتا تھا جو اسلامی قانون کی رو سے ان پر حکم لگاتا تھا۔ حضرت تھانویؒ اسی طرح یہاں مسلمانوں کے معاملات ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرانا چاہتے تھے۔ اسی مقصد کے لئے ہندوستان میں قاضیوں کے تقرر کی تحریک سب سے پہلے حضرت تھانویؒ نے شروع کی اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ انہوں نے حضرت

کی تحریک پر مسٹر مائیگو سابق وزیر ہند سے اس کی ضرورت کو ظاہر فرمایا اور بعض ممبران کو اسمبلی اور کونسل میں یہ معاملہ پیش کرنے کی ترغیب دی۔ بعض ذرائع سے سائمن کمیشن کے سامنے بھی اس کی ضرورت کو ظاہر کیا گیا پھر میرٹھ میں حضرت تھانویؒ کے ایما پر انجمن نصب القضا قائم ہوئی۔ اس نے رسالہ "القول الماضی فی نصب القاضی" وغیرہ شائع کر کے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا۔

۱۹۲۹ء میں بمقام دہلی اسی سلسلہ میں ایک خاص جلسہ منعقد کیا گیا جس میں تمام ممبران اسمبلی اور عمائد شہر دہلی کے علاوہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد علی جوہر اور دیگر ممتاز علماء دیوبند و سہارنپور تشریف لائے۔ دربار اشرفیہ کی طرف سے مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے نمائندگی کے فرائض انجام دیئے اور ممبران اسمبلی پر پوری طرح اس مسئلہ کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ انہوں نے بھی اس کی اہمیت و افادیت کا احساس کرتے ہوئے اس سلسلہ میں کوشش کرنے کا یقین دلایا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ فرماتے ہیں:۔

"حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو اس کا بہت خیال تھا کہ ہندوستان میں بدستور سابق قاضیوں کا تقرر ہو جائے۔ حضرتؒ نے مختلف صورتوں سے اس کے متعلق سعی فرمائی۔ میرٹھ شہر میں ایک انجمن حضرت کے اشارہ سے "نصب القاضی" قائم ہوئی اور ایک جلسہ بمقام دہلی منعقد کیا گیا جس میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور مولانا محمد علی جوہر کے علاوہ دیوبند اور سہارنپور کے ممتاز علمائے کرام تشریف لائے تھے اور حضرت تھانویؒ نے اپنی طرف سے مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو جلسہ میں شرکت کے لئے بھیجا۔ جب حضرتؒ نے مفتی صاحب کو بھیجنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ وہاں بڑے بڑے مشاہیر کا مجمع ہو گا اس لئے کسی بڑے شخص کو بھیجنا مناسب ہو گا۔ اس پر حضرتؒ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ تم بڑوں کے سامنے اپنے کو اسی طرح چھوٹا ہی سمجھتے رہو، لیکن

جہاں جاؤگے، وہاں سب پر غالب رہوگے"

ہندوستان میں شرعی قاضی مقرر نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا ہو رہا تھا۔ حضرت نے اس طرف خاص توجہ فرمائی۔ اور چونکہ فقہی شرائط کے مطابق ان مسائل میں ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مالکی مسلک کو اختیار کیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ کے علماء سے مکرر فتاوی حاصل کر کے کامل تحقیق کے بعد ان مشکلات کے حل کی نہایت سہل صورتیں تجویز فرمائیں۔ پھر علمائے دیوبند و سہارنپور سے بار بار مراجعت اور استصواب کے بعد ایک رسالہ "الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ" تصنیف فرمایا۔ اس میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب کو برابر شریک رکھا۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے اپنی سہولت اور احتیاط کی غرض سے اپنے خاص اہل علم و اہلِ تقویٰ دوستوں کو اس تصنیف میں برابر شریک رکھا جن کے نام بھی اسی رسالہ میں لکھ دیئے ہیں۔ بہر حال حضرت کی مساعیٔ جمیلہ نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور ممبرانِ اسمبلی نے ایک مسودہ قانون "انفساخِ نکاح اہلِ اسلام" کے نام سے اسمبلی میں پیش کر دیا۔ مگر افسوس کہ اس مسودہ میں ضروری قیود و شرائط کو نظر انداز کر دیا گیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے اس مسودۂ قانون کی کوتاہیاں مفصل تحریر فرما کر اہلِ علم کے جلسہ میں روانہ فرما دی تھیں۔ اور مزید وضاحت کے لئے حضرت مفتی عبد الکریم صاحب کو اس جلسہ میں شرکت کے لئے بھیجا تھا۔ آپ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے مل کر اس مسودہ قانون کی ہر دفعہ کی شرعی ترمیمات تحریر کر کے طبع کرایا اور مسلم ممبران اسمبلی سے ملاقات کر کے ان کو یہ شرعی ترمیمات دیں کہ اس کے مطابق مسودہ میں ترامیم کی جائیں۔ یہ ترامیم عملی طور پر تو قانون نہ بن سکیں لیکن فی الجملہ عورتوں کے مصائب میں بہت کمی ہو گئی۔

(ماخوذ از بزم اشرف کے چراغ صفحہ ۱۸)

پنجاب میں میراث دلانے کی تحریک

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی مجلس میں ذکر آیا۔ کہ پنجاب میں وراثت کا

قانون شریعت کے خلاف ہے بہن بیٹی وغیرہ کو میراث سے حصہ نہیں ملتا وہاں کے لوگ رواج کے پابند ہیں شرعی قانون وراثت کی بجائے "قانون رواج عام" رائج ہے اور کسی کو اس کا احساس نہیں، نہ اس طرف توجہ ہے تو حضرت تھانویؒ نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانا نہایت ہی ضروری ہے۔ حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ نے عرض کیا کہ حضرت! علماء کرام اگر خاص سعی فرمائیں تو ممکن ہے کچھ لوگ سمجھ جائیں ورنہ ایسے معاملہ میں معمولی سعی سے تو نفع کی امید نہیں۔ فرمایا "جس قدر کوشش ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ نفع کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے اپنے وطن جا کر اپنے نواح میں اس مسئلہ کی طرف لوگوں کی توجہ دلانی شروع کی۔ امرتسر اور لاہور میں بھی اس غرض کے لئے جلسے کئے گئے۔ مگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

حضرت تھانویؒ جب مفتی صاحبؒ کے سسرال موضع اٹروں میں تشریف لے گئے اور راجپورہ میں قیام فرمایا تو وہاں پھر یہ مسئلہ وراثت پیش ہوا۔ تو حضرتؒ نے اس کے لئے مفتی صاحبؒ کو پنجاب کے سفر کی پھر ترغیب دی۔ انہوں نے مصارف کا عذر کیا تو آپ نے واپس جاتے ہی ابتدائی مصارف کے لئے اپنی طرف سے تیس روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیئے مفتی عبدالکریم صاحب نے اس سلسلہ میں ایک سوالنامہ مرتب کر کے علماء کرام کی تائید حاصل کرنے کے لئے چالیس پچاس جگہ مشاہیر علماء کو روانہ کیا اور خود توکلاً علی اللہ پنجاب روانہ ہو گئے۔ سرہند وغیرہ اترتے ہوئے لاہور پہنچے وہاں زیادہ تر وقت اہل علم اور اسلامی انجمنوں کو اس جانب توجہ دلانے میں صرف کیا۔ اتفاق سے انہیں یہاں ایک ایسی جماعت بھی مل گئی جس کے بعض ارکان کو کسی قدر اس مسئلہ کا خیال تھا۔ اور تھوڑی بہت جزوی کوشش کا بھی ارادہ تھا۔ مگر لوگوں کی مخالفت کے سبب کامیابی کی کوئی سبیل نظر نہ آنے پر حضرتؒ کو اطلاع دی تو حضرتؒ نے لکھا کہ :-

"جب تک ناامیدی نہ ہو ایک دفعہ جان توڑ کوشش کر لینی چاہیئے۔"

اس پر حضرت مفتی عبدالکریم صاحب آگے بڑھے۔ آپ ابھی وزیر آباد تک ہی پہنچے تھے
علماء حضرات کی طرف سے ان کے استفتاء کا جواب موصول ہو گیا۔ جسے چھپوانے کی
ں سے تھانہ بھون واپس آ گئے۔ اور ان کو "ظلم پنجاب کے متعلق خدائی وصیت" کے
وان سے چھپوا کر پنجاب روانہ ہونے والے تھے کہ ہندوؤں نے اطراف آگرہ میں شدھی
ج تحریک شروع کر دی۔ جب اس کی خبر تھانہ بھون پہنچی تو حضرت تھانویؒ نے مفتی صاحب
موصوف سے دریافت کیا کہ اگر تم وہاں چلے جاؤ تو قانون وراثت کی سعی میں تو کچھ حرج واقع
ہو گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ صرف تاخیر ہو جائے گی اور تو کچھ حرج نہیں۔ اس پر فرمایا!

"بس تم کو تو پھر الاہم فالاہم پر عمل کرنا چاہیئے۔ بسم اللہ کہہ کر آگرہ اور اس کے نواح میں جا کر پہلے مسلمانوں کو ہندو ہونے سے بچاؤ۔"

چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور فتویٰ بذریعہ
ڈاک پنجاب کے شہروں میں بغرض تقسیم بھیج دیا۔ تاکہ وہاں بھی کام جاری رہے اور ایک دوسرا
رسالہ "غصب المیراث" کے نام سے بھی شائع کر کے تقسیم کیا گیا جب یہ ختم ہو گئے تو دوبارہ
چھپوائے گئے اور ان کے اخراجات کا حضرت تھانویؒ نے انتظام فرمایا۔

حضرت تھانویؒ جمعیت العلماء کو اس طرف توجہ دلانے کے لئے برابر تین جلسوں میں مفتی
عبدالکریم صاحب کو بھیجتے رہے دو دفعہ تو کوئی کامیابی نہ ہوئی تیسری دفعہ اتنی کامیابی ہوئی کہ
۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں بمقام مراد آباد ایک پرزور قرارداد اس سلسلہ میں منظور ہوئی۔
جب فتنۂ ارتداد کی آندھی کچھ تھمی تو پھر مفتی صاحب کو حکم ہوا کہ:۔

"میرا خیال ہے کہ ان سب قصوں کو چھوڑ کر پنجاب کا سفر تحریک عدل فی المیراث کیا جائے۔" (سیرت اشرف صہ ۲۳۱)

اس مرتبہ مفتی صاحب کے ہمراہ مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونیؒ کو بھی بھیجا گیا۔ اس

سفر میں سہولت بھی رہی اور اثر بھی زیادہ ہوا۔ نتیجۃً تھوڑے ہی عرصہ میں تمام پنجاب اور سرحد وغیرہ کے علاقہ میں بھی خوب اشاعت ہوئی اور سفر ختم ہونے سے پہلے ہی لوگوں نے قانون بدلنے کی سعی شروع کردی۔ پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب قانون وراثت کسی قدر شرعی ضابطوں کے مطابق پنجاب میں نافذ ہوا تو آپ خوش ہو کر فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی سعی اور کوششوں کا کسی قدر نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔"

خدا کی قدرت سے پاکستان میں سب سے پہلے پنجاب ہی میں یہ قانون اسمبلی نے پاس کیا جس کے لئے مفتی صاحب نے اس قانون کے نفاذ کے لئے کوشش کی تھی۔ اس کے بعد پاکستان کے دوسرے علاقوں میں بھی یہ قانون جاری ہوا۔"

اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب دوسرے لادینی عناصر اور اہل باطل کے خلاف جہاد میں مصروف رہے۔ ۱۹۲۱ء میں آگرہ کی طرف سے ارتداد کی خبر پہنچی تو آپ حضرت تھانویؒ کے حکم سے مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونیؒ کے ہمراہی میں آگرہ پہنچے۔ اور پورے دو سال تک یہ دونوں حضرات نہایت اہتمام کے ساتھ تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ اور فتنۂ ارتداد روکنے میں کامیاب ہوئے۔ اس اہتمام تبلیغ کے علاوہ اسی تبلیغی علاقہ میں ان دونوں حضرات نے تقریباً سو دینی مکاتب جاری کئے۔ جن کی مالی امداد میں حضرت تھانویؒ نے کافی حصہ لیا۔ علاوہ ازیں مفتی عبدالکریم صاحب نے حیدرآباد سندھ اور انبالہ شہر میں مرزائیوں سے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر زبردست علمی مناظرے بھی کئے۔ جن میں مرزائیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ اسی طرح جب یہ تعلیم کا سلسلہ چلا تو آپ نے اس کی روک تھام کے لئے جو عملی جدوجہد کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر قانون اوقاف کی اصلاح کے لئے آپ نے دوسرے علماء کے ساتھ جو سعی فرمائی وہ بھی ایک عظیم خدمت تھی۔ بہرحال فتنۂ ارتداد اور دوسرے متعدد لادینی فتنوں کا آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور تحریری و تقریری طور پر جہاد کیا۔ اور حکیم الامت تھانویؒ کے ترجمان کی حیثیت سے ان کے مسلک و مشرب کی خوب خدمت انجام دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے اور ۹ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۸ رمئی ۱۹۷۶ء میں رحلت فرمائی۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

آپ کے خلف الرشید حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ، مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا آپ کے صحیح علمی جانشین ہیں اور اپنے علم و عمل، زہد و تقوی اور خلوص وللٰہیت میں اسلاف کی یادگار ہیں۔ ایک جید عالم دین اور فقیہہ عصر ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائیں اور ان کا سایہ مبارک دیر تک ہمارے سروں پر سلامت رکھیں۔ آمین۔

(نوٹ) دینی علمی اور تبلیغی خدمات کی تفصیل "بزم اشرف کے چراغ"۔ "اشرف السوانح" و "سیرت اشرف" میں دیکھئے۔

تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت

آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم نئی نسل کو اس بات سے روشناس کرائیں کہ قیام پاکستان کی تحریک میں علماء کرام نے خصوصاً علماء دیوبند نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ آج تک جتنی بھی تاریخی کتابیں ہمارے بچوں کو سکول یا کالج میں پڑھائی جاتی ہیں ان میں اکثر و بیشتر کتب ایسی ہیں جن میں ان عظیم شخصیتوں کا تذکرہ تک نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے ہماری نئی نسل یہ سمجھتی ہے کہ علماء کرام نے قیام پاکستان کی تحریک میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔ حالاں کہ برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کی عظیم علمی و مذہبی شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے شہرۂ آفاق علمار دیوبند کے اسمار گرامی ایسے ہیں جن کے ذکر کے بغیر قیام پاکستان کی تاریخ کا تذکرہ نامکمل ہے ۔

خود قائداعظم محمد علی جناح بھی اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ دراصل انہی علمار کرام کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی ہے اور اسی وجہ سے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی پرچم کشائی مغربی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مشرقی پاکستان میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے مبارک ہاتھوں سے کرائی تھی اور یہ چیز تحریک پاکستان کی تاریخ کا جز بن چکی ہے۔ تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں سب سے پہلے جس عظیم ہستی نے قوی اور اہم آواز بلند کی وہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی آواز تھی پھر ان کے بعد دوسرے بزرگ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہیں جن کی مساعی تحریک پاکستان کے ضمن میں اتنی وقیع اور گراں بہا ہیں کہ کوئی مورخ ان کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا ۔ اس ضمن میں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ تحریک پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ ساتھ بے شمار تلامذہ نے بھی شب و روز کام کیا ۔ یہ تلامذۂ گرامی برصغیر پاک و ہند کے چپے چپے پر پھیلے ہوتے تھے ان سب کا نام تذکرہ کیا جائے تو بلا شبہ ایک عظیم دفتر مرتب ہو سکتا ہے ۔ یہاں صرف گزشتہ سطور میں چند ممتاز تلامذہ کا نام لیا گیا ہے ۔ ان کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دیگر خلفار اپنے شیخ معظم کی طرح تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے دل سے حامی تھے اور انہوں نے قیام پاکستان کے لئے شبانہ روز عملی جدوجہد کی ۔

احقر کی اس زیر نظر کتاب میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور ان کے چند ممتاز خلفار اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے چند نامور تلامذہ جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ان حضرات کا مختصر تذکرہ کر دیا گیا ہے تاکہ نئی نسل ان کے

خدمات اور مثالی کردار سے روشناس ہو سکے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف، تعلیم وتربیت اور اصلاحِ امت و ہدایتِ خلق کی طرف تھا اس لئے عملی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکوں میں براہِ راست حصہ لینے کی نوبت نہ آئی اور نہ آپ کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے البتہ جب کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو آپ اس کے بارے میں ایک ماہرِ شریعت عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظرِ بصیرت ڈال کر نتائج وعواقب واضح کرتے اور ملت کی علمی اور دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہ فرمایا۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس شروع میں ایک اعتدال پسند جماعت تھی لیکن بعد میں ظاہر ہو گیا کہ اس کی کارروائیوں سے مسلمانوں کے مفادات کو زبردست نقصان پہنچ سکتا ہے تو حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس سے الگ رہیں اور اپنے آپ کو تعلیم کے لئے وقف کر دیں اور ان کی دلیل یہ تھی کہ کانگریس میں چونکہ اکثریت غیر مسلموں کی ہے اس لئے اس جماعت کی اصلاح ناممکن ہے۔ حضرت کے خیال میں کانگریس کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ تھی کہ کچھ مسلمان اس میں شریک تھے۔ فرمایا:۔

"ہندوؤں کی پچاس سالہ مردہ کانگریس کو مسلمانوں نے زندہ کیا جب تک مسلمانوں نے شرکت نہ کی تھی کسی نے کانگریس کا نام نہ سنا تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ جماعت ہندوستان میں برسرِ اقتدار آ گئی تو یہ بھی ہندوستان میں وہی کرے گی جو بالشویک کر رہے ہیں۔"

اس زمانے میں جمعیت علماء ہند کا اجلاس دہلی میں ہوا۔ حضرت مولانا تھانویؒ کو بھی شرکت کی دعوت ملی۔ جواب میں تحریر فرمایا۔

" واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت پختہ کر دیا ہے کہ مسلمانوں خصوصاً علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے۔ بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا بہت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنی چاہیئے۔ اور مسلمانوں کو کانگریس

میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی اپنی موت کے مترادف ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ہم کانگریس میں شرکت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجاتے اور ہمارا غلبہ ہو۔ اگر مقصودِ واقعی یہ ہے تو اس کا حصول مسلم لیگ میں زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ مسلم لیگ والے اتباع کے لئے آمادہ ہیں چنانچہ مسلم لیگ کے بڑے بڑے ارکان نے مجھے لکھا ہے کہ ہم حضراتِ علماء کی رائے کے اتباع کے لئے تیار ہیں اور کانگریسی تو خود اپنا تابع بناتے ہیں۔ ان پر غلبہ پانا مشکل ہے"

غرضیکہ حضرت حکیم الامت تھانوی ہمیشہ سے مسلمانوں کی الگ تنظیم کے حامی رہے اور کانگریس کی سخت مخالفت کی حتیٰ کہ جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اس وقت تک حضرت نے مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیا۔ اور جب مسلم لیگ کانگریس سے الگ ہوئی تب حضرت نے اعلانیہ مسلم لیگ کی حمایت فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلوی جو حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ خاص تھے وہ بھی سیاسی مسلک اور سیاسی نظریات میں اپنے شیخ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے مسلک کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت اور اس کے نظریۂ متحدہ قومیت کے بہت مخالف تھے۔ اسی لئے سیاسی اور دینی امور میں حضرت تھانویؒ آپ سے مشورہ طلب فرماتے اور کسی جماعت یا سیاسی شخصیت سے گفتگو کے لئے حضرت تھانوی اپنی جانب سے آپ ہی کو بھیجا کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے لئے جو وفود حضرت تھانوی کی جانب سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت تھانوی نے ایک تبلیغی وفد روانہ کیا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولانا شبیر علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع صاحب کے علاوہ مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی بھی شامل تھے۔ اس وفد نے قائداعظم کو نماز کی تلقین کی،

اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس دو بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب صاحبان نماز پڑھیں
اضی شہر کی امامت میں قائداعظم سمیت کوئی ایک لاکھ افراد نے نماز ادا کی۔ اسی طرح
سری جنگ عظیم شروع ہونے پر گورنمنٹ اسمبلی میں ہندوستان کی طرف سے فوجی امداد دینے
ایک بل پیش کیا جو آرمی بل کے نام سے مشہور ہے اس کی کانگریس نے بڑی مخالفت کی۔
ر قائداعظم نے اس کی حمایت کی۔ اس پر قائداعظم اور مسلم لیگ کے خلاف کانگریس نے آسمان
ر پر اٹھایا اور قائداعظم کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اس واویلا کا اثر خانقاہ تھانہ بھون تک بھی
ا پہنچا۔ اور کانگریس زدہ لوگوں نے آرمی بل کی آڑ میں حضرت تھانویؒ کو قائداعظم سے برگشتہ
رنے کے لئے طرح طرح کی چالیں چلنی شروع کر دیں۔

مسلسل پروپیگنڈے سے حضرتؒ کو بھی کچھ تشویش ہوئی۔ مگر حقیقت حال سے آگاہ
ہوئے بغیر آپ نے کوئی اعلان شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ایک وفد جو مولانا شبیر علی
ھانویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا مفتی سید عبدالکریم
صاحب گمتھلویؒ پر مشتمل تھا قائداعظم کی خدمت میں دہلی بھیجا کہ ان سے معلوم کرے کہ
نہوں نے آرمی بل کی حمایت کن وجوہات کی بنا پر کی ہے۔

وقت مقررہ پر یہ وفد دہلی پہنچ گیا۔ وفد نے قائداعظم سے آرمی بل کی حمایت کے وجوہ
دریافت کئے۔ قائداعظم نے تفصیل سے علماء کے اس وفد کو بل کی حمایت کی جو وجوہات
بیان کیں ان کی تفصیل "سیرت اشرف" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں اس کی گنجائش
نہیں ہے۔ صرف یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے اپنے
پیر و مرشد کے سیاسی مسلک کے تحت تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی مکمل حمایت کی۔
ور مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق مسلم لیگ کے زعماء کو تبلیغ دین کا فریضہ انجام
دیا۔ (ماخوذ تعمیر پاکستان و علماء ربانی، سیرت اشرف۔ تذکرۃ الظفر اور بزم اشرف
کے چراغ)

اُستاذ العُلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ

آپ کی ولادت باسعادت اپنی ننھیال میں بمقام عمروال بلّہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر
میں ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام الٰہی بخش اور دادا کا نام خدا بخش تھا
آپ بچپن ہی سے اپنے ماموں شاہ محمد کی زیر تربیت رہے جو قطب الارشاد امام ربانی
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت اور بے حد متقی اور صالح بزرگ
تھے۔ قرآن مجید بھی انہی سے پڑھا۔ ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخلہ
لیا اور دو سال تک وہاں مکتبی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں
ضلع جالندھر میں مولانا فضل احمد اور مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب سے صرف و نحو، فقہ
اصول، فلسفہ و منطق اور ادب کی کتابیں پڑھیں۔ کچھ عرصہ مولانا سلطان احمد سے اکتساب
فیض کیا بعد ازاں مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مولانا غلام نبی، مولانا کریم بخش پنجابی اور
مولانا محی الدین سے علوم و فنون اخذ کئے۔ اعلیٰ تعلیم مولانا محمد یٰسین سرہندی، مولانا سلطان
پشاوری، مولانا سلطان احمد بریلوی اور مولانا عبدالرحمٰن سلطان پوری سے مدرسہ
اشاعت العلوم بریلی میں حاصل کی۔ سند حدیث حضرت مولانا محمد یٰسین سرہندی سے

حاصل کی اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دست مبارک سے سندِ فراغ عطا ہوئی ۔

درس و تدریس

سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد آپ کو اسی مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں اساتذہ نے تدریس پر مامور کیا ۔ قریباً ایک سال تک وہاں قیام کیا ۔ ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ عربیہ منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا ۔ اور وہاں ایک عرصہ تک درسِ نظامی کی تمام کتابیں پڑھائیں ۔ بعد ازاں اساتذہ رائے پور کے ایما سے مدرسہ عربیہ فیض محمدی جالندھر میں درس و تعلیم اور اصلاح و تربیت کا سلسلہ جاری فرمایا ۔

علمائے دیوبند کی سب سے اہم خصوصیت ان کی ظاہر و باطن کی جامعیت ہے وہ بیک وقت حال و قال کا مجمع البحرین رہے ہیں ۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد اصلاحِ باطن کی تکمیل ان کے یہاں ناگزیر ہے ۔ اور جب تک کسی شخص میں مدرسہ و خانقاہ بہم یک جانہ ہوں تب تک اس کی شخصیت نامکمل اور ادھوری رہتی ہے ۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے تربیت باطنی اور تکمیل سیرت کے لئے خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو منتخب کیا جہاں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے اور جہاں انسان سازی کا کام بڑی باقاعدگی اور سلیقہ سے ہو رہا تھا ۔ آپ کی تھانہ بھون میں سب سے پہلی حاضری ۱۳۴۲ھ میں ہوئی ۔ اور ایک سال تک اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ رہا ۔ اس کے بعد آپ کی درخواست پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بتاریخ ۹ ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ بعد نمازِ مغرب مسجد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت کیا اور خلافت سے بھی نوازا ۔ (ماخوذ "ذکرِ خیر" مرتبہ احقر بخاری غفرلہٗ)

خیر المدارس کا قیام

اسی دوران آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ایک معیاری مدرسہ کے قیام کا داعیہ ہوا ۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے اس

تجویز کا ذکر کیا حضرت نے اس کی تحسین فرمائی۔ تو توکلاً علی اللہ مسجد عالمگیر اٹاری بازار جالندھر میں مورخہ ۱۹ رشوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ رمارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کا آغاز کر دیا گیا۔ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کا نام "مدرسہ عربی خیرالمدارس" تجویز فرمایا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے علم وفضل، اخلاص وتقویٰ اور حسنِ انتظام اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سرپرستی کی بدولت "خیرالمدارس" کو بہت جلد مقبولیتِ عامہ نصیب ہوئی۔ اور پنجاب کے طلبہ کا مرجع بن گیا۔ ۱۹۴۷ء تک یہ مدرسہ جالندھر میں تعلیمی خدمت انجام دیتا رہا۔ قیامِ پاکستان کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء میں سے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے لاہور کو منتخب کیا اور "جامعہ اشرفیہ" کی بنا ڈالی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے کراچی کو پسند فرمایا۔ اور "دارالعلوم کراچی" کا اجراء فرمایا۔ اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے قلبِ پاکستان ملتان کو جو دورِ قدیم سے اکابر اہل اللہ کا مہبط رہا ہے شرف بخشا، اور ۸ راکتوبر ۱۹۴۷ء کو گیان تھلہ، بیرون دہلی دروازہ ملتان میں خیرالمدارس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے علاوہ محدثِ کبیر مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ۔ مولانا عبدالشکور کاملپوریؒ مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانیؒ اور مولانا محمد شریف کشمیری مدظلہ اور دیگر اکابر علماء کی تدریسی خدمات نے "خیرالمدارس" کو اسم بامسمّٰی بنا دیا۔ جامعہ خیرالمدارس اپنی چند منفرد خصوصیات کی بناء پر اکابر امت کا ممدوح رہا ہے۔ چند آراء درج ذیل ہیں چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ:-

"یہ مدرسہ خیرالمدارس ابتدائے تعمیر ہی سے حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی سرپرستی میں اہلِ حق کا ایک اچھا مرکز رہا ہے اس کے سالانہ جلسوں سے بھی تبلیغ کا بہت نفع پہنچتا رہا ہے اس کے سرپرست حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور بانی و مہتمم حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ہمیشہ سے پاکستان کے حامی رہے اور اب پاکستان میں آنے کے بعد یہاں تک میرا علم ہے اس کے اساتذہ و طلباء بھی پاکستان

کی بقا اور استحکام کو ایک اسلامی فریضہ سمجھتے ہیں۔"

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ مدرسہ بزرگوں کے طریق پر نہایت اخلاص و خوبی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اور مخلص حضرات کی مساعیٔ جمیلہ سے ترقی کر رہا ہے۔"

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ "خیر المدارس" کے متعلق اپنی رائے کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔

"یہ مدرسہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذاتِ گرامی کے اہتمام اور خوبیٔ انتظام کا بہترین ضامن ہے اور مدرسین میں علم و عمل کے انوار نمایاں ہیں۔"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"پاکستان بننے کے فوراً بعد علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکزی مدرسہ ملتان شہر میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے دستِ مبارک سے بنا۔ جہاں سے سینکڑوں علماء و فضلاء اور قراء فارغ ہو کر ملک کے مختلف طبقوں میں دینی خدمات میں مشغول ہیں۔"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے علم میں اب تک اس شان کی کوئی درسگاہ نہیں ہے۔"

حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"مدرسہ میں بانیٔ مدرسہ کے خلوص و حُسنِ تدبر اور علو ہمت اور کمال تربیت کے آثار نمایاں ہیں۔"

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"خیر المدارس کا نام حضرت تھانویؒ کا تجویز کردہ ہے اور مولانا خیر محمد صاحبؒ کے فیضان نے اس مدرسہ کو واقعی خیر المدارس بنا دیا اب یہ درسگاہ علم دین کا مرکز اور ایک عظیم دینی یونیورسٹی ہے۔"

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے مندرجہ ذیل نظم میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرمایا:۔

عجب ہے پُر انوار خیر المدارس — خدا کا ہے گلزار خیر المدارس
یہاں پڑھنے والے ہیں سب اہلسنّت — نبیؐ کا ہے بازار خیر المدارس
طریق سلف پر ہے یہ چلنے والا — ہے بدعت سے بیزار خیر المدارس
پڑھاتا ہے علم اور سکھاتا ہے تقویٰ — بناتا ہے دیندار خیر المدارس
یہاں مجمع اہلِ علم و عمل ہے — یہ ہے بزم اخیار خیر المدارس
چلو اہلِ خیر ہے اجر کی یہ منڈی — جزا کا ہے بازار خیر المدارس
مگر سر پہ ہے ظلِّ اشرفؒ جو تجھ پر — برستے ہیں انوار خیر المدارس

جو بانی ہے خیر محمدؒ تو پھر کیوں
نہ ہو نیک آثار خیر المدارس

(آئین و قوانین و قواعد خیر المدارس)

علمی و تصنیفی خدمات درس و تدریس اور وعظ و ارشاد آپ کی زندگی کا اصل محور تھا اور تصنیف و تالیف کا شغل بہت ہی کم تھا تاہم چند مفید رسائل تالیف فرمائے ان میں "خیر الاصول"، "خیر التنقید فی اثبات التقلید"، "خیر الوسیلہ"، "تیسیر الابواب"، "خیر المصابیح فی اسباب التراویح"، "خیر التنقید"، نماز حنفی مترجم وغیرہ علمی شاہکار تالیفات ہیں۔

آخری عمر میں صحیح بخاری کی ایک مختصر سی شرح بھی تالیف فرمائی اور اپنے کچھ حالات بھی قلمبند کئے۔ علمی خدمات میں آپ کی سب سے عظیم خدمت جامعہ خیر المدارس کا قیام ہے جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں علماء و فضلاء فارغ التحصیل ہو کر ملک کے مختلف حصوں میں دینی علمی خدمات میں مشغول ہیں۔ اور یہ آپ کے لئے عظیم صدقہ جاریہ ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

" حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جامع کمالات تھے ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ علم دین کی خدمت
ں گزرا ہے وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا چشمۂ علم جاری فرما گئے ہیں جو ان کی نجات کے
ے کافی ہے۔ باقی کمالاتِ علمی و روحانی الگ ہیں۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ حضرت
م الامت قدس سرہٗ کے خلیفہ اور شریعت و طریقت کے زبردست عالمِ دین تھے۔ حضرت
م الامتؒ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا تھا کہ:۔

" حدیث شریف شروع کرنے والوں کے لئے رسالہ "خیر الاصول فی حدیث الرسول" مؤلفہ
لانا خیر محمد صاحبؒ داخلِ نصاب کیا جائے۔"

چنانچہ ایسا ہی عمل کیا گیا۔ اسی طرح حضرت حکیم الامت نے جب "دلائل القرآن علی مسائل النعمان"
منیف کے لئے فرمایا اور اپنے چند مخصوص معتمد علماء کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا
ینی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ حضرت مولانا
ی جمیل احمد صاحب تھانویؒ اور احقر ناکارہ) تو اس فہرست میں حضرت مولانا خیر محمد
احبؒ کا نام نامی اسم گرامی بھی شامل تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت کی نظر
ں آپ کا کتنا بلند مقام تھا۔ انہی کی سرپرستی اور نگرانی میں آپ نے مدرسہ خیر المدارس جاری
مایا۔ اور بہت جلد ہی حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے حسنِ انتظام اور حسنِ تعلیم سے یہ
سہ مقبولِ عام ہوا۔ تقسیم ہند کے بعد مدرسہ خیر المدارس جالندھر کی بیش بہا عمارتیں اور تمام
ب خانہ اور علمی و مالی سرمایہ اور خزانہ سب چھوڑ کر ہجرت فرمائی۔ اور ملتان شہر میں آکر پھر
ی علم و حکمت اور کتاب و سنت کی تعلیم کا چشمہ جاری فرمایا۔ جہاں سے علماء و فضلاء اور
ر کی ایک بڑی جماعت فارغ التحصیل ہو کر تعلیم دین کی خدمت میں مصروف ہے۔
ے نزدیک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سب سے بڑا علمی و دینی کارنامہ ہے اور عظیم
قہ جاریہ ہے۔"

("ذکرِ خیر" مؤلفہ احقر راقم بخاری عفرلہٗ صہ ۱۳ تا ۳۴)

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ:-

" حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بڑے عالم اور بڑے بزرگ تھے۔ علم کے پرکھنے کے لئے تو ان کی تالیفات اور درس و تدریس، خیر المدارس کی بنیاد، مناظرے تبلیغ اسلام کے مواعظ، مجلسی گفتگو حاضر و بعید سب کے لئے شاہد عدل ہیں مگر ہر فن والا ہی فن والے کے درجہ کو پہچان سکتا ہے۔ اس لئے اہلِ علم ہی ان کے علمی مرتبہ کو پہچان سکتے ہیں۔ جیسے ہر فن کے ماہر کو اس کے فن والے ہی ماہر ہونا اور کس درجہ کا ماہر ہے پہچان لیتے ہیں ورنہ دوسروں کے لئے تو سب یکساں ہی معلوم ہوا کرتے ہیں۔ یہ قاعدہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی علمی مہارت اہلِ علم میں معروف و مشہور ہے۔ مگر بزرگی کا کیا درجہ ہوگا اس تک ہر اہلِ علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ "ولی را ولی می شناسد" ایک صحیح قاعدہ ہے، باطن میں کیا درجہ ہے اس کو اہلِ باطن بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں۔ دوسروں کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ جو نسانۂ حال میں اور خصوصاً علوم باطنہ کے مجدد تسلیم شدہ ہیں۔ ان کا بیعت و تربیت کی اجازت دینا اور مرض وفات میں جن خلفاء کا انتخاب برائے تربیت مجھے فرما کر اعلان فرما دیا تھا جو "اشرف السوانح" میں درج ہے اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نام نامی درج ہونا ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے بلکہ ایک دفعہ فرمایا تھا کہ:

"انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت کھینچتا ہے۔"

چونکہ مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی اس کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت فوقیت کو انجن کی زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی ان دو شہادتوں کے سامنے اور کسی کی تعریف و ستائش پوری کتاب میں بھی اس پایہ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔" (ماخوذ "ذکر خیر" مطبوعہ مکتبہ خیر المدارس ملتان)

تبلیغی واصلاحی خدمات

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ، فرماتے ہیں کہ:۔

• قطب عالم مجدد الوقت حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون سے اپنی باطنی تربیت واصلاح کرانے اور فیض یاب ہونے والوں میں جن اکابر علماء کرام نے امتیازی مقام حاصل کیا ان میں استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ بانی ومہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان کا نام نامی اور اسم گرامی سر فہرست نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا جالندھری مرحوم تمام علوم وفنون کے جامع فاضل اپنے زمانے کے عظیم محدث، فقیہہ اور جیّد عالم ہونے کے ساتھ بہت بڑے روحانی مربّی اور شیخ طریقت بھی تھے۔ حضرت مولانا مرحوم نے تمام عمر علوم دینیہ کی تدریس وتعلیم اور اشاعت و تبلیغ میں گزاری اور اس کے ساتھ ہی راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہزاروں طالبانِ خدا کو راہِ راست دکھائی اور علم ومعرفت کے چشمۂ صافی سے سیراب کیا۔ حضرت مولانا جالندھری مرحوم کے تزکیۂ نفس کی تکمیل اور باطنی اخلاق کے رسوخ کے لئے حضرت مولانا کے مرشد ومربّی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف سے سندِ خلافت کا عطا کیا جانا اور تربیت واصلاحِ خلق کے لئے اپنا مجاز بنادینا عظیم شہادت ہے۔ ہم جیسے علم و معرفت سے ناآشنا حضرت مولانا کے مقام اور مرتبے کو کیا جانیں، بقول ع

دلی را دلی می شناسد

رمزی نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بارہ میں کیا خوب کہا تھا اس کو اس جگہ اپنے حال کے موافق پاکر نقل کرتا ہوں ؎

رمزی بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا وہ تیرے اوصاف پہچانے

حضرت مولانا جالندھریؒ کا محبوب ترین مشغلہ جس میں آپ کی زندگی کا تقریباً تمام تر زمانہ

گزرا۔ وہ درس وتدریس اور علوم دینیہ کی اشاعت وتبلیغ کے ساتھ مدارس عربیہ کی سرپرستی
اوران کے فروغ کے لئے سعی اور کوشش کرتا تھا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا قیام بھی
آپ کی ہی سعی مشکور کا ثمرہ ہے۔ آپ مدارس عربیہ کی دیکھ بھال اوران کے سالانہ اجلاسوں
میں شرکت بھی فرماتے تھے۔ منتظمین کو مفید مشورے دینے کے علاوہ عوام کو اپنے مواعظِ حسنہ
حسنہ سے بھی مستفید کرتے۔ آپ کا طرزِ خطابت نہایت درجے کا سلیس ہوتا اور مشکل سے
مشکل مضمون کی تعبیر ایسے آسان لفظوں میں فرماتے کہ ہر عامی اسے سمجھ لیتا، احقر کی درخواست
پر جب حضرت مولانا مرحوم ساہی وال ضلع سرگودہا تشریف لائے اور شب کا قیام جامع
مسجد بلاک ۱۵ سرگودھا میں ہوا تو صبح کی نماز کے بعد حضرت مولانا نے درس قرآن دیا۔ وہ
درس کیا تھا علم وحکمت کا خزانہ اور اسرار ومعرفت کا گنجینہ تھا۔ جب بھی اس کی یاد آتی
تو اس کی لذت اپنے قلب میں محسوس ہوتی ہے پھر ساہی وال تشریف لاکر شہری شہانی
مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے اِنَّ الذِینَ قالوا ربنا اللہ ثم استقامُوا پر حکمت ونصیحت
سے بھرا ہوا وعظ فرمایا اور پھر واپسی میں خود فرمائش ظاہر فرماکر مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودہا
میں بھی تشریف لے گئے۔

احقر نے مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہی وال کے نصاب کے لئے مشورہ کیا تو فرمایا کہ "کوئی
حد مقرر نہ کی جائے جیسا موقع میسر ہوتا جائے اس کے موافق تعلیم دیتے رہیں"۔ بعض
بچوں کا سرسری تعلیمی معائنہ بھی کیا۔ اور ایک تفصیلی تحریر معائنہ رجسٹر میں تحریر فرمائی۔ حضرت
مولانا کے ساتھ قصور اور بگھیانہ کلاں ضلع قصور اور پھر بھیرہ ضلع سرگودھا کئی سفر دل میں
ہمراہی کا شرف اس ناکارہ کو حاصل رہا ہے۔ ساہی وال مدرسہ حقانیہ میں بھی دو مرتبہ تشریف
لائے۔ ہر جگہ آپ کی مجلس میں عجیب وغریب حکمت ومعرفت نصیحت آموز ملفوظات
سننے میں آتے رہے۔ اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت ودلجوئی بلکہ ان کی قدر افزائی کا حال
آپ پر ہر جگہ غالب دیکھا اور اس ناکارہ کے لئے آپ کا یہ حال سبق آموز اور درس عبرت

بار ہا قصور میں نماز فجر پڑھانے کا مجھے حکم دیا اور احقر کے بہت ہی اصرار کے بعد درس قرآن دینے پر راضی ہوئے۔ اگر کوئی شخص مسئلہ پوچھتا تو بھی اس ناکارہ کی طرف اشارہ فرماتے جامعہ اشرفیہ لاہور جہاں حضرت مولانا کا اکثر جانا ہوتا تھا اور تبلیغی و اصلاحی جلسے سے عوام وخواص کو مستفید فرماتے رہتے تھے۔ ایک جلسے کے موقعہ پر صبح کی نماز کے بعد مستفیدین استفادہ کر رہے تھے۔ یہ ناکارہ بھی مجمع میں لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت مولانا نے نظر التفات فرمائی تو فرمایا:-

"تم کہاں چھپے ہوئے بیٹھے ہو، آگے آؤ اور مسائل بتاؤ۔ اس ناکارہ کو اول تو کچھ آتا ہی نہیں تھا پھر حضرت مولانا کے سامنے آتا ہوا بھی بھول جاتا۔ لیکن حضرت مولانا مرحوم کو جو تواضع تحقیقی مقام حاصل تھا اس لئے وہ خود کو اپنے اکابر اور معاصرین کی نسبت سے ہی نہیں اصاغر کی نسبت سے بھی کسی تقدم اور رفعت و عظمت کا حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی تالیف بزبانِ عربی شرح بخاری کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ بے نام کی کتاب ہے اس کا نام تجویز کریں۔ احقر نے "خیر الجاری شرح بخاری" نام عرض کیا تو فرمایا کہ اس نام کی شرح تو پہلے سے ہی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک ہی نام پر کئی کتابوں کا ہونا بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے نام میں امتیاز ہی مطلوب ہے تو پھر "الخیر الباری" اس کا نام تجویز کر لیا جائے۔ حضرت مولانا نے اس کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر غور کر لیا جائے غرضیکہ حضرت مولانا مرحوم کی تبلیغی و اصلاحی خدمات کا احاطہ کرنا مشکل ہے وہ ساری زندگی تبلیغ و اصلاح میں مصروف رہے ہزاروں طالبانِ علم کے ساتھ ہزاروں تشنگانِ طریقت مستفید و مستفیض ہوئے۔ پیرانہ سالی میں بھی خرابی صحت کے باوجود خیر المدارس جیسے وسیع تعلیمی ادارہ کی انتظامی مصروفیتوں کے ساتھ ہی درس و تدریس کی مشغولیتیں اور طویل طویل تبلیغی اسفار کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اس چشمۂ خیر کو قیامت تک جاری وساری رکھے۔ آمین (ذکر خیر صد ۶۱، ۶۲)

حضرت کا مسلکِ اعتدال

حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:-

"مسلک اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی اصابت رائے اور تحفظِ مسلک کے لئے آپ کی خدمات سب پر روشن ہیں، اس سلسلے میں آپ کی نگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ رُو رعایت بھی سخت مضر رساں تھی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مرشدی حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک فتویٰ "حیات النبیؐ" کے بارے میں شائع ہوا جس کے اجمال سے دوسرے مسلک والوں کو گنجائش مل سکتی تھی تو ہمارے ممدوح حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے ایک تفصیلی سوال نامہ مرتب فرما کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں تفصیلی جواب کے لئے ارسال فرمایا۔ اب چوں کہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے تھا۔ تو حضرت مفتی صاحب نے مسئلے کی پوری تحقیق بڑی تفصیل اور بسط کے ساتھ لکھی اور مسئلہ حیات النبیؐ کو جمہورِ اُمّت کا مسلک قرار دیا۔ اس تفصیلی فتوے کو حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے ماہنامہ "الصدیق" ملتان میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جس سے سب اوہام اور شکوک کا ازالہ ہو کر مسلک اکابر دیو بند منقح ہو کر سامنے آگیا۔ اس سے پہلے راولپنڈی کے ایک خصوصی بڑے اجتماع میں بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ ہمارے اکابر علمار دیوبند کے مسلک سے اس جماعت کا مسلکِ تشدّد ہٹا ہوا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم شرح صدر کے ساتھ اکابر علمار دیوبند کے مسلک کو ہی حق سمجھتے تھے اور اس کا واضح اظہار کرتے تھے۔ مگر پھر بھی مشترکہ توحید کانفرنس میں اس جماعت کے مشہور مقرر کو بلانے کا مشورہ آپ نے دیا۔ بلکہ اس جماعت کے سربراہ کو خود مدرسہ خیرالمدارس کے جلسے میں دعوت دے کر اتفاق و اختلاف کے حدود کی عملی تعیین فرما دی کہ بعض مسائل میں اختلاف کے ہوتے ہوتے بھی مشترک مقاصد میں اشتراک عمل ہو سکتا ہے لیکن حضرت مولانا مرحوم کا یہ طرزِ عمل ظاہر بینوں کی نظر میں مسلک اکابر دیوبند میں اشتباہ کا

سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے اس ناکارہ کے فہم قاصر میں بھی محل نظر ہوا۔ اور ایک عریضے
میں اس کا اظہار کیا تو حضرت مولانا مرحوم نے اپنے طرزِ عمل کی وضاحت ان الفاظ ذیل کے
ساتھ فرمائی کہ :-

" اس جماعت کے اکابر و مشاہیر کا مسلک تشدد اکابر علماء دیوبند کے خلاف ہے اس کا
اظہار مقصود تھا سو وہ ہو چکا بلکہ ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے۔ اب اس سے آگے ولست
علیہم بمصیطر کے معارض ہے۔ دوسری جماعت مبتدعیہ جو ان کے مدِمقابل ہے چونکہ ان کے
نزدیک ہمارے اور ان کے متعلق کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے ہماری تقریر واضح ہے وہ ناجائز
فائدہ اٹھا کر اشتعال انگیزی اور اضلال کریں گے۔ لہٰذا سکوت اصلح ہے۔ الغرض آپ کی
نظر ایک طرف ہے اور اس خادم کی دو طرف، رہا میر البعض افراد کو دعوت دینا اس پر قیاس
کیا جائے۔ یہاں اگر وہ مغلوب رہتے ہوئے حدِ اعتدال پر رہتے ہیں۔ اور دوسری جگہ غالب
اور حدود سے تجاوز۔ الغرض غلو فی الدین سے احتیاط کو شعار قرار دیا جائے۔ اور لا یجرمنکم
شنآن قوم کو فراموش نہ کیا جائے۔"

بہر حال حضرت کے والانامہ کا لفظ لفظ حضرت مولانا مرحوم کے مسلکِ اعتدال کی وضاحت
کر رہا ہے۔ اور مولانا مرحوم کے عدل و تقویٰ پر شہادت دے رہا ہے اور دوسرے مسلک
والوں سے اشتراکِ عمل کے لئے اس زریں اصول کا سبق بھی اس سے مل رہا ہے جن کو آج
کل عام طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ کہ اس اشتراک سے نہ صرف یہ کہ دوسرے عناصر کو غلبہ
حاصل نہ ہونے پائے بلکہ وہ خود مغلوب رہتے ہوئے حدِ اعتدال پر آجائیں۔ اسی لئے ان بعض
افراد کی طرف سے خیر المدارس کی اسٹیج کو اپنے مخصوص نظریات کے لئے استعمال کرنے کی کوشش
کرتے دیکھا۔ تو حضرت مرحوم نے تمام تر عالی حوصلگی اور وسعتِ ظرفی کے باوجود موقع پر ہی علانیہ
اس کی تردید فرمائی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ مسلکِ اکابر علماء دیوبند کے تحفظ کا فرض ادا
کیا۔ پھر سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسئلہ حیات النبیؐ کی جو خدمت حضرت مولانا مرحوم اور

ان کے منتسبین کے ذریعے ظہور میں آئی۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب آبِ حیات کے بعد شاید پوری صدی میں اس مسئلے کی ایسی گراں قدر خدمت کی توفیق کسی جماعت کے حصے میں نہیں آئی۔ خصوصیت سے یہ شرف حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے حصے میں آیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(ماخوذ از ذکرِ خیر صـ ۵۹، ۶۰ مطبوعہ مکتبہ خیر المدارس)

تعمیرِ پاکستان میں عملی حصہ

دارالعلوم دیوبند کے سرپرستِ اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جون ۱۹۲۸ میں سب سے پہلے تجویزِ پاکستان پیش کی۔ اس کے پورے دس سال بعد جب ان پر پاکستان کا منصۂ شہود پر آنا منکشف ہوا تو انہوں نے وسط ۱۹۳۸ء میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے اربابِ اختیار کو تبلیغ کرنے اور انہیں جنگِ پاکستان کے لئے تیار کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اتباعِ الٰہیہ سے ہی کامیابی اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ محض اسبابِ ظاہرہ یا دیگر اقوام جیسا مظاہرہ مسلمانوں کے لئے ہرگز کافی نہ ہوگا۔ اس غرض کے لئے ان کے ایماء پر اُن کے خلفائے عظام نے "مجلس دعوۃ الحق" کے نام سے ایک تبلیغی و اصلاحی جماعت قائم کی جس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

(۱) مسلمانوں کی حفاظت و مدافعت کے لئے تنظیم و تبلیغ کو وسیع پیمانہ پر ہندوستان میں پھیلانا

(۲) مسلم لیگ کے لیڈروں کو دینداری کی طرف متوجہ کرنا کہ اس کے لیڈروں کی اصلاح سے بہت کچھ عوام کی اصلاح متوقع ہے۔

(۳) مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ارکان کے پاس، ان کے جلسوں میں یا خاص اوقات میں مخلصین کا وفد بھیجتے رہنا۔

(۴) مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو شعائرِ اسلامیہ کی پابندی کی تبلیغ کرنا اور مجلس عاملہ سے لیگ کے ہر ممبر پر قانونی طور پر شعائر اسلامیہ کی پابندی کو لازم قرار دینے کی درخواست

۱۹۳۸ء کے اخیر میں مجلس دعوۃ الحق نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے پہلے تبلیغی وفد نے قائداعظم کو بمقام پٹنہ تبلیغ نماز کی اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی کا تاریخی بیان پڑھا جس میں ممبران مسلم لیگ کی توجہ احکام اسلامی کی پابندی کی طرف مبذول کرائی گئی۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ نے پہلی مرتبہ عملی جدوجہد کی طرف قدم بڑھایا۔ اور ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی تنظیم کرنے، اس کی شاخیں قائم کرنے اور انہیں آنے والی جنگ پاکستان کے لئے منظم کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے بعد مسلم لیگ قائداعظم کی قیادت میں جب نئے عزم و ارادہ سے میدان عمل میں اتری تو ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس اور اس کی حامی جمعیت علماء ہند اس وقت اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئیں۔ اور مسلم لیگ کو تنظیم نو کرنے میں بڑی مشکلات و موانعات پیش آئیں۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی جانتے تھے کہ ہندو جو ہر قیمت پر ہندوستان سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے پر تلا ہوا ہے اور تجویز پاکستان کسی قیمت پر قبول نہیں کرے گا۔ بلکہ اسے مسترد کرانے کے لئے مسلمانوں کی فعال اور با اثر سیاسی جماعتوں کو بھی میدان عمل میں لے آئے گا۔ اس لئے حضرت تھانوی نے مسلم لیگ کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا جس سے مسلمانوں کی حفاظت اور مدافعت کی انہیں زیادہ توقع تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں جب کہ مسلم لیگ اپنے تنظیمی منصوبہ کے ماتحت صوبوں اور ضلعوں میں از سر نو اپنی شاخیں قائم کر رہی تھی حضرت حکیم الامت تھانوی نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور دیگر اکابر علماء دیوبند کے مشورہ سے مسلمانان ہند کو مسلم لیگ کی حمایت و مدد کرنے کا ان الفاظ میں فتویٰ دیا کہ:۔

" گو مسلم لیگ متقی جماعت نہیں بلکہ ایک سیاسی جماعت ہے گو اس جماعت کے افراد میں اختلاف مذاہب بھی ہے مگر چونکہ اسلام کی حفاظت اور مخالفین اسلام کی مدافعت اس کا مقصود مشترک ہے اس لئے اس وقت کی فضاء پر نظر کر کے بظاہر اسباب اس کی ضرورت

ہے کہ اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے باہمی اختلاف کو بجائے خود رکھ کر سب کلمہ گو جمع ہو جائیں اور جو متعصبین آزادی ہند کے بعد ہندوستان سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اس کی حمایت کریں تاکہ اسلام اپنے اصول و شعائر کے ساتھ ہندوستان میں باقی رہے۔"

زعمار کا کام اس وقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو من حیث القوم ہٹنے نہ دیں اور علمار کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو من حیث المذہب بگڑنے نہ دیں اور ہر حال اور ہر عمل میں اصل مطمع نظر رضائے حق کو رکھیں کہ حقیقی کامیابی اسی پر موقوف ہے۔" (ضمیمہ تنظیم المسلمین)

اثر حمایت صف علمار سے یہ پہلی آواز تھی جو مسلم لیگ کی حمایت میں بلند ہوئی اور جس سے ارباب غرض میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت تھانویؒ کا ملک کے طول و عرض میں کافی اثر و رسوخ ہے۔ ان کے سینکڑوں خلفائے عظام ہزاروں منتسبین، لاکھوں معتقدین، قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ میں پھیلے ہوئے ہیں جن کی دیانت و امانت کا مخالفوں کو بھی اعتراف ہے۔ اس لئے جہاں مخالفین نے مسلم لیگ کی مخالفت کی مہم تیز تر کر دی وہاں وہ دیندار طبقہ مسلم لیگ کی حمایت میں علانیہ میدان عمل میں نکل آیا جسے پہلے مسلم لیگ کی حمایت کی جرأت اس لئے نہ ہوتی تھی کہ متعارف علمار کرام کی اسے تائید حاصل نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم لیگ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اور اس کے تن مردہ میں روح پڑ گئی۔ جہاں، نہیں بنے گا پاکستان، کی ایک آواز بلند ہوتی وہاں، بن کے رہے گا پاکستان، کے دس نعرے سننے میں آتے۔ الغرض سال ۱۹۳۹ء میں حضرت تھانویؒ کے ممتاز خلفائے کرام خصوصاً حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ۔ حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمیؒ۔ حضرت مولانا مرتضیٰ احسن چاندپوریؒ۔ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ۔ حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ اور دیگر جید علمار دیوبند جو حضرت تھانویؒ کے سلسلہ روحانی سے تعلق رکھتے تھے

ان اپنے اپنے شہروں اور علاقوں میں اپنے شیخ کے حکم پر مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق تبلیغی مہم میں اور ارباب مسلم لیگ اپنی تنظیمی مہم میں مشغول و مصروف رہے آخرکار ان علماء ربانی کی مخلصانہ تبلیغی جدوجہد اور ترغیب پر مسلمانوں نے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جوق در جوق جمع ہو کر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس کر دیا جس سے مخالفین پاکستان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔[1]

محترم جناب پروفیسر نصیر احمد چوہدری اپنے مقالہ "تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما حضرت مولانا خیر محمد جالندہری" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

" ۱۹۲۴ سے ۱۹۳۶ء کا زمانہ مسلمانوں کے سخت ذہنی خلفشار و انتشار کا دور تھا۔ مسلمانوں کی نہ تو کوئی منظم سیاسی جماعت تھی جسے مسلمانوں کی غالب اکثریت کا پورا اعتماد حاصل ہو۔ اور نہ کوئی واضح اور معین سیاسی نصب العین سامنے تھا۔ دوسری طرف گاندھی جی سوراج وغیرہ جیسے مبہم الفاظ میں مطالبات مرتب کر کے مکمل آزادی کے مطالبے کی تجویز کو ناکام کرا دینا چاہتے تھے۔ ہندوؤں کا مقصد انگریزوں کو مستقبل قریب میں ٹالنا نہیں بلکہ ان کی سنگینوں کے سائے میں مسلمانوں کو بے اثر اور مضمحل کر کے ان کے قومی وجود کو فنا کر دینا تھا۔

اسی اثناء میں قائد اعظم محمد علی جناح نے واپس ہندوستان آ کر مسلم لیگ کی تنظیم نو کا آغاز کر دیا تھا اس زمانہ میں جب کہ جمعیت علماء ہند نے اپنا وزن کانگریس کے پلڑے میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر علمائے دیوبند نے کانگریس اور جمعیت علماء ہند سے اختلاف کیا اور ان حضرات کے معتقدین و متوسلین جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں لاکھوں کی

---

[1] تعمیر پاکستان اور علماء ربانی

تعداد میں پھیلے ہوئے تھے، کانگریس اور جمعیت علماء ہند کی پالیسی کے علی الاعلان مخالف اور مسلم لیگ کے مؤید ہو گئے۔ ۱۹۴۰ء میں جب مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی ایک علیحدہ حکومت کا تصور ایک باضابطہ قرارداد کی شکل میں سامنے آیا تو مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ان کی ساری آرزوئیں اور تمنائیں اس قرارداد میں سمٹ کر آ گئی ہیں۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام قائم ہوئی۔ ۲۶ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں علماء کی یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں برصغیر کے مختلف صوبوں سے پانچ سو سے زائد جید علماء کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں دیوبندی مسلک کے زیادہ تر وہی علماء شامل ہوئے جو بالخصوص حضرت تھانوی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی سے وابستہ تھے۔ اس کے علاوہ کانفرنس ہذا میں بریلوی مسلک کے علماء، ندوی حضرات، اہل حدیث اور مشائخ و صوفیاء نے بھی شرکت کی۔ پنجاب کے علاوہ دیوبند میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری۔ اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے اسماء گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے مسلم لیگ سے بھرپور تعاون کیا اور تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے عملی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کا شماران چند علمائے عظام اور اکابرینِ ملت میں ہوتا ہے جو دیوبند کے اس مکتبِ فکر سے منسلک تھے۔ جن کی مثبت سوچ اور صالح جوابانہ طرزِ عمل کی بدولت برصغیر کے علماء جمعیت علماء اسلام کے قیام میں کامیاب ہوئے۔ یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مفتی محمد حسن امرتسری اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسی عظیم المرتبت شخصیات کو دین و ملت کی خدمت کے لیے مولانا خیر محمد جالندھری کا مکمل تعاون اور معیت حاصل رہی۔ جس کے باعث وہ جمعیت علماء ہند کی کانگریس نوازی کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے علم دین کی تبلیغ و اشاعت اور تلقین و تربیت پر زیادہ توجہ مرکوز

ی وہ پاکستان کے حصول میں دی گئی قربانیوں سے واقف تھے اور آزادی کی نعمت غیر مترقبہ
شدت سے احساس رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا پاکستان کو اسلام کا
ارہ بنتے دیکھنا تھا۔ ان کی مرنجان مرنج شخصیت میں قومی درد سے لبریز دل دھڑکتا تھا
دل نے عمر بھر فروعی مذہبی اختلافات پر قومی یک جہتی اور وحدت واتحاد کو ترجیح دی
قوم فرقہ بندی اور اختلافی مسائل میں پڑ کر اس مقصد عظیم کو نظر انداز نہ کر دے۔ جس کی
کر یہ سرزمین پاکستان حاصل کی تھی۔"

(ماخوذ ذکر خیر" بحوالہ روزنامہ امروز لاہور)

جناب عبد اللطیف شید املتانی لکھتے ہیں:۔

" مولانا خیر محمد جالندھری سیاسی لحاظ سے اس قافلے میں شامل تھے جس کے سالار حضرت
نا اشرف علی تھانوی تھے۔ مولانا مرحوم تحریک پاکستان کے زبردست حامی اور سپاہی تھے
اپنے پیر طریقت کی ہدایات کے مطابق حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد
انی اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندی وغیرہم کے ساتھ دل وجان سے شامل تھے۔ انہی
لوگوں کی کوششوں سے تحریک پاکستان عوام میں مقبول ہوئی۔ اور آخر کار پاکستان معرض
وجود میں آیا۔ صوبہ سرحد ہی ایک کانگریسی صوبہ تھا جہاں کانگریس کی وزارت قائم تھی۔ ریفرنڈم
موقع پر انہی علماء حق کے کہنے سے غیور پٹھانوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور
رت علامہ شبیر احمد عثمانی فاتح سرحد کے لقب سے ملقب ہوئے۔ الغرض مولانا خیر محمد صاحب
جالندھری نے بڑی جانفشانی سے پاکستان کے لئے کام کیا۔ بانی پاکستان قائد اعظم اور
مسلم لیگ کی مساعی جمیلہ میں معاونت فرماتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد قرارداد مقاصد کی
تدوین و ترتیب کے لئے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے اعانت فرمائی۔ اور پھر پاکستان
دستور اسلامی تیار کرنے کے لئے بھی ۱۹۵۱ء میں دیگر علمائے کرام کے ساتھ شامل رہے۔
۱۹۵۔ میں بنیادی اصول اسلام کی ترامیم کے لئے دوبارہ کراچی تشریف لے گئے۔ مرکزی

جمعیت علمار اسلام کے مرکزی رہنما اور سرپرست رہے۔ اور آخر دم تک علمار کے اتفاق واتحاد کی کوشش کرتے رہے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور ضعف و پیری کے باوجود اسلام اور امت مسلمہ کی اصلاح وانصرام میں مصروف

(روزنامہ امروز لاہور ہفت روزہ اشاعت ۲۲ر اکتوبر ۱۹۸۲ء)

مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ

جب سے کانگریس معرض وجود میں آئی اس وقت سے یہ مسئلہ ہمیشہ مسلمانوں کے لئے دردِ سر بنا رہا۔ کہ مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کرنی چاہئے یا نہیں؟ خود دارالعلوم دیوبند اس مسئلہ پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک حصہ کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کو جائز سمجھتا تھا اور اس میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتا تھا۔ لیکن دوسرا گروپ کانگریس کا سخت مخالف تھا جس کے سربراہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند تھے۔ اسی گروپ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمیؒ ناظم گردمی دارالعلوم دیوبند۔ اور دیگر بہت سے مدرسین واراکین دارالعلوم دیوبند کے علاوہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے تمام خلفار منتسبین اور ان حضرات کے متعلقین جن میں بڑی تعداد علمار فضلار کی تھی۔ سب ہی اس گروپ میں شامل تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری بھی مسلمانوں کے کانگریس میں شامل ہونے کے سخت مخالف تھے۔ کانگریس میں داخلے کے علاوہ ہندو مسلم اتحاد بھی ہندوستانی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کی

لفت کی حضرت مولانا خیر محمد صاحب بھی اپنے پیرو مرشد کی مانند ہندو مسلم اتحاد کے مخالف
رہے۔ اور تحریک پاکستان میں مذکورہ بالا علماء کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت فرماتے رہے۔
چنانچہ جوں جوں تحریک پاکستان مقبول ہوتی جارہی تھی اسی رفتار سے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ
شروع کردیا کہ مسلم لیگ بے دین اور ملحد جماعت ہے اس میں شامل ہونا ناجائز ہے اس پر
دارالعلوم دیوبند میں شدید اختلاف ہوتا چلا گیا۔ بحث و مباحثہ کی نوبت آ گئی۔ بالآخر
دارالعلوم دیوبند کو اس اختلاف کے خراب اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے صدر مہتمم
دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا
مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور چند دیگر علماء کرام نے دارالعلوم
سے ضابطہ کا استعفاء دے دیا اور آزادانہ پاکستان کی حمایت کے لئے اپنے اوقات وقف
کر دیئے۔ اسی اثناء میں پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آ گئے تھے۔
مخالفین کی طرف سے پروپیگنڈہ زوروں پر تھا کہ:-

"مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ ہے۔ اسے علماء کی تائید حاصل نہیں ہے"

ادھر ارباب لیگ بری طرح محسوس کر رہے تھے کہ جب تک ہر محاذ پر علماء ان کے شانہ
بشانہ کام نہ کریں الیکشن جیتنا آسان کام نہیں۔ چنانچہ ان کے تقاضے پر اور حالات کی نزاکت
کا احساس کرتے ہوئے ملک کے مقتدر علماء کرام نے نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمع ہو کر
ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ اور تحریک پاکستان کے نام حامی علماء پر مشتمل "جمعیت
علماء اسلام" کے نام سے ایک مضبوط جماعت کا سنگ بنیاد رکھا جس کے صدر علامہ
شبیر احمد عثمانیؒ منتخب ہوئے اس کانفرنس نے متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان
کیا اور ایک قرارداد کے ذریعے مسلم ووٹروں سے اپیل کی کہ مسلم لیگ کے نمائندہ کے سوا کسی
دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیا جائے۔ مزید برآں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع
صاحب نے مذہبی اور علمی حیثیت سے مطالبۂ پاکستان، حمایت مسلم لیگ، کانگریس سے

اختلاف اور متحدہ قومیت کے خلاف دو قومی نظریہ پر قرآن و حدیث اور فقہی دلائل کی روشنی
میں بہت سے فتاوٰی اور رسائل لکھ کر شائع کئے جن میں سے رسالہ" کانگریس اور مسلم لیگ
" افادات اشرفیہ در رسائل سیاسیہ" بڑے مفید ثابت ہوئے۔ علاوہ ازیں یہ علماء کرام جن
کا مذاق ہی شروع سے الیکشنوں کے طوفان سے یکسوئی تھا۔ ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ
کی امداد اور پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے پھیل گئے۔ کیونکہ یہ الیکشن ایک ایسے
مقصد کے لئے لڑا جا رہا تھا جس پر ہندوستان میں دین اسلام کے بقاء کا دارومدار تھا"

(تعمیر پاکستان اور علماء ربانی)

جناب پروفیسر احمد سعید صاحب ایم اے فرماتے ہیں کہ:۔

" جب پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آ گئے اور کانگریس اس الیکشن
مسلم لیگ کو ناکام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی تو اس وقت مسلم لیگ پریشان کن
حالت میں تھی۔ اس دوران مجلس دعوۃ الحق بمبئی کے چند ارکان نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی
اعظم پاکستان سے کانگریس اور مسلم لیگ کی شرعی حیثیت کے متعلق فتوٰی دریافت کیا جس کے
جواب میں حضرت مفتی صاحب نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک فتوی جاری کیا جس کی تائید
میں علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا خیر محمد جالندھری
اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کی تصدیقات بھی ثبت ہیں۔ حضرت مفتی صاحب اور ان علماء کا
فتوٰی پاکستان کی خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ اس کی بنیاد پر مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ
کے جھنڈے تلے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اور یہ الیکشن مسلم لیگ نے بھاری اکثریت سے جیتا"

(حصول پاکستان مطبوعہ ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور)

محترم جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

" حضرت مولانا خیر محمد صاحب بانی خیر المدارس ملتان علماء حق کے اس قافلہ کے رکن ہیں جنہوں
نے قیام پاکستان کے لئے دن رات محنت کی اور قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام کی جدوجہد

نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔ آپ اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرح کانگریس کے مخالف اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ ۱۳۶۴ھ میں اراکین دعوۃ الحق بمبئی کے استفسار کے جواب میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے کانگریس کی مخالفت اور مسلم لیگ میں شرکت کے متعلق تاریخی فتویٰ وقایۃ المسلمین عن ولایۃ المشرکین نامی رسالہ نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع کیا تھا اور جو کانگریس کے لئے ایٹم بم ثابت ہوا تھا اس پر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا شبیر علی تھانوی اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کے علاوہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کی بھی تصدیق ثبت تھی۔"

یہ فتویٰ مسلم لیگ کی کامیابی کا ضامن ثابت ہوا۔ (سیرت اشرف صہ ۴۴۳۔ جلد دوم)

نظامِ اسلام کی جدوجہد

حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا ذہن خالص تعلیمی تھا اور زندگی کی تمامتر توانائیاں تعلیم وتدریس اور اصلاح وتربیت کے لئے وقف تھیں، سیاست سے دلچسپی نہ تھی۔ مگر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہر طرح کوشاں رہے اور تحریک پاکستان میں اپنے شیخ کی نگرانی میں عملاً حصہ بھی لیا قیام پاکستان کے بعد قرار دادِ مقاصد اور اسلامی نظام کے نفاذ میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے دست راست رہے۔ ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی صدارت میں اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کے لئے ہر مکتب فکر کے اکابر علماء کا جو اجتماع کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر منعقد ہوا۔ اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بھی شریک تھے۔ پھر ۱۹۵۱ء میں خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے دستوری مسائل پر غور کرنے کے لئے جن ممتاز علماء کو دعوت دی گئی ان میں آپ بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے بھرپور تعاون کیا اور زندگی کے آخری لمحہ تک مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے سرپرست اور اس کی مجلس شوریٰ کے صدر نشین رہے۔ حضرت مولانا موصوف کی سب سے

بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مختلف ذوق اور نظریات کے حضرات آپ کے حسنِ تدبیر، اخلاص اور معاملہ فہمی پر مکمل اعتماد کرتے تھے اس بنا پر مختلف حلقوں کو جوڑنے اور ان کے مابین پیدا شدہ غلط فہمیاں دور کرنے میں آپ بڑا مؤثر کردار ادا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات کے بعد جب جمعیت علماء اسلام کے بزرگوں میں اختلاف رونما ہوا تو آپ نے اتفاق و اتحاد کرانے کے لئے بڑی محنت کی۔ متعدد بار لاہور اور کراچی کا سفر کیا۔ بالآخر ۱۹۵۴ء میں کراچی میں اکابر جمعیت کا اجلاس طلب کیا گیا جس میں بالاتفاق حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور جمعیت کے صدر منتخب ہوئے۔ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو نائب صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۶۹ء میں پھر نااتفاقی پیدا ہوئی تو آپ نے بسترِ علالت پر اتفاق و اتحاد کی کوششیں کیں مگر معاملہ نہ سدھر سکا۔ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ قائم مقام صدر جمعیت کی دعوت پر اکابر جمعیت کا اجلاس دارالعلوم کراچی میں ہوا جس میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کو باقاعدہ دوبارہ منظم کیا گیا۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب کو مرکزی جمعیت کا سرپرست اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس طرح سے حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم کا کلّی تعاون ہمیشہ اور ہر مرحلہ انہی اکابر مرکزی جمعیت علماء اسلام کے ساتھ رہا۔

جب لادینی نظریات سوشلزم اور کمیونزم کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکزی جمعیت نے ۱۹۶۹ء میں زبردست تحریک چلائی اور اکابر علماء نے ایک طاقتور محاذ قائم کیا تو اس کو اول تا آخر حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ اور نہ صرف یہ کہ اس محاذ کو آپ کی پوری تائید حاصل تھی بلکہ لادینی نظریات کا سیلاب روکنے کے لئے مرکزی جمعیت کے اکابر علماء نے پاکستان کے چپّہ چپّہ میں جو طوفانی دورے کئے اور کانفرنسیں منعقد کیں ان میں سے اکثر اہم دوروں اور کانفرنسوں میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی۔ حضرت مفتی

محمد شفیع صاحبؒ۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ۔ حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ تھانوی کے ساتھ اپنی ضعیفی و نقاہت کے باوجود بنفسِ نفیس شرکت فرماتے تھے۔ بہرحال آپ کی زندگی خدمتِ اسلام میں بسر ہوئی اور آپ کے علمی و عملی فیضان سے لاکھوں افراد مستفیض و مستفید ہوئے آخر علم و فضل کا یہ آفتاب ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون خیر المدارس کے دار الحدیث کے عقب میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

تفصیل کے لئے احقر کی کتاب " ذکرِ خیر" پڑھئے ۔
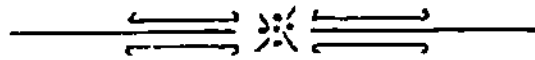
مخدوم العلماء حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ

آپ ضلع سلہٹ سابق مشرقی پاکستان کے ایک نہایت شریف، معزز اور دیندار گھرانے میں ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے نہایت ذہین و متین ثابت ہوئے۔ قرآن مجید اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ اور پھر ابتدائی تعلیم مدرسہ بڑدلیں تعلقہ نبیا فی بازار میں حاصل کی۔ وہاں کے اساتذہ میں مولانا عرفان علی صاحبؒ اور مولانا شفیق اسحاق بہادر پوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ثانوی تعلیم مدرسہ قاسمیہ مراد آباد اور مدرسہ عالیہ رامپور میں حاصل کی۔ پھر حدیث و تفسیر کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے آفتاب علم و عمل اکابر اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔ اور تمام دینی علوم تفسیر و حدیث، فقہ و کلام اور منطق و فلسفہ میں باضابطہ اسناد حاصل کیں۔ ان اکابرین دیوبند کی خصوصی توجہات کا مرکز رہے اور ان بزرگوں کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

تدریسی و تبلیغی خدمات تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ جھینگا بارلیہ

میں مدرس مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ ضلع کملا میں مدرسہ قاسمیہ کے صدر مدرس رہے۔ بحیثیت مدرس آپ کی کامیابی اور مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلہٹ میں یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی کہ جو شخص حضرت مولانا اطہر علی صاحب کے درس میں بیٹھے اور پھر بھی سبق نہ سمجھے اسے پڑھنا ہی ترک کر دینا چاہیے۔ تعلیمی و تدریسی خدمات کے ساتھ ہمیشہ تبلیغی و اصلاحی خدمات بھی انجام دیتے رہے اور اس سلسلہ میں بولائی ضلع کشور گنج کے ایک رئیس کی درخواست پر وہاں تشریف لے گئے اور کئی سال تک تبلیغی و تدریسی خدمات میں مصروف رہے۔ اور دینی سرگرمیوں کی وجہ سے جلد ہی مرجع عوام و خواص بن گئے۔ بعد میں کچھ دینی مصلحت کی وجہ سے ہیبت نگر چھوڑ کر پوران تھانہ میں مقیم ہو گئے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد رکھی آپ کی کوششوں اور مساعی جمیلہ کی بدولت آج یہ مسجد مشرقی پاکستان کی عظیم الشان مساجد میں شمار ہوتی ہے اور اس مسجد کا پانچ منزلہ مینار دہلی کے قطب مینار کی یاد دلاتا ہے۔ تعلیمی و تدریسی کاموں کے علاوہ آپ نے اس وقت کے مجدد اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے ساتھ روحانی تعلق قائم رکھا اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور پھر اپنے شیخ کی ہدایات و احکامات پر عامل رہ کر مسلسل سلوک و تصوف کے مدارج طے کرتے رہے اور تین سال کے مختصر عرصہ میں شعبان ۱۳۴۸ھ میں خلافت و اجازت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ حکیم الامت تھانویؒ سے تعلق کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ :-

"مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جتنا بھی میں نے علم حاصل کیا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا وہ محض زبانی تھا۔ حضرت حکیم الامت سے تعلق کے بعد حقیقت سمجھ میں آئی اور ان پر حقیقی معنوں میں عمل کرنے کی توفیق ہوئی"

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اپنے کو سلوک کے اس اصول کے تحت کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے حوالے اس طرح کر دے جیسے میت کو غسال کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے واقعی اپنے آپ کو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تابع کر رکھا تھا جیسے وہ حکم فرماتے اسی پر عمل

کرتے تھے۔ (اکابر علماء دیوبند صہ ۲۰۴ مطبوعہ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور)

جامعہ امدادیہ کشور گنج کا قیام

اس شہیدی مسجد کے قیام کے بعد آپ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے یہاں رہنے کے متعلق مشورہ کیا تو ان کو حکم ہوا کہ:۔

"تم کشور گنج ہی میں رہ کر تبلیغی و اصلاحی کام جاری رکھو۔"

چنانچہ حضرت حکیم الامت کے اس حکم کی تعمیل میں دل و جان سے مصروف ہو گئے۔ ایک جانب اس چھوٹی سی مسجد کو بڑھانے کا کام جاری رکھا اور دوسری طرف مریدین اور عقیدت مندوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح میں مصروف ہو گئے۔ حضرت حکیم الامت کی تحریر کردہ تنظیم المسلمین اور تعلیم المسلمین کی اشاعت کے بعد دعوت و تبلیغ کے کاموں میں پہلے سے زیادہ وقت گذارنے لگے۔

اسی دوران ۱۹۴۵ء میں مدرسہ امداد العلوم قائم کیا جو کچھ سال بعد ایک عظیم الشان ادارہ "جامعہ امدادیہ کشور گنج" کی شکل اختیار کر گیا جس میں اب تک ہزاروں طالبانِ علم اپنی تعلیم مکمل کر کے دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔ بحمد اللہ آپ کے ہزاروں تلامذہ و مریدین ملک و بیرونِ ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سابق مشرقی پاکستان کا تو چپہ چپہ آپ کے فیوضات و برکات سے منور ہوا ہے۔ بغرضیکہ آپ نے اپنی پاکیزہ زندگی میں تشنگانِ علوم کو حسب مدارج فہم قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے آشنا کیا اور ہزاروں مردہ دلوں کو شگفتگی عطا کی۔ اور اس چراغ روحانیت نے لاکھوں چراغ روشن کئے اور ہزاروں لاکھوں فرزندانِ توحید کے سینوں کو دعوتِ قرآنی کے نور سے منور کیا۔ آپ کے علمی و روحانی مقام کے بارے میں حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"قدوۃ العلماء حضرت مولانا اطہر علی صاحب مرحوم مشرقی پاکستان میں ہی پیدا ہوئے اور اسی سرزمین پر اپنی آخری آرام گاہ میں مدفون ہو گئے۔ حضرت مولانا مرحوم کا زیادہ عرصہ سلہٹ

میں گزرا تھا اس لئے سلہٹ کے ساتھ زیادہ نسبت ہوگئی تھی۔ مولانا مرحوم نے دارالعلوم دیوبند سے نہ صرف دینی علوم تفسیر، قرآن وحدیث، فقہ وکلام میں باضابطہ اسناد حاصل کیں بلکہ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی ایک طویل عرصہ ریاضت ومجاہدہ فرمایا جس کے لئے زیادہ عرصہ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام کرکے اپنے شیخ حکیم الامت حضرت تھانوی سے فیوض وبرکات حاصل کئے ہیں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ مولانا مرحوم باوجود علمی اور تدریسی وسیاسی مشاغل کے بلاناغہ اذکارِ الٰہیہ فرماتے تھے اور ذکر کے وقت ان کی زبان کے ساتھ قلب سے بھی ذکرِ الٰہی جاری ہونے کی آواز آتی تھی اور لوگوں میں زیادہ تر اسی چیز کی وجہ سے حضرت مولانا مرحوم کی مقبولیت اور پذیرائی میں اضافہ ہوتا رہتا تھا انہوں نے کشور گنج کے قیام کے دوران ایک عظیم الشان درسگاہ "جامعہ امدادیہ" کے نام سے قائم فرمائی جس پر لاکھوں روپیہ خرچ ہوا جس میں ایک عالیشان مسجد شہید ابھی ہے جس کے منبر ومحراب سے آج بھی مولانا اطہر علی صاحب مرحوم کے مواعظِ حسنہ اور ذکر اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اور قیامت تک ہوتی رہیں گی"

جامعہ امدادیہ مولانا مرحوم کی عظیم علمی یادگار ہے اور صدقہ جاریہ ہے جہاں سے ہزاروں علماء وفضلاء بن کر دینی علمی اور ملکی وملّی خدمت انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی نومبر، دسمبر ۱۹۷۶ء)

حصولِ پاکستان کے لئے جدوجہد

ہمارا یہ وطن عزیز "پاکستان" بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے اس کی تاریخ بڑے بڑے اکابرین اور عظیم شخصیتوں کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر ڈالی گئی۔ پاکستان کے قیام کا نصب العین صرف اسلامی حکومت تھا اور نظریہ اسلام ہی اس کا اصل سبب تھا۔ تحریکِ آزادی اور حصولِ پاکستان کے لئے اکابر

علمائے دیوبند نے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ اور آزادی کی تحریک میں نہایت شاندار کردار ادا کیا ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ۔ حضرت حافظ ضامن تھانوی شہیدؒ۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ وغیرہم اکابرین دیوبند ہیں جنہوں نے آزادیٔ ہند کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ اور ساری زندگی دشمنانِ اسلام سے آزادی کی جنگ لڑتے گزار دی۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں تکلیفیں اٹھائیں جاسوسی کے الزامات انگریز قوم نے ان حضرات پر لگائے۔ ملک بدر کئے گئے۔ بارہا قید و بند کی منزلیں طے کیں۔ گولیاں کھائیں شہادتیں پائیں اور بہت سی تکالیف اٹھائیں۔ مگر ان حضرات نے جان و مال کی پرواہ کئے بغیر دشمنِ اسلام کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے سے گریز نہ کیا۔ گو ظاہری طور پر ناکامیوں کا سامنا ہوا لیکن ان کا جذبۂ حرّیت اور حق و صداقت کا حوصلہ ختم نہیں ہوا برابر جدوجہدِ آزادی اور اسلام کی سربلندی کے لئے مصروفِ عمل رہے۔ غرض یہ کہ اکابر علمائِ دیوبند کی تقریباً ڈیڑھ صدی کی تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ ان لوگوں نے آزادیٔ ہند کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں لیکن دین اور ملک کی حفاظت کی۔

اس سلسلہ میں پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم فرماتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان کی آزادی اور اسلام کی سربلندی کے لئے اکابرِ دیوبند نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ۱۸۵۷ء میں برطانیہ کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ کڑیاں جھیلیں اور مسلم حکومت کے ہندوستان میں قیام کے لئے بہت کچھ جتن کئے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں میں اسلامی روح پھونکی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے افغانستان، حجاز، شام اور ترکی کے سلاطین اور

گورنروں انور پاشا، غالب پاشا وغیرہم کے پاس اپنے نمائندے بھیجے اور خود ممالک اسلامیہ کا سفر کرکے ان سے ملاقات کی۔ اور ہندوستان پر حملہ آور ہوتے اور اسلامی حکومت کے قیام کی تدبیریں اختیار کیں۔ لیکن وائے برحال مسلمانان ایک خادم خاص انیس احمد بی اے (علیگ) نے جو جاسوسی کے لئے ہی برطانیہ کی طرف سے مامور تھا، جاسوسی کرکے برطانیہ اور دشمنان اسلام کے ہاتھ مضبوط کر دیئے۔ ادھر شریف مکہ کی غداری اور اسلام دشمنی نے حضرت شیخ الہندؒ مالٹا میں اسیر کر دیئے گئے۔ اور آخر یہ مرد حق مجاہدانہ عزائم سے سرشار ملک کی آزادی اور اسلام کی سربلندی کا جذبہ دل میں لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ان کے بعد ان کے خاص جانشین حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ملکی سیاسیات میں حصہ لیتے رہے اور خدمت اسلام میں مصروف رہے۔"

(تجلیات عثمانی صـ۶۰)

پاکستان کا اوّلین نقشہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے بعد ہندوستان میں دین اسلام کی حفاظت اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے سب سے پہلی آواز خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے بلند ہوئی۔ جو انہی مذکورہ بالا حضرات کی علمی و روحانی آماجگاہ تھی۔ اسی مرکز روحانیت کے بانی حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ کے چشمۂ فیض سے یہ حضرات سیراب و شاداب ہوئے تھے۔ اور اب اس کے روح رواں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ جنہوں نے انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزاد ہونے کے لئے ہندوستان میں ایک آزاد اسلامی سلطنت کے قیام کی تجویز پیش کی۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے سامنے وسط ماہ جون ۱۹۲۸ء میں دارالاسلام کے قیام کی تجویز پیش کی اور فرمایا کہ :-

"جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین وتعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ آزادی سے رب العزت کی عبادت کی جائے دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں اس مقصد کے لئے تو صرف مسلمانوں کی ہی جماعت ہونی چاہیئے۔ اور اسی کو یہ کوشش کرنی چاہیئے" [۱]

اسی نظریہ کے تحت حکیم الامت تھانویؒ نے ہندو کانگریس کی بجائے مسلم لیگ کی حمایت فرمائی کیونکہ بقول مولانا دریاآبادی مرحوم کہ حضرت حکیم الامت کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں تمام تر دینی تھا۔ وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ جس کا نقشہ انہوں نے اپنی دو تاریخی تصانیف "حیات المسلمین" اور "صیانۃ المسلمین" میں پیش کر دیا تھا۔ حضرت تھانویؒ نے وسط جون ۱۹۲۸ء میں مسلمانوں کے اسلامی حکومت کے قیام کی جو تجویز پیش کی تھی وہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ۲۹، دسمبر ۱۹۳۰ء میں ایک مطالبہ کی صورت میں الٰہ آباد کانفرنس میں پیش کر دی کہ:-

"ہندوستان میں اسلام کی فلاح وبہبود کے لئے ایک اسلامی ریاست قائم کی جائے"

اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے قائداعظم کی طرف توجہ کی۔ چونکہ جنگ پاکستان کی کمان قائداعظم کے ہاتھ میں تھی۔ اور وہ انگریزی تہذیب وتمدن کے پروردہ تھے اس لئے حضرت تھانویؒ نے تمام تر توجہ قائداعظم کی دینی تربیت پر لگا دی۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے متعدد وفود اور خطوط قائداعظم کے پاس بھیجے۔ یہ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قائداعظم کا دل اسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔ اور اکثر وبیشتر پنجگانہ نماز کے علاوہ بھی وہ بارگاہِ رب العزت میں سربسجود نظر آنے لگے جس کا اثر مساجد، دینی مدرسوں، گلی کوچوں میں

---

[۱] حکیم الامت مؤلفہ عبدالماجد دریاآبادی

نی جلدی پڑا۔ کہ ہر جگہ یہ نعرے بلند ہونے لگے۔ کہ پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ یہ اس بات
کا عہد تھا کہ پاکستان میں صرف حکومتِ الٰہیہ قائم کی جائے گی۔ حضرت حکیم الامت کی اسلامی
حکومت کے قیام کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور مسلمانوں کو غلامی کی آہنی زنجیروں سے
نجات دلانے کے لئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے علمی و سیاسی جانشین
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند منظرِ عام پر آئے۔ آپ نے تمام
ہندوستان میں طوفانی دورے کئے۔ مسلمانوں کو علمی و ادبی، اور مذہبی و معاشرتی تحریک سے
مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کانگریس میں
شامل نہ ہوں کیونکہ کانگریس ایک ہندو فرقہ پرست جماعت ہے۔ جو مسلمانوں کے جذبات
کی ترجمانی نہیں کرتی"

علامہ عثمانیؒ نے دو قومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں جن میں مذہب اور تہذیب و تمدن کا گہرا
اختلاف ہے اس لئے ان دونوں کا ایک ہونا ناممکن بات ہے"

محترم حافظ محمد اسلام صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ :۔

" برصغیر میں تحریکاتِ آزادی میں علمائے کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے حکیم الامت
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان علمائے کرام کے سرپرست اور مربی تھے جو مسلمانوں کی الگ
تنظیم اور حصولِ آزادی کے لئے جدوجہد کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ وہ مسلم لیگ اور قائدِ اعظم
کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے مطالبۂ پاکستان کی بھرپور حمایت
فرمائی۔ جب پاکستان کے لئے جدوجہد کے دوران فیصلہ کن وقت آیا تو انہوں نے اپنے تمام
خلفاء، متوسلین و متبعین کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی پوری قوت سے قائدِ اعظم اور مسلم لیگ
کا ساتھ دیں۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تمام خلفاء و متوسلین
ان میں خصوصیت سے ممتاز اکابر علماء دیوبند شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد
عثمانیؒ۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت
مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ۔ حضرت مولانا بدر عالم
میرٹھیؒ۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ حضرت مولانا مفتی دین محمد صاحب بنگالی، حضرت
مولانا شمس الحق فریدپوریؒ۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر
قاسمیؒ۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور دیگر مشاہیر علماء دیوبند شامل ہیں۔ ان سب
نے ۱۹۴۵ء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زیر قیادت "جمعیت علماء اسلام" کی بنیاد رکھی تاکہ
قیام پاکستان کے لئے مؤثر جدوجہد کی جائے اور جمعیت علماء ہند کے اثرات کے باعث
جو اکثر مسلمان مطالبۂ پاکستان سے منحرف تھے یا تردد کی حالت میں کھڑے تھے انہیں قیام
پاکستان کی جدوجہد میں شریک کیا جائے۔ حضرت مولانا اطہر علی صاحب بھی اس جمعیت کے
باقاعدہ رکن بنے پھر عاملہ کے ممبر منتخب ہوئے اور بڑی سرگرمی سے میدان میں آگئے۔ پھر
قیام پاکستان کی جدوجہد کے سلسلہ میں اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
اور معاصر علماء کرام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ
برصغیر کے طول و عرض کا دورہ کیا خصوصاً سلہٹ کے ریفرنڈم میں مولانا ظفر احمد عثمانی کے
ساتھ ایک اہم کردار ادا کیا۔ اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں کامیابی انہی دونوں بزرگوں یعنی مولانا
ظفر احمد عثمانی اور مولانا اطہر علی صاحب کی مرہونِ منت ہے اور یہ ایک ناقابلِ فراموش
کارنامہ ہے۔ قائدِ اعظم مرحوم نے علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے سامنے
آب دیدہ ہو کر یہ بات رکھی کہ :-

"سرحد اور سلہٹ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان
اس ریفرنڈم میں کامیاب ہو۔"

ان بزرگوں نے فرمایا کہ :-

"آپ اعلان کر دیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہو گا"

قائدِ اعظم کہنے لگے، مولانا! میں تو اس کا بارہا اعلان کر چکا ہوں اور آپ بخوشی اپنی تحریروں اور تقریروں میں میرے حوالے سے پورے اطمینان کے ساتھ یہ اعلان کرتے رہیں کہ پاکستان کا نظامِ حیات اسلامی ہو گا اور اس کا دستور کتاب و سنّت کے موافق ہو گا"

اس پر ان بزرگوں نے قائدِ اعظم کو تسلی دی کہ انشاء اللہ یہ دونوں علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے چنانچہ سرحد کا محاذ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحب نے سنبھالا اور سلہٹ کا محاذ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا اطہر علی صاحبؒ نے اپنے ذمہ لیا۔ غرض ان حضرات کی سعی اور جدوجہد سے یہ دونوں علاقے پاکستان کا حصہ بنے اور بھاری اکثریت سے مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی۔ اس کامیابی پر قائدِ اعظم اور قائدِ ملت نے ان حضرات کو مبارکباد دی اور تحریکِ پاکستان میں ان علماء کی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈھاکہ مشرقی پاکستان میں افتتاحِ پاکستان کی تقریب میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا اطہر علی صاحبؒ کو خاص طور پر شرکت کی دعوت دی گئی۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں پرچم کشائی کی رسم ادا کرائی گئی۔ (روزنامہ جنگ کراچی)

اسلامی آئین کے بارے میں قائدِ اعظم سے ملاقاتیں

قیامِ پاکستان کے بعد جب مارچ ۱۹۴۸ء میں قائدِ اعظم بحیثیت گورنر جنرل مشرقی پاکستان کے دورہ پر گئے تو قائدِ اعظم کے ہر جلسہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا اطہر علی صاحبؒ کو خصوصی طور پر دعوت دے کر بلایا جاتا تھا اس موقع پر کئی مرتبہ ان حضرات نے قائدِ اعظم سے ملاقاتیں کیں اور اسلامی آئین کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ ایک ملاقات میں ان علماء کرام نے فرمایا کہ جون ۱۹۴۷ء میں اجلاس مسلم لیگ دہلی کے موقع پر ہم نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ درست نکلے کہ

پاکستان بنتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم اور قتل عام شروع ہوگیا اور پاکستان کے پاس فوج تھی نہ اسلحہ جو اس ظلم کی مدافعت ہو سکتی۔ ہم نے پاکستان اس لئے نہیں بنایا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اس طرح ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہیں پھر آئین اسلامی بھی جاری ہو جاتا تو یہ ساری قربانیاں گوارا تھیں مگر اب تک آئین اسلامی بھی جاری نہیں ہوا جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بناء پر ہی یوپی اور بہار کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے ووٹ دئے تھے۔"

قائد اعظم نے فرمایا کہ:-

"ہندوستانی حکومت نے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا کہ پاکستان کی معیشت پر بار پڑے اور سرمایہ دار ہندوؤں کو یہاں سے بلوا لیا مگر اللہ کا فضل و کرم ہے کہ پاکستان ان مصائب کے باوجود قائم رہا۔ آئین اسلامی جاری ہونے میں اس لئے دیر ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی ان مسلمانوں کی آبادکاری پر توجہ زیادہ دینی پڑی جو ہندوستان سے یہاں آرہے تھے اب ذرا اس طرف سے اطمینان ہوا ہے تو ان شاء اللہ بہت جلد آئین پاکستان آئین اسلامی کی صورت میں مکمل ہو جائے گا۔"

ان متعدد ملاقاتوں سے قبل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا مفتی دین محمد صاحب مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کی صورت میں کراچی تشریف لائے اور اردو زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے لئے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائد اعظم کی خدمت میں پیش کی جس کے بعد قائد اعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں اعلان فرمایا تھا۔

بہر حال سلہٹ کا ریفرنڈم جیتنا اور اس کے بعد قرارداد مقاصد کا منظور کرانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور دوسرے علماء کی طرح مولانا اطہر علی صاحب

کا بھی عظیم کارنامہ ہے اور قرار دادِ مقاصد کے منظور کرانے کی مہم میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ نے پورے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ اور علامہ عثمانیؒ کے دست راست کی حیثیت سے کام کیا تھا۔

مولانا اطہر علی مرحومؒ کے مجاہدانہ کارنامے

مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ تحریک پاکستان کے اُن علماء حق میں سے تھے جنہوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر کام کیا۔ مولانا مرحوم کی سیاسی زندگی کا آغاز سلہٹ سے ہوا جہاں سرحد کی طرح سے مسلم لیگ ریفرنڈم کرا رہی تھی اور آسام کے ساتھ یہ علاقہ مسلم کانگریس والوں کا مضبوط اڈہ تھا۔ لیکن مولانا اطہر علی صاحب کی دن رات کوشش سے سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں شامل اسی طرح سے شامل ہوا جس طرح علامہ شبیر احمد عثمانی اور پیر صاحب مانکی شریف مرحوم کی مجاہدانہ جدوجہد سے سرحد شامل ہوا۔ پاکستان بن جانے کے بعد تحریک پاکستان میں شریک علماء نے مشرقی و غربی پاکستان میں یہ فیصلہ کیا کہ اب ہمیں پاکستان تو حاصل ہو گیا ہے مگر ضرورت اس کی ہے کہ اس ملک میں نظریۂ پاکستان اور قائداعظم کی دلی خواہش پوری کرنے کے لئے اسلامی نظام کی کوشش ہو کرو ی جائے اس کے لئے قومی اسمبلی کے اندر نظام اسلام کے روح رواں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک مضبوط چٹان بن کر کام کر رہے تھے اور ان کے رفقاء مرکزی جمعیت علماء اسلام میں رہ کر پورے پاکستان میں سرگرم عمل تھے۔ چنانچہ بائیں بازو مشرقی پاکستان میں اس تحریک کی قیادت مولانا اطہر علی صاحبؒ فرما رہے تھے اور دائیں بازو مغربی پاکستان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہاتھ میں یہ تحریک پروان چڑھ رہی تھی۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی صاحب پہلی مرتبہ پاکستان بننے کے بعد جب ڈھاکہ کی مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کی عظیم الشان کانفرنس میں شریک ہوئے تو حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ نے ہی خطبہ استقبالیہ پیش کیا جو

آج بھی مطبوعہ موجود ہے جس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی زندگی بسر کرانے کے لئے حضرت مولانا اطہر علی صاحب کے دل و دماغ میں کس قدر عزم و استقلال کی پختگی موجزن تھی اس کے بعد نظام اسلام کے لئے مشرقی بازو کا بچہ بچہ سیاسی بن کر میدان میں اتر پڑا۔ اور یہ تقاضا شدید طور پر ابھر کر سامنے آیا کہ قومی اسمبلی میں مرکزی جمعیت علمار اسلام کے نمائندے منتخب ہو کر جائیں گو دشواری یہ تھی کہ بعض بزرگ علمار انتخاب لڑنے کے مخالف تھے۔ اس کا حل یہ کیا گیا کہ مرکزی جمعیت علمار اسلام کے تحت "نظام اسلام پارٹی" کے نام سے ایک پارٹی کی تشکیل کی جائے۔ جو انتخاب لڑے اور اس میں اسلام کے قیام کے لئے جدو جہد کرنے والے غیر علمار کو بھی شریک کیا جائے۔ چنانچہ مرکزی جمعیت علمار اسلام کی نگرانی میں اس جماعت کا قیام مشرقی پاکستان میں ہو گیا۔ جس میں بطل جلیل مولوی فرید احمد ایڈوکیٹ شہید نے شامل ہو کر اس کام کی باگ ڈور سنبھالی۔ اور ایک بنگالی ہفتہ وار پرچہ "نظام اسلام" جاری کیا گیا جس کے نتیجے میں انتخاب کے ذریعے جن لوگوں نے کامیابی حاصل کی۔ ان میں خود حضرت مولانا اطہر علی صاحب صدر مرکزی جمعیت علمار اسلام مشرقی پاکستان۔ مولوی فرید احمد صاحب ایڈوکیٹ سکرٹری نظام اسلام پارٹی۔ چودھری نور الحق ایڈوکیٹ اور مسٹر مصباح الاسلام کے ساتھ مشرقی پاکستان کے اور چند مشہور زعمار مثلاً جناب عبد الوہاب صاحب جو قومی اسمبلی کے کامیاب اسپیکر ہوئے نے نظام اسلام پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔ اور ان میں سے چند نے وزارتیں اور ایک صاحب نے اسپیکری کے عہدے حاصل کئے۔ مگر حضرت مولانا اطہر علی صاحب مرحوم نے اسمبلی میں بیٹھ کر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی جگہ پر کام کرنا پسند فرمایا۔ صوبائی اسمبلیوں میں بھی کچھ علمار و زعمار نے کامیاب ہو کر کام کیا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں بھی مولانا اطہر علی صاحبؒ نے اپنے رفقار کے ساتھ صوبائی و قومی اسمبلی کے انتخابات لڑے مگر عوامی لیگ کے مجیب الرحمن کے زبردست اور شدید دباؤ

میابی سے ہمکنار نہ ہونے دیا اور کچھ اسلام کے نام لینے والوں کی تفریق نے انہیں ناکام
ردیا۔ غرض مولانا مرحوم نے جب کبھی یہ دیکھا کہ اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی
ی جارہی ہیں تو وہ سینہ سپر ہو کر سامنے آئے اور قرآن کو سینے سے لگا کر کام کیا خواہ
بد المنعم خان کی گورنری کا دور ہو یا محمد ایوب خان کی صدارتی حکومت ہو وہ مردِ مجاہد
یشہ میدانِ کارزار میں اسلام کے لئے قربانی دیتا نظر آیا۔ آخری دور میں شیخ مجیب الرحمٰن
بنگلہ دیش کی مخالفت اور پاکستان کی حمایت میں قید و بند کے مصائب باوجود پیرانہ سالی
برداشت کئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے حکم سے مولوی فرید احمد نے جام شہادت نوش کیا
دیگر علماء مثلاً مولانا اطہر علی صاحب، مولانا صدیق احمد صاحب، مولانا مصلح الدین صاحب
لانا بذل الرحمٰن صاحب، مفتی محی الدین صاحب اور دیگر علماء اور زعماء مرکزی جمعیت علماء
سلام و نظام اسلام پارٹی نے قید و بند کے سخت ترین مصائب جھیلے۔ مولانا بذل الرحمٰن صاحب
قید ہی میں وفات پاگئے۔ اور خود مولانا اطہر علی صاحبؒ اور دیگر علماء کو بنگلہ دیش کی حکومت
رہائی دی۔ مگر مولانا مرحوم کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں رہائی کے بعد
فالج کا زبردست حملہ ہوا اور میمن سنگھ ہسپتال میں داخل ہوگئے۔ جہاں ۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو
ت کے دس بجے اپنی جان، جانِ آفریں کو سپرد کر دی۔ اور ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو عید گاہ میدان
میمن سنگھ میں نمازِ جنازہ ہوئی۔ اور جامعہ امدادیہ اسلامیہ کشور گنج ضلع میمن سنگھ میں
فین ہوئی۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی نومبر ۷۶ء)

جناب مولانا عبد الرحمٰن بیخود لکھتے ہیں کہ:۔

آپ کے علمی دینی، تبلیغی اور سیاسی کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے اس ملک
کستان کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ آپ نے اپنے استاذ مکرم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور اپنے
اصرین علماء کرام شیخ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع
یوبندیؒ، حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور دیگر

علماء کے شانہ بشانہ قیامِ پاکستان اور اس کے بعد پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں
بھرپور حصہ لیا۔ اور وہ خدماتِ جلیلہ انجام دیں جنہیں تاریخِ پاکستان کبھی فراموش نہیں کر سکتی
تحریکِ پاکستان میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے دستِ راست کی حیثیت سے
ہندوستان کے گوشے گوشے میں دورہ کرتے رہے اور مسلمانوں میں قیامِ پاکستان کا جذبہ ابھار
رہے۔ قائداعظم کی درخواست پر سلہٹ ریفرنڈم کی مہم جو نہایت ہی معرکہ آرا مہم تھی
مولانا ظفر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر آپ ہی نے سر کی، اور قیامِ پاکستان کے بعد اسلامی نظام
کے نفاذ کے لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
مفتی محمد شفیعؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ساتھ مل کر
بھرپور حصہ لیا۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ قرار دادِ مقاصد پاس کرانے میں پیش پیش
رہے پھر ۱۹۵۱ء کے ہر مکتبِ فکر کے جید علماء کے اجلاس میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لے
اور ۲۲ نکات کی ترتیب و تدوین میں علماء کا ہاتھ بٹایا۔ اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں حکومت کی طرف
دستوری تجاویز میں ضروری ترامیم کے سلسلے میں جن جن علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی
میں حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ بھی نمایاں تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں بھی آپ
اہم کردار ادا کیا۔ آپ شروع سے مرکزی جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۲ء
مرکزی جمعیت مشرقی پاکستان نے "نظامِ اسلام" تحریک کے نام سے پرزور اسلامی نظام
تحریک شروع کی۔ ۱۹۵۳ء میں اس نے نظامِ اسلام بورڈ کی تشکیل کی اور ۱۹۵۴ء کے صوبائی
انتخابات میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب سمیت کئی دوسرے مشہور علماء و زعماء
ہوئے اور اسمبلی میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نمائندہ اراکین نے نظامِ اسلام پارٹی
کی تشکیل کی اور اس طرح مرکزی جمعیت اپنے اصل نام سے کہیں زیادہ نظامِ اسلام پارٹی
کے نام سے مشہور ہو گئی۔ پھر ۱۹۵۷ء میں چودھری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان کی تحریک
استحکام پاکستان پارٹی بھی اس میں مدغم ہو گئی اور اس طرح مرکزی سطح پر نظامِ اسلام پارٹی

کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن

مشرقی پاکستان میں یہ بیک وقت مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے مشترک نام سے بدستور سرگرم عمل رہی اور حضرت مولانا اطہر علی صاحب کی زیر قیادت ہمیشہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرتی رہی جس کے نتیجہ میں آپ کی شبانہ روز کی کاوشوں سے ۱۹۵۶ء کا دستور منظر عام پر آگیا۔ یہ چودھری محمد علی مرحوم وزیراعظم پاکستان کی اسلام دوستی اور حب الوطنی کا جذبہ تھا۔ کہ پاکستان کے وزیر قانون مسٹر آئی آئی چندریگر نے اسلامی دستور کا مسودہ دستور یہ میں پیش کر کے اہل پاکستان کی دیرینہ آرزو پوری کر دی جس کا مشرقی پاکستان کے مفاد پرست طبقہ کے سوا ملک کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں نے پرجوش خیر مقدم کیا جب ۱۹۵۶ء کا یہ دستور سامنے آیا تو واضح ہوا کہ اس میں یہ بات وضاحت سے درج تھی کہ پاکستان میں اسلام کا معاشی اور مالیاتی نظام نافذ کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں پانچ سال کی مہلت رکھی گئی تھی لیکن قوم کی بدقسمتی کہ اس پر عمل نہ ہو سکا اور ۱۹۵۸ء میں اس آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانے والے ایوب خان نے اسے منسوخ کر دیا۔ اگر ۱۹۵۶ء کے دستور کے مطابق ۱۹۵۹ء کے مارچ میں انتخاب ہو جاتا تو آج ملک کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن ایوب خان کے مارشل لاء نے ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ اس کے باوجود بھی ایوب خان کے بنیادی جمہوریت کے انتخاب میں نظام اسلام پارٹی کے مولوی فرید احمد صاحب اور سید قمر الحسن صاحب اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے اور حزب اختلاف میں رہ کر حضرت مولانا اطہر علی صاحب کے نمائندہ کی حیثیت سے اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے جو جدوجہد جاری رکھی وہ تاریخ پاکستان میں زریں حروف سے رقم کی جائے گی۔ اس کے علاوہ مادر ملت کے انتخابی سلسلہ میں نظام اسلام پارٹی نے جو اہم کردار ادا کیا وہ بھی ایک مثالی کردار تھا۔ اس کے بعد گول میز کانفرنس سے قبل سی۔ او۔ پی قائم کرنے میں بھی نمایاں کردار سرانجام دیا تھا۔ پھر ۱۹۶۹ء میں کراچی کے مقام پر مشرقی و مغربی پاکستان کے مقتدر علماء کرام کے ایک نمائندہ اجتماع میں جب مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء عمل میں لایا گیا

توحضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ کو امیرِ اعلیٰ اور حضرت مولانا اطہر علی صاحب کو کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کا نائب امیر منتخب کیا گیا۔ انتہائی ضعیف اور پیرانہ سالی کے باوجود سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے تحریک پاکستان کے ان دونوں بوڑھے جرنیلوں نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی چنانچہ مشرقی و مغربی پاکستان کے اہم مقامات پر مرکزی جمعیت کے خصوصی اجتماعات میں جہاں تک ممکن ہو سکا یہ حضرات شرکت فرماتے رہے لیکن جس طرح حصول پاکستان کی جدوجہد میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی زیر قیادت تحریک پاکستان کی مہم عملی طور پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ؒ اور حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ نے سر کی تھی۔ اسی طرح ۱۹۷۰ء میں اسلام اور سوشلزم کی معرکۃ الآرا مہم کو سر کرنے کی سعادت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی ؒ کے حصہ میں آئی اور خداوند کریم نے تحریک پاکستان کی طرح اس تحریک میں بھی کامران و فتح یاب کیا۔ ان بزرگوں نے ملک کے کونے کونے میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام نظام اسلام کانفرنسیں کیں اور اسلام دشمن عناصر کی سرگرمیوں کے خلاف زبردست تحریک چلائی اور بڑے بڑے تاریخی جلسوں سے خطاب کر کے لادینی نظریات کا رد کیا۔ حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ نے مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام والے کریم گنج مشرقی پاکستان میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے یہاں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔ یہاں نظام اسلام کے سوا ہر قانون کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ اور اس کے لئے ہمیں جان کی قربانی دینی پڑی تو خوشی سے دیں گے۔"

بہرحال مولانا اطہر علی صاحبؒ نے ساری زندگی خدمت اسلام میں گزاری اور ہمیشہ ہر باطل کا مقابلہ کیا اور اسلام اور ملک و ملت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ بارہا مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر اپنے مقدس مشن سے ایک اینچ بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ آخر

میں کلمۂ حق کہنے ہی کی پاداش میں آپ کو قید میں بھیج دیا گیا جہاں ایک عرصہ تک قید رہے۔
اس کے بعد جب اس ظالم حکومت کا خاتمہ ہوا تو نئی حکومت نے رہائی کا اعلان کیا مگر قید خانہ میں ہی آپ کے پہلے ہی ہاتھ پاؤں توڑ دئے گئے تھے۔ رہائی کے کچھ ہی دنوں بعد آپ پر فالج کا زبردست حملہ ہوا اور ۹ر شوال ۱۳۹۲ھ مطابق ۵ر اکتوبر ۱۹۷۲ء کو آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔
اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

(بحوالہ "زندگی" ہفت روزہ لاہور۔ صولت الاسلام ہفت روزہ لاہور)

عالمِ ربِ حق وہ قاطعِ اوہام تھا
تبلیغِ قرآں اور مخبرِ اسلام تھا
زندگی ان کی تفسیرِ حیاتِ تھانویؒ
دینِ فطرت کا وہ حسین پیغام تھا

*

شیخِ عالم قطبِ ملت حضرتِ اطہر علیؒ
وارثِ علمِ نبوت حضرتِ اطہر علیؒ
جانشینِ تھانویؒ مردِ حق روشن ضمیر
ہادیٔ رہبریٔ حق کی رحمت حضرتِ اطہر علیؒ

مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کی خدمات ایک نظر میں

مرکزی جمعیت علماءِ اسلام و نظام اسلام پارٹی نے تحریک پاکستان میں گراں قدر اور ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں اور اس کے اکابرین اور قائدین نے تعمیر پاکستان میں ایک معمار کا کردار ادا کیا ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹی۔ مولانا محمد طاہر قاسمیؒ۔ مولانا صدیق احمد اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ علماء نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زیر قیادت جمعیت علماء اسلام کی بنیاد اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ کی عظیم الشان کانفرنس میں رکھی تھی۔ پھر اس کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان خصوصاً سلہٹ اور سرحد کے استصواب میں جو سرفروشانہ اور مجاہدانہ عملی حصہ ان علماء کرام نے لیا تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جمعیت علماء اسلام کے یہ رہنما قیام پاکستان کے بعد نظام اسلام کے قیام کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہے ہیں۔ اور دستورِ اسلام کے سلسلہ میں جمعیت کے ان رہنماؤں نے بڑی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور ان کی جمعیت کے دوسرے علماء کرام خصوصاً مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا اطہر علی صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے بڑی محنت سے قرار دادِ مقاصد کے مسودہ کو تیار کر کے اسمبلی سے منظور کروایا۔ پھر ۱۹۴۹ء میں تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ عمل میں لایا گیا۔ اور علامہ عثمانی نے خود اس کی تشکیل اور اس کے ارکان کا انتخاب کیا۔ ۱۹۵۰ء میں لا ر کمیشن میں جمعیت علماء اسلام کے نمائندگان نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۱ء میں

جمعیت کے عظیم قائد مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ۳۱ جید علماء کو دعوت دے کر ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ منظور کرایا جس کو آج بعض لوگ اپنی سستی شہرت کی خاطر اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ دستوری خدمات کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء اسلام کے ان اکابرین نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور عملی حصہ لیا اس سلسلہ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کے لیے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد کرنے کے لیے ایک مجلس مشاورت طلب کی گئی۔ جس کی صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ صدر جمعیت علماء اسلام نے کی اور ہر مکتب فکر کے علماء کا ایک بورڈ بنایا گیا جس میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے اکابرین میں سے علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ شامل تھے۔ اس بورڈ کا کنوینر مولانا احتشام الحق تھانوی کو منتخب کیا گیا۔ پھر جنوری ۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کانفرنس کراچی میں مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے جو قائدین شریک ہوئے ان میں مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ مولانا اطہر علی صاحب۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ۔ مولانا داؤد غزنویؒ اور مولانا راغب احسن صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد تحریک ختم نبوت کے مطالبات کو عملی صورت دینے کی غرض سے علماء کی جنرل کونسل نے جو آٹھ ارکان مجلس عمل کے طور پر منتخب کئے۔ ان میں بھی مولانا احتشام الحق تھانویؒ مرکزی جمعیت کی طرف سے اس مجلس عمل کی فہرست میں سر فہرست تھے۔

بہرحال جمعیت کے یہ عظیم قائدین تحریک ختم نبوت میں بھی آگے آگے تھے۔ تفصیل کے لئے آغا شورش کی تالیف "سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ" ملاحظہ فرمایئے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

غرضیکہ مرکزی جمعیت کا یہ کارواں اسلامی نظام کے لئے کوشاں رہا اور حکومت سے مطالبہ کرتا رہا کہ جس مقصد کے لئے یہ پاکستان بنایا گیا تھا اسے جلد پورا کیا جائے۔ اس سلسلہ میں

مولانا تھانوی کی زیرِ صدارت ڈھاکہ میں نظام اسلام کانفرنس منعقد کی گئی جس میں بقول مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، پچاس ہزار علماء و مشائخ اور ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی اسے دیکھ کر ایوانِ اقتدار میں ایک زلزلہ سا آگیا۔ اور اسی کانفرنس کے ختم ہوتے ہی وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین کی طرف سے اکابر علماء کے نام دستوری مسائل پر بات چیت کے لئے دعوت نامے جاری کردئے گئے ان میں سے جن حضرات کو دعوت دی گئی ان میں جمعیت کے مرکزی قائدین میں سے مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، مولانا ظفر احمد صاحبؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا اطہر علی صاحبؒ۔ مولانا احتشام الحق صاحبؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا شمس الحق فریدپوری۔ اور مفتی دین محمد صاحب شامل ہیں۔ علماء وزراء کانفرنس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کے مطالبات کو مجلس دستور ساز کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ اور پھر جو دستور سامنے آیا تو وہ ۵۰ فیصدی اسلامی تھا۔ اس پر دوبارہ علماء نے غور و خوض کیا اور کچھ ترامیم پیش کیں۔ اس کے بعد ۱۹۵۴ء کو مجلس دستور ساز کو توڑ دیا گیا اور گورنر جنرل غلام محمد نے ملک میں ہنگامی صورتِ حال کا اعلان کرکے علماء کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ اس طرح وہ طبقہ جو اسلامی آئین کے نفاذ کے مخالف تھا اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ کامیاب و کامران ہوگیا۔

جب ۱۹۵۵ء میں نئی مجلس دستور ساز معرضِ وجود میں آئی تو علماء ربانی کی مخلص جماعت مرکزی جمعیت علماء اسلام کے اکابرین کو ملک کے آئین کو پھر اسلامی تعلیمات اور اسلامی روایات کے مطابق منظور کرانے کے لئے ازحد فکر ہوئی۔ اور حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ صدر مرکزی جمعیت کی ہدایات کے مطابق مرکزی جمعیت کے ایک وفد نے مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نائب صدر مرکزی وزراء کی خدمت میں ایک میمورنڈم انگریزی میں پیش کیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ

"ہمارا دستور قرار داد مقاصد کے عین مطابق مرتب کیا جائے۔ اور قانون سازی کے لئے قرآن و سنّت کو ماخذ اصلی قرار دیا جائے"

اس کے ساتھ ساتھ دستوری مہم چلانے کے لئے پانچ علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جو مفتی

محمد شفیع صاحبؒ ۔ مولانا محمد متین خطیب صاحب ۔ مولانا داؤد غزنویؒ ۔ علامہ علاؤالدین صدیقی اور مولانا ظفر احمد انصاری پر مشتمل تھی ۔ یہ کمیٹی دستور اسلامی کے لئے عملی جدوجہد میں مصروف رہی ۔ خوش قسمتی سے اس مرتبہ مجلس دستور ساز میں مشرقی پاکستان کی مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کی طرف سے حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ ممبر منتخب ہو کر آچکے تھے نظام اسلام پارٹی نے سب سے پہلے مخلوط انتخاب کے خلاف آواز اٹھائی اور اسے غیر اسلامی قرار دیا ۔

اس سلسلے میں نظام اسلام پارٹی کی طرف سے ایک پریس نوٹ جاری کیا گیا جس کے اخیر میں قرآن و سنت کی بنیادوں پر آئین تیار کرنے کی زوردار الفاظ میں حمایت کی گئی اور انہی مقاصد کی خاطر مولانا اطہر علی صاحب مجلس دستور ساز میں سینہ سپر رہے ۔ حضرت مولانا اطہر علی صاحب کا ممبر دستور یہ منتخب ہونا تائید ایزدی کی غمازی کرتا تھا کہ حق تعالیٰ نے علماء کرام کی مخلصانہ مساعی کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے ان کا ایک نمائندہ اس مجلس میں بھیج دیا جو ملک کا آئین بنانے والی تھی ۔ مولانا اطہر علی صاحب اس کمیٹی کے رکن منتخب کر لئے گئے جو دستور کو ترتیب دینے کے لئے بنائی گئی تھی ۔ اس کمیٹی کے سولہ ارکان تھے جن میں سے پانچ مولانا اطہر علی صاحبؒ کے ساتھ تھے اور مولانا اطہر علی صاحبؒ کی پشت پر جمعیت علماء اسلام اور نظام اسلام پارٹی تھی گویا ان دونوں پارٹیوں نے آئین مرتب کرنے والی پارٹی کے اندر اپنا مضبوط محاذ قائم کر دیا تھا جس کی وجہ سے انہیں اندر کی تازہ بتازہ خبریں ہر وقت پہنچتی رہتی تھیں ۔ دستور مرتب کرنے والے ارکان کی کیفیات و حالات اور ارادوں سے آگاہی ہوتی رہتی تھی ۔ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مناسب حال ہدایات دے کر مولانا اطہر علی مرحوم کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرتے رہتے تھے اور اس طرح ارباب اقتدار اور علماء کرام کے درمیان اسلامی آئین تیار کرنے کے معاملہ میں افہام و تفہیم کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا تھا جس کے بہت ہی مفید اور خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ۔ بہرحال جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے اکابرین

علماء دیوبند، اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے اور ملک و ملت کی خدمت میں مصروف رہے۔" (ماخوذ تعمیر پاکستان و علمائے ربانی)

پروفیسر محمد سلیم صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

تقسیم ملک کے بعد علمی اور دینی خدمات کے ساتھ ساتھ علماء حق نے اس ملک کے نقشہ کو اسلامی ریاست بنانے کا کام اپنے ذمہ لیا اور پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی پاکستان کو عوامی امنگوں کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کا آغاز کر دیا چنانچہ لیاقت علی خان کے ایماء پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے اسلامی آئین کا خاکہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس مقصد کے لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے جمعیت کے رہنما حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو ہمارے اکابر جو ابھی ہندوستان میں تھے ان کو لینے کے لئے ہندوستان بھیجا۔ ہندوستان سے آنے والوں میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ڈاکٹر حمید اللہ، مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ شامل تھے۔ باقی اکابرین پہلے ہی پاکستان پہنچ چکے تھے۔ ان حضرات کے پہنچنے پر تین ماہ شب و روز کام کرنے کے بعد اسلامی آئین کا خاکہ تیار کر لیا گیا

انہی دنوں مرکزی اسمبلی میں قرار داد مقاصد منظور کرائی گئی جس کی تیاری کے لئے علامہ عثمانیؒ اور ان کے رفقاء نے دن رات ایک کر دئے تھے۔ قرارداد مقاصد کی مخالفت صرف اقلیتی فرقوں اور سوشلسٹوں نے کی تھی۔ مشرقی پاکستان کا کوئی ایک مسلمان ممبر بھی ایسا نہیں تھا جس نے مخالفت کی ہو سب نے بخوشی قبول کر لیا۔

جمعیت علماء اسلام کی دوسری بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی تشکیل اور ارکان کا انتخاب قطعی طور پر شیخ الاسلام کی مرضی سے ہوا۔ اس بورڈ کی ذمہ داری یہ قرار پائی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے گا۔ اور ہر آئینی اور قانونی مسئلہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں جانچ پرکھ کر رائے دی جائے گی۔

آئین سازی کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ شیخ الاسلام کا انتقال ہو گیا۔ اور اس مرحلے پر اسلام

اور اسلامی آئین کے لئے لیاقت علی خان کا اضطراب کھل کر سامنے آگیا۔ وہ علامہ عثمانی کی وفات سے سخت پریشان تھے ان سے پہلے ہی قائد اعظم بھی وفات پا چکے تھے ان کی نماز جنازہ علامہ عثمانی ہی نے پڑھائی تھی۔

شیخ الاسلام کی وفات سے تمام علمار حق کو سخت صدمہ ہوا۔ اور آئین سازی کا کام ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ پھر اکابرین نے اس کام کو سنبھالا اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے ۳۳ علمار کو کراچی میں جمع کیا۔ اور انہوں نے ۲۲ نکات ترتیب کر کے حکومت کو پیش کر دئے کہ پاکستان کا دستور ان بنیادوں پر مرتب کیا جائے۔ علمار کا یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم باب کا اضافہ کرتا ہے۔ ان ۲۲ نکات کے مرتب ہونے کے پندرہ ماہ بعد ہی لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا۔ جس سے علمار حق کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور کچھ روز کے لئے اسلامی نظام کا یہ کام ٹھنڈا پڑ گیا۔

نظام اسلام پارٹی کا قیام

ان پریشان کن حالات اور مشکلات کے باوجود بھی جمعیت علمار اسلام کے ان اکابر علمار حق نے مغربی و مشرقی پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے مسلسل جد و جہد جاری رکھی اور لیاقت علی خان کے بعد مسلم لیگ کے باقی زعمار کو اسلامی نظام کی ترویج کے لئے توجہ دلائی۔ تو زعمار مسلم لیگ نے بے پرواہی سے کام لیا جس کی وجہ سے علمار حق نے بددل ہو کر ۱۹۵۳ء میں ۱۰، ۱۱، ۱۲ مارچ کو ضلع میمن سنگھ مشرقی پاکستان میں صوبائی کونسل کا تاریخی اجلاس منعقد کیا۔ جس میں مشرقی پاکستان کی جمعیت علمار اسلام کو ایک آزاد جماعت کی رو سے ملکی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اسی اجلاس میں مسلم لیگی لیڈروں سے جمعیت نے علیحدہ ہو کر کام کرنے کا فیصلہ لیا۔ اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے فرمائی۔

جمعیت کا انتخابی بورڈ۔ مارچ کے اجلاس کے بعد مشرقی پاکستان میں اسلامی نظام کی صدائیں گونجنے لگیں۔ اس کے بعد دوسرا اجلاس ۱۲ ستمبر ۱۹۵۳ء کو برہمن باڑیہ ضلع میں

منعقد ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کو بھرپور حصہ لینا چاہیئے۔ نہ صرف یہ بلکہ نظام اسلام پارٹی کے نام سے ایک انتخابی پارلیمانی بورڈ بھی قائم کر دیا گیا۔ اور یہی بورڈ مکمل طور پر انتخابات کی نگرانی بھی کرتا رہا۔ حتٰی کہ اسمبلی کے منتخب ممبران نے بھی اسی نوعیت کا نظام اسلام پارٹی کے نام سے اسمبلی میں ایک پارلیمانی بورڈ قائم کر لیا اس بورڈ میں جمعیت علماء اسلام یعنی نظام اسلام پارٹی کے پارلیمانی بورڈ میں جو ممبران کامیاب ہوئے تھے ان میں جمعیت کے ممتاز علماء دین بھی شامل تھے جن میں سے چند نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مولانا اطہر علیؒ صاحب۔
(۲) مولانا صدیق احمد صاحب۔
(۳) مولانا فیض الرحمٰن صاحب۔
(۴) مولانا منظور الحق صاحب۔
(۵) مولانا محمود الرحمٰن صاحب۔
(۶) پیر محسن الدین صاحب۔
(۷) مولوی فرید احمد صاحب۔ ایم اے ایڈوکیٹ۔ اور
(۸) مولانا عبد الوہاب صاحب

شامل تھے۔ ان کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی کامیاب ہوئے۔ جن میں اشرف الدین چودھری بی اے ایل ایل بی۔ چودھری نصیر الدین صاحب ایم اے اور چودھری محمد علی صاحب قابلِ ذکر ہیں جب ۱۹۵۵ء میں جدید دستور ساز اسمبلی قائم ہوئی تو مشرقی پاکستان سے کامیاب ہونے والے ممبران میں چند منتخب نمائندے اسمبلی میں بھی شریک تھے۔ ان میں مولانا اطہر علی صاحب۔ مولانا فرید احمد صاحب۔ مولانا عبد الوہاب صاحب، چودھری نور الحق نہ صرف یہ بلکہ مولانا عبد الوہاب صاحب اسمبلی کے اسپیکر مقرر کئے گئے۔ چودھری نور الحق وزیر محنت و لیبر مقرر

ئے ۔ اور چودھری محمد علی صاحب وزیراعظم مقرر ہوئے ۔

چنانچہ نظام اسلام پارٹی کے ممبران نے اسلامی دستور کے لئے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا ۔ نہ صرف یہ بلکہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں اسلامی دفعات کا شامل ہونا بھی جمعیت علمار اسلام کے سیاسی بورڈ نظام اسلام پارٹی کی عظیم کاوشوں کا نتیجہ تھا ۔

الغرض جمعیت علمار اسلام و نظام اسلام پارٹی کے اکابرین نے باطل کے منہ پر کلمہ حق کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا اور اسلامی نظام کے لئے برابر کوشش کرتے رہے ۔ اس کے بعد ایوب خان کے دور میں نظام اسلام پارٹی کے کامیاب ارکان نے حزب اختلاف میں رہ کر اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے جو جدوجہد کی وہ تاریخ پاکستان میں زریں حروف سے رقم ہوگی ؛

(ماخوذ از نظام اسلام پارٹی تاریخ کی نظر میں)

محدثِ عصر حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

آپ مولانا عنایت الرحمٰن صدیقی کاندھلویؒ بن مولانا خلیل الرحمٰن کاندھلویؒ کے گھر کا
میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کی طرف سے سلسلہ نسب قاضی ضیاء الدین سنامیؒ تک
پہنچتا ہے۔ جو دہلی کے مشہور قاضی اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہم عصر تھے۔ آگے
سلسلۂ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ تک کتابوں میں محفوظ ہے۔ قرآن مجید حافظ
رحیم بخش کاندھلوی سے حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی حافظ فضل الرحمٰن
وکیل درجہ اوّل آپ کو اپنے ہمراہ بھوپال لے گئے۔ وہاں مدرسہ سلیمانیہ میں پیر ابو احمدؒ سے
آپ نے چند کتابیں پڑھیں۔ بھوپال سے واپسی پر آپ کے ماموں محمد اسمٰعیل صاحب
جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے پیر بھائی تھے۔ آپ کو داخل کرانے خانقاہِ امدادیہ
تھانہ بھون حضرت تھانوی کے ہاں لے گئے۔ اور حضرت سے فرمایا کہ میں اشفاق کو لے کر آیا
ہوں مجھے آپ کی سب شرطیں منظور ہیں لیکن ایک شرط میری بھی ہے۔ حضرت نے فرمایا:
کیا کہا معمولی سی بے قاعدگی پر آپ اسے یہاں سے نہیں نکالیں گے۔ حضرت تھانویؒ نے
منظور فرمالیا۔ اور یوں آپ کی زندگی کا نہایت اہم دور شروع ہوا۔

خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں ہدایہ اور مشکوٰۃ کے درجہ تک کی تمام کتابیں حضرت
نوی سے پڑھیں۔ پھر حضرت تھانوی ہی کی منشار سے مظاہر العلوم سہارنپور میں دورۂ
یث میں داخلہ لیا۔ جہاں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی
۱۳۲۸ھ میں دورۂ حدیث کی کتب پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی و تبلیغی خدمات تعلیم سے فراغت کے بعد آپ خرجو تشریف لے گئے۔ اور کچھ زمانہ تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد
ہ مظاہر العلوم میں مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ کیونکہ ابتدا ہی سے آپ کو افتار اور حدیث
خاص شغف تھا۔ آپ نے اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے سرانجام دیا۔ پھر علم طب کی تحصیل مولانا
ق احمد کاندھلویؒ اور رضی الحسن صاحب سے کی۔ اور جلال آباد ضلع سہارنپور میں کامیاب مطب
۔ وہاں بھی ایک عربی مدرسہ کی بناڈالی۔ حضرت تھانویؒ کے ارشاد پر وہاں سے مدرسہ اشرفیہ
لال میاں دہلی تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں اٹھارہ سال تک
تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس عرصہ تدریس میں دورۂ حدیث کی کتب بھی وہاں زیر درس میں
یر ۱۹۴۶ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی دعوت پر بھوپال تشریف لے گئے۔ جہاں جامعہ
یہ میں محدث اول کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

قیام بھوپال کے دوران میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے ساتھ آپ کے نہایت گہرے
ہم پیدا ہو گئے۔ حضرت علامہ کو بھی آپ کے ساتھ خاص الفت و محبت تھی۔ جو آخر وقت
۔ باقی رہی۔ بھوپال کے شروع زمانہ میں روزانہ بعد میں ہر تیسرے روز دار القضا میں علامہ
یہاں مجلس لازمی تھی۔ اور برسات وغیرہ کے موسم میں بھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے اس
ان ہدایت المسلمین بھوپال کے زیر اہتمام ریاست کے تبلیغی دورے کئے۔ فرمایا کرتے
ے کہ دہلی کے قیام میں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے شدید اصرار کے باوجود میں اپنے درسی
تصانیفی مشاغل پر تبلیغ کو ترجیح نہ دے سکا لیکن اب تجربے نے مجھے اس کی ہمنوائی پر مجبور

کر دیا ہے۔ انجمن ہدایت المسلمین کے رسالہ نشان منزل کی ادارت بھی آپ کے ہی سپرد تھی۔ اس میں آپ تفسیر قرآن کریم کے زیر عنوان مسلسل مضمون تحریر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے یہاں دار القضاء میں درس قرآن کریم کا حلقہ ہوا کرتا تھا جب علامہ صاحب حج کو تشریف لے جانے لگے تو مولانا اشفاق صاحبؒ سے فرمایا کہ میرے حلقے کو سنبھالئے۔ فرمایا کہ میرے درس میں آپ کے لوگوں کو کیا لطف آئے گا۔ میں آپ جیسا درس تو نہیں دے سکتا۔ ہاں آپ کے لوگوں کو مصروف ضرور رکھوں گا۔ اور مثنوی کا درس دے دوں گا۔

چنانچہ مسجد مشکور نہان میں درس مثنوی کا حلقہ قائم ہوا۔ اور علامہ ندوی کی واپسی کے بعد یہ حلقہ تا دسمبر ۱۹۵۰ء تک بھوپال میں آپ کا قیام رہا۔ ریاست کے انڈیا میں ضم ہو جانے کی وجہ سے سرکاری بند ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود مولانا محمد عمران ندویؒ کے اصرار پر تاج المساجد بھوپال میں دار العلوم افتتاح ہوا۔ اور ایک سال تک مسند حدیث کو آپ نے زینت دی۔

سیاسی مسلک کے لحاظ سے چونکہ آپ مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ اس لئے پہلے سے پاکستان ہجرت کا مستقل ارادہ تھا۔ اتنے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے خطوط آخر نومبر ۱۹۵۰ء میں بذریعہ بحری جہاز بمبئی کے راستے سے پاکستان تشریف لے آئے۔ کراچی مولانا محمد یحییٰ تھانویؒ کے ہاں مقیم رہے اور جنوری ۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ پہنچ گئے۔ اور آخری وقت تک وہاں حدیث اور افتاء کی ذمہ داری انجام دیتے رہے۔

۱۹۵۵ء میں پہلی بار فالج کا حملہ ہوا۔ مگر صحت یاب ہو گئے۔ مگر دسمبر ۱۹۵۷ء میں دوبارہ حملہ ہوا۔ اور آخری حملہ جان لیوا ثابت ہوا۔ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ / جنوری ۱۹۵۸ء آپ کا وصال ہوا۔ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور دار العلوم ٹنڈو الہ یار کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی اولاد صالحہ میں مولانا حافظ حبیب الرحمٰن مولانا حافظ حامد الرحمٰن۔ مولانا حافظ عابد الرحمٰن اور مولانا حافظ ساجد الرحمٰن موجود ہیں۔

لہ ماخوذ بزم اشرف کے چراغ

تصنیف و تالیف آپ نے تبلیغ و تدریس کی خدمت کے علاوہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ اور بیسیوں کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں "الطیبؒ الشذی" عربی زبان میں جامع ترمذی کی مفصل شرح ہے۔ صرف باب الطہارت تک مطبوعہ ہے۔ اس کے مطبوعہ حصہ پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی نہایت عمدہ تقاریظ موجود ہیں۔ مطبوعہ حصہ کے علاوہ بقیہ غیر مطبوعہ آپ کے فرزند مولانا حامد الرحمٰن صدیقی کے پاس محفوظ ہے۔ ۲۔ شرح شمائل ترمذی، شمائل ترمذی کی عربی زبان میں مفصل شرح ہے ۳۔ حاشیہ سنن نسائی مطبوعہ رحیمیہ دہلی۔ ۴۔ کشف المغطا عن وجہ الموطا۔ مطبوعہ کارخانہ تجارت کراچی) ۵۔ مرآۃ التفسیر۔ ۶۔ احسن البیان فی مقدمۃ القرآن۔ ۷۔ تفسیر سورۂ فاتحہ۔ ۸۔ تنبیہ الوسنان فی احکام رمضان۔ مطبوعہ دہلی۔ ۹۔ سنن ابی داؤد پر حاشیہ۔ ۱۰۔ احکام الشعر واللحیٰ مطبوعہ ۱۱۔ نور العینین فی تحقیق رفع الیدین۔ ۱۲۔ تفسیق الکلام فی وجود صانع النظام۔ ۱۳۔ مناقب ابی حنیفہ عربی۔ ۱۴۔ الارتداع عن الابتداع۔ ۱۵۔ رفع الحجاب عن کید البہاء والباب۔ ۱۶۔ افسانۂ عبرت یعنی بدعتیوں کے دھوکہ کا رد۔ ۱۷۔ نوالین شرح جلالین عربی۔ ۱۸۔ نور الضحیٰ فی ما یتعلق باللحی۔ ان کے علاوہ آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے کئی مواعظ بھی قلم بند کئے ان میں "وعظ تاسیس البنیان" (جو کاندھلہ میں اپنے مکان میں برکت کے لئے کرایا تھا اسے آپ نے ضبط کیا) اور اسی طرح "اعانۃ النافع" بھی آپ نے قلم بند کیا تھا۔ (مشاہیر علماء دیوبند)

حکیم الامت سے خصوصی تعلق حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے تعلق پیدا ہونے کا اصلی سبب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں داخلہ ہے۔ جہاں آپ کی ظاہری و باطنی تربیت کا اصلی دور شروع ہوا۔ یہیں آکر آپ کے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل ہوئی کیونکہ آپ نے اکثر کتابیں حضرت تھانویؒ یا آپ کے زیر تربیت حضرات سے پڑھی تھیں جس سے تعلیمی دور ہی میں آپ کو حضرت تھانویؒ سے گہری عقیدت پیدا ہو گئی جس نے آپ کی زندگی کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ اور یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ آپ کی نظر میں

حضرت تھانویؒ سے تعلق اور آپ کے یہاں حاضری سے بڑھ کر کوئی مہتمم بالشان چیز ہی نہیں تھی۔ بار بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا اور وہاں قیام فرمانا آپ کا شیوہ اور حضرت کی منشاء کے مطابق مراحل زندگی طے کرنا آپ کا خاصا بن گیا۔ آپ کے اس تعلق اور جذب وکیف علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بنا پر حضرت تھانویؒ کو بھی آپ سے کافی تعلق اور شفقت پیدا ہوگئی تھی۔ اسی تعلق کی بنا پر آپ کو حضرت تھانویؒ نے مجاز صحبت ہونے کا شرف بخشا آپ حضرت کی مجالس اور وعظ و تقریر میں شرکت فرمایا کرتے۔ اور حضرت حکیم الامت کے مواعظ بھی قلم بند کرتے۔ چنانچہ وعظ تاسیس البیان جو کاندھلہ میں اپنا مکان بنوانے پر افتتاح و برکت کے لئے کرایا تھا۔ وہ بھی آپ ہی کا ضبط کردہ ہے۔ اور اسی طرح اعانۃ النافع بھی آپ نے ہی قلم بند کیا تھا۔ آپ کو حضرت تھانویؒ سے جو خصوصی تعلق تھا اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ آپ جس وقت حضرت تھانویؒ کا تذکرہ فرماتے تو آپ کے جذبات قابو میں نہ رہتے اور نہایت ہی آبدیدہ ہو کر جذب وکیف میں یہ شعر پڑھا کرتے ؎

اُولٰئِکَ آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

طبابت و حکمت کے عروج کے باوجود اس سے بے رخی اختیار کرنے کا اصلی سبب اور محرک وہی حضرت تھانویؒ کا تعلق ہے چنانچہ حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ مولوی اشفاق میرا دل چاہتا ہے کہ تم مطب چھوڑ دو اس لئے آپ اپنے حضرت کا حکم مانتے ہوئے خانقاہ تھانہ بھون تشریف لے آئے۔ اور پھر خانقاہ میں ہی افتاء اور نقل مواعظ کی خدمات سرانجام دیتے رہے آپ چونکہ حضرت حکیم الامت کے مجاز صحبت اور خانقاہ امدادیہ کے خاص تربیت یافتہ تھے اس لئے علم و فضل کے باوجود زہد و اتقاء دنیا سے بے رغبتی اور عمل پر استقامت آپ کو کمال درجہ میسر تھی۔ تسلیم و رضا آپ کا شیوہ صبر و رضا و شکر آپ کی صفت اور مہمان نوازی آپ کا خاصا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی کے ہر معاملہ میں ریا و نمود اور دکھلاوے

سے بالکل پاک تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو خانقاہ میں خود کو مٹانے کی ہی تعلیم دی گئی ہے۔ بازار سے سودا سلف وغیرہ آپ خود ہی لے آتے تھے علمی فخر و نخوت سے یکسر دور تھے۔ سچائی اور راستی آپ کا محور تھی۔ کسی بات کی کتنی ہی مصلحت کیوں نہ سمجھائی جائے آپ کے منہ سے سچ کے علاوہ اور کوئی بات دہرائی نہ جاتی تھی مگر اس کے باوجود تواضع و انکساری کی یہ شان تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے بھی نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ دکاندار کاروبار میں برکت کے لئے آپ کو اپنی دوکانوں میں بٹھالیا کرتے تھے تو آپ قصائی کے یہاں بیٹھنے سے بھی عار نہ کرتے۔ لباس کے معاملہ میں ابتداء میں نہایت خوش پوش تھے مگر آخری زندگی میں سادگی اختیار کرلی تھی۔ الغرض آپ نے ساری عمر خدمت اسلام میں بسر کی۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

(بزم اشرف کے چراغ)

مولانا کی سیاسی و ملی خدمات

مولانا سید شمس الحسن تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ "اگر ہم ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک نوّے سالہ انگریز کے دورِ حکومت کا جائزہ لیں تو اس پوری نوّے سالہ تاریخ کو دو لفظوں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

۱۔ آزادیٔ وطن ۲۔ تعمیر پاکستان۔ اور یہ دونوں لفظ دو جمعیتوں کا ہدف ہیں۔

۱۔ جمعیت علماء ہند۔ ۲۔ جمعیت علماء اسلام۔ جہاں تک آزادیٔ وطن کا تعلق ہے یہ کام سرانجام دیا جمعیت علماء ہند بشمول کانگریس۔ چنانچہ دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر اندرا نے بھی اعتراف کیا کہ تحریک آزادی میں علمائے دیوبند کا بڑا حصہ ہے۔ والفضل ما شھدت بہ الاعداء اور جہاں تک تعمیر پاکستان کا تعلق ہے یہ کام سرانجام دیا جمعیت علماء اسلام نے بشمول مسلم لیگ۔ ہیں دونوں طرف علمائے دیوبند۔ فرق یہ ہے کہ جمعیت علماء ہند گروپ ہے حضرت شیخ الہندؒ کا۔ اور جمعیت علماء اسلام یہ گویا تھانوی گروپ ہے۔ اگر انگریز ملک سے

نہ نکلتا تو پاکستان بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انگریز نکلا تو پاکستان کا تصور بھی عملی صورت میں نمودار ہوا۔ تو گویا انگریز کا نکلنا پاکستان کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ پاکستان کی بنیاد تو جمعیت علماء ہند کے ہاتھوں فراہم ہوئی اور اس بنیاد پہ جو عمارت بنی یعنی پاکستان تو اس کا معمار جمعیت علماء اسلام ہے۔ اگر آپ کہیں کہ پاکستان تو قائد اعظم نے بنایا تو مجھے کب اس سے انکار ہے۔ مگر قائد اعظم اس کام کو پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا سکتے تھے اگر جمعیت علماء اسلام اس میں ممد و معاون نہ بنتی اور یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو انتہا درجہ کا ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ مسلم لیگ نوابوں، جاگیرداروں اور ٹوڈیوں کی جماعت تھی اور یہی وجہ ہے کہ عوام اس جماعت کو نہایت شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قائد اعظم کو صرف علی گڑھ طبقہ کی حمایت حاصل تھی۔ عوام کا رجحان جمعیت علماء ہند کی طرف تھا تا آنکہ حضرت تھانویؒ کا فتویٰ شائع ہوا۔ جس میں حضرت نے تحریر کیا۔ میں کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کو مذہباً مہلک سمجھتا ہوں اور متعدد ہدایات کے ساتھ مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شمولیت کا مشورہ دیا۔

ناظرین! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس فتویٰ سے ملک کے کروڑوں افراد کی رائے بدل گئی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جو ہنوز ورطۂ غور و فکر میں تھے ان کی رائے بھی یقین محکم میں بدل گئی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت تھے۔ لیکن تحریک خلافت کے زمانہ میں ذرا اس میں رخنہ پڑ گیا تھا لیکن بعد میں مذکورہ فتوے کے شائع ہونے سے قبل ہی تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ اور پہلے کی طرح عقیدت اور اخلاص پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی طویل سیاسی خموشی کے بعد آندھی اور طوفان بن کر اٹھے اور پاکستان کی حمایت میں ان کی جادو بھری تقریروں نے ملک میں ہلچل مچا دی۔ صوبہ سرحد میں دیوبند کے بڑے بڑے کانگریس کے حامی علماء گوشہ نشین ہو گئے۔ لوگوں

نے پوچھا کہ حضرت کیوں خاموشی اختیار کر لی جواب دیا کہ اب استاد میدان میں نکل آیا ہے۔

لاہور کے اسلامیہ کالج کے میدان میں پاکستان کی حمایت میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر ہو رہی ہے۔ رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ خضر حیات کی حکومت کا دور ہے میدان سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ خطرات سروں پر منڈلا رہے ہیں، دوران تقریر خطرات کو چیلنج کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اگر مجھ کو گدھے پر الٹا سوار کیا جائے۔ اور میرا منہ کالا کیا جائے اور اسی حالت میں شہر میں گشت کرایا جائے اور لڑکوں کی فوج پیچھے پیچھے تالیاں بجاتی چلے تو میں اس کو اللہ کے راستہ میں ایک معمولی قربانی تصور کروں گا۔ ایسا ہوا جیسے مجمع میں آگ لگ گئی ہو۔ آنکھیں اشک بار تھیں اور دل بے قابو ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مولانا کی تقریر اتنی مبرہن اور مدلل تھی کہ حریف کے لئے جواب کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بعد میں بڑے بڑے علوم جدیدہ کے ماہرین کو یہ کہتے سنا گیا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ علماء میں بھی ایسے بالغ نظر لوگ موجود ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی سیاست ۔ تحریک آزادی میں حضرت شیخ الہند کی سیاست کے تابع رہی۔ تو تعمیر پاکستان کے وقت ان کی سیاست حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سیاست کے تابع تھی۔ سرحد کے ریفرنڈم میں کامیابی آپ ہی کی مساعی جمیلہ کی مرہون منت ہے، جس طرح سلہٹ ریفرنڈم کی کامیابی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی جدوجہد اور کوششوں کا نتیجہ ہے اگر قائد اعظم کو بروقت علماء کی یہ تائید و حمایت حاصل نہ ہوئی ہوتی تو میں پوچھتا ہوں مسلم لیگ کبھی کامیاب ہو سکتی تھی اور پاکستان دنیا کے نقشہ پر کبھی ابھر سکتا تھا؟ حضرت تھانویؒ کے حکم سے زعمائے لیگ کا ایک جلسہ خاص تھانہ بھون میں کرایا گیا جس کا انتظام حضرت تھانوی نے مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ علماء کے سپرد کر رکھا تھا اس میں گو حضرت نے خود شرکت نہیں کی مگر وہ جلسہ حضرت کے حکم اور ایماء کے موجب ہوا، اور اس میں حضرت کی تحریر کردہ ہدایات کو پڑھ کر سنایا گیا۔ اصل میں مسلم لیگ کی تائید

وحمایت اور اصلاح کا کام حضرت تھانویؒ نے ایک جماعت کے سپرد کر رکھا تھا جن میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں :-

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ چاند پوریؒ اور مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ وغیرہ۔ یہ حضرات علماء متعدد بار وفود کی صورت میں قائدِ اعظم کے ہاں بغرض تبلیغ و اصلاح تشریف لے گئے۔ اور ان کو حضرت تھانویؒ کی ہدایات کے مطابق دینی معاملات سے آگاہ کیا۔ متعدد بار حضرت تھانوی کی مراسلت اور مکاتبت بھی قائدِ اعظم مرحوم سے انہی حضرات کے توسط سے ہوئی ہے اور اسی کی بدولت قائدِ اعظم اس درجہ حضرت سے متاثر ہو گئے تھے۔ کہ جب ایک موقع پر کسی وفد نے قائدِ اعظم سے ملاقات کی اور علماء کا ذکر آیا تو قائدِ اعظم نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے اس وقت ملک میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اور یہ کہہ کر فائل میں سے ایک خط نکال کر ان کو دکھایا اور یہ خط حضرت تھانویؒ کا تھا۔

دہلی میں جب مسلم لیگ نے اجلاس منعقد کیا تو اس میں حضرت تھانویؒ کو بھی دعوتِ شرکت دی گئی۔ لیکن حضرت تھانویؒ اس سے کافی عرصہ پہلے بوجہ آلام و آزارِ جسمانی سفر سے معذوری کا اعلان کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ تبلیغی دورے بھی ترک کر دئے تھے اس لئے خود تو شرکت نہیں کر سکے لیکن اس قسم کے اجتماعات میں آپ برابر اپنی ہدایات و تعلیمات کے ساتھ سفارتیں بھیجتے رہے۔

مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت تھانویؒ کا تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا۔ بہرحال ملک کی کونسی ایسی سیاسی و دینی تحریک ہے جس میں حضرت تھانوی اور ان کے خلفاء نے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو البتہ ان حضرات کو شہرت اور نام و نمود سے نفرت تھی۔ محض اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہمیشہ کام کیا۔

(ماہنامہ الخیر ملتان)

مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

" اکابر علماء دیوبند نے ملکی سیاست میں صرف اس لئے حصہ لیا کہ وہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کریں۔ اور مسلمانوں کی فلاح و کامیابی جس چیز میں ہے اس سے آگاہ کریں میں نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سیاسی زندگی میں یہی مفہوم ان کے عمل سے سمجھا اور دیکھا جس وقت وہ سیاسی میدان میں کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ مسلمانوں کے لئے فلاح و کامیابی جس چیز میں ہے۔ اس کے لئے وہ اپنی کوششیں پوری صرف کردیں۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی بقار کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے لئے خطہ زمین ایسی موجود ہو جہاں اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے دین کا کام کریں۔ جب تک کوئی آزاد خطہ زمین مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہو گا تو وہ اپنے دین و مذہب کا بھی تحفظ نہیں کرسکتے۔ اور اپنی ثقافت کا بھی تحفظ نہیں کرسکتے اور اقامت دین جو مسلمانوں کے لئے بنیادی فریضہ ہے اس کو بھی انجام نہیں دے سکتے۔

جب حضرت علامہ عثمانیؒ سیاست کے میدان میں سامنے آئے ہیں تو ان کا پیغام مسلمانوں کو یہی تھا اور انہوں نے پاکستان کی حمایت کے لئے جس نقطہ نظر کو مسلمانوں کے سامنے رکھا تھا وہ یہی ہے کہ مسلمان قوم اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے جب تک ایک آزاد مملکت کو حاصل نہ کرلے تو اس وقت تک اس کے لئے اقامت دین کا مقصد اور نصب العین حاصل کرنا ممکن نہیں ہو گا ساتھ ہی یہ چیز بھی تجربے میں برسوں سے آچکی تھی کہ کانگریسی قیادت نے مسلمانوں کے حقوق کو جس طرح غصب کیا تھا اور جس طرح مسلمانوں پر ظلم ڈھائے گئے بہار اور اڑلیسہ میں جس طرح مسلمانوں کا خون بہایا گیا کانگریسی وزارت کے زمانے میں اس نے اس چیز کو واضح کردیا تھا کہ مسلمان اب کسی طرح بھی اپنے حقوق اور مذہب کا تحفظ ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہیں کرسکتے۔ ایک حد تک ایک زمانے میں یہ نظریہ قابل قبول تھا اور محتاج فکر بھی تھا۔ کہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جب تک ہندوستان میں بسنے

والی قومیں متحد ہوکر کوشش نہ کریں تو انگریز سے آزادی کا حصول ممکن نہ ہوگا۔ اس حد تک یہ بات کچھ سمجھنے کے قابل بھی تھی۔ لیکن جب ہندو کا یہ طرزِ عمل سامنے آگیا تو اب یہ پردہ نظروں کے سامنے سے ہٹ گیا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے دین کا اپنے حقوق کا ہندوستان کی سرزمین کے اندر تحفظ کر سکیں گے۔ اس بنار پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو اس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کا مقام حاصل ہوا۔ کہ پاکستان کے حصول کے لئے وہ کھڑے ہوئے اور قائدِ اعظم مرحوم کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریک پاکستان میں شرکت کی اور مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی۔ حقیقت میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا یہ جذبہ اور ان کی یہ جدوجہد کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ یہ بات تو وہ تھی جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اپنی زندگی میں کرنا چاہتے تھے۔ اس چیز کے لئے ایک نظامِ عمل مرتب کر لیا تھا کہ افغانستان، ایران اور ترکی یہ تینوں مل کر انگریز کا مقابلہ کریں اور جہاد کر کے ان کی سلطنت کو تہ و بالا کر دیا جائے۔

حضرت شیخ الہند کی جو یہ تحریک اور جذبہ تھا ایک عرصہ گذرنے کے بعد حضرت شیخ الہند کے اس شاگرد رشید شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے قلب و دماغ کے اندر اتری اور انہوں نے اسی منہاج پر قدم اٹھا کر جدوجہد کی۔ الحمد للہ کہ ان کی یہ بصیرت تاریخی واقعات کے لحاظ سے اپنی جگہ برحق اور درست ثابت ہوئی۔ ابتدا میں بعض اکابر علماء کو اس چیز سے اختلاف رہا۔ اور ان کا جو اختلاف تھا وہ دیانت و نیک نیتی پر تھا ان کو جو کچھ اختلاف تھا وہ صرف یہ تھا کہ اگر مسلمان اس مشترک جدوجہد سے ہٹ کر ایک خالص مملکت کا مطالبہ شروع کر دیں گے اور اس کے لئے کوششیں شروع کریں گے تو کہیں انگریز سے آزادی کے حاصل ہونے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔ مگر اس نظریئے اور جذبے سے کوئی اختلاف کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بات غلط نہیں تھی لیکن ان حضرات کا اختلاف قیام پاکستان سے قبل رہا۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ مملکت اسلامیہ عطا فرما دی اور پاکستان قائم ہو گیا اور پھر قیام پاکستان کے بعد تقریباً دو سال اور

چھ ماہ تک وہیں رہا۔ اور دیوبند اور دوسرے علاقوں میں بھی آنا جانا ہوتا تھا۔ وہ حضرات جو اس چیز میں ابتدا میں اختلاف کرتے تھے پاکستان کے قیام کے بعد وہ پاکستان کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ اور پاکستان کی حمایت کھلے دل سے اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے۔ مثلاً میں نے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کو دیکھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی تقریریں سنیں۔ قیام پاکستان کے بعد ان کی تقریروں میں ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاکستان کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ برملا ہندوؤں کو ڈانٹا کرتے تھے اور پٹیل کے مقابلہ میں ان تمام ظلم و تشدد کی باتوں کو رد کیا کرتے تھے جو مسلمانوں پر ہونے لگی تھیں۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی سیاسی بصیرت بڑی عظیم اور بلند پایہ تھی۔ جو چیز حضرت شیخ الہند چاہتے تھے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے اس آرزو کی تکمیل کی اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اور قائد اعظم کی سیاسی قیادت میں اس منزل کو حاصل کیا چنانچہ یہ پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کی صورت میں اکابر علمائے دیوبند کی مساعی جمیلہ سے حاصل ہو گیا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ کرنا ضروری ہے کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کو تحریک پاکستان میں لگانے والے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں۔ انہوں نے اپنے تمام خلفاء اور متوسلین کو حکم دیا کہ وہ مسلم لیگ کی حمایت کریں۔ اور اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ سمیت حضرت تھانوی کے سب ہی اکابر خلفاء مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا سید سلیمان ندویؒ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا خیر محمد صاحبؒ۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مفتی عبدالکریم صاحب اور دیگر حضرات وغیرہ مسلم لیگ کی حمایت و اعانت کرتے رہے۔ اور تحریک پاکستان کو انہی حضرات نے پروان چڑھایا مکمل طور پر قائد اعظم کا ساتھ دیا۔ اور حضرت کی ہدایات کے مطابق تبلیغی

وفود کی صورت میں قائداعظم کی دینی تربیت کا کام سرانجام دیا۔

آخر میں یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ اگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور ان کے تمام شاگرد و مریدین اور متوسلین قیام پاکستان کے لئے مسلم لیگ کے ساتھ عملی جدوجہد میں شرکت نہ فرماتے تو اس مقصد میں کامیاب ہونا بڑا مشکل تھا یہ ملک انہی حضرات کی قربانیوں کا ثمر ہے اور یہی حضرات صحیح معنوں میں معماران پاکستان کہلانے کے حقدار ہیں ؎

بہر حال حضرت مولانا اشفاق الرحمن صاحب، حضرت تھانوی اور حضرت علامہ عثمانی کی ہدایت پر تحریک پاکستان کی اس عملی جدوجہد میں پوری طرح شریک رہے اور اپنے دوسرے معاصر علماء کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے اور بقول پروفیسر احمد سعید صاحب کے کہ :-

" مولانا اشفاق الرحمن صاحب سیاسی مسلک کے اعتبار سے مسلم لیگ سے وابستہ تھے اس لئے پہلے ہی ہجرت کا ارادہ تھا "

چنانچہ جنوری ۱۹۵۱ء میں ٹنڈوالہ یار تشریف لائے اور تاحیات مقیم رہے یہاں افتاء و درس حدیث کی خدمات آپ کے سپرد کی گئیں۔ مولانا کو دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سے انتہائی تعلق پیدا ہوگیا تھا اور آپ دارالعلوم کی ہر قسم کی خدمت کے لئے تیار رہتے۔ ساری زندگی اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق گزاری اور ۱۹۵۸ء میں رحلت فرمائی +

(بحوالہ بزم اشرف کے چراغ)

یوم شیخ الاسلام کی تقریب میں خطاب بحوالہ روزنامہ نوائے وقت
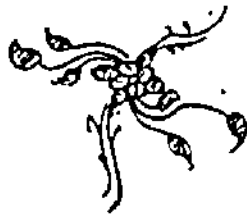
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ قاسمیؒ

ماہ جون ۱۸۹۷ء بمطابق ماہِ محرم ۱۳۱۵ھ یک شنبہ کو خاندانِ قاسمی کے اس ہونہار
زند نے اپنی مبارک پیدائش سے اس عالم کو منور کیا۔ اسم گرامی "محمد طیب" تجویز کیا گیا اور
یخی نام "مظفر الدین" رکھا گیا۔ سات سال تک بڑے ناز و نعم کے ساتھ والدین کی آغوش
پرورش پاتے رہے۔ ۱۳۲۲ھ میں آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند
آغوش میں دے دیا گیا۔ بوقتِ بسم اللہ شروع کرائی کے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ
تی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن
نانی اور آپ کے والدِ محترم حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ جیسے اکابر و شیوخ موجود
ے۔ ان بڑے بڑے بزرگ علماء و مشائخ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں
۔ دو سال کی قلیل مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا۔ اور اس کے ساتھ قرأت و تجوید
مہارت تامہ حاصل کی۔ حفظِ قرآن شریف سے فراغت کے بعد درجۂ فارسی میں داخل کئے
ئے۔ اور وہاں سے پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد
تعلیم کے لئے شعبۂ عربی میں داخلہ لے لیا۔ چونکہ آپ بچپن ہی سے بے حد ذکی اور ذہین تھے

اس لئے خدا نے قوتِ حافظہ بطورِ خاص آپ میں ودلیعت فرمائی تھی نیز جس مقدس انسان حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف آپ کی نسبی نسبت تھی۔ انہی کی نسبتِ روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت و نگہداشت فرمائی۔ آٹھ سال کی مدت میں آپ نے دارالعلوم کی تمام نصابی تعلیم ۱۳۳۷ھ میں فراغت پاکر سندِ فضیلت حاصل کی۔

حدیث میں آپ کو خصوصی تلمذ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل رہا۔ اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور اساتذہ سے بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بطورِ خود آپ کو سہارنپور طلب فرماکر اوائل حدیث کی تلاوت کراکر اپنی خصوصی سند خود اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سندِ حدیث لی ہے۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی شامل ہیں۔

ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت کے بعد آپ کی زندگی تین نمایاں گوشوں کے محور پر گھومتی نظر آتی ہے یا یوں کہا جائے کہ آپ کی زندگی کے تین مرکزی مقام ہیں جہاں سے آپ کی زندگی نصب العین اور عنداللہ مقصدِ حیات سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ مسندِ درس۔ ۲۔ مسندِ اہتمام۔ ۳۔ مسندِ رشد و ہدایت۔

یہی تین پہلو ہیں جو حضرت حکیم الاسلام مرحوم کی زندگی کے تین اہم عنصر تھے۔ اور آپ کی تمام خدماتِ جلیلہ ان ہی تین گوشوں سے بطورِ خاص متعلق ہیں۔ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ ان تین گوشوں پر الگ الگ روشنی ڈالی جائے۔

مسندِ درس و تدریس

دورانِ تعلیم میں چونکہ اکابر کی حقیقت شناس نگاہوں نے آپ کی صلاحیتوں اور خداداد علمی ملکات کو تاڑ لیا تھا نیز آپ

کے ذاتی اوصاف اور علمی صلاحیتوں کا سب ہی کو اعتراف تھا اس لئے آپ کو تعلیم سے فراغت
کے بعد منصب تدریس پر فائز کیا گیا۔ خداداد ذکاوت و ذہانت، علم و فراست اور پھر خاندانی
جاہت و نسبت کی بناپر بہت جلد آپ نے عام مقبولیت اور علمی حلقوں کی گرویدگی
حاصل کرلی۔ اس مسندِ علم و فضل پر فائز ہونے کے بعد آپ کے اوصاف و کمالات کے حقیقی
جوہر کھلے جس کا اکابر نے تہہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ عزت افزائی کی حضرت
مولانا انور شاہ صاحبؒ اکثر تبلیغی اسفار میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے اور بڑے بڑے
اہم موقع پر بہ تقاضائے وقت مختلف موضوعات پر آپ سے تقریر کراتے اور اظہار
اطمینان و مسرت فرماتے۔

بہرحال مسندِ درس و تدریس پر فائز ہونے کے بعد شروع میں آپ نے فقہ، منطق،
فلسفہ صرف و نحو، معانی اور دیگر مہتم بالشان فنون کی اہم کتابیں نہایت شان و شوکت
سے پڑھائیں۔ اسی اثنار میں اہتمام کی اہم ذمہ داریاں بھی حضرت کو سونپی گئیں لیکن باوجودیکہ
دارالعلوم کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں بڑھ چکی تھیں۔ نیز ملک میں تبلیغی اسفار
کثرت سے بھی زیادہ تجاوز کر چکے تھے۔ مگر آپ کا ذوق و شوقِ تدریس برابر اسی نہج پر
تھا اور اس زمانۂ اہتمام میں بھی کچھ نہ کچھ اسباق اپنے ذمہ کئے رہے اور الحمدللہ ان دنوں
جب کہ دارالعلوم کی انتظامی مشغولیت اور مصروفیت اس حد تک کی تھی کہ شب و روز
کا کوئی لمحہ اس سے فارغ نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود آخر تک آپ نے کبھی درس و تدریس
سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔ اس عرصہ میں مختلف علوم و فنون کی اہم کتابوں کا درس آپ دیتے
خصوصیت سے حجۃ اللہ البالغہ آپ کے درس میں زیادہ رہتی تھی۔ کہ جس میں آپ کے ذوقِ حکیمانہ
کے جوہر و اسرار خوب کھلتے اور پڑھنے والوں کی تشریعات اسلامی کے ان مخفی پہلوؤں پر آپ
کے درسِ گرامی سے وہ نظر ہو جاتی جو برسہا برس کی محنتوں کے بعد بھی آنا مشکل ہے حق
یہ ہے کہ حکمت ولی اللہی کے لیے جس فکری عروج کی ضرورت ہوتی ہے وہ بدرجہ اتم حضرت

حکیم الاسلام مرحوم میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ ابن ماجہ شریف اور مشکوٰۃ شریف بھی برابر زیر درس رہتی تھیں۔ کئی سال آپ نے شمائل ترمذی کا درس بھی دیا تھا۔ حضرت قاری صاحب ایک طرف تو حضرت مولانا نانوتویؒ کے علوم و معارف کے صحیح وارث تھے اور دوسری طرف براہِ راست حضرت شاہ صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اس لئے آپ کے درس میں دونوں بزرگوں کے علوم و معارف کا فیضان رہتا تھا چنانچہ آپ منقولات اور تشریعات اسلامی کو دلائل عقلیہ سے اس انداز میں ثابت فرماتے کہ جس سے ہر دور کا ذہن مطمئن ہو سکے اور حضرت نانوتویؒ کے رنگ میں اسلامی تعلیمات پر تقریر اسی نہج سے کرتے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا جن لوگوں نے حضرت حکیم الاسلام کی درسی تقاریر سنی ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ علوم قاسمیہ کا فیضان اس طرح ہوتا کہ بے ساختہ حضرت کی زبان سے حضرت نانوتویؒ کی پوری پوری تقریر نقل ہوتی چلی جاتی تھی۔ اور بسا اوقات تو اتنی ہم آہنگی ہوتی تھی کہ الفاظ تک میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا۔

الغرض حضرت کی درسی تقریریں، تبحر علمی، وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر اور تحقیق مسائل کی بنا پر علمی حلقوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ اور ایک طالب علم آپ کے درس میں بیٹھ کر علم و فضل کے اس خزانے سے اپنے دامنِ مراد کو بھر کر اٹھتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی مسندِ اہتمام

اگر مجھے عرف عام اور مخصوص ذہن سے قطع نظر قیادت کے حقیقی معنی اور مفہوم مراد لینے کی اجازت دی جائے تو میں یہاں بجائے مسندِ اہتمام کے منصب قیادت کا عنوان رکھ سکتا ہوں اس لئے کہ یہ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا وہ مقام ہے جہاں آپ کی عزت و عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ملّتِ اسلامیہ نے آپ کے سر پر قیادت اور راہ نمائی کا تاج رکھا تھا۔ دارالعلوم دیوبند، مسلمانانِ پاک و ہند ہی کے لئے نہیں بلکہ عالمِ اسلام کا بین الاقوامی مذہبی ادارہ ہے اور اس اعتبار سے ملتِ اسلامیہ کا یہ قلب ہے جہاں سے ان

روح اور فکر کی جلاو کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اس عظیم ادارہ کی اہم ذمہ داری (صدارت اہتمام) کے لیے کسی شخصیت کا انتخاب ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس جلیل القدر منصب پہ اسی شخص کا انتخاب ہو سکتا ہے جو کمالات علمی اور اوصاف باطنی وظاہری سے پوری طرح مزین ہو۔ اگر ایک طرف وہ علم وفضل، زہد وتقوی، دیانت وامانت، فہم وفراست میں ممتاز مقام کا مالک ہو تو دوسری طرف قوم وملت میں بااثر اور بارسوخ ہو۔ اس کی قیادت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو اور اس کی راہ نمائی پر قوم کو اطمینان ہو۔

اب اگر اس حیثیت سے حضرت حکیم الاسلام کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہو گا۔ کہ ۱۳۴۸ھ میں وقت کے اکابر وشیوخ اور ذمہ دار حضرات نے اپنے متفقہ ریزولیوشن کے مطابق مسندِ اہتمام پر حضرت حکیم الاسلام مرحوم کو فائز کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ ان کی حقیقت آشنا نگاہوں کی کرشمہ سازی تھی کہ انھوں نے حکیم الاسلام کی علمی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اس عظیم مسند کا ان کو اہل قرار دیا۔ جو درحقیقت عالم اسلام کی قیادت وراہ نمائی کے مترادف تھا۔ ادارۂ اہتمام سے تو آپ کا تعلق ۱۳۴۰ھ ہی میں قائم ہو گیا تھا جب کہ آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم بنایا گیا۔ اس عرصہ میں آپ دارالعلوم کے انتظامی معاملات کا جائزہ اور را دارہ اہتمام کے انصرامی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ کے انتقال کے بعد منصب اہتمام پر کسی اہم شخصیت کی ضرورت کا مسئلہ سامنے آیا تو اکابر دارالعلوم اور ممبران مجلس شوریٰ کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی۔ ایک طرف تو آپ کی علمی اور تبلیغی خدمات کی بنار پر ملک میں آپ کا بہت زیادہ اثر و رسوخ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف نیابت واہتمام کے دوران انتظامی صلاحیت کے سب ہی معترف تھے۔ لیکن اس کے علاوہ جو سب سے اہم چیز اکابر کے داعیہ کا باعث بنی وہ درحقیقت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند سے آپ کا نسبی انتساب تھا۔ جو ہمیشہ سے دارالعلوم کی ترقی و کامیابی اور فلاح وبہبود کے لئے اکابر کی نظروں میں خاص اہمیت رکھتا

تھا چنانچہ باوجودیکہ حضرت کا خاص علمی ذوق اور آپ کا رجحان طبع انتظامی معاملات کی طرف مائل نہ تھا لیکن حضرات اکابر دارالعلوم نے بصد اصرار آپ کو مجبور کیا کہ دارالعلوم کی باگ ڈور اپنے باوقار ہاتھوں میں لیں۔ لہٰذا ۱۳۴۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اعلیٰ قرار دئے گئے اور یہیں سے اس شاندار داستان کی ابتدا ہوتی ہے۔ جو دارالعلوم کی بے پناہ مقبولیت، عالمگیر ہمت۔ ادارہ کی بین الاقوامیت اور اس کی ترقی اور کامیابی کے لئے دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے۔ جیسے دارالعلوم کی علمی و درسی تاریخ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی مثال اس حیثیت سے پیش کرنے سے عاجز ہے کہ ان کے دور میں دارالعلوم کا درسی عروج اور علمی وسعت اس درجہ کی تھی کہ اس وقت دارالعلوم کی آغوش علم و تربیت سے پرورش پاکر نکلنے والا ہر فاضل اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا۔ ٹھیک اسی طرح دارالعلوم کی پوری تاریخ حضرت حکیم الاسلام مرحوم کا اسم گرامی فخر سے پیش کرسکتی ہے۔ کہ اس کی ترقی و کامیابی اور اس کی رفعت و عظمت کا راز حکیم الاسلام کی زندگی میں پوشیدہ ہے۔ ۱۳۴۸ھ میں جب کہ آپ نے دارالعلوم کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے انتظامی شعبے صرف آٹھ تھے اور بعد میں حضرت کے آخری دور تک تقریباً پچیس ۲۵ یا تیس ۳۰ تھے۔ اس وقت دارالعلوم کا کل بجٹ صرف پچاس ہزار روپے تھا اور بعد میں حضرت کے دور اہتمام کے آخری سالوں تک تقریباً آمدنی کا تخمینہ تیس لاکھ سے بھی زائد ہو گیا تھا۔

اس زمانہ میں دارالعلوم کا عملہ ۴۵۔ افراد پر مشتمل تھا۔ اور حضرت کے آخری دور تک تقریباً تین سو افراد کا اسٹاف تھا۔ جو دارالعلوم کی خدمت میں مصروف عمل رہا۔ اسی طرح دارالعلوم کی تعمیری ترقی میں بھی نمایاں فرق ہوا۔ ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم کی عمارتوں کا تخمینہ چند ہزار روپے سے آگے نہیں تھا لیکن حضرت کے دور اہتمام میں کروڑوں روپے کی فلک بوس عمارتیں قوم کی امانت ہیں۔ غرضیکہ مسندِ اہتمام پر فائز ہونے کے بعد دارالعلوم کی ارتقائی زندگی روز بروز بڑھتی گئی۔ چنانچہ متعدد بار دارالعلوم کی مجالسِ شوریٰ و منتظمہ نے آپ کی اس کارگزاری اور خدمات

کے سلسلہ میں بطور تشکر و امتنان پاس کئے گئے۔ ریزولیشنوں کے ذریعے اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا

دورِ اہتمام ہی میں آپ کا سفر افغانستان آپ کی جلیل القدر خدمات و عظمت کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ جب کہ دارالعلوم کے نمائندے کی حیثیت سے دارالعلوم اور افغانستان کے درمیان علمی و عرفانی رابطہ پیدا کرنے کے لئے آپ نے یہ سفر ۱۳۵۸ھ میں اختیار کیا تھا۔ وہاں اگر علمی حلقوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ اور انجمن ادبی (اعلیٰ سرکاری سوسائٹی) مجلس قانون جمعیت علماء کابل یونیورسٹی اور دوسرے تعلیمی اداروں نے آپ کو دعوت دے کر آپ کے علمی و عرفانی فیض سے استفادہ کیا۔ تو دوسری طرف حکومت افغانستان نے سرکاری طور پر آپ کا خیر مقدم کر کے اور شاہ افغانستان نے ایک گراں قدر خطیر رقم دارالعلوم کو عنایت فرما کر آپ کی عظمت و احترام کا اعتراف کیا۔ ان دنوں ہی برما کا اہم سفر بھی دارالعلوم کی ارتقائی زندگی کا ایک جلی عنوان ہے جس سے دارالعلوم کی مالی منفعت اور ترقی میں کافی اضافہ ہوا۔

الحاصل اگر مجموعی طور پر سوال کیا جائے۔ کہ ۱۲۸۳ھ میں قائم ہونے والے اس چھوٹے سے مکتب کو آگے بڑھا کر دارالعلوم کا رنگ دینے والا کون ہے؟ تو موجودہ دور کی ۱۲۰ سالہ تاریخ نہایت عقیدت سے حضرت حکیم الاسلام کا نام دنیا کے سامنے پیش کر دے گی؛ (حکیم الاسلام کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کی ترقیات کی تفصیل ... احقر کی کتاب "ذکرِ طیب" میں دیکھئے)

مسندِ رشد و ہدایت ایک مصلح اور رہنما کی عند اللہ انتہائی معراج یہ ہوتی ہے کہ مخلوقِ خدا کی ظاہری و باطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے اور دنیا کی ہر ضلالت و گمراہی میں ہدایت اور راستی کے فانوس جلاتا رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اہل اللہ کے ان تین ہی طریقے ہوتے ہیں کوئی تصوف و سلوک کی راہ سے گم کردہ راہ حق کی ہدایت کرتا ہے کوئی اپنے قلم کی سحر طرازیوں سے عوام کی اصلاح کرتا ہے یا پھر تبلیغ و دعوت کے لئے تقریر کے میدان

کو پسند کرتا ہے لیکن اگر میدان فیاض کی طرف سے کسی شخص واحد میں یہ تینوں ملکے ودیعت کر دئے جائیں تو اس کی جامعیت اور اکملیت تو مسلم ہوتی ہے۔ لیکن تبلیغ و دعوت جیسے عظیم مقصد میں کامیابی اپنے انتہائی عروج پر ہوتی ہے۔ ہم آج بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حکیم الاسلام مسندِ رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر تھے۔ کیونکہ اگر آپ ایک طرف راہِ طریقت اور تصوف وسلوک کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیہ نفس اور ان کی اصلاحِ باطنی میں مصروف رہے تو دوسری طرف اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے بیرون ملک میں گمراہی و تاریکی کے اس دور میں حقیقت معرفت کی شمعیں جلاتے رہے۔ پہلے آپ کا سلسلۂ بیعت شیخ وقت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے قائم ہوا۔ ابھی آپ راہِ طریقت کی اعلیٰ منازل طے کر رہے تھے کہ حضرت شیخ الہند کا وصال ہو گیا۔ ان کے بعد آپ نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے شیخ قطب العالم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی نگرانی میں راہِ معرفت و حقیقت کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی اور آپ کی تربیت میں مخصوص طریقے سے حصہ لیتے تھے آخر کار جب شیخ کی حقیقت آشنا نگاہوں نے مرید کے جواہر استعداد کا اعتراف کر لیا تو ۱۳۵۰ھ میں آپ کو اپنا مجاز قرار دے دیا۔ اور خلافت کے خلعت فاخرہ سے مشرف فرمایا۔

اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے چشمۂ ہدایت سے تشنہ کامانِ قلب وروح کو سیراب فرمانے لگے۔ اور راہِ حق کے طلب گار اپنی آرزوؤں اور امیدوں کی جھولیاں اس خزانۂ معرفت سے بھرتے رہے۔ اور فیض حاصل کرتے رہے۔ ملک اور بیرون ملک میں حضرت کے مریدین اور مسترشدین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے۔ جو براہِ راست آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر آپ کی روحانی تربیت اور ہدایت و اصلاح سے اپنی زندگی کو منور کر رہے ہیں ان کے علاوہ ایک بہت بڑا طبقہ ایسا بھی رہتا ہے جو راہِ حق کے طلب گار ہوتے ہیں اور بذریعہ خط و کتابت آپ کی روحانی و عرفانی ہدایتوں سے مستفید

ہوتے رہتے تھے۔

تبلیغی و تصنیفی خدمات رشد و ہدایت کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلام کی تبلیغی تقریریں اور وعظ آپ کی زندگی کا مایہ الامتیاز مقام تھا کہ جس کی وجہ سے پاک و ہند کا چپہ چپہ گونجتا رہا اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آپ کی تقریروں کی وجہ سے گمراہی سے نکل کر ہدایت و راستی کی روشنی پاتے رہے۔ فنِ خطابت اور تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوتِ گویائی حاصل تھی۔ زمانۂ طالب علمی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں اور علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ اہم سے اہم مسائل پر تین تین چار چار گھنٹے مسلسل تقریر کرنے اور علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی حقائق و شریعت کے بیان و ایجاد مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی جسے بڑے بڑے اہل علم تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا رہا۔

چنانچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آپ کی علمی تقریریں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ بعض تقریریں مسلم یونیورسٹی نے شائع بھی کی ہیں۔ فرقِ باطلہ کے رد میں آپ کی انفرادی شان ہے۔ نہایت باوقار متین اور سنجیدہ لہجہ اختیار فرماتے۔ بازاری اور سوقیانہ طرز سے ہٹ کر خالص علمی و اصلاحی انداز میں گمراہ عقائد کا اس طرح رد فرماتے کہ مخالف بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ آپ کی بعض تقریریں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں سرکاری عربی مدارس کے نصاب کی ترتیب و تدوین کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت کونسل ہاؤس لکھنؤ میں منعقدہ کانفرنس کی وہ تقریر جو حضرت حکیم الاسلام مرحوم نے علمائے دیوبند کی قیادت کرتے ہوئے فرمائی تھی وہ آج بھی تاریخ خطابت کا انمول شاہکار ہے۔ جس پر مولانا ابوالکلام آزاد جیسا خطیب بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

۱۹۵۳ء میں بسلسلۂ سفر حجاز آپ نے ہندوستان کے ایک مؤتمر وفد کی قیادت کرتے

ہوئے سلطان ابن سعود کے دربار میں ایک شاندار تقریر فرمائی جس پر سلطان بہت متاثر ہوتے اور بوقتِ رخصت شاہی خلعت اور بیش قیمت کتب کے عطیہ کے ذریعہ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ آپ نے افغانستان، برما اور افریقی ممالک کے اسفار و دورے بھی کئے۔ دیوبند میں زمانہ قیام میں روزانہ بعد مغرب آپ کی مجلس مقامی اور غیر مقامی طالبانِ حق کے لئے ایک مکتب رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتی تھی۔ جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرہ رہتا تھا جس میں آپ مختلف موضوعات پر اپنی علمی تحقیق سے حاضرین کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ کی تیسری کڑی آپ کا مشغلہ تصنیف و تالیف تھی۔ آپ کی مضمون نگاری اور انشا پردازی کی ابتدا زمانہ طالب علمی سے القاسم کے صفحات سے شروع ہوئی۔ جب ہی سے آپ کے تحقیقی مقالے علمی حلقوں میں بنظرِ استحسان دیکھے جاتے تھے۔ انشا پردازی میں آپ انفرادی حیثیت کے مالک تھے۔ پاکستان و ہند کے طبقہ علماء کے صفِ اول کے اہلِ قلم اور مقالہ نگار تھے۔ ملک کے مؤقر جرید ے اور رسالے آپ کے مضامین کی اشاعت باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ اس فن میں بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ اور ادق سے ادق موضوع پر لمبے لمبے طویل مقالے اور مضامین ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے۔ آپ کی تصنیف و تالیف اور مقالہ نگاری کا اکثر حصہ دورانِ سفر میں انجام پاتا۔ تصنیف و تالیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر الگ الگ کتابوں پر تبصرہ کیا جائے تو صفحات کو تنگ دامنی کا گلہ ہوگا۔ اس لئے صرف ان کتابوں کے نام لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آپ کی سب سے پہلی تصنیف ،،التشبہ فی الاسلام،، ہے جو آپ کے ابتدائی دور کی شاہکار ہے۔ علمی حلقوں نے اسے بہت زیادہ پسند کیا ہے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔ فطری حکومت، اسلام اور فرقہ داریت، سائنس اور اسلام، مشاہیرِ امت، شانِ رسالت، فلسفہ نماز، شرعی پردہ، ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، مسئلہ تقدیر۔ اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، علم غیب، خاتم النبیین۔ اسلام اور مغربی تہذیب۔ تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام۔ اصول دعوتِ اسلام

عالمی مذہب، نظریہ دو قرآن پر ایک نظر۔ اور کلمہ طیبہ کی حقیقت وغیرہ۔

تصانیف کے علاوہ ان علمی مقالوں کی تعداد حد کثرت سے تجاوز ہے جو پاکستان و ہندوستان کے مقتدر علمی جرائد کی زینت بن چکے ہیں۔

بہرحال ساری زندگی خدمت اسلام میں گزار کر ۶ شوال ۱۴۰۳ھ ۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء کو رحلت فرمائی۔ (الرشید مدنی منبر)

حکیم الاسلام کے سیاسی نظریات

ہندوستان کے طبقہ علماء میں یہ شرف اور یہ سعادت صرف اور صرف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلفاء مجازین اور ان کے ہم مسلک و ہم مشرب علماء دین کو حاصل تھا۔ کہ انہوں نے کانگریس کے معاملہ میں علی الاعلان کھلے بندوں قائداعظم اور مسلم لیگ کی حمایت و اعانت کی اور اس وقت کی جب پورے ملک میں سیاسی طوفان آیا ہوا تھا۔ تحریک خلافت، ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد بن چکی تھی۔ مسلمان گاندھی کی جے کے نعرے لگا رہے تھے۔ اور ہندو محمد علی شوکت علی کی جے پکار رہے تھے۔ اور اس وقت اکبر کے دین الٰہی کی طرح ایک ایسے مذہب کی بنیاد پڑ رہی تھی جو ہندو مسلمان کا سرے سے امتیاز ہی اٹھا دینا چاہتا تھا اور جسے حکیم الامت تھانویؒ نے اس دور کا ایک بہت بڑا فتنہ قرار دیا تھا۔ جس کی بنا پر آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اور فی الواقعہ حضرت تھانوی کے اعلان کی اشاعت کے بعد آپ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔ مگر قاتل ہیبت حق کی تاب نہ لاکر الٹے پاؤں واپس دوڑ گئے۔ اور پھر ساری تحریک مسلم لیگ کے دوران کسی کو ایسی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت تھانویؒ بقول مولانا عبدالماجد دریاآبادی:-

"انگریز حکومت اور کانگریس کے درمیان رسہ کشی میں مسلمانوں کو بالکل غیر جانبدار اور یک سو دیکھنا چاہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جب تک مسلمان اپنے اندر پوری قوت نہیں پیدا کرلیتے۔ ان کا کسی فریق کے ساتھ شامل ہوکر عملی حصہ لینا خودکشی کے مترادف ہوگا اور سارا

زور اس پر دیتے تھے کہ مسلمان پہلے اپنے اندر قوت و نظم پیدا کریں "

(حکیم الامت ص ۲۷۶)

اسی لئے جب بعض ارباب دارالعلوم دیوبند کانگریس کی حمایت میں میدان میں نکل آئے تو آپ نے دارالعلوم کی سرپرستی سے استعفا دے دیا۔ ۱۹۳۵ء میں جب مسلم لیگ کو جھانسی میں کانگریس کے مقابلہ میں الیکشن لڑنا پڑا اور کانگریس لیگ کے مقابلہ میں نامور علماء کو میدان میں لائی تو عوام نے مولانا شوکت علی سے مطالبہ کیا کہ ان جیّد علماء کے مقابلہ میں آپ جب تک کسی بہت بڑے عالم کو میدان میں نہ لائیں گے، یہ الیکشن نہ جیت سکیں گے۔

اسی پریشانی کے عالم میں آپ کی نظریں تھانہ بھون کی طرف دوڑیں اور آپ نے عوام سے پوچھا کہ کیا آپ کو حضرت تھانویؒ پر اعتبار ہے تو سب نے کہا اعتماد ہے۔ مولانا شوکت علی نے کہا اب آپ ان کو تار دے کر پوچھ لیں کہ ووٹ کانگریس کو دیں یا لیگ کو جب یہ سوال آپ کے سامنے آیا تو آپ نے مولانا شبیر علی تھانویؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ اور مسئلہ زیر سوال کے تمام پہلوؤں پر غور و مشورہ کے بعد آپ نے صرف یہ تار دے دیا کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے۔

بس تار کے جواب جانے کی دیر تھی کہ حضرت تھانویؒ کے اس جواب کے بڑے بڑے پوسٹر شہر کے در و دیوار پر نظر آنے لگے۔ کانگریس بُری طرح ہار گئی اور مسلم لیگ کا بول بالا ہوگیا۔ مولانا شوکت علی نے تھانہ بھون جاکر حضرت تھانویؒ کے تار کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

" جھانسی کے میدان میں ہمارے پاس کانگریس کے برابر نہ لاریاں تھیں نہ روپیہ پیسہ تھا۔ آپ کے تار نے کچھ ایسا اثر کیا کہ کایا پلٹ دی۔ مسلمانوں میں یکایک مسلم لیگ کے حق میں جوش پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے ہم کامیاب ہوئے "

(سیرت اشرف ص ۸۴۳)

حقیقتِ کانگریس ۔ حضرت حکیم الامتؒ ہر بات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے اور

قرآن کے آیئنہ میں دیکھنے کے عادی تھے ۔ اگرچہ انگریز دشمنی کی وجہ سے ہندوستان کے کئی بڑے علماء کانگریس کے ساتھ تھے ۔ مگر حضرت تھانوی انگریزوں کی طرح ہندوؤں کو بھی مسلمانوں کا صریحاً دشمن سمجھتے تھے ۔ آپ کی نظر وقتی مصالح پر نہ تھی بلکہ اس ارشادِ ربانی پر تھی کہ :-

"کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں" (البقرہ ۲۷)

اس لئے حضرت تھانویؒ مسلمانوں کے کانگریس میں شمولیت کے حق میں نہیں تھے ۔ اگرچہ کانگریس میں اکثریت ہندوؤں کی تھی مگر کوئی کانگریس کا نام تک نہ جانتا تھا لیکن جب مسلمانوں نے ۵۰ سالہ مُردہ کانگریس میں شرکت کرکے اس میں روح پھونکی تو کانگریس مسلمانوں کو ہڑپ کرنے کی سوچنے لگی ۔ اسی لئے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ :-

(۱) "جو آدمی بھی حدودِ شریعت سے گزر کر کام کرے گا اس کا بُرا حشر ہوگا ۔ اسی بناء پر ہم کانگریسیوں کی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ کانگریسی اصل میں بالشویک ہیں ۔ یہ کسی طرح بھی مذہب کی حامی جماعت نہیں ہے ۔ اگر خدانخواستہ یہ جماعت ہندوستان میں برسرِ اقتدار آگئی اور خدا نہ کرے وہ دن آئے تو یہ بھی ہندوستان میں وہی کریں گے جو (روس میں) بالشویک کر رہے ہیں"

(الافاضات الیومیہ جلد پنجم صہ ۸۸)

(۲) "مسلمانوں خصوصاً علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا بہت ضروری ہے ۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنی چاہیئے ۔ مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے" (ملفوظات اشرفیہ صہ ۹۵)

(۳) ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اس لئے ناکامی ہوئی کہ اس تحریک میں ہندو شامل تھے ۔ دونوں شانہ بشانہ لڑ رہے تھے ۔ مگر ہندوؤں نے وقت پر غداری اب

بھی ان سے وفا کی امید نہیں ہے یہ وقت پر دھوکا دیں گے۔ مسلمان اپنے ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر کامیاب ہو سکتا ہے۔ دوسروں کے سہارے کبھی نہیں۔"

(سیرت اشرف صفہ ۶۸)

④ "جو جماعت کانگریس کے نام سے مشہور ہے یہ بھی سب وہی بالشویک خیال کی پارٹی ہے۔ اور یہ سب اسلام کے مقابلہ پر سازش ہے۔" (الافاضات جلد ا صفہ ۹)

⑤ کانگریس انگریز کو ہندوستان سے نکالنا ہی نہیں چاہتی درحقیقت ان کی عافیت ہی اسی میں ہے کہ انگریز ہندوستان میں رہیں تاکہ وہ ان کے زیر سایہ اپنی قوم کو پروان چڑھائیں۔" (اسعد الابرار صفہ ۱۵)

⑥ قیامت آجائے، ہندو کبھی مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ یہی ہندو تو تھے جنہوں نے انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مخبریاں کیں اور ان کو پھانسی چڑھوایا۔ یہ قوم بڑی احسان فراموش ہے یہ انگریزوں سے زیادہ مسلمانوں اور اسلام کے دشمن ہیں۔" (الافاضات الیومیہ جلد ۴)

بہر حال حضرت حکیم الامت تھانوی نے ہندوؤں کی بددیانتی، احسان فراموشی، اسلام دشمنی کے متعلق جتنے اندیشے ظاہر فرمائے تھے وہ سب اس کانگریسی دور میں صحیح ثابت ہوئے۔ جو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ۱۹۳۷ء کے انتخابات جیتنے کے بعد کانگریس کو چھ صوبوں میں اپنی اکثریت کی بنا پر نصیب ہوا تھا۔ اپنے اس دو سالہ دورِ اقتدار میں ہندوؤں نے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، ثقافت و مذہب کو مٹانے اور تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اس لئے آپ گاندھی کو عیار، دجال، شیطان اور طاغوت کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ اور جمہوریت کو مغربی بدعت کہتے تھے۔

غرض آپ نے ہندو کانگریس کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی۔ اور مسلم لیگ کی حمایت بھی کسی سیاسی غرض کے لئے نہ کی تھی بلکہ اس غرض کے لئے

کی تھی کہ مسلمان لیگ کے اندر داخل ہو کر اپنی تنظیم اور لیگ کی اصلاح کی فکر کریں تاکہ یہ کانگریس کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے آپ کے ایماء پر آپ کے خلفاء و متعلقین نے مجلس دعوۃ الحق قائم کی۔[1]

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم کا سیاسی نظریہ اور سیاسی مسلک وہی تھا جو ان کے شیخ و مربّی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا تھا۔ حضرت حکیم الاسلام بھی متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے اور دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند پر بعض شخصیتوں کی وجہ سے کانگریس کا اثر تھا لیکن آپ چونکہ حضرت حکیم الامت کے حلقۂ ارادت سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے خلفائے مجاز کی صف میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اس لئے اس طبقے کا کبھی ساتھ نہ دیا جو متحدہ قومیت کے فریب میں آگیا تھا بلکہ آپ نے اپنے بزرگوں یعنی حضرت نانوتوی۔ حضرت گنگوہی۔ حضرت شیخ الہند اور حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرح ملتِ اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ حضرت حکیم الاسلام کا شمار برصغیر کے ان ممتاز علمائے دیوبند میں ہوتا ہے جنہوں نے متحدہ قومیت کے طلسم کو توڑنے کے لئے اپنی زبان و قلم دونوں سے کام لیا اور مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے لئے راہ ہموار کی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرحوم پاکستان کی تحریک کے ابھرتے ہی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زیر قیادت جمعیت علماء اسلام کے ساتھ مل کر قیام پاکستان کے مطالبے کو قبول عام بنانے کے لئے کام کرتے رہے۔ اور اپنے شیخ حضرت تھانوی کی ہدایات کے مطابق مجلس دعوت الحق کے ذریعے قائداعظم اور دوسرے مسلم لیگی زعماء کی اصلاح و فلاح کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ

---

[1] معماران پاکستان مؤلفہ منشی عبدالرحمٰن خان صاحب

فرماتے ہیں کہ :۔

" اکابر دیوبند نے نئے نئے پیش آمدہ حالات میں ملت کی ہر قدم پر راہ نمائی کی ہے ۔ جس طرح فروعی مسائل میں ہر دور میں نظریاتی اختلاف پایا گیا ہے۔ برصغیر میں بھی یہ نظریاتی اختلاف پیدا ہوا اور دیوبند کا ایک وقیع گروہ اگر کانگریس کے ساتھ اتحاد و اشتراک کو ملک وملت کے لئے مفید خیال کرتا تھا تو دوسرا وقیع گروہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم اور کانگریس سے عدم اشتراک واتحاد کا مؤید تھا۔ پہلے گروہ کے قائد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے کے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے اور دونوں گروہوں کا یہ اختلاف مبنی بر دیانت تھا اور ہر ایک کے پاس اپنے مؤقف کے لئے دلائل تھے ۔ یہ کہنا تاریخی حقائق کا منہ چڑانا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے تمام خدام یا متعلقین کانگریس کے مؤید تھے ۔ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کانگریس کے خلاف مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم کی علی الاعلان حمایت کی اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کے لئے بہتر قرار دیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قائدِ اعظم کے بعد تصورِ پاکستان کے خاکہ میں رنگ بھرنے کا سب سے مؤثر عمل حضرت علامہ عثمانیؒ ہی کا تھا تو بے جا نہ ہو گا ۔ آپ نے قراردادِ پاکستان کے حق میں زبان جاری فرمائے۔ جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی، مضامین لکھے ۔ پرزور تقاریر کیں۔ پیرانہ سالی میں ہمت کو جوان کر کے قائدِ اعظم کا پورا پورا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی فضائیں پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی سحر آفریں خطابت کا جواب مسلم لیگ کے پاس شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وجد آفریں زبان تھی اور سابق مشرقی پاکستان کا علاقہ سلہٹ اور صوبہ سرحد کا ریفرنڈم حضرت شیخ الاسلام نے جیتا تھا ۔ حضرت حکیم الامت اور حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی پاکستان کی حمایت نہ کرتے اور

حضرت علامہ ان علاقوں کے ریفرنڈم کے لئے جدوجہد نہ کرتے تو آج یہ علاقے بھی ہندوستان کے پاس ہوتے۔ صوبہ سرحد اور سلہٹ کی شمولیت محدثِ دیوبند کا پاکستان پر احسانِ عظیم ہے۔ حلقۂ دیوبند سے حضرت علامہ عثمانی ہی پاکستان کی حمایت میں نہیں نکلے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی، مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حکیم الامت تھانویؒ کے دوسرے سب خلفاء پاکستان کے حامی تھے دارالعلوم دیوبند کے چار بڑے عہدے داروں سرپرست[1]۔ صدر مہتمم[2]۔ صدر مدرس[3] اور مہتمم[4] میں سے تین مسلم لیگ کے ہم خیال تھے۔ سرپرست حکیم الامت حضرت تھانویؒ تھے۔ صدر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے اور مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب تھے۔ ان میں صدر مدرس مولانا حسین مدنیؒ کانگریس میں تھے اور باقی سب مسلم لیگی تھے۔"

("بیس بڑے مسلمان"، پیش لفظ صہ ۱۲)

محترم جناب مولانا عبدالرشید صاحب ارشد فرماتے ہیں کہ:۔

"پاکستان کی مخالفت میں جو لوگ علماء دیوبند کا نام لیتے ہیں ان لوگوں کو یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ پاکستان بنانے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تقریباً سبھی خلفاء قائدانہ حیثیت رکھتے تھے۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ پاکستان کی حمایت نہ کرتے تو شاید پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہی نہ ہوتا۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے بانیٔ پاکستان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ کراچی میں پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے کی۔

(بحوالہ ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر)

مولانا ارشد صاحب تاریخ دارالعلوم دیوبند کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"تحریک دیوبند میں علماء دیوبند کا کردار اپنی جگہ ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے جو کام کیا وہ تاریخ کے صفحات پر رقم ہو چکا ہے"

۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں ادارہ الرشید کی طرف سے ایک تقریب ماہنامہ الرشید" دارالعلوم دیوبند نمبر" کے افتتاح کے لئے منعقد کی گئی تھی اس تقریب میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کی خدمت میں جناب مولانا عبدالرشید ارشد صاحب نے جو سپاسنامہ پیش کیا اس کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے جو حضرت حکیم الاسلام کی تحریک پاکستان میں خدمات انجام دینے کی ایک مختصر جامع تحریر ہے۔ ارشد صاحب سپاسنامہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

" معزز مہمان! آپ کے شیخ اور سرپرست دارالعلوم دیوبند حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کے استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند، آپ کے رفیق خاص اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور آپ نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا قائدانہ ساتھ دیا جس سے پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ ورنہ شاید پاکستان کا قیام عمل میں نہ آتا"

(ماخوذ۔ ذکر طیب، بحوالہ ماہنامہ الرشید ساہیوال)

مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ

" تاریخ پاکستان میں نازک ترین دور وہ تھا جب پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن بالکل قریب آ گئے تھے۔ اور کانگریس اس الیکشن میں مسلم لیگ کو ناکام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ اس وقت حالات کتنے پریشان کن تھے۔ ان کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس

سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ جو خواجہ آشکار حسین صاحب کے اس مقالہ سے نقل کیا جاتا ہے جو انہوں نے نواب زادہ لیاقت علی خان کی برسی پر رسالہ "نقادہ" میں شائع کرایا تھا اور جسے بعد میں اخبار پیام مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء نے نقل کیا۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن میں سب سے زیادہ مقابلہ خود لیاقت علی خان کے حلقہ میں تھا۔ مقابل امیدوار محمد احمد کاظمی تھے۔ کانگریس کی جانی و مالی امداد انہیں حاصل تھی۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔ مزید برآں یہ علاقہ مولوی زادہ اور پیرزادہ سے بھرپور تھا۔ اور ان کی اکثریت مسٹر کاظمی کے ساتھ تھی لیکن مقابلہ میں لیگ کی انتخابی مشنری کا کوئی پرزہ بھی درست نہ تھا۔ لیاقت علی خان دہلی سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ انہیں پورے ملک کے انتخابات کی فکر تھی۔ اپنے حلقہ کا کیسے خیال ہوتا؟ جب حالات بدتر ہونے لگے تو انہیں سنبھالنے کے لئے علی گڑھ سے طلبا کی یلغار کی گئی۔ مجھے بھی پروفیسر حلیم نے ایک وفد کے ساتھ روانہ کیا۔ خورجہ بلند شہر، ہاپوڑ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حالات کا کہیں نام و نشان نہیں۔ آخر مظفر نگر پہنچ کر ہدایات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا وہاں بھی یہی بد حالی تھی۔ لیاقت علی خان کے منیجر سردار اکرم خان، ان کے صاحبزادے امیر اعظم خان اور طلبا علی گڑھ کے سربراہ پروفیسر عمر سب وہم بخود تھے۔ فیصلہ ہوا کہ پروفیسر عمر دہلی جا کر لیاقت علی خان کو لائیں۔ اور دوسری طرف کسی نہ کسی طرح حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فتوٰی اپنی موافقت کا حاصل کیا جائے۔ کیونکہ تنہا علامہ عثمانیؒ کی تائید اس حلقہ میں خصوصاً مظفر نگر اور سہارنپور میں ناکافی تھی۔ دیوبند جاتے ہوئے سب کو ڈر لگتا تھا قرعہ فال میرے نام پر پڑا۔ میں وہاں پہنچا۔ دو دن کی رد و قدح کے بعد میں نے فتوٰی حاصل کیا اور اسے اخبارات کو بھیج کر اور ضروریات کے مطابق پوسٹر چھپوا کر ہم سہارنپور پہنچے۔ وہاں حامیان لیگ نے کہا کہ یہاں مفتی محمد شفیع صاحب کا بھی فتوٰی ضروری ہے اس کے بغیر بھی کام نہ چلے گا۔ میں نے دیوبند جا کر مفتی صاحب کا بھی فتوٰی حاصل کیا۔ اور

سہارنپور پہنچ کر اس کی طباعت کے انتظامات کرائے۔

۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء کو پولنگ ہونے والی تھی۔ ۲۴ر نومبر کو لیاقت علی خان سہارنپور پہنچے۔ میں فوراً ڈاک بنگلے پہنچا۔ لیاقت علی خان نے مصافحہ کیا اور بغل گیر ہوئے۔ اور پھر سب سے پہلے انہوں نے مولانا قاری محمد طیب صاحب والے فتوی کی مبارک باد دی۔ میں نے فوراً مفتی محمد شفیع صاحب کا فتوی بھی پیش کر دیا جسے دیکھ کر وہ اچھل پڑے۔"

اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ کے لئے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے تائیدی فتووں اور ان علماء ربانی کی تائید و حمایت حاصل کئے بغیر یہ تاریخی الیکشن جیتنے قریباً قریباً ناممکن تھے۔ ان اکابر علماء کے فتووں اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے دوروں نے رائے عامہ کو مسلم لیگ کی تائید پر مجبور کر دیا۔ اور نواب زادہ لیاقت علی خان اپنے بے غرض اور مخلص دوستوں، ہمدردوں اور علماء کرام کی مساعی جمیلہ سے تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے کانگریس کے نمائندہ کے مقابلہ میں جیت گئے۔ یہ کانگریس کی حامی جمعیت علماء ہند کے مقابلہ میں جمعیت علماء اسلام کی پہلی شاندار کامیابی تھی۔ جو انہی دنوں تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زیر قیادت مسلم لیگ کی تائید و حمایت کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اگر جمعیت علماء اسلام کے یہ اکابر علماء ہر محاذ پر مسلم لیگ کے شانہ بشانہ کام نہ کرتے تو یہ الیکشن جیتنا آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ لیاقت علی خان نے اس عظیم الشان کامیابی پر ان حضرات علماء کرام کو مبارک باد کے تار بھیجے۔ اور بعد میں مولانا ظفر احمد عثمانی نائب صدر جمعیت علماء اسلام کے نام ایک مفصل خط شکریہ کے طور پر لکھا۔ جس میں کھلے الفاظ میں ان علماء ربانی کی خدمات کا اعتراف کیا ہے آپ نے خط میں لکھا ہے کہ:-

" اس کامیابی پر میں آپ حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں خصوصاً ان حلقہ انتخاب میں جہاں سے ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا۔ آپ حضرات نے علماء کی تحریروں اور

تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے۔ قائد ملت لیاقت علی خان کا یہ خراج تحسین ان ارباب غرض کے لئے جو آج پاکستان سے علماء کرام کا اثر رسوخ مٹانے کے لئے در پے ہیں۔ سرمۂ بصیرت اور تازیانۂ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔"

(ماخوذ از تعمیر پاکستان اور علماء ربانی)

محترم بزرگ مؤرخ جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب مدظلہ، اس سلسلہ میں اپنی تالیف "معماران پاکستان" میں لکھتے ہیں کہ:-

"پاکستان کے نام پر جو پہلا الیکشن نومبر ۱۹۴۵ء میں لڑا گیا تھا اگر اس الیکشن کے لئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ خود باہر نہ نکلتے۔ اور۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا قاری محمد طیب اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ جو لیاقت علی خان کے حلقہ انتخاب سہارنپور، دیوبند، مظفر نگر، بلند شہر اور ڈیرہ دون وغیرہ کے بے تاج بادشاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیاقت علی خان کی پشت پناہی نہ کرتے تو کانگریس مسلم لیگ کو برلوں، ٹاٹاؤں کے روپوں اور دوسری مسلم جماعتوں کے تعاون سے شکست فاش دینے میں کامیاب ہو جاتی۔ ان حضرات کے فتووں اور تقریروں سے نواب زادہ لیاقت علی خان تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے یہ الیکشن جیت گئے۔ اور مسلم لیگ کو بے نظیر اور جمعیت علماء اسلام کو پہلی تاریخی فتح نصیب ہوئی جس پر سب سے پہلے نواب زادہ لیاقت علی خان نے ان حضرات کو مبارک بادی کا تار دیا اور پھر مفصل خط حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے نام ارسال کیا جس میں ان حضرات کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور خدمات جلیلہ کا کھلا اعتراف کیا ہے۔

بہر حال ان حضرات کے لئے یہ حقائق سرمۂ بصیرت کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں علماء ربانی کے اظہر من الشمس کارناموں پر ڈھول ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

(معماران پاکستان صہ ۴۳۳)

حضرت مولانا سید عبدالقادر آزاد صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"برصغیر میں مسلمانوں نے جب اپنے حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا اور قائدِ اعظم مرحوم کی قیادت میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی قیادت کا بیڑہ اٹھایا تو اس وقت جن علماء کرام نے مسلمانوں کی اس نمائندہ جماعت کا ساتھ دیا اور اپنی خدمات ان کے سپرد کیں۔ ان میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دوسرے تمام خلفاء و مجازین شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور دیگر اکابر دیوبند کے اسماء گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان علماء دیوبند نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور پاکستان کے پرجوش حامی رہے۔ اور کانگریس کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ پاکستان کا وجود انہی حضرات کا مرہونِ منت ہے۔ اگر یہ حضرات پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد نہ کرتے تو پاکستان کا قیام بہت مشکل تھا۔"

(ذکرِ طیب صہ ۲۷۴)

آزادیٔ ہند کے موقع پر حکیم الاسلام کا خطاب

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں علماء کرام کو جو مقام حاصل رہا ہے اس میں کوئی مقابل جماعت ان کی حریف نہیں کہی جاسکتی سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ شورش انقلاب کے بعد صرف یہی ایک جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو ملک میں زندہ رکھا اس کی مسلسل جدوجہد نے بالآخر پورے ملک میں آزادی کی روح پھونک دی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس تصور کے سب سے بڑے داعی اور اس تحریک کے سب سے بڑے مبلغ تھے انہوں نے جس سرگرمی کے ساتھ اس تصور کو پروان چڑھایا افسوس ہے کہ جنگِ آزادی کی تاریخ لکھنے والوں نے اس بارے میں انصاف سے کام نہیں لیا ہے

ہندوستان کی آزادی کے موقع پر حضرت نانوتویؒ کی تیار کی ہوئی جماعت کو جس قدر مسرت ہونی چاہیئے تھی اس کا اندازہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس تقریر سے ہوسکتا ہے جو حضرت ممدوح نے جشن آزادی کے موقع پر ۱۵ / ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب میں طلبائے دارالعلوم اور اہل شہر کے مجمع میں فرمائی تھی۔ چونکہ اس تقریر سے آزادی کی جدوجہد میں علماء دیوبند کی خدمات کی تاریخ پر فی الجملہ روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے تقریر کا بجنسہ پیش کر دینا مناسب ہوگا۔ حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا :۔

" بزرگانِ ملت، علماءِ کرام اور عزیز طلبائے دارالعلوم!

آج کا مبارک دن ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ایک عظیم الشان سلطنت جس کے متعلق مسلّم تھا کہ اس میں کسی وقت آفتاب غروب نہیں ہوتا اور جس کے بارے میں خود اس سلطنت کے ایک مغرور اور متکبر نمائندے گلیڈاسٹون نے پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ ہماری سلطنت آج اس قدر طاقت ور ہے کہ اگر آسمان بھی اس پر گرنا چاہے تو ہم اسے بھی اپنی سنگینوں کی نوک پر روک لیں گے۔ اور وہ ہماری سلطنت کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ وہی سلطنت آسمان کے گرنے سے نہیں محض زمین کے چند ذرّوں کے اڑنے سے اس سہولت سے ختم ہورہی ہے کہ تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی، ہم اس انقلاب پر پورے ملک کو مبارک باد دیتے ہیں پورا ملک عموماً اور خصوصیت سے وہ جوان اور بوڑھے اس مبارک باد کے مستحق ہیں جن کی قربانیوں اور مساعی نے یہ شیریں ثمر ہندوستان کے سامنے لا رکھا۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر ہم ان اکابرِ ملت کی مساعی کا تذکرہ نہ کریں جنہوں نے حقیقتاً اس آزادی کا سنگِ بنیاد رکھا اور اس وقت رکھا جب آزادی کے تصور سے بھی اس ملک کے دل و دماغ خالی تھے۔ یہ شاہ ولی اللہؒ کے جانباز شاگردوں کی مجاہد جماعت ہے جو دو سو برس سے اس سعی میں نہ صرف قلم اور روشنائی سے بلکہ شمشیر اور خون سے اس کی

راہ نوردی کر رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی اقتدار مکمل ہو کر پوری طرح اس ملک پر چھا گیا تو صرف یہی ایک جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو اس ملک میں زندہ رکھا اور بالآخر اس تصور کا سب کو دیوانہ بنا کر چھوڑا۔ ۱۸۵۷ء میں بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بقول حضرت مولانا گنگوہیؒ، اس تصور کے سب سے بڑے حامل اور اس جوش کے سب سے بڑے امین تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی قیادت میں تلوار اٹھائی اور آزادی کی راہ میں سرفروشی کے ساتھ میدان میں اترے۔ لیکن راہ کی مشکلات کے باعث فتح کا سلسلہ شاملی کی تحصیل تک رہ گیا۔ اور دہلی کے تخت تک نہ پہنچ سکا۔ اور ملک آزادی سے محروم رہ گیا۔ لیکن یہ جماعت اپنے تصوّر سے غافل نہ ہوئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیا سے گئے تو ان کے صحیح اور سچے جانشین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے جو ان کے علم اور نظریات کے جائز وارث تھے اس پوری جماعت کے ساتھ تحریک آزادی کو جاری رکھا۔ مدینہ کے گورنر جمال پاشا کے قول کے مطابق الشیخ الہند کی مٹھی بھر ہڈیوں اور مختصر سے جثّے میں کیا کرامت رکھی ہوئی تھی کہ اس نے پوری دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔"

بہر حال ان بزرگوں کا جذبہ انگریزوں کے اقتدار کے خلاف نہ جاہ و منصب کے لئے تھا۔ نہ وزارت کی کرسیوں کے لئے تھا نہ کسی ایک پارٹی کے اقتدار کے لئے تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ جابر قوم کی گرفت سے مظلوم ملک کو نکالا جائے اور حق بحقدار کے طور پر جس کی امانت ہو اسے سپرد کیا جائے۔ جس سے حق کا کلمہ بلند ہو۔ ان بزرگوں کا سب سے بڑا مشغلہ ذکر و فکر ہر وقت رہتا تھا کہ انگریزوں کا جوا کس طرح کندھوں سے اتارا جائے اسی کے بارے میں پیشین گوئیاں اور مکاشفات تھے اور اسی کے بارے میں عام نظم اور انتظام، ایک دن چھتّے کی مسجد میں سب بزرگ جمع تھے۔ انگریزوں کے تسلط اور غیر معقول

طاقت کو دیکھ کر حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ نے فرمایا کہ:-

"انگریزوں نے گھر سے پنجے جمائے ہیں، دیکھئے کس طرح اکھڑیں گے"۔

اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شیخ الحدیث تھے فرمایا:-

"حاجی صاحب! آپ کس خیال میں ہیں وہ وقت دور نہیں جب کہ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا، کوئی جنگ نہ ہوگی بلکہ بحالت امن وسکون یہ ملک صف کی طرح پلٹ جائے گا رات کو سوئیں گے ان کی عملداری میں اور صبح کریں گے دوسری عملداری میں"

میں آج کے جانبازوں کی ناقدری نہیں کرتا لیکن اس سے کسی حالت میں بھی ہٹ نہیں سکتا۔ کہ آج آزادی کی تمام مساعی ایک عمارت ہے جس کی بنیاد یہ بزرگ رکھ گئے تھے۔ اور اس لئے میں ببانگ دہل کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی کی یہ جدوجہد صرف مسلمانوں نے شروع کی اور انہوں نے ہی اسے پروان چڑھایا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس فتویٰ کو استعمال کیا اور اس نسخۂ شفار کو خاص ترکیب سے پیا اور پلایا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اسی نسخے کو معجونِ مرکب کی صورت میں کیا اور اس قابل کر دیا کہ ہر کس وناکس اسے استعمال کر سکے۔ چنانچہ وہ استعمال شروع ہو کر عام ہو گیا۔ تحریک خلافت میں بھی نسخہ گو تلخ تھا مگر سب نے استعمال کیا اور بہرحال عام استعمال شروع ہو کر آزادی کا جذبہ مسلمانوں سے گزر کر ابنائے وطن تک پہنچا۔ وہ بھی سرگرم ہو گئے تھے۔ مگر آج دراصل مسلمانوں کی انتھک مساعی اور قربانیوں کا ثمرۂ شیریں ملک کی آزادی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس پر ہم تمام مسلمانوں کو مبارکباد دیتے ہیں اور ان بزرگانِ مرحومین کے لئے دعائے خیر کرتے رہیں جن کی تخم ریزی سے یہ درخت تناور ہوا۔ اور آج اس کا پھل سب کھا رہے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی تمام دنیائے اسلام کی آزادی ہے۔ اس لئے ہماری

مبارک باد کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہے۔ ہماری مبارک باد کی مستحق ہندوستان و پاکستان دونوں سلطنتیں ہیں۔ ہم پاکستان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور ہندوستان کو وطن ہونے کی حیثیت سے مبارک باد دیتے ہیں۔ میں اس تصور کو بھی ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان میں اب مسلمان ایک معمولی اقلیت میں رہ گئے ہیں اور آج کی آزادی میں جہاں ان کے لئے یہ انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ انگریز کا دوسو سالہ اقتدار ختم ہو گیا جس کے لئے وہ بے چین تھے وہیں اس فکر کا موقع بھی ہے کہ اب ان کی حیاتِ اجتماعی کی اس ملک میں کیا صورت ہو گی؟ اس کے لئے انہیں ابھی سے قدم اٹھانا چاہئے۔ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے شرعی نظام کو قائم کرنے کے لئے اپنے میں سے کسی امام اور متدین امیر کا انتخاب کریں۔ ہندوستان کی مسلم جماعتیں منتشر رہنے کی بجائے متحد ہوں۔ ایک ہو جائیں اور اسلام کے کلمے پر ایک ہوں۔ ایک امیر کے ماتحت شرعی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کریں۔ اسی ایک جملے میں ان کی حیاتِ اجتماعی کی لمبی چوڑی تفسیر پنہاں ہے ان کے لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ ماضی کے واقعات فراموش کر دئے جائیں۔ ہم طعن و طنز کا سلسلہ ترک کریں ایک دوسرے پر الزام رکھنے کی فکر نہ کریں بلکہ صرف مستقبل کو سامنے رکھ کر اس پر غور کریں کہ متحد ہونے کے لئے اخوت و مساوات کی کیا تدابیر ہو سکتی ہیں جن کو وہ آج عمل میں لا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں پہلے سے زیادہ اب اس کے امکانات ہیں کہ ہم متحد ہو سکیں۔ وہ پارٹیاں جن پر آویزشوں کی بنیادیں ہیں اس انقلاب سے منقلب ہو چکی ہیں اور حقیقتاً ہندوستان کے بدلنے سے وہ بھی بدل گئی ہیں۔ اس لئے اب بجائے اس کے ہم نئی پارٹیوں کی بنیادیں رکھ کر اختلافات کی تخم ریزی کریں یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وحدتِ جماعت کا سنگِ بنیاد رکھ کر ان تمام مسائل کو حل کریں جو نئے ہندوستان میں پیدا ہو گئے ہیں۔"

(رسالہ دارالعلوم بابت ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ م اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اس موقع پر دارالعلوم دیوبند کی جانب سے حسبِ ذیل اعلان بھی شائع کیا گیا۔

" دارالعلوم دیوبند مسلمانوں کی ایک مذہبی درسگاہ اور ایک عظیم الشان علمی ادارہ ہے جس نے ملکی سیاسیات کے ہنگاموں میں بھی اپنی تعلیم اور تعلیمی کاموں کی ہمیشہ حفاظت کی ہے۔ اور تعلیمی سلسلوں میں کسی وقتی تحریک سے مغلوب ہو کر کبھی خلل نہیں پڑنے دیا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے برطانوی غلبہ و اقتدار کی مخالفت کی حد تک کبھی اپنی قوم اور قومی تحریکات سے بیگانگی نہیں برتی۔ بلکہ ذمہ دارانہ طریق پر اس قسم کے قومی معاملات میں مناسب حصہ لیا۔ ہندوستان کی وطنی آزادی کا واقعہ اور برطانوی سامراج کے استیلاء و تسلط سے اس کی نجات کا پہلا قدم کوئی ایسی چیز نہیں کہ دارالعلوم سے الگ رہ سکے۔ دارالعلوم وطن کی آزادی پر نہ صرف مسرور رہی ہے بلکہ اسے مستقبل کی حقیقی آزادی کے لئے فال نیک تصور کر رہا ہے اور آئندہ کی بہت سی مسرتوں کا پیش خیمہ بھی رہا ہے۔ اس لئے ہندوستان کے اس ابتدائی آزادی کے واقعے اور انتہائی آزادی کی پوری توقع پر اظہار مسرت کرنے کے لئے طے کیا ہے کہ ۱۵ اگست کو عام تعطیل منائی جائے۔ چنانچہ تعطیل کے ذریعے ملک کی اس عام مسرت میں دارالعلوم شریک ہے۔ ہندوستان دو سو سالہ دورِ غلامی کے بعد آج آزادی کی پہلی قسط حاصل کر رہا ہے۔ ہم ان تمام دوست افراد کو جنہوں نے ملک کی آزادی کی خاطر قربانیاں دی ہیں مبارک باد دیتے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ نے ان کی مساعی کو قبول فرما کر آزادی کی دولت سے بہرہ ور فرمایا۔

ہمیں امید ہے کہ ملک کے یہ جانباز اس وقت تک برابر جد و جہد کو جاری رکھیں گے جب تک کہ ہندوستان مکمل آزادی حاصل نہ کرلے۔ اور انہیں آزادی کے ساتھ اپنے تمام شعائر ملّی و مذہبی کو بلند کرنے کا موقع حاصل نہ ہو جائے۔"

(ماخوذ از تاریخ دارالعلوم دیوبند صہ ۱۱۰ تا ۱۱۲)

دستوری مسائل میں حکومت پاکستان کی رہنمائی

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے لئے پاکستان کوئی اجنبی اور نیا ملک نہیں تھا۔ انہوں نے تو اس کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ اور وہ اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اپنے استاذِ مکرم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ہم عصر علماء کرام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ اور حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ اور دیگر علماء کی طرح قیام پاکستان کے لئے کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان میں بڑی سرگرمی سے عملی حصہ لیا۔ پاکستان کے حق میں فتویٰ دیا۔ کانگریس کی ڈٹ کر مخالفت کی اور دو قومی نظریہ کی بھرپور تائید و حمایت کی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ ہجرت کر کے پاکستان ہی میں مستقل قیام کے آرزومند تھے مگر دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم علمی درسگاہ جو ان کے آباء و اجداد کی ایک عظیم یادگار تھی اس کی خدمت کے لئے مجبوراً دیوبند ہی میں مقیم رہے۔ لیکن آپ کے بہت سے عزیز و اقارب پاکستان ہی میں موجود ہیں یہ ان کا اپنا وطن اور اپنا گھر تھا۔ وہ یہاں متعدد بار تشریف لائے خاص طور پر اپنے رفیقِ خاص مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہاں دارالعلوم کراچی۔ حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحبؒ کے مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے مدرسہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسوں میں اکثر شرکت فرماتے رہتے تھے۔ یہاں ان کے ہزاروں تلامذہ و مریدین موجود ہیں۔ اور ان مذکورہ بالا حضرات علماء کرام سے آپ کے بڑے گہرے روابط تھے۔ یہ سب حضرات آپ کے ہم مسلک و ہم مشرب تھے۔ ایک ہی شیخ حضرت تھانویؒ کے سب فیض یافتہ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ حضرات یہاں اسلامی نظام کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ اور اس سرزمین پاکستان پر اسلام کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے ان حضرات علماء نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ "قرارداد

مقاصد" کی منظوری اور ۲۲ نکات پر ہر مکتب فکر کے علمار کا اتفاق کرانا انہی علمار کرام کے وہ قابل قدر کارنامے ہیں جن پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ اسلامی نظام کے بارے میں پاکستانی علمار نے جتنی بھی سعی و کاوش کی ہے خاص مسائل میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سے بھی بذریعہ خط و کتابت مشورہ در رائے لیتے رہتے تھے ۱۹۵۶ء کا دستور بھی انہی علمار کی جدوجہد کا نتیجہ تھا مگر یہاں کا مفاد پرست طبقہ اور لادینی نظریات رکھنے والے ہمیشہ اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے۔ ارباب حکومت نے قائد اعظم اور لیاقت علی خان کے بعد اس طرف توجہ نہیں دی اور اسلامی نظام کے نفاذ میں ٹال مٹول سے کام لیتے رہے۔ اس سلسلے میں جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب فرماتے ہیں کہ:

.. ابتدار میں میجر جنرل سکندر مرزا اسلامی آئین کے قائل نہ تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اخبار "تنویر" لکھنؤ کے نامہ نگار کو جو بیان دیا تھا اس پر ہندو پاکستان میں پُرزور احتجاج کیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۵۵ء میں فخر العلمار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے۔ اور کراچی میں ایک عشائیہ کی تقریب پر حسنِ اتفاق سے ان کی میجر جنرل سکندر مرزا سے ملاقات ہوگئی۔ میجر صاحب نے اسلامی آئین کے بارہ میں چند اشکالات حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے سامنے پیش کیے۔ تو انہوں نے ان کے اشکالات کا ایسا کافی و افی مدلل اور مؤثر جواب دیا کہ میجر صاحب بے ناباتہ کہہ اٹھے کہ اگر واقعی اسلام کے بنیادی اصول یہی ہیں تو ہم انہیں ہر قیمت پر منظور اور نافذ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ قرآن کی رو سے اسلامی دستور صرف ۱۷ - ۱۸ دفعات پر مشتمل ہے باقی سب بائی لاز یا رولز ہیں جن کو لوگ غلط فہمی سے اسلامی آئین سمجھ رہے ہیں۔ اس پر میجر صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ہندوستان واپس جانے کا ارادہ منسوخ کرکے یہاں رہیں اور اسلامی آئین مرتب کرنے میں ہماری مدد اور رہنمائی کریں۔

مگر دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داریوں کی وجہ سے حضرت قاری صاحب میجر جنرل سکندر مرزا کے اصرار کے باوجود یہاں ٹھہرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور فرمایا یہاں اس سلسلہ میں اعانت کے لئے دوسرے حضرات علماء موجود ہیں۔ بہر حال فخر العلماء حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ایک ہی ملاقات نے اس اہم مسئلہ کے متعلق میجر صاحب کی تمام غلط فہمیاں دور کر دیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میجر صاحب جو پہلے اسلامی دستور کے قائل ہی نہ تھے۔ پھر اسلامی دستور جلد از جلد پاس کرانے میں بڑی دلچسپی لیتے رہے اور بالآخر مورخہ ۱۲ر مارچ ۱۹۵۶ء کو انہوں نے ایک شاندار اور پُروقار تقریب میں آئینی بل پر اپنے دستخط اور مہرِ تصدیق ثبت کر کے اسے قانونی شکل دے دی اور میجر صاحب کی اس شاندار خدمات پاکستان کے اعتراف کے طور پر انہیں بلا مقابلہ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔"

(تعمیر پاکستان اور علماء ربانی صـ ۲۷۷)

شرف سعادت اسلامی آئین کے سلسلہ میں جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے پہلے صدر میجر جنرل سکندر مرزا کی غلط فہمی دور کرنے کی سعادت بھی دربار اشرفیہ کے ایک خادم حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا قاری محمد طیب کو ہی نصیب ہوئی۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مفکر پاکستان حضرت تھانویؒ کے فیض سے اب تک پاکستان اور اربابِ پاکستان فیض یاب ہو رہے ہیں اور جناب سکندر مرزا بھی مستحق تحسین ہیں کہ انہوں نے صحیح بات سمجھ میں آجانے کے بعد بلا تامل اپنا نظریہ بدل لیا۔ جو ان کی سلیم الفطرتی پر دال ہے۔ اسی لئے حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ انگریزی خوانوں کی گفتگو میں مزہ آتا ہے۔ کیونکہ یہ سمجھ میں آنے سے بات مان لیتے ہیں۔"

(کمالات اشرفیہ صـ ۳۳۹)

نوٹ:- حضرت حکیم الاسلام کی علمی، تبلیغی اور دیگر دینی خدمات جلیلہ سے واقفیت کے لئے احقر کی کتاب "ذکر طیب" مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، ملاحظہ فرمائیے۔

بدر العلماء حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی

آپ کا اصلی وطن میرٹھ تھا اور آپ ایک نہایت شریف سید گھرانے کے چشم و چراغ تھے ۱۳۱۶ھ میں شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حاجی تہور علی صاحب محکمہ پولیس میں انسپکٹر تھے بڑے عابد و زاہد تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم الہ آباد کے انگریزی اسکول میں پائی۔ دورانِ تعلیم حکیم الامت حضرت تھانوی رح کا وعظ سنا تو آپ کو علوم دینیہ کا شوق پیدا ہوا۔ اور ۱۳۳۰ھ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خدمت میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا جہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ۔ حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے تمام علوم دینیہ کی تکمیل کی اور ۱۳۳۷ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغ حاصل کی۔ پھر وہاں ہی ۱۳۳۷ھ میں معین مدرس مقرر ہو گئے۔ مگر جلد ہی مدرسی چھوڑ کر مکرر دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور ۱۳۳۹ھ میں دورۂ حدیث میں شریک ہو کر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔ حضرت

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اور سند الفراغ حاصل کی۔

علمی و تدریسی خدمات فراغت تعلیم کے بعد آپ ۱۳۴۰ھ میں اپنے اساتذہ کے پہلو بہ پہلو دارالعلوم دیوبند ہی میں مسندِ تدریس پر فائز ہوئے اور ۱۳۴۶ھ کے وسط میں اپنے اساتذہ حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ وہاں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ پانچ سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علمِ حدیث کی خدمات انجام دیں۔ آخر میں صدر مدرس منتخب ہوئے۔ پھر صحت کی خرابی کی وجہ سے ڈابھیل سے بہاولپور چلے آئے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کی وفات کے بعد آپ نے اپنے استاذ کے علوم و معارف کو "فیض الباری علی صحیح البخاری" کے نام سے چار جلدوں میں مرتب فرمایا۔ جس میں اپنے استاذ حضرت شاہ صاحب کی نادر علمی تحقیقات اور تفردات کو پیش کر کے آپ نے ایک عظیم الشان علمی کارنامہ انجام دیا ہے۔

۱۳۶۲ھ میں آپ ندوۃ المصنفین دہلی سے وابستہ ہو گئے۔ جہاں آپ کو ترجمان السنۃ کے نام سے اردو زبان میں حدیث کی ایک جامع کتاب کی ترتیب کا کام سپرد ہوا۔ جسے آپ نے بڑی شان سے شروع فرمایا چار جلدیں لکھ چکے تھے کہ حیاتِ مستعار کی مدت پوری ہو گئی۔

آپ نے ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ اور یہاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے قائم کردہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر استاذِ حدیث اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے اور تقریباً پانچ چھ سال تک اسی خدمت پر مامور رہے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت کر کے مستقل وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ جہاں آخر تک درس حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے اور سینکڑوں

طالبانِ علم کو اپنے فیضِ علمی و روحانی سے مستفید کیا۔

حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ آپ کی علمی، تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ ممتاز علماء دیوبند میں سے تھے وہ ایک قابل ترین مدرس، فاضل مقرر، کامیاب و مقبول مصنف تھے۔ اردو اعربی کے ادیب و شاعر تھے موثر اسلوب و شگفتہ طرزِ ادا کے مالک تھے۔ عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں جو ان کی نوکِ زبان سے بکھرتی تھیں۔ مؤثر تعبیر دلنشیں طرز ادا ان کی خصوصیت تھی۔ صدق و صفا کے مجسمہ تھے۔ ۱۳۴۷ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی ساتھ دارالعلوم دیوبند میں منصب تبلیغ و تدریس پر فائز رہے۔ اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر بخصوصاً رد قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی۔ اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے ۱۳۴۸ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں امام العصر علامہ انور شاہ صاحب کے قافلہ کے ہم رکاب بنے۔ اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا۔ اسی دور میں دیوبند کے "مہاجر" اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے۔ ڈابھیل کے بعد بہاولپور اور بہاولنگر آپ کا مرکز فیض رہا۔ اور آخر میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ میں استاذِ حدیث اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوگئے۔ عرصہ سے مدینہ منورہ کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی۔ اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ چنانچہ " البدر الساری تعلیقات فیض الباری " میں انتہائی والہانہ اور حسرت انگیز انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا۔ رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفرازی ہوئی اور نالہائے سحر رنگ لائے۔ اور جوارِ حبیب

رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے تصور سے بالا تر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی اور ۲ ۷ ۱۳ ھ میں مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ خاک پاک مدینہ نے اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر وشکر کے وہ قابل رشک مظاہر و آثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے۔

"فیض الباری شرح بخاری" چار ضخیم جلدوں میں جو حضرت امام العصر کشمیریؒ کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے۔ یہ عربی میں ہے اور "ترجمان السنۃ" اردو میں خدمتِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم ودین کے طبقہ میں منبع فیض بنے رہیں گے۔ "جواہر الحکم" کے نام احادیث نبویہ کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اور اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دلنشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے۔ تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کی شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان کے علاوہ "نزول عیسیٰ" "زبدۃ المناسک"، "آوازِ حق"، "ترجمہ حزب الاعظم"، "شانِ حضور"، "قسمت کا ستارہ" اور مجوب الارشاد وغیرہ تالیفات آپ کے قلم فیض رقم سے نکلیں۔ ان علمی خدمات کے ساتھ ساتھ پاک وہند اور جنوبی افریقہ کے ہزاروں بندگان خدا کی تربیت وتزکیہ اور ظاہری وباطنی اصلاح کی۔ اور یوم جمعہ ۳ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ کو واصل بحق ہو گئے۔"

(ماہنامہ بینات کراچی)

اہل باطل کے خلاف تحریری وتقریری جہاد

اس سلسلے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"دارالعلوم دیوبند کے اس دور کا نقشہ آنکھوں میں اب تک پھر رہا ہے جب

۱۳۴۷ھ میں ہم چند نوعمروں کو بیک وقت دارالعلوم دیوبند میں خدمتِ درس و تدریس سپرد کی گئی۔ ان میں حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ ہو کر دوبارہ دورۂ حدیث کے لئے حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب صدر مدرس دارالعلوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس طرح مکرر دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر تدریس پر مامور ہوئے۔ دوسرے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں درس و تدریس کی خدمت پر مامور کئے گئے۔ اسی طرح احقر کو بھی مستقلاً درس و تدریس کی خدمت پر مامور کیا گیا ہم اس وقت تینوں نوعمر بچے تھے۔ جن کو اکابر اساتذہ ہی کی خدمت میں رہ کر تعلیمی خدمات انجام دینے کا موقع حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ ان حضرات اکابر نے ہم تینوں نوعمروں میں درس و تدریس کی خدمات کے ساتھ مسائل کی تحقیق اور علمی بحث و مباحثہ اور تصنیف و تالیف کا بھی ذوق پیدا کیا۔ خصوصاً ۱۳۴۰ھ میں قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا اور ان لوگوں کو یہ جرأت ہونے لگی کہ علماء کو مناظرہ اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے۔ اس نے سنی علماء کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف متوجہ کیا۔ خصوصاً حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے قلب مبارک میں اس کا اہتمام اس شان سے پیدا ہوا کہ جیسے کوئی مامور من اللہ کسی خاص خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت درس و تدریس کے بعد حضرت استاذ علیہ الرحمۃ کے تمام اوقات اسی فتنے کی روک تھام و انسداد پر خرچ ہونے لگے۔ حضرت نے ہم تینوں نوعمر مدرسوں کو اس کام پر لگایا کہ عقائد اسلامیہ کے خلاف تمام مسائل میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کیا جائے۔ مسئلہ ختم نبوت پر لکھنے کے لئے احقر کو مامور کیا۔ اور نزول مسیح علیہ السلام وغیرہ کے مسائل کا کام مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے سپرد فرمایا۔ نسبت سے پہلے ہم تینوں میں وجہ ربط و ارتباط کا یہ سلسلہ بنا۔ احقر نے حضرت استاذ

محترم علامہ کشمیریؒ کی ہدایات کے مطابق پہلے عربی زبان میں مسئلہ ختم نبوت کی تحقیق پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام حضرت نے "ہدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین" رکھا۔ اس کو عربی زبان میں لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ عرب و بغداد وغیرہ ممالک عربیہ سے ایسی خبریں آتی تھیں کہ وہاں بھی ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اس طرح کی تلبیس پھیلائی۔ پھر مزید تفصیل کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کو اردو زبان میں تین حصوں میں لکھا مولانا سید بدر عالم صاحبؒ نے "احکام التفصیح فی نزول المسیح" کے نام سے ایک قابل قدر تصنیف تالیف فرمائی۔ مولانا محمد ادریس صاحبؒ نے کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ" کے نام سے اس موضوع پر بہترین کتاب لکھی یہ سب کتابیں اس زمانے میں چھپ کر شائع ہوئیں۔

اسی زمانے میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاذ محترم حضرت شاہ صاحب فرما رہے تھے عام مسلمانوں میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا۔ اس دورے میں بھی ہم تینوں مولانا بدر عالم صاحب۔ مولانا محمد ادریس صاحب اور راحقر کو حضرت کا ہم سفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں یہ تجویز ہوا کہ سالانہ ایک جلسہ خود قادیان میں منعقد کیا جائے جس میں مرزا کے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے۔ ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک ہونے کا موقعہ ملا۔

فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا، تو ان کے مناظرہ کے لئے دارالعلوم کی طرف سے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیق سفر رہے۔ بعد میں خود حضرت علامہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی پہنچ گئے اور یہ تاریخی مناظرہ تین روز جاری رہا۔ حضرت الاستاذ شاہ صاحبؒ کی خاص توجہ اور مسلسل کوشش نے چند سال میں ایسا کر دیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانی

نے دم توڑ دیا۔ اور یہ لوگ مناظرہ ومباہلہ کا نام چھوڑ کر زیر زمین سازشوں میں مشغول ہو گئے۔

ماہنامہ البلاغ شعبان ۹۴ھ

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

عیسائی قادیانی، پرویزی اور اسی طرح کے باطل نظریات کے رد کی سعادت نوجوانی ہی سے جن علماء کو نصیب ہوئی ان میں والد محترم مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی کے اسماء گرامی خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ حضرات ان فتنوں کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ اور آخر دم تک تحریر و تقریر کے ذریعے ان فتنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

۱۹۲۱ء میں جب یہ تینوں حضرات دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے مقرر کئے گئے تو قادیانی فتنہ اس وقت اپنی زندگی کے ابتدائی مگر خطرناک امراض میں داخل ہو چکا تھا۔ برصغیر کے سبھی علماء اس فتنۂ ارتداد کے مقابلے اور سدّباب کے لئے ڈٹے ہوتے تھے۔ ہر طرف تحریر و تقریر اور مناظروں کا ہنگامہ بپا تھا۔ عیسائی حکومت برسراقتدار تھی۔ اور وہ بھی ایسی حکومت جس کی قادیانیوں کو مکمل حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ ایسے خطرناک موقعہ پر ان علماء حق نے قادیانیوں سے مناظرے کئے اور امت مسلمہ کو اس فتنے سے بچانے کے لئے اپنی تمام تر علمی فکری اور عملی صلاحیتوں سے خوب کام لیا۔ اسی طرح یہ حضرات زندگی بھر عیسائیوں کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ اور عیسائیوں کے مقابلے کے رد میں کتابیں لکھیں۔

والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے "کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ" اور مولانا سید بدر عالم صاحب نے نزول عیسیٰ علیہ السلام، جیسی بڑی معرکۃ الآراء کتابیں لکھیں جو قادیانیوں اور عیسائیوں کے لئے ایٹم بم ثابت ہوئیں۔ جس طرح ان حضرات نے قادیانیوں اور عیسائیوں کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔

اسی طرح سے دہریت اور فتنہ انکارِ حدیث کے خلاف بھی جہاد کرتے رہے حق تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائے۔"

(سیرت بدر عالمؒ ص ۲۶، ۲۷)

قیام پاکستان کی تحریک سے وابستگی | اکابر دیوبند میں جن بزرگوں نے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں سب سے قوی اور اہم آواز بلند کی وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صدرِ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی آواز تھی اور حکیم الامت تھانوی نے تو حصول ولقائے پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا نقشہ اس وقت پیش کیا جب پاکستان چاہنے والوں کو اس کا خواب وخیال بھی نہ تھا۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے دل ودماغ پر مسلمانوں کے زوال کا بہت اثر تھا اور یہ حضرات ہمہ وقت اسی فکر میں غلطاں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو اس زوال سے کیونکر نکالا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حکومتِ الٰہیہ کا تصور پیش کر چکے تھے اور اب ضرورت تھی کہ اس تصور کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے ان دونوں حضراتِ اکابر دیوبند نے مسلم لیگ کے پروگرام کی حمایت کی۔ اور اسی لئے ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت ثابت کرنے کے لئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کانگریس کا سخت مقابلہ کر کے قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت کو عملی جامہ پہنانے کا تاریخی کارنامہ سرانجام دیا اور علامہ عثمانی ہی کی کوششوں سے لیاقت علی خان الیکشن میں کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں کامیابی بھی علامہ عثمانی اور ان کے رفقاء کا عظیم کارنامہ ہے۔

اس ضمن میں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ تحریکِ پاکستان میں حضرت حکیم الامت

تھانوی اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی رح کے ساتھ ساتھ ان کے بے شمار تلامذہ اور خلفاء نے بھی شب و روز کام کیا تھا۔ یہ تلامذہ اور خلفاء و متعلقین برصغیر پاک و ہند کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے تھے ان سب کا نام بنام تذکرہ کیا جائے تو بلاشبہ ایک عظیم دفتر مرتب ہو سکتا ہے۔ ہم نے اپنی اس زیر نظر کتاب میں حضرت حکیم الامت تھانوی اور حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے ساتھ ساتھ ان کے چند ممتاز تلامذہ اور خلفاء کا تذکرہ بھی کیا ہے جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر عملی حصہ لیا تھا اور جنہوں نے برصغیر کے دینی و علمی حلقوں میں بلکہ تمام عالم اسلام میں نام پیدا کیا تھا۔ ان حضرات میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رح، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح، حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی رح، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رح، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رح، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی رح، حضرت مولانا شمس الحق فغانی رح اور حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی رح کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان حضرات کی علمی، دینی، تبلیغی اور سیاسی خدمات جلیلہ پر پوری امت اسلامیہ کو ناز ہے۔

الغرض حکیم الامت اور حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ ساتھ اُن کے ان مذکورہ بالا حضرات تلامذہ و خلفاء (جن کی مساعی تحریک پاکستان کے سلسلہ میں اتنی وقیع اور گراں بہا ہیں) کا تذکرہ کئے بغیر کوئی مورخ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور ان کے ممتاز تلامذہ کی تحریک پاکستان میں خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا سید عبدالقادر آزاد فرماتے ہیں کہ:۔

پاکستان کا اولین نقشہ پیش کرنے والے بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سرپرست دارالعلوم دیوبند ہیں اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کو تحریک پاکستان کے نام میں لگانے والے حضرت تھانوی ہیں۔ جب ۲۹ مئی ۱۹۴۶ء کو پنڈت جواہر لال نہرو

نے یہ کہا کہ ہندوستان میں صرف دو قومیں ہیں ایک انگریز اور ایک کانگریس۔

اس وقت حکیم الامت نے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کی اعانت کرنی ہے چونکہ قائدِ اعظم نے پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں فرمایا تھا۔ کہ صرف کانگریس اور انگریز فریق نہیں ہیں بلکہ تیسرا فریق بھی موجود ہے جو مسلمان ہیں۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے اپنے تمام شاگردوں، مریدوں اور خلفاء کو حکم دیا کہ اب ہمیں مسلم لیگ کے ساتھ تعاون بھی کرنا چاہئیے۔ اور مسلم لیگی زعماء کی تربیت بھی کرنا چاہئیے۔ تاکہ پاکستان کو شریعتِ مقدسہ کے مطابق جو حضرت قائد اعظم فرماتے ہیں کہ:۔

" ہمارا کلچر، ہمارا دین ہندوؤں سے علیحدہ ہے اور ہم ایک خطہ زمین چاہتے ہیں جس میں ہم شریعتِ اسلامی کو نافذ کر سکیں "

چنانچہ حضرت تھانوی نے قائدِ اعظم کی خدمت میں بھیجنے کے لئے پہلا وفد تشکیل فرمایا جس کی قیادت علامہ شبیر احمد عثمانی کو دی لیکن علامہ مرحوم اس وقت بیمار ہوگئے جس کی وجہ سے وہ وفد کے ساتھ نہ جاسکے۔ وہ وفد بھی بعد میں نہ جاسکا۔ دوسرے وفد کی بھی یہی صورت تھی لیکن حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کو قائد بنا کر بھیجا گیا۔ چونکہ علامہ عثمانی کی بیماری طوالت پکڑ گئی۔ پھر ۱۹۴۷ء سے پہلے پہلے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تقریباً بارہ وفود حضرت قائد اعظم سے ملے۔ اور آپس میں اتفاق و اتحاد اور تعاون کی وہ بنیادیں فراہم کرلی گئیں جن بنیادوں پہ ان دونوں نے آگے چل کر تشکیلِ پاکستان کے لئے سب کچھ سرانجام دینا تھا۔ قراردادِ پاکستان ۱۹۴۰ء کی منظوری کے بعد بمبئی میں وہاں کے تاجروں نے پوچھا کہ قائدِ اعظم آپ کے ساتھ کوئی عالم بھی ہے تو قائدِ اعظم نے برملا فرمایا کہ میرے ساتھ اتنا بڑا عالم ہے کہ اگر ایک پلڑے میں اس کا علم رکھا جائے اور ایک پلڑے میں کل ہندوستان کے علماء کا علم رکھا جائے تو اس اکیلے کا علم بڑھ جائے گا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں رہتے تو چھوٹے سے قصبے میں ہیں

لیکن یہیں اس عالم کے ہوتے ہوتے کسی دوسرے عالم کی ضرورت نہیں۔"

حضرت حکیم الامت تھانوی کے متعلق یہ سب ہی جانتے ہیں کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے قائداعظم کے پاس گئے اور پھر بمبئی میں جمعیت علماء اسلام کا عظیم اجتماع ہوا جس اجتماع میں مسلم لیگ کی اعانت اور حمایت اور تحریک پاکستان کے ضمن میں پوری ہمت اور توانائی سے کام کرنے کا علمائے کرام نے عہد کیا اور وہ حضرت علامہ عثمانی کی قیادت میں تھا۔ اس کے بعد ہندوستان کے کل علماء اور مشائخ جو تھے وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کی آواز پر لبیک کہہ کے اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ خود دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ استاذانِ حدیث حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ۔ حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ اور مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے دوسرے بے شمار تلامذہ و متعلقین خصوصاً مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ۔ مولانا قاری محمد طاہر قاسمیؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ ممتاز علماء دیوبند سب مسلم لیگی ذہن کے تھے۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور ان کے ممتاز تلامذہ ایک طرف تو پاکستان کی تحریک میں کام کرتے رہے اور دوسری طرف پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے تحفظ کے لئے اپنی تصنیف و تالیف میں مصروف رہے تاکہ پاکستان جب بنے تو اس پاکستان کو جو لٹریچر فراہم کیا جائے وہ ان کے اور ان کے شاگردوں کے ہاتھوں لکھا جائے۔ حضرت علامہ عثمانی اور ان کے شاگردوں نے تقریباً ۴۵ کتابیں اسلام کے نظام پر لکھی ہیں جب کہ ہماری بڑی بڑی نظریاتی کونسلیں ایک اسلامی دستاویز نہ بنا سکیں جو مکمل اسلام کے نظام پر مشتمل ہو۔ اس سلسلہ

میں حضرت علامہ عثمانی مرحوم کے ممتاز شاگردوں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ ۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ اور مولانا قاری محمد طیب صاحب نے وہ قابلِ قدر کام کیا جو اسلامی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ علامہ عثمانی اور ان کے رفقار کاران ممتاز علماء نے اس طرف بھی کام کیا اور اس طرف بھی۔ پھر سرحد اور سلہٹ میں جو ریفرنڈم ہوا وہ بڑا سخت مقابلہ تھا۔ قائداعظم نے اس زمانے میں مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کو بلایا اور فرمایا کہ:-

مولانا! آپ سلہٹ جائیں چونکہ آپ مشرقی پاکستان میں زیادہ تر رہے ہیں آپ کے وہاں اچھے تعلقات ہیں اور آپ کے وہاں بڑے شاگرد ہیں تو آپ وہاں جاکر کام کیجئے مولانا نے فرمایا کہ میں اس وقت علیل ہوں۔ قائداعظم نے فرمایا کہ آپ اسی علالت میں چلے جائیں۔ مولانا ظفر احمد صاحب اسی علالت میں چلے گئے۔ اور جب تک سلہٹ کا ریفرنڈم جیتا نہیں اس وقت تک آپ واپس نہیں آئے۔ اسی لئے جب قائدِ اعظم، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کو دیکھتے تو بار بار فرماتے کہ یہ شخص اگر نہ ہوتا تو ہم ریفرنڈم کبھی بھی نہ جیت سکتے تھے یہی حالت سرحد میں تھی۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ قائداعظم کے فرمان کے مطابق نحیف نزار اور بیمار بدن کے ساتھ یہ بوڑھا عالم دین ان پہاڑوں پر گیا جہاں تندرست آدمی بھی نہ جاسکتا تھا لیکن اس نے ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر پاکستان کا پرچم لہرایا۔"

(بحوالہ روزنامہ نوائے وقت اشاعت خاص بیاد علامہ عثمانی)

حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری صدر المدرسین دارالعلوم اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ارشد اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے اور اپنے انہی اساتذہ کے علمی و عملی ترجمان تھے۔ گو آپ عملی سیاست سے ہمیشہ کنارہ کش رہے مگر شروع سے آپ

دو قومی نظریے اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے نہ صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار رہے کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کی ہمیشہ مخالفت کی۔ اور ہر زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے دلفریب نعروں کا کھوکھلا پن واضح کرتے اور ان کے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے ہمیشہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سیاسی نظریات کی مکمل تائید و حمایت کی۔ اور انہی حضرات کے مسلک و مشرب کے مطابق نظریہ پاکستان کے دل سے حامی رہے پھر قیام پاکستان کے بعد اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے ساتھ علمی، دینی و سیاسی اور ملی و ملکی سب کاموں میں شریک رہے اور اپنے معاصرین علماء کے شانہ بشانہ اسلامی نظام کی ترتیب و تدوین میں مصروف رہے۔

(اکابر علماء دیوبند مرتبہ احقر بخاری غفرلہٗ)

دارالعلوم ٹنڈو الہ یار کا قیام تقسیم ہند کے بعد جب آپ اپنے استاذِ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ پاکستان تشریف لائے تو علامہ عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک مرکزی دارالعلوم قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ اور اس اہم کام کے لئے ان کی نظرِ انتخاب اپنے مایۂ ناز تلامذہ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے قابل یکتائے روزگار حضرات پر پڑی اور اس اہم کام کے بارے میں سوچنے کے لئے ۹ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۹ء کے اواخر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایماء پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے پاکستان کے اہل علم و فضل دیندار حضرات کو کراچی آنے کی دعوت دی۔ اس دعوت پر کافی علماء تشریف لائے اور یہ اجتماع پاکستان کے علماء کا نمائندہ اجتماع ثابت ہوا حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی جس کے ممتاز ارکان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ. حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ. حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ علماء شامل تھے۔ اس اجتماع میں مرکزی دارالعلوم کی ضرورت اور اس کی نوعیت دارالعلوم کے لئے کسی مناسب مقام کا انتخاب، تعلیمی نظام اور سرمایہ کی فراہمی وغیرہ امور پر غور کیا گیا۔ تعلیمی نظام اور مناسب لائق حضرات کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو حسب ذیل حضرات پر مشتمل تھی۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اس کمیٹی کے ارکان تھے۔

اس اجتماع کے بعد دارالعلوم کے عملاً قیام کے لئے صرف چند ماہ باقی رہ گئے تھے کہ اچانک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کا ہمت شکن اور روح فرسا حادثہ پیش آیا۔ اور اس آفتاب علم و عمل کے غروب ہو جانے سے علمی و دینی حلقے میں جو خلاء پیدا ہوا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ حضرت علامہ عثمانی کی وفات ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور میں ہوئی۔ پھر میت کو بذریعہ طیارہ کراچی لے جایا گیا۔ جہاں حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب ہی نے اپنے محبوب استاذ کو مسنون طریق پر غسل دیا اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دو لاکھ سے زائد عقیدت مندوں نے اپنے اس عظیم قائد کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

حضرت شیخ الاسلام کی رحلت کے بعد خطرہ تھا کہ حضرت کی وفات سے مرکزی دارالعلوم کے قیام کے عزم میں ضعف پیدا ہو جائے گا۔ اور حضرت کی اس خواہش کو بھی شاید عملی جامہ نہ پہنایا جا سکے گا۔ مگر شیخ الاسلام کی اس عظیم تمنا اور خواہش کو پورا کرنے کے لئے حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ میدان میں نکلے اور دارالعلوم کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا۔

آخر کار ان دونوں بزرگوں کی سعی و کاوش سے بہت جلد حضرت شیخ الاسلام کی یہ خواہش

پوری ہوگئی۔

ایک صاحبِ ثروت حاجی محمد سومار صاحب مرحوم نے ۲۶ ایکڑ اراضی دارالعلوم کی بنیاد کے لئے وقف کرنے کی پیش کش کی جسے مجلسِ شوریٰ نے بخوشی منظور کر لیا اور ان دونوں حضرات کے ہاتھوں اس مرکزی دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا جو پاکستان میں ثانی دارالعلوم دیوبند کی حیثیت اختیار کر گیا۔ پھر حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری، حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت قاری عبدالمالک صاحب اور حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی جیسے قابل و یکتا اہلِ فن اور اربابِ علم و فضل کی دارالعلوم میں موجودگی سے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کو چار چاند لگ گئے۔ اور بہت جلد ملکی اور غیر ملکی طلباء بڑی تعداد میں جمع ہو گئے۔ ایران، افغانستان، برما، انڈونیشیا، فلپائن تھائی لینڈ۔ الجزائر۔ افریقہ۔ یمن۔ مصر۔ یوگنڈا۔ تنزانیہ۔ آسٹریلیا۔ یورپ۔ بنگلہ دیش۔ چین برطانیہ۔ امریکہ۔ متحدہ عرب امارات۔ سعودی عرب اور ہندوستان، پاکستان کے ہزاروں طلبہ یہاں سے زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر نکلے ہیں۔"

(تذکرہ خطیب الامت مولفہ احقر راقم بخاری غفرلہٗ)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا بدر عالم صاحب مظاہر العلوم سہارنپور۔ دارالعلوم دیوبند۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔ جامع العلوم بہاولنگر اور ندوۃ المصنفین دہلی میں علمی و دینی خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۹۴۸ء میں تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے آئے۔ یہاں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے قائم کردہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں استاذِ حدیث اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ نے دارالعلوم میں بڑی محنت سے کام کیا۔ دارالعلوم کا نظام عمل تیار کیا اور اس میں ماہر فن اساتذہ کو جمع کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ آپ کی محنت و کاوش اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ مہتمم دارالعلوم کی سعی و حسنِ تدبر نے مدرسے کو چار

چاند لگا دیئے۔ بہت سے علماء یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے جو ملک اور بیرون ملک تعلیمی و تدریسی اور تبلیغی خدمات میں مصروف ہیں۔ یہ آپ کا اور دیگر علماء کا ایک عظیم صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا میرٹھی اور دوسرے علماء کی اس خدمت کو قبول فرمائیں آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی)

اسلامی آئین کی ترتیب و تدوین میں حصہ

قیام پاکستان کے بعد سب سے بڑا اور اہم کام اس کے دستور کی ترتیب و تدوین کا مسئلہ تھا۔ اس کے لئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے جس مہم کا آغاز فرمایا تھا اس میں سب سے اہم کردار جن ممتاز علمائے کرام نے ادا کیا ان میں شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ اور مولانا سید بدر عالم میرٹھی کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

اس سلسلے میں جناب مولانا محمد میاں صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی مملکت کا رنگ ابھرا۔ اور جس غرض کے لئے یہ ملک پاکستان بنایا گیا تھا اور جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے جان و مال کی قربانی دی۔ ہزاروں خاندانوں کی بربادی برداشت کی گئی اب اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس جدوجہد کا آغاز سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے کیا جو تحریک پاکستان میں قائد اعظم کے دست و بازو تھے۔ اور جنہیں بانیان پاکستان کا فخر حاصل تھا۔ علامہ عثمانی نے اپنے انہی رفقاء کار اہل علم و دانش کے مشورے سے فیصلہ کیا۔ کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کرنے کے لئے ایک خاکہ تیار کیا جائے جو دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ چنانچہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے علامہ سید سلیمان ندوی اور مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی کے

نام تجویز ہوئے۔ ان حضرات کو جمع کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی کو ہندوستان بھیجا گیا اور علامہ عثمانی نے لیاقت علی خان کی درخواست پر اپنے رفقار کے تعاون سے قرار داد مقاصد کے نام سے ایک دستوری مسودہ تیار کیا۔ اور مرکزی اسمبلی میں منظور کرایا۔ قرار داد مقاصد کی شب و روز تیاری اور اس کی منظوری علامہ عثمانی اور ان کے رفقار کا رخصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ مولانا سید بدر عالم میرٹھی اور مولانا احتشام الحق تھانوی کا ایسا عظیم کارنامہ ہے جو تاریخ پاکستان میں سنہرے حروف سے لکھا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں جب علمار نے اسلامی دستور کا خاکہ (۲۲ نکات) مولانا احتشام الحق صاحب کی دعوت پر کراچی میں جمع ہو کر مرتب کئے تو اس اجتماع میں دوسرے مذکورہ بالا اکابر علمار کے ساتھ ساتھ مولانا سید بدر عالم صاحب بھی شامل تھے۔ یہ ۲۲ نکات کا خاکہ ملک کے تمام مذہبی مکاتب فکر کے علمار نے متفقہ طور پر تیار کیا تھا اور ایک بے مثال یادگار قائم کی۔

اس کے بعد ۱۹۵۳ء میں جب دوبارہ ان نکات پر غور و خوض کا مرحلہ آیا تو مولانا بدر عالم صاحب مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے اور وہیں پر رحلت فرمائی۔ الغرض حضرت مولانا بدر عالم صاحب نے اپنے استاذ مکرم علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں تحریک پاکستان اور اس کے بعد نظام اسلام کے نفاذ کے لئے تحریر و تقریر کے ذریعے بھرپور عملی جدوجہد کی۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین[1]

(تفصیل کے لئے احقر کی کتاب "سیرت بدر عالم" ملاحظہ فرمائیے)

---

[1] بحوالہ تذکرہ ادریس)

مجاہدِ اسلام حضرت مولانا شمس الحق فریدپوریؒ

آپ مشرقی پاکستان کے شہر فرید پور کے رہنے والے تھے اور یہیں تقریباً ۱۳۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ جہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا حافظ عبداللطیف سہارنپوری جیسے یگانۂ روزگار مشاہیر علماء سے فیض حاصل کیا۔ اور سندِ فراغ حاصل کی۔ اس کے بعد مکرر دورۂ حدیث کے لئے مرکزِ علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندی جیسے آفتابِ علم و عمل اساتذہ سے مکرر دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۴۲ھ میں سندِ فراغت تعلیم حاصل کی۔

تعلیمی و تبلیغی خدمات

غیر منقسم ہندوستان میں علم دین کے دو بڑے مرکز تھے ایک دارالعلوم دیوبند اور دوسرا مظاہر العلوم سہارنپور آپ نے ان دونوں مرکزوں سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ اور ان دونوں اداروں میں آپ کو اکابر

ے موجودہ بنگلہ دیش

اہل اللہ کی صحبت اٹھانے کا خوب موقعہ ملا۔ پھر ان مرکزوں سے تحصیل علم کے بعد مرکز روحانیت خانقاہ تھانہ بھون میں وقت کے سب سے بڑے مجدد اعظم حکیم الامت حضرت تھانوی کے چشمہ فیض سے بھی سیراب و شاداب ہوتے جہاں علم کی حقیقت کے سامنے قلب کو سوز و گداز نصیب ہوا۔ پھر انہی کے حکم پر ڈھاکہ شہر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور سینکڑوں حضرات آپ کے فیض علم سے مستفید ہوئے۔ تعلیمی و تدریسی خدمات کے علاوہ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ آپ بنگلہ زبان کے ایک بڑے اچھے مصنف بھی تھے اور بنگال کے عوام کو دینی تعلیمات سے روشناس کرانے کے سلسلے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

"بہشتی زیور" حکیم الامت حضرت تھانوی کی وہ مقبول عام کتاب ہے جس نے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس سے متعلق ایک مسلمان کی ضروریات کو اس میں جمع نہ کردیا گیا ہو۔ حضرت مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری نے اس عظیم الشان کتاب کا بنگلہ میں ترجمہ کیا ہے۔ جو ان اطراف میں بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانوی سے سلوک و تصوف کے منازل بھی طے کرتے رہے۔ اور ان کے دست حق پر بیعت کی۔ پھر ساری زندگی ان ہی کے مسلک و مشرب پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ اور ان کے بتلائے ہوئے اصولوں پر قائم رہے۔ حضرت حکیم الامت کی وفات کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سے روحانی تعلق قائم کیا اور تجدید بیعت کی۔ پھر ان کے ارشادات عالیہ پر زندگی گذاردی۔ حضرت مولانا ظفر احمد کی طرف سے خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ اور حضرت مولانا عثمانی نے اپنی کتاب "انوار النظر فی آثار الظفر" میں آپ کا اسم گرامی اپنے خلفائے عظام میں لکھا ہے۔ حضرت عثمانی سے آپ کو حد درجہ تعلق و عشق تھا اور کوئی کام حضرت عثمانی کے مشورہ اور صلاح کے بغیر نہیں کیا۔ کئی بار اپنے شیخ حضرت عثمانی کے ساتھ حج و زیارت کا شرف حاصل کیا اور پوری طرح

ان کے مسلک پر قائم رہے۔

(ماخوذ از، اکابر علماء دیوبند، شائع کردہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور)

جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ کی بنیاد ڈھاکہ میں تدریسی و تبلیغی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے مستقل طور پر ایک علمی مرکز قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور لال باغ کے قریب ڈھاکہ شہر میں ایک جامعہ قرآنیہ کے نام سے ایک دینی و علمی مدرسہ قائم کیا۔ مدرسہ کے لئے عالی شان عمارتیں بنوائیں اور ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی یہ مدرسہ اور مسجد ڈھاکہ میں آپ کی عظیم یادگاریں ہیں۔ اور ڈھاکہ کے دینی مدارس میں آپ کا یہ مدرسہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری رحمۃ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے تھے جن کے اخلاص وللہیت، مجاہدانہ عزم و عمل اور پرخلوص دینی و علمی خدمات کی ایک دنیا قائل ہے آپ تمام علمی اور دینی حلقوں میں ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ فریدپور شہر کے رہنے والے تھے۔ اور آخر وقت تک وطن وہی رہا۔ لیکن علمی اور تبلیغی خدمات کے لئے ڈھاکہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ وہیں پر قلعہ لال باغ کے پاس جامعہ قرآنیہ کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ جو ڈھاکہ کے مشہور اور مرکزی دینی اداروں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے کبھی کبھی چھٹیاں گزارنے کے لئے یا خرابیٔ صحت کی بناء پر اپنے اہل وعیال کے پاس فریدپور چلے جاتے تھے۔ ورنہ مدرسہ کے انتظام کے علاوہ ملک کی دینی اور کسی حد تک سیاسی سرگرمیوں میں مؤثر حصہ لینے کی وجہ سے سال کے بیشتر اوقات یہیں گزارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور دینی لگن کی وجہ سے انہیں عوام و خواص میں غیر معمولی مقبولیت اور وجاہت عطا فرمائی تھی۔ وہ چاہتے تو اپنے لئے بہتر کوٹھی بنگلے بنوا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے قیام کے لئے جامعہ قرآنیہ کا ایک ایسا تنگ و تاریک حجرہ منتخب کیا جسے دیکھ کر کن فی الدنیا

کانک غریب۔ دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک پردیسی، کی عملی تفسیر سامنے آجاتی تھی۔

اخلاص اور خیر خواہی کے ساتھ حق گوئی اور بیباکی ان کی خاص صفت تھی۔ وقت کے حکمرانوں کے ساتھ ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اور عام طور سے وہ ان میں گھلے ملے رہتے تھے لیکن جہاں کہیں دین کا معاملہ آجاتا اور حدود اللہ میں کوئی رخنہ پڑتا نظر آتا تو وہ پوری صفائی اور بے باکی وجرأت وعزیمت کے ساتھ اپنی بات کہنے سے نہ چوکتے اس صاف گوئی کے صلے میں انہیں بعض حکمرانوں کا معتوب بھی بننا پڑا۔ لیکن چونکہ ان کا غم وغصہ اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا اس لئے عام طور سے حکمران اس کا احساس کرتے تھے کہ ان کی حمایت ومخالفت میں کوئی ذاتی مفاد یا گندی سیاست کا کوئی داعیہ شامل نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اللہ کے لئے کہتے ہیں۔ اس احساس کا نتیجہ تھا کہ سینکڑوں معاملات میں حکمرانوں کی مخالفت کے باوجود کوئی ان کے درپئے آزار نہیں ہوا۔ اور کسی نے انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھا۔ بہر حال وہ ساری عمر خدمت اسلام میں معروف رہے۔ سالہا سال مختلف بیماریوں میں گھرے رہنے کے باوجود دین کی خدمت کے لئے ان کے عزم وحوصلہ میں کبھی کمی نہیں آئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عمر گذارنے کے ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی محبت میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اور خدمت دین کے لئے جوان ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے جس حصے میں جب کبھی علماء کی طرف سے کسی اجتماعی کام کا پروگرام بنتا، ناممکن تھا کہ مشرقی پاکستان کے علماء میں مولانا شمس الحق صاحب کا نام اس کا جزو نہ ہو۔

مولانا موصوف سے حضرت والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی معیت میں کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک دفعہ مولانا کا خصوصی کمرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تو پتہ چلا کہ جس شخص نے مدرسہ اور مسجد کی اتنی بڑی اور کشادہ عمارتیں بنوائی ہیں وہ خود اس طرح رہتا ہے۔ میں جب مولانا کے کمرے میں داخل ہوا تو کچھ دیر کے لئے ششدر رہ گیا یہ مسجد کے

ایک گوشے میں ایک نہایت تاریک سا کمرہ تھا چاروں طرف سے بند، بیچ میں ایک چھوٹا سا تخت بچھا ہوا تھا یہ تخت مولانا کا بستر استراحت تھا۔ تخت کے نیچے ایک چٹائی پڑی تھی۔ مولانا اس چٹائی پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ کھانا کیا تھا ایک بڑے سے پیالے میں دال اور شوربے کا ملا جلا سالن اور تنوری روٹی۔ بس۔ میں محو حیرت تھا کہ اختلاج قلب کا یہ مریض اس حجرے میں اس بے سروسامانی کے ساتھ کیسے گزارہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی بارشیں برسائے۔ آمین

(ماہنامہ البلاغ، مارچ ۱۹۶۹ء)

تحریک پاکستان میں اہم کردار

تحریک پاکستان کا ابتدائی دور قائد اعظم اور مسلم لیگ کے لئے بڑی آزمائش کا دور تھا تمام مقتدر علماء، نیشنلسٹ مسلمان، احرار اسلام اور خدائی خدمت گار کانگریس کے پشت پناہ تھے۔ قائداعظم کافر اعظم قرار دے جا چکے تھے۔ مسلم لیگ، سروں، خان بہادروں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی ایک جماعت بن چکی تھی۔ عوام گومگو کی حالت میں تھے۔ ان کی ہر مرتبہ نان اس بات پر آکر ٹوٹتی تھی کہ علماء مسلم لیگ کے ساتھ نہیں۔ حسن کا قدرت نے پہلے یہ انتظام کیا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو قائداعظم کا پشت پناہ بنا دیا۔ جن کی تائید و حمایت کے بعد قائداعظم کو دوسرے علماء کے تعاون کی ضرورت نہ رہی۔ قدرت کی طرف سے قائداعظم کی دوسری امداد یہ ہوئی کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند ایسے متبحر عالم، متقی و پرہیزگار سیاست داں اور شعلہ بیان مقرر کو قائداعظم کا دست راست بنا دیا۔ جنہوں نے بڑی سیاست سے کام لیتے ہوئے رائے عامہ کو ہموار اور تیار کرنے کے لئے سب سے پہلے جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی۔ اور اس کی معتدد۔ اور مختلف مقامات پر کانفرنسیں منعقد کر کے اور ان میں اپنا پیغام بھیج کر یا خود پہنچ کر غیر شعوری طور پر لیگ کے حق میں فضا سازگار کی۔ خود جمعیت

علماء ہند سے مئی ۱۹۴۵ء میں علیحدہ ہو کر جمعیت علماء اسلام کی اہمیت بڑھائی۔ اور پورے پانچ ماہ نہایت خاموشی کے ساتھ ہوا کا رخ مسلم لیگ کی طرف موڑنے کے بعد مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا جس سے قائداعظم کے ہاتھ مضبوط ہوئے۔ اور انہوں نے عوامی محاذ علامہ شبیر احمد عثمانی کے سپرد کر کے خود آئینی محاذ کو سنبھالے رکھا۔ قائداعظم کے دل میں علامہ عثمانی کی کتنی قدر و اہمیت تھی اس کا ان واقعات سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ ۱۹۴۶ء کی دہلی کی عظیم الشان کنونشن میں علامہ عثمانی کو جب جائے قیام سے کنونشن پر پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی تو قائداعظم نے آپ کی آمد تک کے لئے کارروائی اجلاس روک دی۔ اور جس وقت حضرت علامہ عثمانی کنونشن میں پہنچے تو ہزاروں کے مجمع میں قائداعظم کچھ دور تک آپ کے استقبال کے لئے بڑھے اور تمام مقتدر حضرات بادب کھڑے ہو گئے۔

۲۔ جس وقت ریفرنڈم سر پر آیا تو اس وقت قائداعظم نے سلہٹ کے ریفرنڈم کے لئے مولانا ظفر احمد عثمانی سے اور سرحد کے ریفرنڈم کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی سے درخواست کی کہ وہ یہ مہم سر کریں۔ کیونکہ قائداعظم جانتے تھے کہ ان علاقوں کو علماء حق ہی زیر کر سکتے ہیں۔ یہاں کسی دوسرے کا کام نہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ عثمانیؒ نے علالت طبع کے باوجود سرحد کے طوفانی اور طولانی دورے کر کے خان برادران اور ان کے سرخ پوشوں کو شرمناک شکست دی۔ ریفرنڈم جیتنے کے بعد جب آپ قائداعظم کو مبارکباد دینے لگے تو قائداعظم نے فرمایا:۔

" اس مبارکباد کے مستحق آپ ہیں۔ میں خواہ سیاست دان سہی لیکن آپ نے بروقت رد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی "

(تجلیات عثمانی)

پروفیسر سلیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں تحریک پاکستان کی حمایت میں اکابر علمائے کرام کی جو تنظیم "جمعیت علماء اسلام" کے نام سے علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں قائم ہوئی تھی اور جس کے اراکین عاملہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اور مولانا محمد طاہر قاسمیؒ جیسے سینکڑوں ممتاز علماء دیوبند شامل تھے۔ حضرت مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری بھی پہلے دن سے ہی اس جمعیت کے رکن بنے اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا اطہر علی صاحب کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان میں ایک اہم کردار ادا کیا اپنے استاذ مکرم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے حکم پر ان حضرات علماء کی طرح تحریک پاکستان کی مہم میں بھرپور حصہ لیا اور ملک بھر کے دورے کئے۔ اور مسلم لیگ کی حمایت میں راہ ہموار کرتے رہے۔ مسلمانوں کو قیام پاکستان کے لئے عملی طور پر آمادہ کیا اور زندگی بھر اسلام کا سر بلند کرنے کے لئے اسلام دشمن قوتوں سے برسر پیکار رہے۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کی مشرکانہ ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرتے رہے اور کانگریس کے متحدہ قومیت کے پُرفریب نعرے کے خلاف آوازِ حق بلند کی۔ اور دو قومی نظریہ کی حمایت میں تحریر و تقریر کے ذریعے انتھک کام کیا۔ اور آخر ایک آزاد مملکت کے قیام میں کامیابی حاصل کر لی۔

جب قائد اعظم محمد علی جناح نے سلہٹ کے ریفرنڈم کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ اس مہم کو سر کریں تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے سلہٹ کے محاذ کو سنبھالا۔ سلہٹ اگرچہ مسلم اکثریت کا علاقہ تھا اور وہاں ریفرنڈم کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا لیکن چونکہ سلہٹ میں ایک عرصہ سے مولانا حسین احمد صاحب مدنی ہر سال رمضان شریف

گزارتے وہیں اعتکاف کرتے اور تراویح کے بعد درسِ قرآن دیتے اس لئے اس علاقہ میں ان کے مرید بکثرت پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا وہاں بہت ہی اثر و رسوخ تھا اور وہ سارا علاقہ ان کے ہی اشارہ چشم و ابرو پر چلتا تھا۔ یہ وہ حالات تھے جن میں مسلم لیگ کو ریفرنڈم لڑنا تھا اور جن کی وجہ سے قائداعظم پریشان تھے۔ مگر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کی ہمت بلند نے کانگریس کے مقابلے کا یہ چیلنج قبول کیا اور کانگریس کے جھوٹ و فریب کا تار پود بکھیرنے کے لئے آپ نے حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری اور حضرت مولانا مفتی دین محمد صاحبؒ کے ساتھ مشرقی پاکستان کے علاقہ ضلع سلہٹ کا طوفانی دورہ کیا۔ اور عوام کو یقین دلایا کہ ہندو اقلیت دستورِ اسلامی کے نفاذ کو قطعاً نہیں روک سکتی کیونکہ وہ پاکستان کا مطلب خوب سمجھتی ہے کہ وہ دارالاسلام ہی ہوگا جو ہندو پاکستان میں رہیں گے یہ سمجھ کر رہیں گے آخر ایک ہزار سال جو ہم نے نصف عالم پر حکومت کی ہے تو کیا ہمارے زیرِ نگین کفار نہیں بستے تھے؟ کیا اس وقت دستورِ اسلامی نہ تھا؟ کیا کفار ہمارے دستور اور قوانین سے خوش نہیں تھے؟ ان مجاہدین علماء کرام کی شبانہ روز مساعی سے عوام مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ ہو گئے۔ جس سے کانگریسی حلقے بوکھلا اٹھے۔

انہی دنوں صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب کام کر رہے تھے اور اس وقت چونکہ سرحد میں کانگریسیوں کا اقتدار تھا اس لئے انہوں نے علماء کرام کی اس مہم کو ختم کرنے کے لئے علماء و مشائخ کو نشانہ ظلم و ستم بنانا شروع کر دیا جنہوں نے ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے بقولِ علامہ شبیر احمد عثمانی:-

"پانچ سو سے زیادہ علماء و مشائخ کو جیل جانا پڑا۔ اور انہوں نے دوسرے لیڈروں سے زیادہ سختیاں برداشت کیں"۔ (خطباتِ عثمانی)

اس کے باوجود یہ علماء حق اپنے مشن سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے۔ اور ریفرنڈم کی کامیابی کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ اور آخر کار صوبہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں یہ علماء حق کامیاب ہوئے اور سلہٹ و سرحد بھاری اکثریت کے ساتھ پاکستان کے حصے میں آئے جس پہ دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔ اس طرح سے سلہٹ کا محاذ مولانا ظفر احمد عثمانی کی قیادت میں مولانا اطہر علی صاحب۔ مولانا شمس الحق صاحب اور مفتی دین محمد صاحب وغیرہ علماء مشرقی پاکستان نے جیت لیا۔ اگر یہ اکابر علماء حق بروقت مسلم لیگ کی مدد کو نہ پہنچتے تو دونوں جگہ ریفرنڈم کا نتیجہ ہندوؤں کے حق میں نکلتا جس کی اس وقت کے تمام مسلم پریس نے تائید کی۔ اس کامیابی پر سب ہی نے ان علماء حق کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور خود قائد اعظم مرحوم نے ان علماء حق کی تاریخی خدمات کے اعتراف کے طور پہ پاکستان کی پرچم کشائی کا اعزاز علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو بخشا۔ جو تحریک پاکستان کی حامی جمعیت علماء اسلام کے قائدین تھے۔ اور مفتی محمد شفیع صاحب۔ مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب ان دونوں صوبوں کے ریفرنڈم میں ان دونوں عظیم قائدین کے دست راست کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

بہرحال ان علماء کی شبانہ روز مساعی سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اور ڈھاکہ مشرقی پاکستان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنے دست مبارک سے پاکستانی پرچم لہرایا۔ اور چیف جسٹس مشرقی پاکستان سے آپ نے اسمبلی ہال میں حلف لیا۔ اس تقریب میں اعلیٰ احکام کے علاوہ مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ مولانا اطہر علی صاحب، مولانا شمس الحق صاحب اور مفتی دین محمد صاحب کے علاوہ مشرقی پاکستان کے دوسرے کئی ممتاز علماء بھی شریک تھے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے پاکستان کے پہلے ہی دن مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کی جامع مسجد میں جمعہ سے پہلے اپنی تقریر

یں حصول پاکستان پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دی۔ اور اس کا طریقہ یہی بتایا کہ پاکستان جس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے اسے پورا کریں۔

مولانا عثمانی نے فرمایا کہ :۔

" پاکستان میں ارباب حکومت آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں اور قحبہ خانوں، سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق و اتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں۔ فوج اور پولیس کو نماز روزہ کا پابند بنائیں اور انہیں خدمت قوم اور حفاظت دارالاسلام کے لئے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں... خفیہ پولیس مستحکم ہو کیونکہ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہو گی"

خواجہ ناظم الدین مرحوم وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے۔ اور بڑے متاثر ہوئے۔

(بحوالہ تذکرۃ الظفر ص ۳۸۹)

نظام اسلام کے نفاذ کے لئے جدوجہد

حضرت مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری تحریک پاکستان میں اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور سلہٹ ریفرنڈم میں اپنے شیخ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی" کے دست راست رہے پھر قیام پاکستان کے بعد نظام اسلام کے نفاذ کے لئے اپنے انہی بزرگوں کی قیادت میں بڑی سرگرمی سے جدوجہد کرتے رہے۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں جب قائد اعظم بحیثیت گورنر جنرل مشرقی پاکستان کے دورہ پر گئے تو قائد اعظم کے ہر جلسہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی کے ساتھ مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا شمس الحق فریدپوری کو بھی بلایا جاتا تھا اور چونکہ مولانا ظفر اح

عثمانی پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ قائدِ اعظم کے پاس ہی تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس لئے مولانا عثمانی کی زیرِ قیادت کئی مرتبہ ان حضرات کو قائدِ اعظم سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ یہ حضرات ہر ملاقات میں قائدِ اعظم کو ان کا وعدہ یاد دلاتے کہ:۔

"آپ نے حصولِ پاکستان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ دستورِ پاکستان قرآن و سنت کے موافق ہوگا یہ وعدہ جلد پورا کیا جائے"

قائدِ اعظم نے ان حضرات علماء کو اطمینان دلایا اور کہا کہ چند ناگہانی مصائب کی وجہ سے دیر ہوگئی ہے اب زیادہ دیر نہ ہوگی"

(تعمیرِ پاکستان اور علماءِ ربانی)

واقعی اگر قائدِ اعظم چند سال اور زندہ رہتے تو پاکستان کا آئین اسلامی ہوتا۔ مگر وہ بہت جلد وفات پا گئے اور ان کی وفات کے بعد پاکستان کے ایک انتہائی کم تعداد مگر با اختیار طبقہ نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام کے اصول اس زمانہ میں ناقابلِ عمل ہیں۔ اس لئے پاکستان کو لادینی ریاست یعنی سیکولر سٹیٹ بنانے پر زور دیا۔ یہ دستوری کش مکش اس وقت کم ہوئی جب مارچ ۱۹۴۹ء میں قائدِ ملت لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور کرا کے بحث کو ختم کر دیا۔ اس قرارداد مقاصد کے منظور کرانے میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی سعیٔ بلیغ کو بہت بڑا دخل تھا۔ علامہ عثمانی مرحوم نے اس کے لئے فروری ۱۹۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ اور چاٹگام وغیرہ میں بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ جن میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ان میں طے کیا گیا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ غیر اسلامی آئین ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی چونکہ آٹھ نو سال سے ڈھاکہ میں مقیم تھے اور تحریکِ پاکستان میں بھی مولانا نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ نیز ڈھاکہ اور اطرافِ ڈھاکہ میں مولانا عثمانی کا بہت اثر و

رسوخ، علمی اور روحانی فیض دور دراز تک کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے پاکستان کے لئے اسلامی آئین کے حق میں فضا کے تیار کرنے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار مولانا اطہر علی سلہٹی۔ مولانا شمس الحق فرید پوری اور مولانا مفتی دین محمد وغیرہ علماء کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اس پہ علامہ شبیر احمد عثمانی کے عام جلسوں میں زوردار اور ولولہ انگیز بیانات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور پورا مشرقی پاکستان آئین اسلامی کی صدا سے گونج اٹھا۔ اس دورہ کے بعد جب علامہ شبیر احمد عثمانی کراچی تشریف لائے اور دستور ساز اسمبلی نے مارچ ۱۹۴۹ء میں قرار داد مقاصد کو منظور کر لیا اور علامہ عثمانی کا مکتوب گرامی مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام ڈھاکہ آیا تو اس میں اس بات کی تصریح تھی کہ قرار داد مقاصد کے پاس کرانے میں مشرقی پاکستان کے علماء کی جدوجہد اور ہمارے عالیہ جلسوں کی روئداد کا بڑا اثر ہوا ہے۔

اس کے چند ماہ بعد ہی ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی رحلت فرما گئے۔ اور اسلامی نظام کی یہ تحریک ذرا ٹھنڈی ہو گئی۔ پھر یہی علماء حق سرگرم عمل ہوئے اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی۔ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری۔ حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی۔ حضرت مولانا شمس الحق فرید پوری۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے اکابر علماء نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی اس تحریک نظام اسلام کو بھرپور طریقے سے آگے بڑھایا۔

۱۹۵۱ء کو یہ علماء حق کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ پر جمع ہوئے اور ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا۔ علماء کرام کا یہ ایک تاریخی اجتماع تھا اس میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کرام شریک ہوئے۔ بائیس نکات

دستوری خاکہ اس بات کا جواب تھا کہ یہاں کس فرقے کا اسلام نافذ کیا جائے۔ علماء نے یہ ۲۲ نکات مرتب کر کے اتفاق و اتحاد کی ایک مثال قائم کر دی۔ اور آئندہ کے لئے یہ منہ بند کر دیا کہ علماء آپس میں متفق نہیں ہو سکتے۔

بہرحال مشرقی پاکستان کے ممتاز علماء دین میں سے حضرت مولانا اطہر علی صاحب حضرت مولانا مفتی دین محمد صاحب۔ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب۔ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب۔ حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحبؒ۔ حضرت مولانا محمد اللہ صاحب حضرت مولانا السید محمود مصطفےٰ المدنی۔ مولانا عبیدالحق صاحب۔ مولانا محمد ہارون صاحب۔ مولانا وحید الزمان صاحب۔ مولانا انوارالحق قاسمی صاحب۔ مولانا عزیز الحق صاحب۔ مولانا بذل الرحمٰن صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری وغیرہ جیسے اکابر علماء حق ہمیشہ پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے اور جب بھی کسی لادینی تحریک نے سر اٹھایا تو یہ علماء حق بغیر کسی خوف و خطر کے کلمہ حق بلند کرتے رہے۔

مولانا سید محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ:

"مشرقی پاکستان کے ممتاز علماء دین میں مشہور عالم ربانی جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق فرید پوری بڑے مخلص و حق گو تھے۔ بلا خوف لومۃ لائم ہمیشہ اعلان حق کرتے رہے۔ استقامت رائے، اصابت فکر اور اظہار حق میں فرید وحید تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ اور سرچشمۂ سلوک تھانہ بھون سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ نہایت زیرک، مدبر اور منتظم تھے۔ اکثر بیماریوں میں گھرے رہتے تھے۔ مگر باوجود ضعف و علالت کے ہمیشہ دین کی خدمت کے لئے کوشاں رہے۔ اور ان کے عزم و حوصلہ میں کبھی کمی نہیں آئی۔

۲۰ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۶۹ء کو ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین (ماخوذ از اکابر علماء دیوبند۔ ماہنامہ بینات کراچی)

مفکرِ ملّت حضرت مولانا محمد طاہر قاسمیؒ

آپ برصغیر میں مسلمانوں کی قدیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پوتے اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حقیقی بھائی اور امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تلمیذ خاص تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ اور اپنے علم و بصیرت میں قاسمی روایات کے حامل تھے۔ روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت تھانوی سے قائم تھا اس لئے زندگی بھر انہی کے مسلک و مشرب پر قائم رہے۔

تصنیفی و تدریسی خدمات دارالعلوم دیوبند میں فراغت تعلیم کے بعد اپنے بڑے بھائی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دورِ اہتمام میں نیابتِ اہتمام کے منصب پر فائز ہوئے اس کے ساتھ دارالعلوم میں معین المدرس بھی مقرر ہوئے۔ اور سلسلۂ درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف

کا کام بھی جاری فرمایا اور بہت سی تالیفات منصۂ شہود پر آئیں۔

مولانا انظر شاہ کشمیری اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

"مولانا محمد طاہر قاسمی مرحوم بڑے ذکی و ذہین، انشار پرداز منجم، سیاسی جوڑ توڑ میں ماہر، استعداد کے مضبوط، شوخ و چنچل طبیعت کے مالک تھے، جود و سخا، مہمان نوازی و سیر چشمی میں فائق، قلب اس قدر صاف کہ ابھی آگ اور ابھی پانی۔ کینہ و حسد، بغض و عناد سے قلب صاف تھا۔ ان کی وفات کے بعد راقم الحروف نے خواب میں دیکھا کہ کہتے ہیں:۔

"میری نجات ہو گئی اور قلب کی صفائی اور سینہ بے کینہ میرے کام آیا"

تدریس پر بیٹھے تو قدوری کے درس میں ہدایہ اولین کے مصنف پر اعتراضات کی بھرمار کر ڈالی۔ اہتمام میں پہنچے تو اپنے استاذ مولانا اعزاز علی صاحب علیہ الرحمۃ کی درخواست نامنظور کر کے طلبہ میں ناراضگی کا ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

قرآن سے بڑا شغف تھا۔ خاص انداز پر تفسیر لکھ رہے تھے۔ عقائد میں حقائد الاسلام ان کا مطبوعہ رسالہ موجود ہے اور کئی تصانیف ان کے قلم سے نکلیں۔ دارالعلوم میں معین مدرس نائب مہتمم اور ناظم کتب خانہ تھے۔ آخر میں دارالصنائع کے منتظم اعلیٰ رہے، سیاست میں مسلم لیگ کے قریب اور کانگریس کے جانی دشمن تھے۔ جوڑ توڑ میں پوری مہارت رکھتے لیکن تلون مزاجی نے ترقی کے قدم روک دیئے۔ پچاس سال کی عمر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ موت کے وقت اس قدر ہوشیار رہے کہ موجود اقرباء کو سانس کہاں کہاں ہے یا جان کس حصہ کی نکل چکی اور کہاں باقی ہے کی مفصل اطلاع دیتے رہے۔

ریڈیو پاکستان کے مشہور قاری محمد طاہر قاسمی، مولوی آدم قاسمی، شاکر میاں، ناخن میاں بلکہ کئی بچے پسماندگان میں چھوڑے اور مشہور تلامذہ میں علامہ انور صابری اور مولانا

سلطان الحق ناظم کتب خانہ دارالعلوم یہاں موجود ہیں۔[1]

مولانا محمد سالم قاسمی، آپ کی علمی و تصنیفی خدمات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مولانا محمد طاہر صاحب اپنے علم و بصیرت میں قاسمی روایات کے حامل تھے اس ذوقِ بصیرت پر بطور شاہد عدل آپ کی متعدد نادر تصانیف ہیں ان تصانیف کے موضوعات کی ندرت، مصنف کی جدّت طرازِ طبیعت اور وسعتِ مطالعہ کی نشان دہی کرتی ہے آپ کی تصانیف ہیں " عقائد اسلام قاسمی۔ حقیقتِ سحر۔ النحر فی الاسلام التعوذ فی الاسلام۔ تفسیر تقریر القرآن۔ تجلیاتِ کعبہ" کامیاب تصانیف شمار کی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ "عقائد الاسلام قاسمی" حضرت مولانا مرحوم کی ایک کامیاب ترین تصنیف اور مسلمانوں کے ہر طبقہ کے فکر و ذہن کی رعایت کے ساتھ اسلامی عقائد کی اشاعت کے بارے میں ایک انوکھا اور کامیاب تجربہ تھا۔ یہ کتاب حضرت مصنف کی آخری تصنیف ہے۔ اور اس کا پہلا ایڈیشن ۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء کی صبح کو اس وقت پہنچا کہ جب حضرت مولانا مرحوم سفر آخرت فرما چکے تھے اور تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں"۔[2]

مولانا حکیم انیس احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ:۔

مولانا محمد طاہر قاسمی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے حقیقی بھائی اور پاکستان کے مشہور قاری محمد طاہر قاسمی کے والد بزرگوار تھے۔ آپ نے عقائد کے سلسلہ میں عقائد الاسلام

---

[1] نقش دوام دیوبند ۲۶۶ (حاشیہ)
[2] عقائد اسلام پیش لفظ صد ۳

کتاب تالیف فرمائی ہے۔ اور تفسیر معوذتین میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اسرار و معارف کو قلم بند فرمایا ہے۔ اس کا نام التعوذ فی الاسلام ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر سورۃ یوسف بھی آپ کی تالیف ہے۔

(ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر)

دارالعلوم دیوبند کی نظامت

مولانا محمد سالم قاسمی فرماتے ہیں کہ:-

"مفکر ملت حضرت مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی دارالعلوم دیوبند کے پوتے اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے برادر خورد تھے۔ مولانا موصوف اپنی ذاتی ذکاوت اور ذہانت کے لحاظ سے معاصرین میں غیر معمولی امتیاز کے مالک تھے۔ اکابر و اسلاف کرام سے ربط عقیدت جذب اندرون کی کیفیت اختیار کئے ہوئے تھی۔ اسلاف کی عظمتوں پر نادانستہ بھی حرف گیری مولانا مرحوم کے لئے ناقابل تحمل تھی۔ زبان و قلم سے اس کا دفاع کرتے ہیں۔ کبھی مداہنت نہیں برتی۔ صاف گوئی اور صاف طبعی آپ کا امتیازی جوہر تھا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کی تاریخ سے مولانا موصوف کی قلبی وابستگی بذات خود ایک تاریخی چیز تھی۔ مختلف حیثیات سے دارالعلوم دیوبند کی زندگی بھر خدمت انجام دیتے رہے۔ قاسمی رنگ و روایات کی برقراری کے لئے مولانا موصوف کی مسلسل جدوجہد ایک دور میں ان کے حق میں ان کا سب سے بڑا جرم بن گئی۔ جس کی پاداش میں مسلسل چودہ سال آپ کو اس علمی وطن سے جلا وطن ہونا پڑا۔ آخر لمحات حیات میں اس جذبہ صادق نے پھر یاوری کی اور دارالعلوم سے باضابطہ وابستگی میسر آ گئی۔ جو آخر تک قائم رہی۔

بالآخر ۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء م ۱۲ محرم ۱۳۷۲ھ میں آپ نے خانوادۂ قاسمی کو داغ مفارقت دے کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی آخری تصنیف "عقائد الاسلام قاسمی" خصوصی اور عمومی افادیت کے اعتبار سے اسلامی معاشرہ کی ایک بڑی اور اہم ضرورت کو

بہتر انداز میں پورا کرتی ہے۔ اور حضرت موصوف کی یہ آخری یادگار ایک علمی اور دینی ذخیرہ ہے۔ اس کے قارئین سے حضرت مصنف کے حق میں دعائے مغفرت اور ترقیٔ درجات کی بصد خلوص استدعا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

(پیش لفظ عقائد اسلام)

مولانا عزیز احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ :-

۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جب دارالعلوم دیوبند کے ساتویں مہتمم مقرر ہوئے تو دارالعلوم کا حلقۂ اثر ہند و پاک سے گزر کر افغانستان، برما، حجاز مقدس، ایران، مصر، ایسٹ افریقہ اور جنوبی افریقہ تک پھیل گیا۔ اور آپ کے زمانۂ اہتمام میں انگلینڈ اور امریکہ میں بھی دارالعلوم کا تعارف ہوا۔ اور دارالعلوم نے نمایاں ترقی کی۔ مالیات میں بھی اضافہ ہوا۔ اور تعمیرات میں بھی اضافہ ہوا جس کی تفصیل تاریخ دارالعلوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے دورِ اہتمام میں ۱۳۵۱ھ میں آپ کے برادرِ خورد حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی صاحب دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم بنائے گئے۔ جو ۱۳۴۶ھ سے دارالعلوم ہی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم کے کتب خانہ کے ناظم بھی مولانا محمد طاہر صاحب ہی مقرر ہوئے۔ جو یہ خدمت ۱۳۵۱ھ تک انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۳۶۰ھ سے آخر وقت ۱۳۷۲ھ تک شعبہ دارالصنائع کے باقاعدہ ناظم اعلیٰ رہے اور اس طرح حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کی نیابت میں دارالعلوم کی خدمت میں مصروف رہے[1]

تحریک پاکستان میں خدمات

بعض ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حصول و قیام پاکستان میں علماء کرام نے کوئی قابلِ ذکر خدمت

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند

انجام نہیں دی۔ حالاں کہ علمائے حق نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی تاسیس کا اولین سہرا علماء حق کے سر ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ اقبال مرحوم اور قائد اعظم مرحوم نے پاکستان بنانے کے لئے جو کام کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن ان حضرات کے زمانہ سے قبل جو کام علماء حق نے کیا ہے اسے بھی تاریخ پاکستان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی تصنیفات و تعلیمات کے ذریعہ برصغیر میں ایسا ماحول پیدا کیا کہ مسلمان یہاں رہنے کے لئے ایک الگ وطن حاصل کریں جہاں وہ خلافت راشدہ کے عہد کے مطابق اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں۔ پھر آپ کے جلیل القدر صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ بعد ازاں ان کے مرید خاص حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید نے ایک الگ خطہ دارالاسلام بنانے کے لئے جہاد کیا۔ اس طرح سے ہمارے نزدیک اس میں قطعی مبالغہ نہیں کہ پاکستان کی تاسیس سو سال قبل ان بزرگوں نے اپنے خون سے قائم فرما دی تھی۔ ان اکابر کے بعد علماء دیوبند نے اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد فرمائی۔ اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ حافظ ضامن تھانویؒ اور دیگر علماء دیوبند بنفس نفیس میدان جہاد میں نکلے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کار آزادئ ہند کے لئے سینہ سپر رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے ہندوستان میں ۱۹۲۸ء میں ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کا نقشہ پیش کیا۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ اور اپنے سینکڑوں خلفاء اور ہزاروں متعلقین کو ہدایت کی کہ اسلام کی سربلندی اور حفاظت کے لئے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ چنانچہ حکیم الامت تھانوی کے اس اعلان پر مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے حتیٰ

نتیجہ میں مسلمانوں نے ۱۹۴۰ء میں لاہور کے تاریخی اجلاس میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس کردیا
ور مخالفین پاکستان کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

(از تعمیر پاکستان و علمائے ربانی)

جمعیت علماء اسلام کی بنیاد

حضرت حکیم الامت تھانوی کی اس اسلامی سلطنت کے قیام کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ
کے خلفائے عظام اور متوسلین میدان میں آئے اور مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں عملی
طور پر حصہ لینا شروع کردیا۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں آپ کے عظیم خلفاء و مجازین میں سے
دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مفتی اعظم مولانا مفتی
محمد شفیع دیوبندیؒ۔ شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب
قاسمی۔ مخدوم الامت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مولانا خیر محمد
جالندھریؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹی۔ مولانا محمد طاہر قاسمی اور دیگر مقتدر علماء کرام۔ مولانا آزاد
سبحانی۔ مولانا راغب احسن۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ مولانا ابو البرکات عبد الرؤف
دانا پوری اور مولانا غلام مرشد خطیب جامع عالمگیری وغیرہ نے کلکتہ میں جمع ہو کر ایک
عظیم الشان علماء کانفرنس منعقد کی اور نومبر ۱۹۴۵ء میں جمعیت علماء اسلام کا سنگ
بنیاد رکھا جس کے صدر علامہ شبیر احمد اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ منتخب کئے
گئے۔ اس کانفرنس نے متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ اور ایک قرارداد
کے ذریعے مسلمانوں سے اپیل کی کہ پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن جو قریب
ہونے ہیں اس میں مسلم لیگ کے نمائندہ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ
نہ دینا۔ کیونکہ کانگریس کے نمائندہ کو ووٹ دینا اتحادِ ملت، مفادِ ملت۔ استقلال اسلام
اور مستقل قوم کے مقاصد کے خلاف ہے۔ اور پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک
ہونے والے ان انتخابات کے نتائج پر موقوف ہے۔

چنانچہ یہ علماء کرام ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پھیل گئے۔ مولانا محمد طاہر قاسمی مرحوم نے بھی دوسرے علماء دیوبند کی طرح مسلم لیگ اور کانگریس کے اس آخری فیصلہ کن الیکشن میں بڑی سرگرمی سے کام کیا اور اپنے قائد و استاذ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہمراہ پورے ہندوستان کا دورہ کر کے مسلم رائے کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا۔ جہاں جہاں کانگریس کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر ان کے اثرات کو باطل کر دیا۔ مزید برآں مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے مذہبی اور علمی حیثیت سے مطالبہ پاکستان، حمایت مسلم لیگ۔ کانگریس سے اختلاف اور متحدہ قومیت کے خلاف دو قومی نظریہ پر قرآن و حدیث اور فقہی دلائل کی روشنی میں بہت سے فتاویٰ اور رسائل لکھ کر شائع کئے۔ جن میں سے "کانگریس اور مسلم لیگ"۔ "افاداتِ اشرفیہ در مسائل سیاسیہ" بڑے مفید ثابت ہوئے اور ہوا کا رخ بدل گیا۔ اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں ہر طرف نعرے بلند ہوئے۔

لیاقت کاظمی الیکشن کانگریس خاص طور پر اس حلقے میں مسلم لیگ کو ناکام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ اور ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں جن میں جمعیت علماء ہند، مجلس احرار، نیشنلسٹ مسلمان۔ جماعت اسلامی اور خدائی خدمت گار شامل ہیں، سب اپنی اپنی اغراض و مصالح کی بنا پر پاکستان کے خلاف متحدہ محاذ بنائے ہوئے تھے اور بالواسطہ یا بلا واسطہ کانگریس کی تائید کر رہے تھے۔ قائد ملت لیاقت علی خان کا یہ حلقہ انتخابات اس لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل کر گیا تھا۔ کہ انہیں ناکام کرنے کے لئے کانگریس نے مولانا ظفر احمد عثمانی کے ایک عزیز محمد احمد کاظمی کو ان کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا تھا کیونکہ کانگریس والے اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ عوام میں مقبولیت خدام دربار اشرفیہ جو مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے معروف جدوجہد تھے کاظمی صاحب کے مقابلہ میں نواب زادہ لیاقت علی خان کی حمایت بوجہ رشتہ داری نہیں

سکیں گے۔ دوسری طرف کاظمی صاحب کی امداد کے لئے انہوں نے خود مولانا حسین احمد مدنی رح کو اس محاذ پر بھیج دیا تھا۔ چنانچہ اس پر نواب زادہ لیاقت علی خان نے سردار امیر اعظم خان صاحب کو اپنا خط دے کر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا شبیر علی تھانوی کے پاس تھانہ بھون بھیجا۔ اور انہیں لکھا کہ اگر آپ اس وقت دورہ پر نہ نکلیں گے تو مسلم لیگ کی کامیابی دشوار ہے۔

مولانا شبیر علی صاحب نے بھی مولانا ظفر احمد صاحب سے سفارش کی کہ اس درخواست کو ہرگز رد نہ کیا جائے۔ اس پر مولانا ظفر احمد صاحب رشتہ داری کو نظر انداز کرتے ہوئے اور اپنے ذاتی مفاد کو قربان کرتے ہوئے ملی مفاد کی خاطر اپنے ایک عزیز کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے میدان الیکشن میں نکل آئے۔ اور سردار امیر اعظم خان کے ہمراہ سہارنپور، دیرہ دون۔ مظفر نگر اور بلند شہر کے اضلاع میں مولانا مدنی مرحوم کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ علاوہ ازیں اس حلقہ کے لئے مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دورے بھی حاصل کئے گئے۔ جو نہایت مؤثر ثابت ہوئے جن کا اعتراف خود لیاقت علی خان مرحوم نے ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ:۔

"آپ حضرات علماء نے اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدانِ عمل میں سرگرمی کے ساتھ جو جدوجہد کی ہے وہ بے حد متاثر ثابت ہوئی ہے۔ اس کامیابی میں آپ حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں ہماری اسمبلی نے مجھے کھڑا کیا تھا۔ آپ حضرات کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے"

(بحوالہ تعمیر پاکستان اور علماء ربانی)

بہر حال ان اکابر علماء کے فتووں اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے دوروں نے رائے عامہ کو مسلم لیگ کی تائید پر مجبور کر دیا اور نواب زادہ لیاقت علی خان نے اپنے ان بے غرض اور

مخلص دوستوں ہمدردوں اور علمائے کرام کی مساعی جمیلہ سے تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے کانگریس کے نمائندہ کے مقابلے میں جیت گئے۔ یہ کانگریس اور جمعیت علماء ہند کے مقابلہ میں جمعیت علماء اسلام کی پہلی شاندار کامیابی تھی۔ اور مسلم لیگ کی بے نظیر فتح تھی۔

الغرض مولانا محمد طاہر قاسمی مرحوم نے حصول و قیام پاکستان کے لئے بے لوث خدمات انجام دیں۔ اور پاکستان کے نام پر ہونے والے الیکشن میں نوابزادہ لیاقت علی خان کے حلقۂ انتخاب اور دوسرے مسلم لیگی حلقوں میں علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور دیگر علماء دیوبند کے ہمراہ شبانہ روز کام کیا اور تحریک پاکستان میں ایک مثالی کردار ادا کیا۔ علماء کرام کی ان مساعی جمیلۂ قربانیوں، جاں نثاریوں، کوششوں اور بیانوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ کون کہہ سکتا ہے کہ علماء اسلام اور علماء دیوبند نے پاکستان کی تاسیس و تعمیر میں حصہ نہیں لیا ہے۔

(ماخوذ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

مکالمۃ الصدرین
مرتبہ مولانا محمد طاہر قاسمیؒ

ہندوستان کا ہر واقف جانتا ہے کہ تحریک پاکستان کے زمانہ میں علماء کرام کی دو جماعتیں کام کر رہی تھیں۔ ایک جمعیت علماء ہند جو کانگریس کی ہم زبان تھی اور جس کے سربراہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دوسری جماعت جمعیت علماء اسلام جو قیام پاکستان کی حامی اور مسلم لیگ کی ہمنوا تھی۔ اس کے صدر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم تھے یہ حضرات ایک ہی درسگاہ کے تعلیم یافتہ ایک ہی شیخ کے شاگرد تھے۔ مگر سیاسی نظریات دونوں کے الگ الگ تھے۔ چند حضرات نے ان دونوں عظیم بزرگوں کے باہمی اختلافات دور کرنے کی غرض سے ایک وفد کی صورت میں علامہ شبیر احمد عثمانی سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ اس ملاقات کی تحریک مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی یعنی شاگرد

علامہ عثمانی پیش پیش تھے۔ چنانچہ علماء کے ایک وفد نے حضرت علامہ عثمانیؒ سے ملاقات کی جس کی قیادت مولانا مدنی فرما رہے تھے۔ ان حضرات سے علامہ عثمانیؒ کی جو گفتگو ہوئی اس گفتگو کو ہم اختصاراً پیش کرتے ہیں اسے پڑھ کر آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں جماعتوں کے سربراہوں میں سے کس کے کلام میں زیادہ وزن اور زور ہے۔ اس گفتگو میں حضرت مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی مرحوم بھی موجود تھے۔ جنہوں نے اس گفتگو کو قلم بند کیا تھا اور بقول پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم وہ خود زبردست مسلم لیگی تھے اور علامہ عثمانی کے شاگرد رشید تھے۔

اس مکالمے کو مکالمۃ الصدرین کا نام مولانا محمد طاہر قاسمی صاحب نے دیا تھا کیونکہ علامہ عثمانی صدر جمعیت علماء اسلام ہند ہوتے اور مولانا مدنی صدر جمعیت علماء ہند تھے بہرحال اب اس مکالمۃ الصدرین کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا پیش لفظ بھی مولانا محمد طاہر قاسمی مرحوم کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے پیش لفظ کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا محمد طاہر صاحب نبیرہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:-

• وہ معرکہ آرا مکالمہ جو اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے فی الحقیقت تمام مسلمانوں کے لئے ایک شمع ہدایت ہے جس سے بآسانی وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کا استقلال کس راستے پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی جو اس وقت ہندوستان کے یگانۂ روزگار علماء میں سے ہیں جو جماعت دیوبند کے مسلم اکابر میں سے ہیں۔ ان کا تبحر علمی محتاج تشریح نہیں، تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی معلومات سونے پر سہاگہ ہیں۔

حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیت علماء ہند کے درمیان گفت و شنید کو احقر نے قلمبند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں قوسین میں عبارت کا اضافہ کر دیا۔

تاکہ مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔

لیجئے ملاحظہ ہو "مکالمۃ الصدرین" ۔ یہ مکالمہ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند میں ہوا۔

یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند دہلی اپنی کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے اور بضمن عیادت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوران مزاج پرسی مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے علامہ عثمانیؒ سے فرمایا کہ:

"ہمیں کچھ آپ سے حالات حاضرہ پر گذارشات کرنی ہیں مسئلہ پر شرعی حیثیت سے تو ہم کیا گفتگو کرتے، یہ درجہ تو ہمارا نہیں، البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں۔ ممکن ہے ان واقعات کو سن کر حضرت والا کی جو رائے لیگ و پاکستان کے بارہ میں قائم شدہ ہے اس میں تغیر ہو جائے۔"

(مکالمۃ الصدرین ص ۳)

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں گفتگو کے لئے ہر وقت حاضر ہوں جب دل چاہے تشریف لاویں۔ چنانچہ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء بروز جمعہ ساڑھے آٹھ بجے دن مولانا حسین احمد مدنیؒ صدر جمعیت علماء ہند۔ ۲۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ۔ ۳۔ مولانا احمد سعید صاحب۔ ۴۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ ۵۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ۔ ۶۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی اور مولانا عبدالحنان صاحب مولانا عثمانی صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے ان حضرات کا خیر مقدم کیا کچھ دیر مزاج پرسی ہوئی۔ اس کے بعد مجلس پر سکوت چھا گیا کہ گفتگو کی ابتدا کون کرے اور کس مسئلے سے کرے۔ چونکہ گفتگو کے خواہش مند وفد متذکرہ بالا حضرات تھے۔ اور اسی غرض کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس لئے علامہ عثمانی خاموش رہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے گفتگو کی ابتدا کی اور ایک طویل تقریر

کی جو پون گھنٹہ تک جاری رہی۔ علامہ عثمانی نے ساری تقریر غور سے سننے کے بعد فرمایا کہ:۔

" مجھے پورے الفاظ اور اجزا تو آپ کی لمبی چوڑی تقریر کے محفوظ نہیں رہے۔ البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے اس کے جوابات بلالحاظ ترتیب عرض کروں گا اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلا کر اس کا مجھ سے جواب لے سکتے ہیں "

گفت و شنید کا یہ سلسلہ سوا تین گھنٹے مسلسل جاری رہا۔ اس مکالمہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب لیتے رہے۔ دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب مرحوم شریک رہے۔ اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت اختیار فرمایا وہ ختم مجلس تک قائم رہا۔ اور کسی موقعہ پر بھی ایک حرف نہ بولے۔ البتہ اخیر میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے پندرہ منٹ، گفتگو فرمائی۔

جمعیت علماء ہند کے ان ذمہ دار حضرات کا خیال تھا کہ علامہ عثمانی کو جو ایک عرصہ سے سیاسیات سے الگ تھلگ رہ رہے تھے سیاسی معلومات کم ہوں گی اور ہم اپنے پیش کردہ واقعات سے انہیں متاثر کر سکیں گے۔ اور انہیں پھر سیاسیات سے کنارہ کشی پر آمادہ کر لیں گے۔ مگر علامہ عثمانی نے اپنی بے پناہ سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا اور ان کے پیش کردہ اشکالات کا کوئی جواب بھی ان حضرات سے نہ بن پڑا۔

علامہ عثمانیؒ نے انہیں صاف فرمایا کہ:۔

" میں نے جو رائے پاکستان کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے جمعیت علمائے اسلام قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے۔ مسلمانوں کو ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم پر ہونا چاہئیے۔ اور علمائے ملت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جدوجہد کرنی چاہئیے۔ آپ کا یہ دعویٰ کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے

تو ہندو، پاکستان سے پھر کیوں اس درجہ مضطرب و خائف اور اس کی انتہائی مخالفت پر تُلا ہوا ہے اور ان کا اعلان ہے کہ پاکستان ہماری لاشوں پر بن سکتا ہے اور یہ کہ جو جماعت یا جو شخص پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہوگا کانگریس اس کی ہر طرح امداد کرے گی۔ میں اس امر پر بحث نہیں کرتا کہ مسلم لیگ راجاؤں، نوابوں اور خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت ہے۔ آپ جو چاہیں کہیں۔ لیکن مسٹر جناح کے متعلق تو میرا یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آ سکتے ہیں یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں۔ آپ کا یہ اشکال کہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور دوسرے بعض فرنگی علماء کے اقتدار کو مٹانا اور دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک اس کا بھی حل یہ ہے کہ آپ سب حضرات مسلم لیگ میں داخل ہو جائیں اور داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیں پھر ہم عوام کے ذریعہ جو مفید صورت مسلمانوں کے لئے ہوگی بروئے کار لا سکیں گے۔ کیا ہمارا اتنا بھی اثر نہیں کہ ہم دو چار لاکھ ممبران بھرتی کرا سکیں۔ میں اس کے لئے تیار ہوں کہ آپ حضرات سے مل کر اس کام میں حصہ لوں۔ میرے نزدیک تو اصلاح کی یہی بہترین شکل ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ میں ہمیشہ سیاسیات سے کنارہ کش رہا۔ اس الیکشن میں کیا داعیہ پیش آیا کہ میں نے شرکت کر لی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس الیکشن کی نوعیت پچھلے الیکشنوں سے بالکل مختلف ہے۔ حکومت نے صاف لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ اس مرتبہ منتخب ہونے والی اسمبلیاں ہی آئندہ ہندوستان کا مستقل دستور بنائیں گی۔ چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ ہے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر مسلمانوں کی امداد کی جائے۔ جو استقلالِ ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ آپ کی خواہش کہ میں ایسے موقع پر نرمی یا سکون اختیار کروں بجا لیکن جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں میرے لئے سکوت کیسے مناسب ہے۔"

(مکالمۃ الصدرین)

اس وفد کی گفتگو کا الٹا اثر ہوا۔ ان کے اشکالات اور لاجواب ہونے سے حضرت علامہ عثمانی کے مؤقف کو پختہ تر کر دیا۔ اور انھوں نے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ ہیں :-

"ایک عرصہ سے عافیت نشین تھا اور میری طویل علالت وخرابیٔ صحت کا اقتضیٰ بھی یہی تھا لیکن آج ملت اسلامیہ ایسی جدوجہد سے دوچار ہے کہ اس کے نتائج وعواقب اس قدر اہم ہیں کہ وہ مجھے اس بیماری کی حالت میں بھی سیاست میں کھینچ لائے۔ تحریک خلافت کے بعد سے میں سیاست سے کنارہ کش ہوں لیکن عرصہ دراز کی کاوشوں اور غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر حصول پاکستان کے لئے میرے خون کی ضرورت ہو تو میں اس راہ میں اپنا خون دینا باعث افتخار سمجھوں گا۔ اور اس سے ہرگز دریغ نہیں کروں گا۔ اس ملک میں ملت اسلامیہ کا وجود و بقاء اور مسلمانوں کی عزت وآبرو قیام پاکستان سے وابستہ ہے میں اپنی زندگی کو کامیاب سمجھوں گا اگر اس مقصد کے حصول میں کام آجاؤں۔"

(حیات محمد علی جناح)

نوٹ :- (مکالمۃ الصدرین کی تفصیلات، خطبات عثمانی، مؤلفہ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی میں دیکھئے)

شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ

آپ ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء کو تنگ زئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں مولانا غلام حیدر بن مولانا خان عالم بن مولانا سعد اللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ ۱۹۰۹ء میں پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۱۲ء میں فارغ ہوئے پھر سرحد و افغانستان کے مختلف علماء سے فنون کی کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور مولانا رسول خان ہزارویؒ وغیرہم حضرات سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ علم طب کی تکمیل بھی دارالعلوم دیوبند میں کی۔ اور ۱۹۲۲ء میں آپ کو حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

تبلیغی و تدریسی خدمات حج سے واپس آئے تو ہندوستان میں شدھی تحریک زوروں پر تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شردھانند کے فتنہ ارتداد و شدھی تحریک کی روک تھام کے لئے جو پچاس مبلغین راجپوتانہ بھیجے گئے ان کے قائد آپ تھے۔ آریہ سماج کے خلاف تبلیغ کا مرکز شہر آگرہ محلہ ڈھولی کھار میں قائم کیا گیا

آپ کی مخلصانہ تبلیغی کوششیں رنگ لائیں۔ برائے نام مسلمانوں کو ارتداد سے بچایا گیا اور بے شمار ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آریوں کے مشہور مناظرین کو عبرتناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ جب فتنۂ ارتداد کے خاتمہ پر کامیابی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند واپسی ہوئی تو دارالعلوم میں ایک جلسہ ہوا جس میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تشریف فرما رہے تھے۔ ان کے ارشاد پر آپ نے تبلیغی حالات و کوائف پر ایسی جامع تقریر فرمائی کہ ان بزرگوں نے دل کھول کر دعائیں دیں۔ کم و بیش ایک سال تک دارالعلوم کے کتب خانہ میں نادر کتب کا مطالعہ کرتے رہے۔

قیام حجاز کے دوران سلطان عبدالحمید خان کے مکتبہ حمیدیہ میں خوب خوب مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۳۴۱ھ میں مدرسہ مظہر العلوم کڈھ کراچی میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۴۲ھ میں مدرسہ ارشاد العلوم قنبہ علی خان لاڑکانہ سندھ میں صدر مدرس رہے۔ ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور میں بطور صدر مدرس تدریس کی۔ ۱۳۵۰ھ میں دارالفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے ۱۳۵۴ھ تا ۱۳۵۷ھ دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے استاذ و شیخ التفسیر رہے۔ ۱۹۳۹ء قلات کے وزیر معارف (وزیر تعلیم) مقرر ہوئے۔ پھر ۱۹۴۷ء میں دوبارہ اسی عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے صدر مدرس رہے اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں شیخ التفسیر والحدیث اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ کے منصب پر کام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز ہوئے اور تقریباً ۱۲، ۱۳ سال تک تدریس کی خدمت انجام دی۔ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ملک اور بیرون ملک علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

چند ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

مولانا محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان، مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانی سابق صدر مفتی خیر المدارس ملتان۔ مولانا نور محمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ ہاشمیہ سجاول کراچی

مولانا عبدالکریم صاحب شیخ الحدیث نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ مولانا فضل احمد صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم کھڈہ کراچی۔ مولانا عبدالرحمٰن شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی مولانا عبدالرؤف صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ چارسدہ۔ مولانا مجاہد الحسینی صاحب خطیب جامع مسجد کلاں فیصل آباد۔ مولانا قاضی عبدالحئی چن پیر ہاشمی خطیب جامع مسجد حویلیاں ہزارہ۔ مولانا لطافت الرحمٰن سواتی استاذ جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔ مولانا علی اصغر صاحب ڈسٹرکٹ خطیب نیلا گنبد لاہور۔ اور مولانا حافظ محمد الیاس صاحب خطیب جامع مسجد پٹولیاں لاہور۔ اور مولانا عبدالقادر آزاد خطیب شاہی مسجد لاہور۔

(ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر)

جناب مولانا فضل حق صاحب ترنگزئی لکھتے ہیں:۔

۱۹۲۲ء میں جب حضرت علامہ افغانی دیارِ حبیبؐ سے واپس تشریف لائے تو ہندوستان چلے گئے۔ اس وقت شدھی تحریک زوروں پر تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اس فتنے کو ختم کرنے کے لئے علماء کی ایک جماعت راجپوتانہ بھیجی گئی اور آپ کو اس کا قائد بنایا گیا۔ آپ نے وہاں جاکر ایسی مدلل تقریریں کیں کہ اس تحریک کا خاتمہ ہوگیا اور کئی مسلمان جو مرتد ہو گئے تھے دوبارہ مسلمان ہوگئے۔ اور سینکڑوں ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اور آریوں کو شکست ہوئی۔ جب واپسی پر دارالعلوم دیوبند میں ایک جلسہ میں آپ نے اپنے دورے اور آریوں کے ساتھ مناظرے کی کارگزاری پیش کی۔ تو آپ کے اساتذہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پر بڑا اثر ہوا۔ اور ان حضرات نے دل کھول کر دعائیں دیں۔ اور ۱۹۲۵ء میں ان کی خداداد ذہانت اور قابلیت کو دیکھ کر ان حضرات نے دارالعلوم دیوبند کا شیخ التفسیر بنا دیا۔ پھر علم تفسیر کے علاوہ منطق و فلسفہ علم کلام اور اصول فقہ کی مشکل ترین کتابوں کا آپ نے درس دیا۔ آپ کے درس میں حضرت علامہ کشمیری کی محدثانہ شان اور حضرت علامہ عثمانی کی متکلمانہ مہارت پائی جاتی تھی۔ ہر بات پر عقلی و نقلی دلائل پیش فرماتے

تھے جس سے ایک متعلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی تھیں۔ آپ سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے استفادہ کیا اور اس زمانہ میں جو شخص بھی معقولات کے بارے میں پوچھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند آتا تو اس کو حضرت علامہ افغانی کے پاس بھیجا جاتا اور آپ اس کی پوری تشفی فرما دیتے۔ آپ نے ہندوستان میں رہ کر ہندوؤں اور آریہ پنڈتوں کے ساتھ بہت مناظرے کئے اور ان کو اپنے مدلّل جوابات سے خاموش کر دیا اس زمانہ میں آپ کی مشہور تصنیف آئینِ آریہ ہے ان ایام میں آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور ان کی صحبت میں رہ کر آپ نے خوب استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ اپنے شیخ تھانوی کے رنگ میں رنگ گئے۔ انہی کے مسلک و مشرب پر قائم رہے اور آخر دم تک آپ کے معمولات حضرت تھانوی کے طریق پر جاری رہے۔ حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے تجدید بیعت کی اور خلافت و اجازت حاصل کی "

(ماہنامہ البیان پشاور ستمبر ۱۹۸۳ء)

تصانیف و تالیف

درس و تدریس اور تبلیغِ دین کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ نے بہت سی علمی تصانیف بھی تالیف کی تھیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

۱۔ "معین القضاۃ والمفتین" اس میں قضاء و افتاء سے متعلقہ فقہ اسلامی سے چیدہ چیدہ اصول منتخب کئے گئے ہیں۔ ۲۔ "شرح ضابطہ دیوانی اردو" اس میں اسلامی فقہ کے تمام دیوانی قوانین دفعات کی صورت میں جمع کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں مکتبہ صدیقیہ ملتان سے شائع ہوئیں۔ ۳۔ علوم القرآن اردو۔ یہ قرآن مجید کی اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ اور پشاور یونیورسٹی کے ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل ہے۔ مدرسہ فاروقیہ بہاولپور نے طبع کی ہے۔ ۴۔ سوشلزم اور اسلام اردو۔ ۵۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ ۶۔ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ ۷۔ سرمایہ دارانہ اشتراکی نظام کا موازنہ اسلام سے۔ ۸۔ عالمی مشکلات اور اُن

قرآنی حل۔ ۹۔ مدارس کا معاشرہ پر اثر۔ ۱۰۔ ترقی اور اسلام۔ ۱۱۔ معدن السرور فی فتوی بہاولپور ۱۲۔ متنازعہ مسائل کا حقیقی حل۔ ۱۳۔ آئینہ آریہ۔ ۱۴۔ تصوف اور تعمیر کردار۔ ۱۵۔ اسلامی جہاد۔ ۱۶۔ احکام القرآن۔ ۱۷۔ کمیونزم اور اسلام۔ ۱۸۔ مفردات القرآن۔ ۱۹۔ مشکلات القرآن ۲۰۔ حقیقت زمان ومکان۔ ۲۱۔ تنقیح التذی علی جامع الترمذی وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ ملک کے رسائل واخبارات میں آپ کے سینکڑوں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

(مشاہیر علماء دیوبند)

علامہ افغانی کی بحیثیت وزیر تعلیم اسلامی اور قومی خدمات

جب آپ دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر تھے تو نواب آف قلات نے ارباب دارالعلوم کو خط لکھا کہ آپ چند علماء کو ہمارے ہاں بھیج دیں تاکہ ہماری ریاست کے لئے قانون بنادیں۔ ارباب دارالعلوم نے مشورہ کیا اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور حضرت علامہ شمس الحق افغانی کو منتخب کیا۔ یہ دونوں حضرات قلات پہنچے اور وہاں کا دستور اسلامی طریقہ پر بنایا۔ جب دستور کو نواب صاحب نے دیکھا تو حیران ہو گئے اور حضرت قاری صاحب سے درخواست کی کہ چونکہ اس دستور کو حضرت مولانا شمس الحق افغانی نے بنایا ہے تو اس کو چلانے کے لئے حضرت افغانی کو ہمارے پاس چھوڑ دیں تاکہ یہ بنایا ہوا دستور ریاست میں رائج کریں۔

نواب قلات کو دستور دیکھنے سے پتہ چلا کہ حضرت علامہ افغانی کس مقام کے عالم تھے چنانچہ حضرت قاری صاحب نے اکابر دارالعلوم دیوبند سے مشورہ کر کے حضرت افغانی صاحب کو قلات میں چھوڑ دیا اور خود دارالعلوم دیوبند واپس چلے گئے۔

آپ کو ریاست قلات کا وزیر تعلیم بنا دیا گیا۔ آپ ریاست کے گیارہ سال تک وزیر رہے اور ملک میں ہر طرح سے امن وامان قائم کیا۔ شاید ہی پاکستان میں اتنی طویل مدت تک کسی نے وزارت کی ہو۔ قلات کے زمانۂ قیام میں قضاء اور افتاء کے اصول مرتب کر کے

ایک کتاب معین القضاۃ والمفتین عربی زبان میں لکھی اس میں سے فقہ اسلامی کے باریک نکات جمع کئے اور یہ کتاب پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی شہرت پا چکی ہے اس کتاب کی تالیف پر علماء ہند نے آپ کو ایک قرارداد کے ذریعہ خراج تحسین پیش کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو زبان میں بھی اسلام کے قانونِ دیوانی کو دفعات کی صورت میں مرتب کیا یہ تالیف بھی علمی اور قانونی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔ قلات میں شرعی قانون نافذ تھا ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کی وجہ سے اس کا ادغام ہوگیا۔ اور قلات کی عدالتوں کے شرعی فیصلوں کے خلاف ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کی گنجائش پیدا ہوگئی اور چوں کہ ان کے ارکان قانون شرعی سے واقفیت نہیں رکھتے تھے تو آپ نے دینی حمیت کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اور اگر استعفیٰ نہ دیتے تو آپ کو بڑی رقم پنشن کے ذریعہ سے مل سکتی تھی لیکن آپ کی دینی غیرت نے اسے گوارا نہ کیا۔

(ماہنامہ البیان پشاور ستمبر ۱۹۸۳ء)

جناب قاری فیوض الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں:۔

۱۹۳۹ء میں آپ کو ریاستہائے متحدہ بلوچستان قلات کے والی کی طرف سے وزارت تعلیم کی پیش کش کی گئی۔ چنانچہ اکابر دیوبند کے مشورہ پر آپ نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ اور اسی سال آپ نے قلمدانِ وزارت سنبھالا۔ آپ کے وزارت میں آنے سے ریاست کے شعبہ ہائے قضا میں جان پڑ گئی۔ تمام تنازعات کا فیصلہ جلد از جلد قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا جانے لگا۔ ریاست کے عوام کو خوشی واطمینان کی زندگی ملی۔ اس ذمہ دارانہ منصب پر آپ ۱۹۳۹ء اور بعد از پاکستان ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۵ء تک پورے گیارہ سال فائز رہے ان سالوں میں آپ نے قوم وملت کی جی بھر کر خدمت کی۔ اسی دوران آپ نے قضاء اور افتاء کے متعلق فقہ اسلامی سے چیدہ چیدہ اصول منتخب کر کے ایک کتاب "معین القضاۃ والمفتین" عربی زبان میں لکھی۔ اور اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا اس میں اسلامی

قوانین کو بحوالہ کتب جدید طرز پر بشکل دفعات مرتب کیا اس کتاب پر آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے علماء ہند نے قرارداد کے ذریعے مبارک باد بھیجی جو اخبار "الجمعیۃ" اور الصدیق میں چھپی - یہ کتاب افغانستان - ترکی عراق - مصر لبنان اور شام والوں نے طلب کی اور بغداد شارع الشیخ میں اس کی ایجنسی قائم ہوئی - ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ بن جانے کے بعد جب کہ مشاہدہ اور منصب بدستور قائم تھا - لیکن وزارت کا عہدہ قانوناً ممکن نہ تھا اور شرعی فیصلوں پر ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں اپیل کی گنجائش باقی رہ سکتی تھی اور جس کے ارکان شرعی قانون کی پوری واقفیت نہ رکھتے تھے - اس لئے آپ نے استعفیٰ دے دیا حالاں کہ استعفیٰ نہ دینے کی صورت میں بڑی تنخواہ اور بڑی پنشن سے آپ مستفید ہو سکتے تھے لیکن آپ نے غیر عالم دین کے عالم دین کے فیصلہ پر حق اپیل دینے کو شان ووقار شریعت کے خلاف سمجھ کر مالی فائدہ کو نظر انداز فرما دیا - بقول شاعر ؎

اس کے سوا جہاد کے معنی ہیں اور کیا
اسلام کا وقار بڑھاتے ہوئے چلو

(ماخوذ از ماہنامہ الرشید دارالعلوم نمبر)

علامہ افغانی کی تحریک پاکستان سے وابستگی

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ فرماتے ہیں کہ :-

"جب سے دنیا کا نظام چل رہا ہے ٹھیک اسی وقت سے حق اور باطل کی آویزش بھی بدستور جاری ہے کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں حق کے مقابلہ میں باطل یا باطل کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے حق اور حق پرست نہ کھڑے ہوئے ہوں اور جب تک یہ جہان باقی ہے اس وقت تک یہ سلسلہ جاری ہی رہے گا - اور کبھی اختلاف مٹ نہیں سکتا اور تکوینی طور پر بھی اس کی بلا شک کئی حکمتیں اور مصلحتیں ہوں گی - ہم کیا اور ان مصالح کی تہ رسی کیا ؟ مشہور ہے کہ کیا

پڑی اور کیا پڑی کا شور بہ۔ شاید اسی کی طرف ذوق نے اشارہ کیا ہے کہ ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن

اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے فریب اختلاف سے

انگریز کے منحوس دور میں بعض فرقوں کی طرف سے اکابر علماء دیوبند کو عوام الناس کی نظروں میں (معاذ اللہ) حقیر و ذلیل کرنے کے لئے کئی بے خطا ہتھیار استعمال کئے جاتے تھے۔ اور ان کے خلاف بڑا شور و ہنگامہ برپا کیا جاتا تھا۔ کبھی ان کو اللہ تعالیٰ اور انبیاءؑ علیہم السلام اور اولیاءِ عظام کی توہین کرنے والے ثابت کیا جاتا تھا (معاذ اللہ) حالانکہ اس بے بنیاد الزام سے ان کا دامن قطعاً پاک تھا اور ہے اور کبھی یہ کہ یہ کانگریسی ہیں اور ہندوؤں کے ہمنوا ہیں حالانکہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں ایک وقت تک وہ حضرات بھی کانگریس میں رہے جو بانیان پاکستان میں اہم کردار کے مالک ہیں۔ خصوصیت سے قائدِ اعظم مرحوم۔ لیاقت علی خاں مرحوم۔ سردار نشتر مرحوم اور خان عبدالقیوم خان مرحوم وغیرہ وغیرہ۔

مگر بے شمار حضرات اکابر علماء دیوبند میں بھی اول سے آخر تک کانگریس کے مخالف رہے۔ اور مسلم لیگ کے پرزور حامی رہے۔ مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور آپ کے تمام خلفاء مریدین اور عقیدت مند حضرات اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور آپ کے سینکڑوں شاگرد۔ علیٰ ہذا القیاس مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچوی۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار۔ شیخ کامل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور۔ حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی سابق وزیر معارف قلات و پروفیسر جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور امیر المجاہدین مولانا محمد اسحاق مانسہروی اور ان کے علاوہ اور بھی کئی بڑے بڑے حضرات جو تن من دھن سے قیام پاکستان کے حامی

تھے۔ لہٰذا سب اکابر علماء دیوبند کو پاکستان کا مخالف قرار دے کر یوں دل کی بھڑاس نکالنا بالکل غلط تھا۔ قیام پاکستان کے بعد کئی سال تک یہ فتنہ دبا رہا۔ لیکن بعد میں کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ علماء دیوبند نے قیام پاکستان میں کچھ کام نہیں کیا حالانکہ یہ بات حقیقت سے بہت دور ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائیں۔

(ماخوذ از کتاب بانی دارالعلوم دیوبند ص۵ تا ۷)

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب جیسے محقق عالم کی تحریر کے مطابق حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے سینکڑوں خلفاء و تلامذہ کانگریس کے مخالف اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ چنانچہ حضرت علامہ افغانی بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سلسلہ کے ایک ممتاز عالم دین ہیں اور ان کو حضرت تھانویؒ سے براہ راست بیعت کا شرف حاصل تھا۔ ساری عمر حضرت تھانویؒ کے مسلک و مشرب پر قائم رہے اور حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے خلافت و اجازت بیعت حاصل کی۔ دوسری طرف آپ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور اپنے اساتذہ میں سے آپ علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی سے بہت متاثر تھے۔ اور ان اکابر سے بڑا گہرا ربط و تعلق تھا دارالعلوم دیوبند میں پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں انہی بزرگوں کے زیر سایہ تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اور انہی کے سیاسی نظریات کے مطابق دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت کرتے رہے۔ تحریک پاکستان میں اپنے استاذِ گرامی حضرت علامہ عثمانی کے موقف کی مکمل حمایت کی۔ اور انہی کی زیر قیادت جمعیت علماء اسلام کے پروگراموں میں شامل ہوتے رہے۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ ایک اسلامی مملکت کے قیام کے لئے کوشاں رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور جو کہ آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:-

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔ انہوں نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے حکم پر تحریک پاکستان میں بڑا کام کیا۔ بمبئی میں جو جمعیت علماء اسلام کا عظیم اجتماع ہوا تھا جس اجتماع میں مسلم لیگ کی اعانت و حمایت اور قیام پاکستان کے حق میں پوری قوت اور توانائی سے کام کرنے کا علماء کرام نے جو عہد کیا تھا وہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں کیا گیا تھا۔ علامہ عثمانیؒ کی تحریک پاکستان میں حمایت کے اعلان کے بعد ہندوستان کے کل علماء اور مشائخ جو تھے وہ حضرت علامہ عثمانی کی آواز پر لبیک کہہ کر اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ خود دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا شمس الحق افغانی، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ استاذ حدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ یہ سب حضرات مسلم لیگی ذہن کے تھے۔ حضرت علامہ عثمانی اور ان کے شاگردوں نے ایک طرف تحریک پاکستان کے لئے کام کیا اور دوسری طرف پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے تحفظ کے لئے اپنی تصنیف و تالیف میں مصروف رہے تاکہ جب پاکستان بنے تو اس پاکستان کو وہ لٹریچر فراہم کیا جائے جو اُن کے اور اُن کے اپنے شاگردوں نے تقریباً ۷۵ کتابیں اسلام کے نظام پر لکھی ہیں۔ جب کہ ہماری بڑی بڑی نظریاتی کونسلیں ایک اسلامی دستاویز نہ بنا سکیں جو مکمل اسلام کے نظام پر مشتمل ہو۔"

(روزنامہ نوائے وقت اشاعت خاص بیاد شیخ الاسلام علامہ عثمانی)

حضرت علامہ عثمانی سے علامہ افغانیؒ مرحوم کے خصوصی تعلق کے بارے میں حضرت عثمانی کے شاگرد رشید جناب مولانا علی اصغر صاحب ڈسٹرکٹ خطیب نیلا گنبد لاہور لکھتے ہیں کہ:

" ویسے تو شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے بے شمار کارنامے ہیں لیکن میں اپنے استاد

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ سے سنی ہوئی ایک بات سناتا ہوں کہ علامہ عثمانی کا ایک عظیم کارنامہ کشمیر کی جنگ کو جہاد قرار دینا ہے۔ آپ حضرات کو یہ معلوم ہے کہ جب کشمیر میں جنگ چھڑی تو دنیا میں مختلف قبائل کے لوگ وہاں پہنچے اگرچہ حکومت کی تائید ان کو حاصل تھی لیکن ملک کے ایک طبقے کی طرف سے یہ کہا گیا کہ یہ شرعی جہاد نہیں ہے بظاہر یہ بات اس لئے صحیح معلوم ہوتی تھی کہ قرآن پاک میں ایک حکم ہے کہ جب دو قوموں میں معاہدہ ہو جب تک واضح طور پر یا اعلان نہ کر دیا جائے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا ہے جنگ اور لڑائی نہیں لڑی جا سکتی" چونکہ نہرو لیاقت معاہدہ مشہور تھا اس لئے ایک طبقے کا یہ کہنا تھا کہ نہرو لیاقت معاہدے کی موجودگی میں یہ جنگ کس طرح جہاد قرار دی جائے گی۔ مجھ کو یہ بات میرے استاد مولانا شمس الحق افغانی نے براہِ راست سنائی۔

مولانا افغانی فرمانے لگے کہ:۔

"تمہیں حضرت عثمانی کے بارے میں کیا کیا بتاؤں وہ ایک عظیم محدث تھے۔ حدیث کے حافظ اور شارح تھے۔ وہ قرآن پاک کے مفسر تھے اور علم فقہ میں بھی بلند مقام کے مالک تھے۔ تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں اُن کی عظیم خدمات ہیں"

حضرت افغانی فرمانے لگے کہ:۔

"میں حضرت علامہ عثمانی کی خدمت میں ہر ماہ دو مرتبہ ضرور آتا تھا۔ ایک دن آیا تو کچھ چیزیں میں نے حضرت کو پیش کیں تو دیکھا کہ حضرت کچھ لکھ رہے ہیں، مجھے دیکھا تو اٹھ کر ملے اور خوشی سے فرمایا کہ اچھا ہوا شمس الحق آپ آگئے ہیں۔ آپ قاضی اور فقیہہ ہیں۔ میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جو لیاقت علی خان نے مانگا ہے اور کل اخبارات میں دینا ہے اس مضمون میں فقہ کی بات تم بتا دو"

میں نے کہا، حضرت! کیا مضمون ہے آپ نے کہا دیکھی! کشمیر میں جو جنگ ہو رہی ہے یہ جہاد اسلامی ہے۔ تو میں نے کہا، حضرت اب ہمارا معاہدہ نہیں رہا

کیونکہ اقتدار والوں نے خیانت کی ہے اور آپ کو معلوم نہیں ہے کہ نہرو لیاقت معاہدہ میں یہ شامل تھا کہ جوناگڑھ اور حیدرآباد پر حملہ نہیں کرنا چونکہ ہندوستانی حکومت حملہ کر چکی ہے اب اس بات کا حق نہیں رہا کہ ہم اعلان کریں۔ قائداعظم اور لیاقت علی خان کو اعلان کی ضرورت نہیں ہے یہ جہاد ہے۔

اس پر حضرت علامہ عثمانی اٹھے اور میرا ماتھا چوم کر کہا کہ:-

"شمس الحق تم نے حق ادا کر دیا ہے۔ اور یہ کہہ کر خوشی کا اظہار کیا"

بہرحال اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ عثمانی کی نظر میں حضرت افغانی کا کتنا مقام تھا۔ اور استاد کا اپنے شاگرد پر اتنا اعتماد ہونا بہت بڑی بات ہے۔

(بحوالہ نوائے وقت اشاعت خاص عثمانی نمبر)

چند دینی کارنامے ایک نظر میں

آپ نے تدریسی و تبلیغی اور ملکی و ملی خدمات کے علاوہ بیرونی اور اندرونی ملک کی عالمی کانفرنسوں میں بھی شرکت فرما کر اسلام کا نام بلند کیا۔ آپ نے مؤتمر عالم اسلام کوالالمپور ملائیشیا کانفرنس میں بحیثیت پاکستانی مندوب کے شرکت فرمائی جس میں سارے عالم اسلام سے چیدہ چیدہ علماء شریک تھے۔ آپ نے تعدد ازواج کے مسئلہ پر ایسی محققانہ بحث کی کہ آپ کے دلائل کو عالم اسلام کے علماء نے تسلیم کر لیا اور اس کے علاوہ مؤتمر عالم اسلامی کانفرنس اسلام آباد میں آپ نے سود، بیمہ، انشورنس کی کمیٹی کے سامنے جب مضبوط دلائل پیش کیئے تو عالم اسلام کے علماء عش عش کر اٹھے۔ ان ساری کانفرنسوں کے آپ کے مدبرانہ دلائل آج بھی عالمی ریکارڈ پر موجود ہیں۔

۱۳۷۹ھ میں مدارس عربیہ کل پاکستان (مغربی و مشرقی) کا اجلاس ہوا جس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے چوٹی کے علماء نے شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں علامہ افغانی کو متفقہ طور پر "وفاق المدارس عربیہ پاکستان" کا پہلا صدر منتخب کیا گیا اور مولانا سید محمد یوسف بنوری

کو نائب صدر اور مولانا مفتی محمود صاحب کو ناظم مقرر کیا گیا۔

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مابین بعض فتووں کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تو دارالعلوم دیوبند نے ان تمام فتووں پر نظرثانی کے لئے حضرت علامہ افغانی کو مقرر فرمایا۔ حضرت علامہ افغانی نے محققانہ نظرثانی کر کے فیصلہ دے دیا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (بھارت) جیسے بین الاقوامی ادارے میں بحیثیت پہلے صدر مدرس امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ دوسرے صدر مدرس شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور تیسرے صدر مدرس حضرت علامہ شمس الحق افغانی کو نامزد کیا گیا جہاں علمی فیض حاصل کرنے والے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے۔ پاکستان میں موجودہ خطیبوں کی اکثریت ان کی شاگردی کے فیض سے فیض یاب ہیں کیونکہ کوئٹہ اکیڈیمی میں خطیبوں کو تربیت دی جاتی ہے جہاں پر علامہ افغانی شیخ التفسیر والحدیث کی حیثیت سے فرائض انجام دے چکے ہیں۔

علامہ افغانی نے نظام اسلام کے سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی زیر صدارت ۱۹۵۱ء میں اکتیس ۳۱ علماء کے مشہور زمانہ بائیس نکات والے اجلاس میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر شرکت کی۔ یہ تاریخی اجلاس کراچی میں مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی قیام گاہ پر منعقد ہوا تھا۔ علماء کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے اور آج ہر مکتب فکر کے علماء نظام اسلامی کے لئے ان بائیس نکات کو راہنما اصول کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

کئی بار حکومت پاکستان کی طرف سے اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور آپ نے اسلامی نظام کے لئے بڑی جدوجہد کی تھی۔

ایک مغربی مفکر جورنت کرافٹ کا مضمون جو اسلام کے لئے عیسائیت کی حمایت میں لکھا گیا اور ریڈرز ڈائجسٹ انٹرنیشنل میں ۶ ستمبر ۱۹۷۸ء کو شائع کیا گیا تھا۔ حکومت پاکستان نے

اسلامی نظریاتی کونسل کو جواب لکھنے کی ہدایت کی۔ کونسل کے ممبران نے جوابی مضامین تحریر کیے لیکن علامہ افغانی کا مضمون کونسل نے متفقہ طور پر جامع مضمون قرار دے کر جوزف کرافٹ کے جواب میں شائع کر دیا۔

آپ کی ان اسلامی و دینی خدمات کو دیکھتے ہوئے سابق صدر محمد ایوب خان مرحوم نے ۱۴؍اگست ۱۹۶۶ء کو علامہ افغانی کو تمغۂ امتیاز پیش کیا اور پھر صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ۱۴؍اگست ۱۹۸۰ء میں ستارۂ امتیاز پیش کیا۔ اس سے قبل پشاور یونیورسٹی نے ۹ ستمبر ۱۹۶۷ء کو ایک اعزازی ڈگری دی۔ بہرحال آپ اپنے تبحر علمی، وسعت مطالعہ قناعت اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اسلاف دیوبند کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ برصغیر میں علم حدیث و تفسیر اور فقہ اسلامی کی خدمت کرنے والے اکابر میں آپ کا نام نامی ہمیشہ یاد رہے گا۔

آپ ۱۴؍جون ۱۹۷۳ء کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے بوجہ ضعف و بیماری کے استعفیٰ دے کر اپنے آبائی وطن ترنگ زئی تحصیل چارسدہ میں مقیم ہو گئے اور تا آخر حیات باوجود ضعف و علالت کے اپنے خطبات کے ذریعے عوام کی اصلاح کرتے رہے اور آخر کار ۶؍ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۶؍اگست ۱۹۸۳ء کو بہ مرد حق اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین

(ماخوذ از ماہنامہ البیان پشاور و ماہنامہ الرشید دار العلوم نمبر)

خطیب الاُمت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

آپ قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی (بھارت) کے مشہور صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۳۳ھ مطابق 1915ء میں مولانا ظہور الحق صاحب کے گھر ہوئی۔ جو بڑے جید اور پرہیزگار عالم دین تھے جن کے سلسلہ بیعت کا تعلق براہِ راست شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر مکی سے تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی چھوٹی بہن تھیں اور وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے بیعت تھیں۔ آپ بچپن سے اپنے ماموں حضرت حکیم الامت تھانوی کی زیر تربیت رہے بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ فارسی کی متداول کتابیں میرٹھ میں حضرت مولانا اختر شاہ صاحب سے بھی پڑھیں۔ عربی کی تعلیم شروع میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی زیر سرپرستی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی۔ اور ۱۹۳۰ء میں برصغیر کی ممتاز دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں حدیث، تفسیر، فقہ و ادب، فلسفہ و کلام اور جملہ علوم دینیہ امتیازی حیثیت کے ساتھ نمبر اوّل کی سندِ فراغ

حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ۔ مولانا اعزاز علی امروہیؒ۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحب قابلِ ذکر ہیں۔

تبلیغی و اصلاحی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنے بزرگوں کے حکم پر تبلیغی و تعلیمی اور اصلاحی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے اپنے تبلیغی کام کا آغاز نئی دہلی میں خواجہ میر درد کی مسجد سے فرمایا۔ جہاں پر یومیہ درس قرآن اور تبلیغی اجتماعات ہوا کرتے تھے اور ہر جمعہ کو کونسل چیمبر کے پاس نئی دہلی کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ سے پہلے انگریزی طور پر آپ خطاب فرماتے تھے۔ جس میں مرکز کے سرکاری ملازمین کے علاوہ مرکزی اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبران بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ جس میں خواجہ ناظم الدین۔ مولانا ظفر علی خان مولانا تمیز الدین خان۔ سردار عبدالرب نشتر، سر عبدالحلیم غزنوی، سر عثمان۔ آئی۔ آئی چندریگر وغیرہ حضرات بڑے ذوق شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ آپ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق جدید تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص مرکزی حکومت ہند سے متعلق سرکاری ملازمین میں تبلیغ دین کا کام بڑی سرگرمی سے سرانجام دیا۔ مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سرکاری ملازمین اور مسلم لیگ کے زعماء میں پاکستان کی حمایت کے ساتھ ساتھ دینی جذبات پیدا کئے جائیں تاکہ آئندہ اسلامی مملکت کی تشکیل اور اس کے قیام میں سہولت پیدا ہو جائے آپ نے شب و روز مجلس دعوۃ الحق کے ذریعے اربابِ اقتدار اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں تبلیغِ دین کا حق ادا کیا اور قائدِ اعظم محمد علی جناح، قائد ملت لیاقت علی خان۔ سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے زعماء لیگ کو دین کی طرف لانا اسی مجلسِ دعوۃ الحق کے اکابرین کا کارنامہ ہے جناب مولانا مرتضیٰ عثمانی فرماتے ہیں کہ :-

• حضرت علامہ احتشام الحق تھانویؒ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو آپ کی تبلیغی خدمات ہیں جس کے لئے آپ نے اپنی تمام زندگی وقف کر دی تھی۔ آپ نے تبلیغ دین کے لئے پوری دنیا میں تبلیغی دورے کئے۔ اور جنوبی افریقہ۔ انڈونیشیا۔ فلپائن۔ سعودی عرب۔ افغانستان۔ ایران۔ برما۔ امریکہ۔ چین۔ برطانیہ اور دیگر متعدد ممالک میں تبلیغی اسفار کئے لاکھوں مسلمان آپ کے دستِ حق پر بیعت ہوئے اور ہزاروں مشرف بہ اسلام ہوئے دنیا میں کوئی خطہ یا ملک ایسا نہیں جہاں آپ تبلیغ دین کے لئے نہ پہنچے ہوں۔ اللہ کے دین کی تبلیغ کی اور لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح کی۔

(تذکرہ خطیب الامت صہ ۲۶ تا ۲۸)

تحریکِ پاکستان اور مولانا تھانویؒ

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اہلِ ہند کی ناکامی کے بعد انگریز کے قدم برصغیر میں مضبوط ہو گئے تھے چنانچہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر قومی آزادی کی ایک مہم شروع کی جس کا مقصود انگریز کے طوقِ غلامی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ یہ تحریک خراماں خراماں اپنا سفر طے کرتی ہوئی بیسویں صدی میں داخل ہوتی ہے۔ اس صدی میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میدانِ عمل میں آتے ہیں۔ اور دیوبند کے بہت سے علماء اس تحریک کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں۔ اس تحریک سے وابستہ علماء کرام کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں سولیوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ چونکہ تحریک انگریزوں کے خلاف تھی اور ہندو مسلم مل کر اس تحریک کو چلا رہے تھے۔ ہندو تعداد میں زیادہ بھی تھے پھر بھی مسلمانوں کے لیڈروں کو خاص طور پر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ چنانچہ اس تحریک پر اور تحریک کے حوالہ سے مسلمانوں کے ذہنوں پر ہندو چھانے لگے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ جب مالٹا کی اسارت سے رہا ہو کر بمبئی کی بندرگاہ

پر پہنچے تو ایک عظیم الشان جلوس حضرت شیخ الہند کے استقبال کے لئے موجود تھا جلوس میں منجملہ اور نعروں کے ایک نعرہ یہ بھی لگایا جا رہا تھا "شیخ الہند کی جے ہو" حضرت شیخ الہند ان نعروں کو سن کر چونکے اور استفسار کیا کہ یہ بیکار الفاظ میں کیا سن رہا ہوں۔ مولانا محمد علی جوہر اور حکیم اجمل خان وغیرہ ہمراہ تھے۔ عرض کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ الہند کی فتح ہو۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ لفظی ولغوی مفہوم تو مجھے بھی معلوم ہے، میں حیران اس ذہنی انقلاب پر ہوں جو اس دوران رونما ہو چکا ہے اگر جے ہو کہنے میں کوئی نقصان نہیں تو مسلمان کو اللہ اللہ کے بجائے رام رام کہنے میں بھی کوئی مضائقہ محسوس نہ کرنا چاہئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح فرماتے تھے کہ:-

دو بھائیوں نے چلنا شروع کیا ایک کچھ آگے تھا اور دوسرا پیچھے۔ پیچھے والے بھائی نے کچھ قدم تیز بڑھا کر آگے والے کو پیچھے کر دیا۔ مراد یہی تھی کہ ہندو سیاست کے میدان میں مسلمانوں سے پیچھے تھا مگر بعد میں کچھ آگے نکل گیا۔ تحریک کے اس مرحلہ تک تمام علماء دیوبند جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا احتشام الحق تھانوی وغیرہ علماء متفقہ طور پر تحریک کے ساتھ وابستہ تھے لیکن ۱۹۳۷ء میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ ہندوؤں کے شانہ بشانہ اس تحریک میں شمولیت مسلمانوں کو اگر انگریز کی غلامی سے نجات دلائے گی تو ہندوؤں کی غلامی میں مبتلا کر دے گی۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی نے مسلم لیگ پٹنہ کے اجلاس میں جو ۱۹۳۸ء میں منعقد ہوا۔ ایک وفد روانہ کیا جس میں مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے۔ پٹنہ کے اس اجلاس میں مولانا اشرف علی تھانوی کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ تو قومی آزادی کی اس تحریک میں مذہبی روح نمایاں اور اجاگر ہو گئی۔ جب کہ اس سے قبل قومیت کی روح نمایاں

تھی۔ اس موقع پر مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقاء نے اس بناء پر کہ مسلمان علیحدہ اور ہندو علیحدہ تحریک چلائیں تو طاقت منتشر ہو جائے گی۔ مسلمانوں کی ہندوؤں سے علیحدگی کی مخالفت کی۔ لیکن حقیقت میں نظریۂ پاکستان کی یہ مخالفت قبل قیام پاکستان تھی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد اس مخالفت کا رُخ تبدیل ہوا۔

۱۹۴۸ء میں قیام پاکستان کے بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لائے۔ راقم ان دنوں وہاں موجود تھا۔ اس مجلس میں مولانا مدنی سے پاکستان کے بارہ میں سوال کیا گیا تو جو الفاظ میرے کانوں نے اس وقت سنے وہ میرے حافظہ نے اب تک محفوظ رکھے ہیں۔ روایت باللفظ کے طور پر بیان کرتا ہوں، فرمایا:۔

"کسی مقام پر مسجد کی تعمیر سے قبل یہ اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ یہاں مسجد کی تعمیر کی جائے یا نہ کی جائے فقہی اعتبار سے اس اختلاف میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن مسجد کی تعمیر کے بعد اب ہر مسلمان پر اس کی حفاظت واجب و ضروری ہے اب جب کہ مسجد تعمیر ہو چکی ہے اس کی حفاظت ہم سب مسلمانوں کا فرض بھی ہے اور اس کی بقاء ہماری تمنا بھی۔"

چنانچہ علماء کرام کی اس شمولیت نے اس قومی تحریک کو ایک مذہبی تحریک بنایا اور قائد اعظم مرحوم نے ہمیشہ علماء کرام کی اس شمولیت کو سراہا اور اپنے خطبات میں بارہا اس بات کو تسلیم کیا کہ:۔

"مسلمانوں کا دستور بنانے والا میں کون ہوتا ہوں مسلمانوں کا دستور تو آج سے تیرہ سو سال قبل بن چکا ہے۔"

ان علماء کرام نے مسلم لیگ کے شانہ بشانہ میرٹھ، مظفر نگر، لاہور، سہارنپور اور صوبہ سرحد کے علاقوں اور بنگال کی سنگلاخ چٹانوں میں کام شروع کیا جس سے تحریک

کی حمایت میں نمایاں فرق محسوس ہوا چنانچہ آج بھی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ ۱۹۴۵ء سے قبل تحریک کی کیا کیفیت تھی اور ۱۹۴۵ء کے بعد تحریک کی کیفیت میں کیا رنگ پیدا کر دیئے گئے تھے۔[1]

جناب مولانا سید عبدالقادر صاحب آزاد فرماتے ہیں کہ:۔

" تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب علماء دیوبند کے کردار پر بحث کی جائے گی اور پاکستان کی تعمیر میں علماء کی جدوجہد کا ذکر آئے گا تو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم، قائد اعظم محمد علی جناح اور قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ دارالعلوم کے صدر مہتمم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ دارالعلوم کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حکیم الامت کے دوسرے خلفاء اور مجازین حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری بانی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم حضرت مولانا اطہر علی صاحب مرحوم۔ شیخ المحدثین علامہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے اسماء گرامی سر فہرست ہوں گے۔ سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی۔ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور ان کے رفقاء نے جس سرگرمی سے ہندوانہ ذہنیت کے خلاف کام کیا۔ قائد اعظم نے اسی بنیاد پر کراچی میں کل پاکستان پہلی قومی پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانی سے کرائی اور مشرقی میں علامہ ظفر احمد عثمانی سے کرائی۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ ان دونوں علماء کے جانشین اور ترجمان تھے انہوں نے

---

[1] ماہنامہ الحسن لاہور اگست ۱۹۸۶ء

اپنی پوری زندگی اسلام کی تبلیغ اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ کے لئے وقف کر رکھی تھی آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی زیر قیادت جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم کے ذریعے قیام پاکستان کے لئے بیش بہا کام کیا اور ہندوستان کے متعدد علاقوں میں اپنی سحر آفریں خطابت سے تحریک پاکستان کو مقبول عام بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے[۲۶]۔"

حضرت مولانا محمد متین خطیبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

" مولانا احتشام الحق تھانویؒ ان علمائے حق میں سے تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کے لئے زبردست خدمات انجام دیں۔ مولانا نے تمام عمر اسلام اور پاکستان کی خدمت کی انڈین نیشنل کانگریس اور انگریزوں کا گٹھ جوڑ جب کھل کر سامنے آگیا تو آپ نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی معیت میں مردانہ وار اور پروانہ وار مسلم لیگ کی حمایت میں پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کیا۔ اور سینکڑوں جلسوں سے خطاب فرمایا۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں علامہ عثمانی کی ہمراہی میں شب و روز کام کیا اور اپنی دلآویز خطابت سے لوگوں کو بے حد متاثر کیا۔ نواب اسماعیل خان مرحوم اور لیاقت علی خان نے آپ ہی کی تقاریر سے متاثر ہو کر اپنے اپنے حلقۂ انتخاب کے دوروں کے لئے خاص طور سے مولانا ہی کو مامور کیا تھا ان کی زبان و قلم نے تمام عمر جرأت و بے باکی کے ساتھ دین اسلام، نظریہ پاکستان اور ملک و ملت کے بنیادی حقوق کے لئے جہاد کیا اور اپنے مجاہدانہ کردار و گفتار سے شاندار روایات قائم کیں ان کی وفات سے تحریک پاکستان کا ایک روشن ستارہ غروب ہو گیا[۲۷]۔"

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی فرماتے ہیں کہ:۔

[۲۶، ۲۷] بحوالہ تذکرہ خطیب الامت ص ۱۳۰، ۱۳۱

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کی شخصیت گوناگون کمالات اور اوصاف کے اعتبار سے ایک جامع اور ہمہ اوصاف شخصیت تھی وہ ایک نامور جید عالم دین اور بے مثال خطیب تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مولانا مرحوم کے حقیقی ماموں بھی تھے اور روحانی مربّی بھی۔ مولانا کا سیاسی مسلک حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک کے عین مطابق تھا۔ وہ دوقومی نظریہ تحریک پاکستان کے بڑی سختی کے ساتھ حامی تھے۔ اور آپ کی پوری سیاسی زندگی دوقومی نظریہ اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے گرد گھومتی نظر آتی ہے وہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی مفاہمت اور رواداری کے قائل نہیں تھے۔ آپ کو اپنے اس نظریئے کی صداقت پر سختی سے اصرار تھا ہر اس شخص اور جماعت سے مولانا کو سخت اختلاف رہا۔ جس کے بارہ میں اس نظریہ کی مخالفت کا ادنیٰ شبہ بھی ان کو ہو گیا پھر اظہار اختلاف میں بھی مولانا نے کبھی کسی کی رعایت نہیں کی اور اپنے پرائے کا بھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔ آپ ابتداء سے ہی حضرت حکیم الامت تھانوی کے نظریۂ پاکستان سے وابستہ رہے اور قیام پاکستان سے بھی پہلے سے ہی حضرت حکیم الامت تھانوی کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق کے مبلغ کی حیثیت سے دہلی میں تحریک پاکستان کے عمائدین اور زعماء کو پاکستان کے اصل مقصد قیام اور اس کی روح نظام اسلام کی طرف متوجہ کرتے رہے۔ اور جب ۱۹۴۵ء میں تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ تو مولانا مرحوم بھی باقاعدہ اس میں شامل ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو پاکستان کے مطالبہ کی اہمیت و افادیت سے آگاہ فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو مجمع عام میں تقریر و خطابت کی بے نظیر صلاحیت اور قابلیت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے دلنشین اور مدلل تقاریر سے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران مولانا کی خطابت اور شیریں بیانی کا ہر جگہ چرچا تھا

اسی وجہ سے نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم کے الیکشن میں تھانہ بھون۔ کیرانہ۔ شاملی مظفر نگر وغیرہ میں دہلی سے مولانا کو بلا کر تقاریر کا پروگرام بنایا گیا تھا جو بہت کامیاب ثابت ہوا۔

۱۹۴۶ء میں جب متحدہ ہندوستان میں عبوری حکومت قائم ہوئی تو عبوری حکومت کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے قائد ملت لیاقت علی خان نے مسلم لیگ کی طرف سے بجٹ پیش کیا۔ اس سے کچھ روز قبل ایک مسلمان افسر دہلی میں مولانا کے پاس گیا اور کہا کہ وہ قرآن پاک کی ایک ایسی آیت بتائیں جس میں کہا گیا ہو کہ دولت چند خاندانوں میں سمٹ کر نہ جائے۔ چنانچہ مولانا نے اس مسلمان افسر کو ۲۸ ویں پارہ میں سورۂ حشر کی ایک آیت بتائی۔ جب مسلم لیگ کا بجٹ سامنے آیا تو اس میں قرآن پاک کی یہ آیت درج تھی یہ آیت دراصل پاکستان کے بارے میں مسلم لیگ کا معاشی نظریہ تھی کہ جب پاکستان بنے گا تو ہم اس میں اسلام کا معاشی نظام رائج کریں گے اور سرمایہ داری سے نجات حاصل کریں گے مسلم لیگ نے اسلام کا یہ معاشی نظریہ پیش کرنے کے لئے مولانا تھانوی مرحوم سے رہنمائی حاصل کی تھی۔

الحاصل آپ نے تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا۔ اور ساری زندگی حضرت حکیم الامت تھانوی کے مسلک و مشرب پر قائم رہے۔ اور حق و صداقت کے علمبردار رہے۔

(تذکرہ خطیب الامت)

دستور اسلامی کے لئے جدوجہد | پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سب سے بڑا اور اہم کام اس کے دستور کی ترتیب و تشکیل کا مسئلہ تھا اس کے لئے حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے جس مہم کا آغاز فرمایا تھا اس میں سب سے اہم کردار مولانا احتشام الحق تھانوی کے حصہ میں آیا اور جس مقصد کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے مولانا تھانوی نے انتھک جدوجہد کی اور پاکستان کی دستور سازی

عظیم خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں خود حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر
فرماتے ہیں کہ :-

" پاکستان کے معرضِ وجود میں آتے ہی پاکستان کو عوامی امنگوں کے مطابق اسلامی سانچے
میں ڈھالنے کی کوشش کا آغاز ہوگیا۔ اور لیاقت علی خان کے ایما پر شیخ الاسلام علامہ
شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے اسلامی آئین کا خاکہ تیار کرنے کا
فیصلہ کیا۔ اور اس مقصد کے لئے مجھے ہندوستان بھیجا۔ تاکہ میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ،
مفتی محمد شفیعؒ۔ علامہ سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر حمید اللہ کو پاکستان لا سکوں۔
چنانچہ اول الذکر تینوں حضرات فوراً پاکستان پہنچے اور تین ماہ شب و روز کام کرنے کے
بعد اسلامی آئین کا خاکہ تیار کر لیا گیا۔ انہی دنوں مرکزی اسمبلی میں قرار دادِ مقاصد منظور کرائی
گئی جس کی تیاری کے لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور ان کے رفقاء نے دن رات ایک
کر دئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قرار دادِ مقاصد کی مخالفت صرف اقلیتی فرقوں اور سوشلسٹوں
نے کی تھی۔ مشرقی پاکستان کا کوئی ایک مسلمان ممبر بھی ایسا نہیں تھا جس نے مخالفت میں حصہ
لیا ہو۔ دوسری بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی
تشکیل اور ارکان کا انتخاب قطعی طور پر شیخ الاسلام کی مرضی سے ہوا۔ اور بورڈ کی ذمہ داری
قرار پائی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے۔ اور ہر آئینی
قانونی مسئلہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں جانچ پرکھ کر رائے دے۔ آئین سازی کا سلسلہ
ابھی جاری تھا کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا انتقال ہو گیا اور اس مرحلے پر اسلام اور اسلامی
آئین کے لئے لیاقت علی خان کا اضطراب کھل کر سامنے آیا وہ شیخ الاسلام کے وصال پر سخت
پریشان تھے۔ چنانچہ انہوں نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو بلوانے کا فیصلہ کیا۔ جو ابھی تک
ہندوستان میں تھے اس غرض کے لئے مجھے منتخب کیا۔ میں نے کہا کہ شاید ہندوستان مجھے ویزا
نہ دے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ کو سفارتی نمائندے کی حیثیت سے بھیج دیں گے۔ لیکن

میں نے اس طرح جانے سے انکار کیا اور کہا کہ علامہ صاحب اس وقت جدّہ میں ہیں۔ اگر فوری طور پر پاسپورٹ اور ویزا بنا دیا جائے۔ تو میں جدّہ جاکر انہیں لے آؤں چنانچہ لیاقت علی خان نے متعلقہ حکام کو رات گئے احکام جاری کئے اور دو گھنٹے کے اندر اندر تمام ضروری کاغذات میرے ہاتھ میں تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ میں جدّہ روانہ ہوتا اطلاع ملی کہ ندوی صاحب بمبئی پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ مجھے ہندوستان بھیجا گیا اور میں نے علامہ سید سلیمان ندوی سے ملاقات کرکے انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول فرما لی۔ بعد ازاں جب پہلا مسودہ آئین سامنے آیا تو وہ قطعاً غیر اسلامی تھا۔ اس پر ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ ممتاز علماء کراچی میں جمع ہوئے اور احقر ہی کی دعوت پر یہ اجتماع ہوا تھا انہوں نے ۲۲ نکات مرتب کرکے حکومت کو پیش کئے کہ پاکستان کا دستور ان بنیادوں پر مرتب کیا جائے۔ علماء کا یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ یہ اجتماع میری دعوت پر منعقد ہوا تھا اور اس اعتراض کا جواب تھا کہ یہاں کونسا اسلام رائج کیا جائے اس کے علاوہ ہم نے ملک بھر میں نظام اسلام کانفرنسیں منعقد کیں۔ اس کے بعد حکومت نے نیا دستوری مسودہ شائع کیا۔ اس میں اسلام کے بنیادی اصول بڑی حد تک آ گئے تھے۔ مگر کچھ باتیں ترامیم طلب تھیں۔ علماء دوبارہ کراچی میں جمع ہوئے اور ایک ایک آرٹیکل پر اپنی سفارشات مرتب کرکے حکومت کو بھجوائیں۔ نتیجۃً ۱۹۵۶ء کا آئین سامنے آیا۔ جس میں واضح کر دیا گیا تھا کہ پاکستان میں اسلام کا معاشی و مالیاتی نظام نافذ کیا جائے گا۔ اور اس سلسلہ میں پانچ سال کی مہلت رکھی گئی تھی۔ لیکن قوم کی بدقسمتی کہ اس پر عمل نہ ہو سکا اور ۱۹۵۸ء میں اس آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانے والے ایوب خان نے اسے منسوخ کر دیا۔

(زندگی کا مسلمانی حصہ ۲۳ تا ۲۵)

علماء کے بائیس نکات

یوں تو مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابِ زندگی کا ہر ورق تابناک ہے لیکن مملکت

خداداد پاکستان میں ان کے جن کارناموں کی وجہ سے ان کے نیک نام کو بقاء و دوام کی عظمت
شہرت حاصل ہوئی۔ اور اس ملک کی تاریخ جن کے تذکرے کے بغیر نا تمام رہے گی ان میں
ایک عظیم کارنامہ بائیس نکات کی ترمیم و تدوین ہے تنہا یہی ایک کارنامہ ان کے تمام کارناموں
پر بھاری ہے اور دنیا و آخرت میں ان کی سرخروئی اور سعادت دارین کا ضامن ہے۔ یہ
عظیم کارنامہ تاریخ پاکستان ہی میں نہیں تاریخ اسلام میں بھی سنہری حروف سے لکھا جائے
گا۔ مغرب زدہ افراد ہمیشہ یہ اعتراض اٹھاتے تھے۔ کہ ملک میں اسلامی دستور کی بنیاد کیا
ہو۔ جب کہ مسلمان بہت سے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اس اعتراض کا دندان شکن جواب
مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے اس مثبت انداز میں دیا کہ شب و روز کی کوششوں سے
مختلف علماء کا ایک نمائندہ اجتماع کراچی میں بلوایا اس اجتماع میں مختلف مکاتیب فکر کے
موراکتیس علماء ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور اپنے متفقہ ۲۲ نکات کے ذریعہ
دستور اسلامی خطوط کے رہنما اصول وضع کئے۔ اس اجتماع میں ایک بڑی رکاوٹ اسلام کی
اجارہ دار ایک سیاسی جماعت کے رہنما کی " انا " تھی۔ لیکن مولانا مرحوم نے اس مشکل
مسئلہ کو اپنے حسن تدبر سے حل کیا اور یوں ہمیشہ کے لئے ان لوگوں کا منہ بند کر دیا جو علماء
اختلافات کو بہانہ بنا کر اسلامی دستور سے گریز کی راہیں تلاش کرتے پھرتے تھے۔ یہ
اجتماع ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ر جنوری ۱۹۵۱ء کو منعقد ہوا تھا۔ اور اس میں مشرقی و مغربی
پاکستان کے جن جید علماء کرام نے شرکت کی تھی ان میں سے چند اکابر علماء کے اسمائے
گرامی یہ ہیں :-

علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ۔ مولانا مفتی محمد حسنؒ۔ مولانا ظفر احمد
عثمانیؒ۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ مولانا اطہر علیؒ۔ مولانا سید
بدر عالم میرٹھیؒ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ۔ مولانا
شمس الحق افغانیؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا شمس الحق فرید پوری۔ اور مولانا

محمد علی جالندھریؒ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں جناب علامہ محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"مولانا احتشام الحق صاحب نظریۂ پاکستان اور دو قومی نظریّے کے زبردست منادّ تھے۔ وہ کٹّر پاکستانی تھے اور اس معاملے میں انہوں نے کبھی کسی مداہنت یا مصالحت کو گوارا نہیں کیا۔ انہوں نے شرعی احکام کی تشریح کے سلسلے میں بھی ہمیشہ تصلّب کا مظاہرہ فرمایا اور شریعت میں تحریف و ترمیم کی کسی کوشش و سازش کو قبول نہیں کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علماء کا جو شہرۂ آفاق اجتماع ہوا اور جس میں تمام مکاتیب فکر کے علماء نے متفق ہو کر ملک کے بائیس دستوری نکات مرتب کئے۔ نیز ۱۹۵۳ء میں انہی علماء کے جس اجتماع نے جو دستوری ترمیمات مرتب کیں وہ ملک میں دینی جدو جہد کی تاریخ کا انتہائی اہم واقعہ تھا۔ ان دونوں اجتماعات کے داعی مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم تھے۔ اور زیادہ تر مولانا ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ عائلی قوانین پر غور کرنے کے سلسلے ابتداءً جو کمیشن قائم ہوئے اس میں مولانا تنہا ایک عالم دین تھے جنہوں نے اس میں حق گوئی کا پورا حق ادا کیا۔ چنانچہ ان کا اختلافی نوٹ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے عہدِ حکومت میں وہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نظریات کے خلاف ڈٹ گئے اور اخبارات کے ذریعے عوام کو تحریف و ترمیم کے اس فتنے سے خبردار کیا۔

رویت ہلال کے مسئلے میں انہوں نے ہمیشہ شریعت کے مطابق جرأت مندانہ موقف اختیار کیا اور اس پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ملک میں سوشلزم کو روکنے اور عوام کو اس کی دینی حیثیت سے آگاہ کرنے کے لئے مولانا تھانوی نے جس جانفشانی کے ساتھ ملک کے دورے کئے وہ مولانا کی ناقابلِ فراموش خدمت ہے۔ الغرض پاکستان میں دستور اسلامی کی جدوجہد میں مولانا تھانوی

مرحوم نے جو عظیم خدمات انجام دیں انہیں تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا اور اس سلسلہ میں جب بھی کوئی کوشش کی گئی مولانا تھانویؒ اس میں سرفہرست نظر آتے تھے۔ مولانا کئی بار حکومت کی طرف سے اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی منتخب ہوئے اور مرکزی جمعیت علماءِ اسلام و نظام اسلام پارٹی کے قائد کی حیثیت سے آخر دم تک آپ نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین"

(ماہنامہ البلاغ کراچی مئی ۱۹۸۰ء)

حضرت علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ:-

" مولانا تھانوی نے ہمیشہ اسلام کی خدمت کی۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت نظامِ اسلامی سے گریز پائی کرنے والے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو نظامِ اسلام کے نفاذ کا ایک بہانہ بنا رہی تھی۔ آپ نے حکومت کے اس چیلنج کو قبول کیا اور کراچی میں اپنی قیام گاہ پر مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کی ایک نمائندہ میٹنگ بلائی۔ کافی بحث و تمحیص اور محنت و عرق ریزی کے بعد وہ مشترکہ دستوری خاکہ تیار ہوا جس پر تمام مکاتبِ فکر متفق ہوئے یہ اکتیس ۳۱ علماء کا تاریخی فیصلہ کہلاتا ہے اور بارہا چھپ چکا ہے یہ ۲۲ نکاتی خاکہ ان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہے جو فرقہ وارانہ اختلاف کی آڑ میں اسلامی نظامِ زندگی سے بھاگنا چاہتے ہیں۔

اس میٹنگ میں دیوبندی۔ بریلوی۔ اہلحدیث اور شیعہ کے اکابر علماء شامل ہوئے مولانا مودودی مرحوم نے اپنے مکتبِ فکر کی نمائندگی خود کی۔ علماء کی اس نمائندہ میٹنگ کو بلانے کا سہرا مولانا تھانوی مرحوم کے سر بندھا۔ مولانا کا یہ تاریخی کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک مثال رہے گا"

(بیس بڑے مسلمان)

عائلی کمیشن اور لادینی تحریکات کے خلاف جہاد

مولانا احتشام الحق تھانوی کا شمار علمائے حق کے اس قافلہ سخت جان میں ہوتا ہے جنہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کبھی بھی مصلحت پسندی یا مداہنت سے کام نہیں لیا. قیام پاکستان سے قبل آپ نے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریئے کی آبیاری کی - پاکستان بنا تو یہاں پر اسلامی دستور کی مہم چلی اس میں بھی مولانا احتشام الحق صاحب . حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پا بہ رکاب رہے آئین سازی میں بڑے بڑے نازک مرحلے آئے . لیکن مولانا نے دوستی اور رفاقتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ارباب اقتدار پر کڑی نکتہ چینی کی - اور ہر موڑ پر کلمۂ حق بلند کرتے رہے . اسلام کے خلاف آپ نے ہر چیلنج کا مقابلہ کیا - اور اپنے اکابر کی روایات کے مطابق تمام عمر اظہارِ حق کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی -

قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم سے مولانا تھانوی کے ذاتی تعلقات تھے . لیکن اصولوں کی خاطر انہوں نے ان کی مخالفت مول لینے سے بھی دریغ نہ کیا . جب لیاقت علی خان وزیر اعظم تھے تو انہوں نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ شائع کی - اور اسے اسلامی قرار دیا - اس پر مولانا نے نہ صرف اس رپورٹ کو غیر اسلامی قرار دیا بلکہ وزیر اعظم کے اس دعویٰ کو چیلنج بھی کیا - پھر جب خواجہ ناظم الدین مرحوم نے بنیادی حقوق کے بارے میں رپورٹ پیش کی تو اس میں قانون سازی پر قرآن کی پابندی کا ذکر تو تھا لیکن حدیث اور سنت کا تذکرہ نہیں تھا - اس پر مولانا نے سخت احتجاج کیا اور بڑی بحث و تمحیص کے بعد مولانا نے رپورٹ میں قرآن کے ساتھ ساتھ سنت کا لفظ بھی بڑھانے پر مجبور کر دیا -

سابق صدر محمد ایوب خان نے اپنے دورِ حکومت میں پاکستان کی چند جدید تعلیم یافتہ خواتین کے مطالبہ پر ایک کمیشن مقرر کیا جس کا نام عائلی کمیشن تھا جس میں مولانا احتشام الحق

صاحب کو ایک ممتاز مذہبی رہنما کی حیثیت سے شریک کیا گیا۔ کمیشن کے باقی تجدد پسند ارکان نے ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی رپورٹ پیش کی جس کے ساتھ مولانا کا ایک بڑا مفصل اختلافی نوٹ بھی تھا جس میں کمیشن کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی کی گئی۔ مولانا کی اس حق گوئی اور بے باکی پر ملکی پریس نے اچھی رائے کا اظہار کیا اور ہندوستان کے علماء اور مسلم اخبارات نے بھی مولانا کے عالمانہ نقطہ نظر کی تحسین کی۔

اسی طرح سکندر مرزا نے اپنے دور اقتدار میں ایک مرتبہ علمائے حق کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسلامی دستور کا نام لینے والے علماء کانگریسی ہیں۔ انہیں چاندی کی کشتی میں رکھ کر بھارت کو پیش کر دیا جائے گا۔

اس کے جواب میں طبقہ علماء میں سے صرف ایک ہی آواز بلند ہوئی۔ اور وہ آواز مولانا تھانوی مرحوم کی تھی۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ سکندر مرزا اور اس کے ساتھی برطانیہ اور امریکہ کے جاسوس ہیں۔ ہم انہیں عیسائیوں کے تابوت میں بند کر کے سمندر میں بہا دیں گے۔

سکندر مرزا کے حق میں مولانا کا یہ ارشاد بالکل الہامی ثابت ہوا۔

بعد ازاں تعلیمات اسلامی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن نے سود کے جواز میں فتویٰ دیا تو مولانا تھانویؒ نے ایک پریس کانفرنس بلا کر اس فتویٰ کو لغو اور بے ہودہ قرار دیا۔

ایوب خان نے جب غیر اسلامی طریقہ کی رویت ہلال کمیٹی قائم کی اور رمضان المبارک اور عید کے اعلانات غیر شرعی طور پر ہونے لگے تو مولانا نے ایوب خان کی اس کارروائی کو غلط قرار دیا۔ جس کے نتیجہ میں مولانا کو نظر بند کر دیا گیا۔

جب یہاں کچھ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی اولاد ناخلف اسلامی سوشلزم اور سوشلزم کا نعرہ بلند کرنے لگی تو مولانا سینہ سپر ہو کر لادینی باطل قوتوں سے مقابلہ

میں نکل آئے اور اسلام کا پرچم بلند کیا۔ شہر شہر اور قریہ قریہ جا کر مسلمانوں کو اس لادینی فتنے سے آگاہ کیا۔ مرکزی جمعیت علماء اسلام کی تنظیم نو کر کے ملک کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں طوفانی دورے کئے۔ اور عوام کو اس فتنے کے صحیح خدوخال سے روشناس کرایا جہاں بھی اس دوران آپ گئے سوشلزم کے مدعی گھبرا جاتے اور آخر یہ فتنہ مولانا کی سعی وجدوجہد سے دفن ہو گیا۔ غرضیکہ آپ نے ہر ہر غیر اسلامی اور لادینی تحریکات کے خلاف جہاد کیا اور حق وصداقت کا پرچم ہمیشہ بلند و بالا رکھا۔

اس سلسلہ میں جناب مولانا احترام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ

۱۹۴۰ء کی تحریک پاکستان اور پھر ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان سے لے کر میرے والد گرامی حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی زندگی کے آخری لمحہ تک کا عرصہ ایک انتہائی پر آشوب اور قیامت خیز دور رہا خاص طور پر ایک ایسے عالم دین کے لئے جو دین کی صحیح اور سچی تڑپ کے ساتھ ساتھ دو قومی نظریۂ پاکستان کی ادنیٰ سی مخالفت کو بھی کفر کے مترادف سمجھتا ہو۔ ان کٹھن حالات میں اپنے نصب العین اور مشن کی تکمیل کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دینا ایک ایسی وادیٔ پرخار کا سفر تھا جس کے لئے کمر ہمت کس لینا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہ تھی۔ ان کی زندگی کی تمام تر خدمات خواہ وہ دینی و مذہبی نوعیت کی ہوں، ملکی و قومی ہوں یا سیاسی وسماجی ہوں خالصۃً لوجہ اللہ تھیں جن میں اپنی ذاتی اغراض اور اپنی نفسانی ہوا وہوس کا شائبہ تک بھی نہ تھا انہوں نے ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کا پرچم بلند کیا اور انتہائی نامساعد حالات کے باوجود بڑے صبر و تحمل اور استقامت کے ساتھ اس علم حق کو اپنی اس پیرانہ سالی میں بھی اپنے سینے سے لگائے رکھا اور ان کے پائے استقلال میں آخر وقت تک ادنیٰ سی لغزش بھی نہ آنے پائی۔ جب بھی کبھی ملک وقوم پر برا وقت آیا اور اسلام و ملک دشمن عناصر نے ساز باز کی تو آپ سب سے پہلے میدان عمل میں نکل آتے تھے اور ایسے کسی بھی فتنہ کی سرکوبی کے

لئے اپنے جسم وجان کی پوری توانائی صرف کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

۱۹۵۴ء میں جب مشرقی پاکستان میں جگتو فرنٹ بنا۔ اور پہلی مرتبہ علیحدگی پسندوں نے پر پرزے نکالے تو باوجودیکہ مولانا مسلم لیگ کے رکن نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے قومی رہنماؤں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے شب وروز تقریریں کیں اور مشرقی پاکستان میں ان قوتوں کا بھرپور ساتھ دیا جو وطن عزیز کو متحدہ دیکھنا چاہتی تھیں انہوں نے کھل کر ایسے لوگوں کو بے نقاب کیا جو اس مملکت کی سالمیت کے خلاف مصروف کار تھے۔ مولانا کی حق پرستی کا ایک اور عظیم کارنامہ ایوب خان کے مقرر کردہ عائلی کمیشن کے بعض غیر اسلامی اور غیر شرعی قوانین کے خلاف ان کا شدید ردعمل تھا جس کا اظہار انہوں نے برملا کیا۔ عائلی کمیشن کی رپورٹ کے خلاف مولانا کا اختلافی نوٹ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے جس سے مولانا کی فقیہانہ وسعت نظر، عالمانہ ژرف نگاہی اور اسلام کی تعلیمات میں ان کی بالغ نظری کا اندازہ ہوتا ہے۔ عائلی کمیشن کے خلاف مولانا کے اس وقیع علمی بیان کو پوری دنیا کے مذہبی اور دینی حلقوں میں بہت سراہا گیا حتیٰ کہ برصغیر کے نامور عالم اور صاحب طرز ادیب مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اپنے مشہور اخبار "صدق جدید" میں مولانا تھانوی مرحوم کو اس اعلائے کلمۃ الحق پر داد تحسین دی اور مولانا کے اس کارنامہ کو حق گوئی کی تاریخ میں نشان منزل قرار دیا۔ اسی طرح جب ۱۹۶۹ء میں پہلی مرتبہ اس ملک کی فضاء میں سوشلزم کا نعرہ گونجا تو مولانا نے بلا کسی توقف وتامل کے اس لادینی نظام کے خلاف ایسی معرکہ آرا جدوجہد فرمائی کہ بالآخر یہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا۔

بدقسمتی سے سوشلزم کے اس فتنہ کو ہوا دینے میں کچھ نام نہاد علماء بھی پیش پیش تھے اس لیے اس محاذ پہ مولانا کو چومکھی لڑائی لڑنی پڑی۔ اور مولانا نے اس خطیبانہ بلاغت اپنے عام فہم اسلوب اور اپنی بے پناہ قوت استدلال سے سوشلزم کے اس آتش فتنہ

کو اس طرح فرو کیا کہ ہر عامی بھی سوشلزم کے کفر اور باطل ہونے کی حقیقت سے باخبر ہو گیا اور یہ مولانا تھانوی مرحوم ہی کی مساعی کا ثمرہ ہے کہ جس جماعت نے سوشلزم کو اپنے انتخابی منشور کا ثمرہ بنا کر پیش کیا تھا جب وہ جماعت برسر اقتدار آئی اور ملک کا دستور اس کی نگرانی میں بنا تو اس میں سوشلزم کا لفظ تک موجود نہیں تھا۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقعہ پر اور اس سے پہلے سوشلزم کے خلاف مولانا مرحوم نے جو تند و تیز تقریریں کیں اور جس طرح اس مقصد کے لئے طویل طویل سفر فرمائے اس میں کوئی دوسرا شخص مولانا کا شریک و ہمسر نہ بن سکا۔ اور یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ مولانا مرحوم اسلام پر اور نظریۂ پاکستان پر ہلکی سی آنچ بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور جہاں معاملہ کفر و اسلام کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم کا ہوتا تھا وہاں مولانا خم ٹھونک کر میدان میں آتے تھے وہ چونکہ نسباً صدیقی تھے اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ ارشاد گرامی ان کی زندگی کا دستور العمل بن گیا تھا کہ:۔

"میرے جیتے جی دین میں کمی نہیں کی جا سکتی"

چنانچہ جب تک وہ زندہ رہے ہر خلاف اسلام نظریہ اور تحریک کے لئے شمشیر برہنہ بنے رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ:۔

"ہم اپنی زندگی میں کسی غیر اسلامی قانون اور نظریہ کو پاکستان میں ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ اور اس کے لئے ہم ہر طرح کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے"

(ماخوذ از تذکرہ خطیب الامت ص ۲۶۲ تا ۲۶۴)

دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کی بنیاد

قیام پاکستان کے بعد نظام اسلام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے پاکستان میں بھی دار العلوم دیوبند کی طرز پر ایک مرکزی دار العلوم قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس اہم کام کے لئے اپنے دست راست

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کو منتخب کیا۔ ۹ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۹ء کے اواخر میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ایماء پر مولانا تھانوی نے پاکستان کے اہلِ علم وفضل اور دیندار حضرات کو اس مسئلہ پر سوچنے کے لئے ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کو کراچی آنے کی دعوت دی اس دعوت پر کافی علماء تشریف لائے اور یہ اجتماع پاکستان کے علماء کا نمائندہ اجتماع تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نے ایک مجلسِ شوریٰ ترتیب دی جس کے ممتاز ارکان میں مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ حضرت مولانا شاہ فخر الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ شامل ہیں۔

اس اجتماع میں دارالعلوم کی ضرورت اور اس کی نوعیت، دارالعلوم کی بنیاد کے مقام کا انتخاب اور سرمایہ کی فراہمی وغیرہ امور پر غور کیا گیا۔ تعلیمی نظام اور مناسب و لائق حضرات کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی مندرجہ بالا حضرات علماء پر مشتمل مقرر کی گئی۔ اس اجتماع کے بعد دارالعلوم کے عملاً قیام کے لئے صرف چند ماہ باقی رہ گئے تھے کہ اچانک حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی وفات کا ہمت شکن اور روح فرسا حادثہ پیش آگیا اس چراغ ہدایت اور آفتاب علم کے غروب ہوجانے سے علمی و دینی حلقے میں جو خلاء پیدا ہوا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی رحلت کے بعد خطرہ یہ تھا کہ حضرت علامہ کی وفات سے دارالعلوم کے قیام میں ضعف پیدا ہو جائے گا اور حضرت کی اس خواہش کو شاید عملی جامہ نہ پہنایا جا سکے گا۔ مگر حضرت کی اس عظیم تمنا اور خواہش کو پورا کرنے کے لئے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب میدان میں نکلے۔ اور دارالعلوم کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا۔ اور مولانا کی سعی و کوشش سے بہت جلد حضرت علامہ عثمانیؒ کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔

ایک صاحبِ ثروت حاجی محمد سومار صاحب مرحوم نے ۲۶ ایکڑ اراضی دارالعلوم

کی بنیاد کے لئے وقف کرنے کی پیش کش کی جسے مجلس شوریٰ نے بخوشی منظور کر لیا اور مولانا تھانوی کے ہاتھوں اس مرکزی دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا جو پاکستان میں ثانی دارالعلوم دیوبند کی حیثیت اختیار کر گیا۔

اس سلسلہ میں صاحبزادہ مولانا قاری احترام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ:

" والد گرامی مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے محاسن و کمالات میں ان کا یہ شرف و امتیاز بھی ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند سے نسبت تلمذ رکھنے کے سبب دیوبند کے مکتبہ فکر کے بہت بڑے پاسبان تھے اور انہوں نے بھرپور کوشش کی کہ اس عظیم دینی درسگاہ کی روایات کو اس ملک میں زندہ رکھا جائے۔ دارالعلوم دیوبند تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں رہ گیا اور پاکستان میں اس مکتب فکر کی کوئی نمائندہ درسگاہ ملک میں موجود نہیں تھی مولانا تھانویؒ مرحوم کو اولیت کا یہ شرف حاصل تھا کہ سب سے پہلے انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک عظیم الشان مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور حیدرآباد سندھ کے قریب ٹنڈو الہ یار کی چھوٹی سی بستی میں ایک وسیع و عریض قطعہ زمین پر دارالعلوم کی عمارت قائم ہوئی جہاں عین دیوبند کی روایات کے مطابق ملک و بیرون ملک سے طلبا جوق در جوق اکتساب فیض کے لئے آتے رہے۔ اب تو ایسے کئی دارالعلوم قائم ہو چکے ہیں۔ لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد ۱۹۴۹ء میں اس عظیم الشان درسگاہ کا قیام مولانا تھانویؒ مرحوم کی سچی لگن اور بے پناہ خلوص کا شاہکار ہے جو انہیں مسلک دیوبند اور اس مادر علمی سے تھا۔ مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے اپنی وابستگی کو ہمیشہ اپنے شرف و عظمت کا طرۂ افتخار سمجھا اور وہ دل و جان سے چاہتے تھے۔ کہ پاکستان میں مسلک دیوبند کی نیک نامی کا چرچا رہے۔ اور اس سے نسبت کو باعث فخر سمجھا جائے۔ ٹنڈو الہ یار کے دارالعلوم کو دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی معیار کے مطابق بنانے کے لئے مولانا کو خاصی تگ و دو کرنا پڑی۔ اساتذہ کا انتخاب ایک مشکل مرحلہ تھا جسے مولانا نے بڑی مشکل

سے سرکیا اور اس درسگاہِ علمی میں برصغیر کے نامور علماء کو یک جا کر دیا۔ ان مقتدر اور نامور علماء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صدر المدرسین مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری ترجمان السنۃ کے مصنف اور جلیل القدر محدث مولانا سید بدر عالم میرٹھی۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذِ خاص مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے صدر اور مشہور محدث و فقیہہ مولانا ظفر احمد عثمانی اور حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ ارشد مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ جیسے اساطین علم و فضل جمع ہوئے اور یوں یہ دارالعلوم دیوبند کے طرز پر پاکستان میں صحیح معنی میں ثانی دارالعلوم بن گیا۔ محل وقوع کے اعتبار سے وہ بستی جہاں دارالعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ شہری ہنگاموں سے دور تھی جہاں پرسکون تعلیمی ماحول میسر آسکتا تھا۔ اس کا رقبہ خاصا وسیع تھا جو ایک مخیر سندھی بزرگ حاجی محمد سومار مرحوم نے دارالعلوم کے لئے وقف کیا تھا۔ چنانچہ اس مدرسہ کو مرکزیت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ بہت تھوڑے عرصہ میں یہاں مشرقی پاکستان افریقہ، برما اور دیگر اسلامی ممالک کے طلباء کی خاصی تعداد داخل ہوئی۔ مولانا کے حسنِ انتظام اور خوبیٔ اہتمام نے اس مدرسہ کی عظمت کو چار چاند لگا دئے۔ اور دینی مدارس میں دیوبند کے دارالعلوم کی کمی کو اس درسگاہ نے بہت حد تک پورا کر دیا۔ بلکہ یہاں کے بیشتر اساتذہ ایک علامہ قاری محمد طیب صاحبؒ کے استثناء کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ سے علم و فضل میں کہیں آگے تھے!

(ماخوذ روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ اپریل ۱۹۸۱ء)

جناب مولانا مرتضیٰ عثمانی صاحب دارالعلوم کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

" پاکستان کی اولین اور منفرد درسگاہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی ایک عظیم علمی و دینی یادگار ہے اور اس مادرِ علمی سے اکتسابِ فیض کرنے والے علماء نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک اور دُور

افتادہ علاقوں میں تبلیغ واشاعتِ دین کا مقدس فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ بنگلہ دیش۔ افغانستان، ایران۔ متحدہ عرب امارات۔ برما۔ تھائی لینڈ فلپائن۔ انڈونیشیا۔ الجزائر۔ افریقہ۔ یمن۔ حجاز۔ یوگنڈا۔ تنزانیہ۔ آسٹریلیا۔ یورپ اور امریکہ کے متعدد ملکوں میں اس عظیم دینی درسگاہ سے نسبت تلمذ رکھنے والے علماء کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ اور حضرت مولانا تھانوی کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم کی اکتیس ۳۱ سالہ تعلیمی تدریسی اور تبلیغی خدمات تاریخ اسلام اور تاریخ پاکستان کا ایک تابناک ورق ہے۔ حق تعالیٰ مولانا تھانوی کی اس علمی یادگار کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین

(تذکرہ خطیب الامت)

جامع مسجد جیکب لائن

مولانا احتشام الحق تھانوی کی باقیاتِ صالحات میں ایک نمایاں نقش جامع مسجد جیکب لائن ہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد مولانا نے اس مسجد کی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اس زمانہ میں یہ ایک چھپر نما عمارت تھی۔ جس کا رقبہ بھی محدود تھا۔ اور جس کی ہیئت بھی بوسیدہ اور فرسودہ تھی۔ مولانا کو خطابت کا جو خداداد ملکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ سے عطا ہوا تھا اس کی کشش نے بہت جلد لوگوں کے قلوب و اذہان کو مولانا کی طرف مائل کر دیا۔ اور جمعہ کے اجتماعات میں یہاں اس قدر ہجوم ہونے لگا کہ دینی مذاق رکھنے والا شاید ہی کراچی کا کوئی ایسا شہری ہوگا جو نماز جمعہ کے لیے جیکب لائنز کی اس جامع مسجد کا رخ نہ کرتا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد کی کہنہ عمارت کی جگہ ایک خوبصورت تعمیر کا نقشہ ابھرنے لگا۔ اور آج جیکب لائنز کی یہ مسجد کراچی کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ اس وقت کی مسجد اور آج کی مسجد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی تعمیر اور توسیع میں مولانا احتشام الحق صاحب نے دن رات ایک کر دئے تھے

مولانا نے اپنے حلقۂ احباب اور کارکنوں میں دینی لگن اور خلوص کی روح پھونکی اور آج یہ مسجد مرجع خاص و عام ہے۔ مولانا کی مقناطیسی شخصیت اور سحر آفریں خطابت اور خلوص وللہیت کے نتیجہ میں ہی آج پاکستان کی چند عظیم اور شاندار مساجد میں شمار کی جاتی ہے۔

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

" دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار اور جامع مسجد جیکب لائن کراچی مولانا تھانوی کی قابل قدر یادگاریں ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا کی جامع مسجد اور ان کا مکان مسلسل دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ ایک زمانے تک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری۔ اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی اور دوسرے ممتاز اکابر علماء کی مشاورت اکثر و بیشتر انہی کی قیام گاہ پہ ہوتی رہی۔ اور مولانا کی اس عظیم الشان مسجد میں ایک عجیب و غریب روحانی منظر ہمیشہ قائم رہتا یہ سب مولانا کے خلوص کا ثمرہ تھا۔ خدا کرے مولانا کی یہ یادگاریں ہمیشہ باقی رہیں۔ اور حق تعالیٰ مولانا کی ان خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت بخشیں۔ مولانا کی ساری زندگی دین کی خدمت میں گزری حتیٰ کہ ان کا آخری سفر بھی تبلیغ دین کے لئے تھا۔ اور انجمن مسلمانان مدراس کی دعوت پر ایک سیرت کانفرنس میں شرکت کے لئے بھارت گئے ہوئے تھے۔ کہ وہیں ۲۴ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آج اپنی اسی عظیم الشان مسجد کے مشرقی دروازے کے پہلو میں دائیں جانب مولانا مرحوم ابدی آرام گاہ میں محو خواب ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں مقامات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی مئی ۱۹۸۰ء)

(نوٹ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے احقر راقم بخاری کی کتاب تذکرہ خطیب الامت)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی

آپ کا اصل وطن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے۔ سلسلہ نسب حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کا اصل نام جمیل احمد تاریخی نام غریب علی اور سن پیدائش ۱۳۲۲ھ ہے۔ آپ کے والد محترم مولانا سعید احمد بن حافظ امیر احمد صاحب تھانوی علی گڑھ کالج میں ملازم تھے۔ الاخلاق المحمدیہ چار جلدیں۔ سیرت صلاح الدین۔ نساء المسلمین وغیرہ کتب کے مصنف تھے۔ ہفتہ وار "الاسلام" کے مدیر اور انجمن تبلیغ الاسلام کے مہتمم وناظم اعلیٰ بھی رہے۔ اور آپ کے دادا جناب حافظ امیر احمد صاحب ۱۸۵۷ء کے قریب پشاور میں کمشنر رہے آپ کی ننھیال راجپور ضلع سہارنپور کی تھی۔ قرآن شریف کی ابتداء وہیں ہوئی۔ پھر والد صاحب کی ملازمت کی وجہ سے علی گڑھ زیادہ رہنا ہوا اس لئے یہیں ناظرہ قرآن پاک ختم کر کے اسکول میں اردو کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ امداد العلوم وخانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون آکر فارسی کتب تیسیر المبتدی سے یوسف زلیخا تک اور عربی کتب میزان الصرف سے ہدایت النحو تک پڑھیں جب حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رح نے جلال آباد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تو آپ یہاں چلے آئے۔ اور شرح جامی کی جماعت میں

شامل کردئے گئے۔

بعد ازاں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ارشاد اور توجہ دلانے سے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور کافیہ کبریٰ اور نور الایضاح کے اسباق تجویز ہوئے۔ اور تمام کتب علوم و فنون سے اول پوزیشن میں ۱۳۴۲ھ کو فراغت حاصل کی۔ درجۂ ابتدائی میں کل کتابوں کے استاذ مولانا ظہور الحق دیوبندیؒ تھے اور بعد میں حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب۔ مولانا ثابت علی صاحبؒ۔ مولانا منظور صاحبؒ۔ مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ۔ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ۔ مولانا بدر عالم صاحبؒ اور حدیث شریف میں مشکوٰۃ کے استاذ مولانا ثابت علی صاحبؒ۔ ترمذی و بخاری شریف اور طحاوی کے مولانا عبد اللطیف صاحب۔ ابو داؤد و ابن ماجہ کے مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ مسلم شریف و نسائی و موطائین کے حضرت شیخ العصر مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ استاذ تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام کتب حدیث کی خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی اور آپ کو امتحان میں اول پوزیشن حاصل کرنے پر کئی دینی کتابیں اور ایک جیبی گھڑی عنایت فرمائی تھیں[1]

علمی و تدریسی خدمات

بعد فراغت کھم ضلع ورنگل حیدر آباد دکن کے مدرسہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے حکم سے تدریس وعظ و تقریر وغیرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ کچھ مدت بعد مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں نائب شیخ الادب کا عہدہ آپ کو سونپا گیا۔ تقریباً گیارہ ماہ بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تعمیل ارشاد میں واپس سہارنپور پہنچے۔ اور مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ اور ۱۳۷۰ھ تک مختلف علوم و فنون کی کتب عالیہ کے درس کا سلسلہ

---

[1] تاریخ مظاہر العلوم سہارنپور،

مدرسہ مظاہر العلوم میں جاری رہا۔ ۱۳۴۶ھ میں سہارنپور سے رسالہ "المظاہر" اور ۱۳۶۸ھ میں ایک دوسرا رسالہ ماہنامہ "دیندار" جاری کیا جو ایک عرصہ تک دعوت و تبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۵۶ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۳۶۰ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی علالت و تیمارداری کی غرض سے تھانہ بھون قیام فرمایا چونکہ یہ قیام طویل تھا اس لئے مدرسہ سے سال سال بھر کی رخصت لیتے رہے اور خانقاہ اشرفیہ کے مدرسہ امداد العلوم اشرفیہ میں فتاویٰ اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔
۱۳۷۰ھ میں ہندوستان سے پاکستان کے لئے رخت سفر باندھا اور یہاں پہنچ کر جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد اور جامعہ اشرفیہ فیروزپور روڈ لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری کی دعوت پر درس و تدریس و خدمت افتاء کا کام شروع کیا جو ۱۳۹۱ھ تک جاری رہا۔
بعد ازاں طبعی اعذار (بلڈ پریشر کے مرض) کی وجہ سے اسباق بند کر دیے گئے۔ اور صرف افتاء کا کام باقی رہا اور اب جامعہ اشرفیہ میں دار الافتاء کے صدر مفتی کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں۔ یہاں سے ہزاروں فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے ہیں۔ جو ملک بھر میں مذہبی طور پر آخری شرعی فیصلہ کی حیثیت سے تسلیم کئے جاتے ہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے دینی و علمی حلقے آپ کے فتاویٰ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے بعد فتاویٰ آپ ہی کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ اور اس وقت پاکستان میں آپ ہی مفتی اعظم کی حیثیت کے حامل ہیں۔

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون اور جامعہ اشرفیہ لاہور کی تدریس کے دوران ہزاروں طالبان علم نے آپ سے کسب فیض حاصل کیا جن میں سے قدیم تلامذہ کے چند اسماء گرامی یہ ہیں:-

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی۔ مولانا رئیس الرحمان لدھیانوی۔ مولانا بشیر اللہ برمی۔ مولانا عبید اللہ الحسینی

مولانا محمد عامر رامپوری۔ مولانا مفتی منظور احمد بجنوری۔ مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی خلیفہ تھانوی۔ مولانا قاضی زاہد الحسینی کیمبل پوری اور مولانا مفضل احمد صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی وغیرہ وغیرہ۔

(ماخوذ از تاریخ مظاہر العلوم و تذکرہ اکابر علماء دیوبند)

تصنیف و تالیف | درس و تدریس اور خدمتِ افتاء کے علاوہ آپ نے بہت سی کتب و رسائل بھی تالیف فرمائے ہیں۔ جن میں سے چند تالیفات کا ذیل میں مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ الحلی اور علامہ سید سلیمان ندوی اردو۔ یہ کتاب غالباً لکھنؤ میں ۱۳۴۵ھ میں طبع ہوئی تھی۔ استعمال اور غیر استعمال زیوروں پر زکوٰۃ کے متعلق سید صاحب کی تالیف سیرتِ عائشہؓ کے ایک مضمون پر رد و تنقید ہے۔

۲۔ دعوات التبلیغ اردو۔ اس کتاب میں تبلیغ کے متعلق آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی پر عنوانات قائم کر کے ان کا سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

۳۔ تفسیر المنطق حاشیہ تیسیر المنطق اردو۔ موضوع نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ ایک دن اور ایک رات میں لکھا گیا تھا۔

۴۔ تراجم الحماسین عربی۔ حماسہ کے پہلے باب کے منفرق شعراء کے احوال اس کتاب میں مذکور ہیں۔

۵۔ حاشیہ تبلیغِ دین اردو۔ جس میں اختصار کے ساتھ احادیث کی تخریج اور مضمون کتاب کا ضروری حل موجود ہے۔

۶۔ حاشیہ عربی معلقہ اول سبع معلقات

۷۔ اظہار العرب شرح اردو ازہار العرب۔

۸۔ شرح عربی ازہار العرب۔

۹۔ دعوت التجارہ اردو۔ تجارت کے فضائل و فوائد پر مشتمل ہے اولاً رسالہ خالد دیوبند میں طبع ہوا پھر کراچی میں کتابی شکل میں جمع ہو کر کفلیہ ضلع سوات گجراتی زبان میں طبع ہوئی ہے۔

۱۰۔ جمال الاولیاء اردو۔ یہ کرامات اولیاء کا اردو ترجمہ ہے۔ جو حضرت تھانوی کے حکم سے لکھا گیا تھا۔ اور ۱۳۴۹ھ میں مکمل ہوا۔ ۱۳۵۹ھ میں پہلے تھانہ بھون اور پھر مکتبہ مدنی گوجرہ ضلع فیصل آباد سے ۱۹۶۲ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔

۱۱۔ دلائل القرآن علی مسائل النعمان عربی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کی خواہش یہ تھی کہ قرآن مجید سے مذہب حنفیہ کے دلائل جمع کئے جائیں۔ یہ کام اولاً حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کو سونپا گیا۔ مگر مولانا کے مسلسل اسفار اور دینی مشاغل کی وجہ سے یہ کام اس طرح تقسیم کیا گیا کہ اول کی دو منزلیں مولانا عثمانی کے پاس ۳، ۴ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کے پاس اور دو منزلیں ۵، ۶ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس اور آخری منزل حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے سپرد ہوئی۔ ان سب حضرات نے اپنی اپنی مفوضہ خدمات کو بڑے عالمانہ اور محققانہ انداز میں مکمل کر دیا۔ اس کے کچھ حصے طبع ہوئے اور کچھ غیر مطبوعہ حالات میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے علامہ محمد تقی عثمانی کے ہاں دار العلوم کراچی میں پڑے ہیں انشاء اللہ سارے حصے جلد ہی طبع ہونے والے ہیں۔

۱۲۔ ارث الحفید اردو (پوتے کی میراث) پاکستان میں یتیم پوتے کی میراث پر فرقہ اہل قرآن و منکرین حدیث کی طرف سے اسمبلی میں ایک بل پیش ہوا تھا اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا گیا تھا پہلے یہ مضمون ماہنامہ "الصدیق" ملتان میں شائع ہوا اور پھر کتابی صورت میں لاہور سے طبع ہوا۔

۱۳۔ حلیۃ اللحیۃ اردو۔ جس میں قرآن و حدیث سے اور از روئے عقل کے یک مشت ڈاڑھی کے اثبات پر دلائل دئے گئے ہیں یہ کتاب لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

۱۴۔ التحریر النادر فی حرمۃ نبش قبر الشیخ عبدالقادر۔ اردو۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے جسدِ خاکی کو قبر سے نکال کر ہندوستان منتقل کرنے کی جو تحریک اٹھی تھی اس کے عدمِ جواز و حرمت پر ایک محققانہ مضمون اور عالمانہ تحریر ہے۔ جو ۱۳۹۱ھ میں سرگودہا سے شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ البحث والسفر عن عدم افتراض القبر بالحضر۔ اردو۔ رسالہ بالا کا جواب ماہنامہ بینات کراچی میں شائع ہوا۔ یہ رسالہ اسی کا جواب اور رد ہے۔

۱۶۔ نصاب و نظامِ دینی مدارس۔ اس کتاب میں دینی مدارس پر اعتراضات کے جوابات ان کی ضروریات اور نصاب کے ہر ہر جزء کی وجہ پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب ناشران قرآن لاہور نے طبع کرائی ہے۔

۱۷۔ رسالہ ضرورتِ مذہب۔ یہ رسالہ اس عنوان سے اردو منظوم پر مشتمل ہے۔

۱۸۔ مثنوی علاج المعائب اردو۔ یہ پہلے رسالہ دیندار سہارنپور میں اور پھر کتابی شکل میں طبع ہوا ہے۔

۱۹۔ خرابیِ سینما۔ یہ اردو منظوم رسالہ ہے اس میں چالیس عقلی دلائل سے اس کی قباحت بتائی ہے۔

۲۰۔ فضائل بیعت اردو۔

۲۱۔ اسباب شکست۔

۲۲۔ آٹھ تراویح بدعت ہے۔

۲۳۔ احرام جدہ کا قضیہ۔ اردو۔

۲۴۔ عظمتِ حدیث۔ یہ تصنیف منکران حدیث کے شبہات کے جوابات کا مجموعہ ہے۔

۲۵۔ مسدس اصلاح کالج۔ موضوع نام سے ظاہر ہے یہ کتاب لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

۲۶۔ عقائدِ مشرقی اور تحریک خاکسار کا مقصد۔ موضوعِ تالیف ظاہر ہے۔

۲۷۔ شرح بلوغ المرام۔ یہ کتاب اردو زبان میں لاہور سے طبع ہوئی ہے۔
۲۸۔ نبیؐ کل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ اردو۔
۲۹۔ جمیل الکلام۔ یہ حضرت تھانوی کے ملفوظات ہیں۔
۳۰۔ ہفت مسئلہ کی تشریح۔
۳۱۔ الضحاوی علی الطحاوی عربی۔
۳۲۔ حضرت تھانوی کے مواعظ کی تسہیل وتشریح وغیرہ وغیرہ۔

ان کتب ورسائل کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے بہت طول طویل مضامین سینکڑوں کی تعداد میں جو خود کتب ورسائل کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ملک کے مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن رسائل میں اکثر وبیشتر آپ کے مضامین علمی و فقہی انداز میں شائع ہوتے رہے اور ہوتے رہتے ہیں۔ ان رسائل میں ہفت روزہ " خدام الدین " لاہور۔ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور۔ ماہنامہ البلاغ کراچی، انوار العلوم لاہور۔ ماہنامہ بینات کراچی۔ ترجمانِ اسلام۔ پیامِ اسلام۔ پیامِ مشرق۔ الحق اکوڑہ خٹک۔ ماہنامہ الخیر ملتان۔ ماہنامہ صدیق ملتان۔ اور ماہنامہ الحسن لاہور شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے عربی قصائد۔ منظومات اور تاریخی قطعات بھی طبع ہوئے ہیں۔ کیونکہ شعر وشاعری کا بھی آپ کو خداداد ذوق حاصل ہے اور آپ اردو، عربی اور فارسی کے بہترین ادیب اور قادر الکلام شاعر ہیں بہت سی نعتیں، نظمیں، قصائد عربی و فارسی اور اردو قطعات آپ کی اس مہارت کا بیّن ثبوت ہیں۔ آپ کی اولادِ صالحہ میں مولانا مشرف علی تھانوی اور مولانا قاری احمد میاں تھانوی ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ جو دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔

(اکابر علماء دیوبند)

تحریک پاکستان اور مفتی جمیل احمد تھانوی

تحریک پاکستان میں علماء کرام نے جو کردار ادا کیا ہے وہ ہماری تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے

کے قابل ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ علماء نے پاکستان کی مخالفت کی کیونکہ علماء کی ایک جماعت جمعیت علماء ہند کھلم کھلا کانگریس کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت میں سرگرم رہی تھی۔ حالانکہ اس کے برعکس علماء کی ایک بڑی جماعت "جمعیت علماء اسلام" کے نام سے تحریک پاکستان میں زبردست عملی حصہ لیتی رہی اور سلہٹ و سرحد میں کامیابی اسی جمعیت علماء اسلام کے اکابرین کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی انہی علماء کرام کے سرپرست اور مربی تھے۔ جو مسلمانوں کی الگ تنظیم اور حصول آزادی کے لئے جدوجہد کو ناگزیر سمجھتے تھے وہ مسلم لیگ اور قائداعظم کے زبردست حامی تھے۔ اور قائداعظم کی دینی تربیت بھی حضرت تھانوی نے کی۔ انہوں نے ہی مسلمانوں کی طرف سے مطالبۂ پاکستان کی حمایت میں سب سے پہلے ایک اسلامی ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا اور اسی لئے انہوں نے اپنے متوسلین و متبعین میں سے جن جید علماء کرام کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی پوری طاقت سے قائداعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیں ان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ۔ مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں[1]

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کو سیاسی ہنگاموں سے طبعاً دلچسپی نہ تھی مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے فرمان اور تحریک پاکستان کی اہمیت اور ملکی و ملی اشد ضرورت کے مطابق آپ نے خدمت دینی کے جذبہ سے میدان سیاست میں قدم رکھا

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر ص ۸۲۰

آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرح کانگریس کی متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے اور اس کے برعکس اسلام و کفر کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم دو قومی نظریہ کے سختی کے ساتھ حامی رہے۔ اور اسی لئے آپ نے حضرت تھانوی کے مسلک و مشرب کی توضیح اور اشاعت میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ تحریک پاکستان میں ان علمار کرام کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مورخ اسلام جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:-

"کسی تحریک کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار اس تحریک کے بانی کی نیت پر ہوتا ہے۔ اگر وہ مخلص ہے نیک نیت اور بے غرض ہے تو حق تعالیٰ اپنے بندگان خاص یعنی اہل اللہ کو اس کی تائید و حمایت پر مامور کر دیتے ہیں جن کی تائید و حمایت انہیں جلد اپنی منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر کسی تحریک کا قائد خود غرض، مطلب پرست اور بد دیانت ہو تو وہ یونہی بھٹکتا رہتا ہے۔ اور گوہر مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ گذشتہ نصف صدی میں آزادیٔ ہند کی جتنی تحریکیں اٹھیں تحریک پاکستان کے سوا تقریباً سب ناکام رہیں۔ تحریک پاکستان محض اس وجہ سے کامیاب ہوئی کہ اس کا قائد بے لوث۔ بے غرض اور نیک نیت تھا۔ اور دنیا میں ایک مثالی اسلامی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اسے قطعاً ہوس و اقتدار اور حب جاہ و مال نہ تھی۔ اس لئے اس مقلب القلوب نے اپنے خاص بندوں کو ان کی تائید و حمایت کی توفیق بخشدی۔ اور وہ گوشہ نشین علماء حق جو پبلسٹی یا شہرت کے دلدادہ نہ تھے قائداعظم کی امداد و اعانت کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئے۔ اور انہوں نے عوام و خواص کو جہادِ پاکستان کے لئے تیار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قائداعظم حصولِ پاکستان میں کامیاب ہو گئے۔ تاسیسِ پاکستان کے وقت یہ قائداعظم کا حق تھا کہ وہ پاکستان کی پرچم کشائی کرتے مگر یہ جنگِ پاکستان چونکہ انہوں نے علماء حق کی تائید و حمایت سے جیتی تھی اس لئے انہوں نے علماء حق کی خدمات کے اعتراف کے طور پر پاکستان کی پرچم کشائی کا شرف مغربی پاکستان میں مولانا شبیر احمد عثمانی کو اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی

کو بخشا۔ اہل اللہ کے اس طائفۂ حق میں جو علماء شروع سے قائدِ اعظم کے شریک کار رہے ان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے علاوہ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا اطہر علیؒ۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا خیر محمد جالندہریؒ۔ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ۔ مولانا محمد طاہر قاسمیؒ اور حکیم الامت تھانوی کے سینکڑوں دوسرے خلفاء و متعلقین شامل تھے۔ یہ حضرات علماء کرام گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر درس و تدریس اور تبلیغ و فتویٰ کی خدمات سرانجام دیتے تھے اور سیاسیات سے تقریباً الگ تھلگ رہتے تھے۔ لیکن تحریکِ پاکستان کی اہمیت انہیں کشاں کشاں میدانِ سیاست میں لے آئی۔ پھر درس و تدریس کے مشغلہ کے ساتھ ساتھ قائدِ اعظم اور تحریکِ پاکستان کی تائید و حمایت اعلانیہ طور پر شروع کر دی جس سے ہوا کا رخ بدل گیا جس کی

اطلاع مجھے قائدِ اعظم کے روحانی مربّی نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۴۶ء میں بالفاظ ذیل دی۔

"الیکشن کے متعلق آپ کی آواز خاص حلقوں میں پہنچا دی ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہٗ۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر قاسمی دیوبندی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور بیسیوں علماء کرام لاہور تشریف لائے ہیں۔ اور مسلم لیگ کی بڑی شد و مد سے حمایت کر رہے ہیں۔ ان بزرگوں کی آمد سے ہوا کا رخ بدل رہا ہے۔ قائدِ اعظم جب اب کے لاہور آئیں گے تو ان کی خدمت میں اس امر کے متعلق عرض کر دوں گا"

(انداز سخن صہ ۶۶)

مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں فتویٰ

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور ان دوسرے اکابر

علماء کرام نے صرف زبانی تقریروں تک ہی خود کو محدود نہ رکھا بلکہ مسلم لیگ کی حمایت و تائید میں اپنے قلم حقیقت رقم کو بھی مصروف رکھا۔ بعض اونچے درجے کے رہنماؤں نے ۱۹۴۰ء میں رام گڑھ کانگریس کی صدارت کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ:-

" مسٹر گاندھی کی لیڈرشپ، قیادت و امامت پر ایمان کامل، کامیابی کی تین شرطوں میں ایک اہم شرط ہے "

۱- ایسے حالات میں جب کہ کانگرس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کو کسی بھی حال میں غلبہ پانے کی توقع نہیں۔ مسلمانوں کا بلا شرط اس میں داخل ہو کر حصول آزادی کے لئے کوشش کرنا اور ان سے مدد لینا جائز ہے یا نہیں ؟

۲- بحالات بالا مسلم لیگ کی حمایت و شرکت اور اس کے زیر علم آزادی کی کوشش کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

۳- مسلم لیگ کا مطالبہ یعنی مسلم اکثریت کے صوبوں میں ان کی آزاد خود مختار حکومت کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

یہ اور اسی نوعیت کے دیگر سوالات ملک کے گوشے گوشے سے اٹھ رہے تھے۔ کیونکہ ان کی حیثیت اصولی تھی اور ملکی و ملّی سیاسی مسائل کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ مجلس دعوت الحق بمبئی کے مذکورہ بالا استصواب کا جواب با صواب مفتئ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک مفصل اور طویل فتوٰی کی شکل میں لکھا۔ ۱۹۴۴ء میں آپ نے اس تاریخی فتوٰی میں قرآن و حدیث اور ائمہ سلف کے اجتہاد و تفقہ کی روشنی میں مذکورہ بالا سوالات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

اگر ہندوستان کا ایک مرکز رہے تو ہندو اکثریت کے سبب پورے ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت ہوگی۔ گو اس میں بڑی جدوجہد کے بعد کسی حد تک مسلمانوں کے حقوق

کا تحفظ بھی کر دیا جائے (جس کی حالات موجودہ و سابقہ کی بنا پر کوئی توقع نہیں) یہ امر مسلّم ہے کہ اپنے اختیار سے اپنے اوپر غیر مسلم حکومت مسلّط کرنے کا مطالبہ کرنا یا اس کو قبول کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا اور دو مسلم، غیر مسلم ہو جانے کی صورت میں مسلم مرکز میں حکومت مسلمانوں کی ہو گی۔ جس کے سبب اپنی حدود میں اسلامی احکام کے موافق دستور اور نظام جاری کرنے پر قدرت حاصل ہو گی۔ نیز یہ اقتدار حکومت دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کی پوری حفاظت اور نگرانی کر سکے گی۔ جو مسلمانوں کی اقلیت زدہ منتشر قوت کے ذریعہ کسی حال متصور نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے دو مطالبے ضروری ہیں۔ ایک اپنے لئے مستقل مرکز کا، جس کے لئے پاکستان سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرے مسلم اقلیتوں کے صوبوں میں مسلمانوں کی حفاظت کا غیر مبہم الفاظ میں مکمل معاہدہ جس کی نگرانی اسلامی مرکز کے فرائض و اختیارات میں داخل ہے۔"

حضرت مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تاریخی فتوٰی پاکستان کی خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسی کی بنیاد پر مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے شروع ہو گئے اس فتوٰی کی مشاہیر علماء نے جن الفاظ میں تصدیق و توثیق کی۔ ان سے حضرت مفتیٔ اعظم مرحوم کی سیاسی بالغ نظری اور تبحر علمی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"میں نے اس فتوٰی کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ماشاء اللہ مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا گیا ہے۔ اہل علم و نظر کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ سب اطراف و جوانب واضح ہو کر سامنے آ گئے ہیں حق تعالیٰ مفتی صاحب کو جزائے خیر دے۔"

شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ سیاسیات

حاضرہ کا شرعی حکم اچھی طرح واضح فرمادیا۔ امید ہے کہ اس کے بعد مسائلِ حاضرہ میں کسی اور فتوٰی کی حاجت نہ رہے گی۔"

حضرت سید سلیمان ندوی نے فرمایا کہ:۔

" اعانت و استعانت بالکفار کے مراتبِ سہ گانہ کے متعلق حضرت مفتی صاحب نے جو تفصیلات حسبِ تصریحِ فقہا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھی ہیں بالکل صحیح ہیں"

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نے فرمایا کہ:۔

" احقر کے نزدیک یہ مضمون بالکل صحیح ہے اور گویا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے ارشادات کی توضیح و تشریح ہے اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ان کے فیوض میں برکت عطا فرمائے"

ان کے علاوہ اس تاریخی اور طویل فتوٰی پر حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ اور مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ وغیرہ علماء کی تصدیقات بھی ثبت ہیں۔ جسے کثیر تعداد میں ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا اور اخبارات و پوسٹروں میں بھی چھاپا گیا۔

(ماخوذ از البلاغ مفتی اعظم نمبر؛ مطبوعہ کراچی)

پروفیسر احمد سعید صاحب ایم اے فرماتے ہیں کہ:۔

" تحریک پاکستان کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ دارالعلوم کا ایک حصہ کانگریس کے ساتھ شریکِ عمل تھا اور دوسرا بڑا گروپ جو دارالعلوم کے بڑے بڑے عہدے داروں یعنی سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، صدر مفتی مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ اور مہتمم مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور دیگر اکابر علماء پر مشتمل تھا، کانگریس کا سخت مخالف تھا ان حضرات نے قیام پاکستان کی تحریک میں زبردست عملی حصہ لیا۔ اور پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کر کے پوری فضا کو بدل کر

پاکستان کے حق میں کر دیا۔ ان حضرات نے پاکستان کے قیام کی حمایت میں تحریر و تقریر دونوں طریقوں سے بھرپور کام کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ کے عنوان سے ایک رسالہ تالیف کیا جس میں مطالبۂ پاکستان کے سیاسی مصالح اور اس مطالبہ کی شرعی حیثیت قرآن و سنّت کی روشنی میں مستحکم دلائل سے پیش کئے اور ثابت کیا کہ ان حالات میں کانگریس کی حمایت کفر کی حمایت ہے۔ جس میں حصہ لینا قرآن و سنّت کی رُو سے ناجائز ہے اس فتویٰ کی جید علماء وقت نے تائید کی تھی۔ تائید کرنے والے علماء میں علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مولانا شبیر علی تھانویؒ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس فتویٰ نے ہندوستان کی پوری فضا کو بدل کر رکھ دیا۔ اور مسلم لیگ کی جو شکست یقینی نظر آرہی تھی کامیابی میں تبدیل ہوگئی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ یہ علماء کرام اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے مسلم لیگ کی حمایت اور مطالبۂ پاکستان کی تائید نہ کرتے تو تحریکِ پاکستان کا کامیاب ہونا بہت مشکل تھا۔"

(حصولِ پاکستان مطبوعہ لاہور)

جمعیت علماء اسلام سے وابستگی اور قیام پاکستان کے لئے جدوجہد

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مفتی جمیل احمد تھانوی نے ۱۹۴۴ء میں جو تاریخی فتویٰ دیا اس کی بنا پر تحریکِ پاکستان نے زور پکڑا۔ ہندوؤں نے تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کے لئے اپنے تمام وسائل میدان میں جھونک دئے اور یہ پروپیگنڈا زور پکڑ گیا کہ مسلم لیگ انگریزوں کے کاسہ لیس اور بے دین امراء کی نمائندہ ہے۔ جسے علماء حق کی تائید حاصل نہیں۔ اس پروپیگنڈہ سے مسلم لیگی حلقوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ کیونکہ پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن سر پر آ رہے تھے۔ ہندوؤں کے مذکورہ بالا پروپیگنڈا کی بناء پر ارباب مسلم لیگ کو اس بات کا شدید

احساس ہوا کہ علماء ربانی کی تائید و حمایت کے بغیر انتخابات جیتنے ممکن نہیں۔ حالات کی نزاکت اور قائدین مسلم لیگ کے تقاضا پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے ملک کے مقتدر علماء کرام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد طاہر قاسمیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد حسنؒ، مولانا خیر محمدؒ، مولانا مفتی جمیل احمد، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ابوالبرکات ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالرؤف داناپوری، مولانا آزاد سبحانی، مولانا غلام مرشد، مولانا احتشام الحق اور مولانا متین خطیب وغیرہ علماء کو کلکتہ میں جمع کرکے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کے لئے جمعیت علماء اسلام کی تشکیل کی اور ایک قرارداد کے ذریعہ مسلم ووٹروں سے اپیل کی کہ مسلم لیگ کے نمائندے کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ دینا، اتحاد ملت، مفادِ ملت، استقلال اسلام اور مستقل قوم کے مقاصد کے خلاف ہے کیونکہ پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک ان انتخابات کے نتائج پر موقوف ہے۔

اتنے میں لیاقت کاظمی الیکشن سر پر آ گیا ہندوؤں نے نواب زادہ لیاقت علی خان کو ہرانے کے لئے بڑی چالیں چلیں۔ مسلمان ووٹروں کو خریدنے کے لئے ہندوؤں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دئیے اور دوسری طرف لیاقت صاحب کے مقابلے میں جمعیت علماء اسلام کے نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ایک عزیز محمد احمد کاظمی کو کھڑا کیا تاکہ ارباب جمعیت اپنی دارالحالی کی وجہ سے کاظمی صاحب کی مخالفت نہ کر سکیں۔ اس چال نے مسلم لیگ کو بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا۔ جب کانگریسی نمائندہ کاظمی صاحب کی جمعیت علماء ہند نے تائید شروع کر دی تو اب سب مسلم لیگیوں کی نظریں پھر دیوبند کی طرف اٹھیں۔ لیاقت علی خان نے سردار امیر اعظم کو ایک خط دے کر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے پاس بھیجا کہ اگر آپ اس وقت دورہ پر نہ نکلیں گے تو مسلم لیگ کی کامیابی دشوار ہے۔ چنانچہ یہ علماء حق اس حلقہ میں پھیل گئے خصوصاً مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنے اثر

قریبی رشتہ دار کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کے لئے بہت کچھ کیا۔ شبانہ روز تقریریں کیں اور لیاقت علی خان کی حمایت میں دن رات دورہ کرتے رہے ادھر مفتی محمد شفیع صاحب اور قاری محمد طیب صاحب کے فتووں نے بڑا کام کیا۔ اور آخر کار علماء حق کی ان کوششوں سے ہوا کا رخ بدل گیا۔ اور لیاقت علی خان کانگریس کے نمائندہ کے مقابلہ میں اکثریت سے انتخاب جیت گئے۔ جمعیت علماء اسلام کے ان بزرگوں کی امداد و اعانت سے مسلم لیگ نے یوپی میں کانگرس کو پہلی شکست دی۔

۱۹۴۷ء میں جب حکومت برطانیہ نے ہندوستان سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تو نئی صورت حال پر غور کرنے کے لئے ۹ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں مشترک ہندوستان کی اسمبلی کے ارکان کا ایک اہم اجتماع ہوا جس میں شرکت کے لئے جمعیت علماء اسلام کے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو خاص طور پر مدعو کیا گیا جس سے تاریخ ہند میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا جس سے عیاں ہے کہ یہ علماء حق تعمیر پاکستان میں ایک بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے تھے ان سہ حضرات کو قائد اعظم کے ایماء پر مدعو کیا گیا تھا۔ جو دل سے ان کا احترام کرتے تھے۔ پاکستان کی جنگ جیتنے کے بعد ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا ظفر احمد صاحب جب قائد اعظم کو مبارک دینے ان کی کوٹھی پر پہنچے اور انہیں مبارک باد دی تو قائد اعظم نے بڑی اعلیٰ ظرفی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ،

"یہ مبارک باد آپ حضرات کو ہے کہ آپ ہی کی کوششوں سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

(از تعمیر پاکستان)

اس کے ساتھ ہی قائد اعظم نے فرمایا کہ مجھے اس وقت بڑا فکر سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم کا ہے اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔ جس پر ان حضرات نے فرمایا :۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس ریفرنڈم میں پاکستان کامیاب ہو جائے"۔

اس پر قائد اعظم آبدیدہ سے ہو گئے اور فرمایا۔

"سرحد پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ بھی ایسا ہی ہے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان اس ریفرنڈم میں کامیاب ہو"۔

(بحوالہ صدرہ ص ۱۵۵)

چنانچہ اس کے بعد ساری دنیا نے دیکھا کہ کانگریسیوں۔ سرخپوشوں اور خان برادران کے گڑھ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحب نے کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اور سلہٹ میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء مولانا اطہر علی وغیرہ علماء نے کانگریسیوں کے سارے منصوبے خاک میں ملا دئے۔ اس طرح دونوں صوبوں کے ریفرنڈم جیت کر ان حضرات نے قائد اعظم کی دلی آرزو پوری کر دی۔ اور اس کے لئے جب انہیں مبارک باد کہنے گئے تو قائد اعظم نے ان کی خدمات پاکستان کا ان الفاظ میں اعتراف کیا کہ:۔

" اس مبارک باد کے آپ مستحق ہیں، میں خواہ سیاستدان سہی لیکن آپ حضرات نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی"۔

(تجلیات عثمانی ص ۲۹۶)

جمعیت علماء اسلام کے تحریک پاکستان اور اس کے بعد نظام اسلام کے لئے عظیم کارناموں کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے مولانا حکیم محمود احمد ظفر ایڈیٹر ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور لکھتے ہیں کہ:۔

" مرکزی جمعیت علماء اسلام برصغیر پاک و ہند کے مقتدر علماء کرام کی وہ تنظیم ہے جس نے حصول پاکستان کی تاریخی جدوجہد میں مسلم لیگ کے شانہ بشانہ کام کیا ہے۔ اس جماعت کی کل ہند تنظیم اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ کے تاریخی میدان محمد علی پارک میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ہاتھوں قائم ہوئی تھی جس کے پہلے صدر علامہ

شبیر احمد عثمانیؒ منتخب کئے گئے تھے۔ علامہ عثمانی اور آپ کے ساتھیوں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مفتی محمد شفیعؒ۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا اطہر علی، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا محمد متین خطیب صاحب اور دیگر علماء کرام نے قیام پاکستان کی جدوجہد اور پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد اس سرزمین میں اسلام کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری اور علماء کرام کے مرتب کردہ ۲۲ نکات پر تمام مسلم فرقوں کا اتفاق اس جماعت کے وہ قابلِ قدر کارنامے ہیں جن پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیئے کہ قیام پاکستان کے بعد اس جماعت اور اس کے قائدین نے نظامِ اسلام کے قیام کے سلسلے میں اپنی تمام تر کوشش دستور کی ترتیب و تدوین کے مختلف مراحل میں حکومت پاکستان اور دستور ساز اسمبلی کی علمی رہنمائی اور مختلف فرقوں کے علماء کرام کو متفقہ نکات پر مجتمع کرنے کی حد تک محدود رکھیں اور سیاسیات میں عملاً حصہ لینے سے گریز کرتے رہے اس کے قائدین نے صرف پاکستان کی سربلندی کے لئے کام کیا۔ اور اسی کے لئے انہوں نے قربانیاں دیں۔"

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ ابتداء ہی سے جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے اور قائدین جمعیت کے ساتھ ساتھ تحریکِ پاکستان میں بڑی سرگرمی سے عملی طور پر حصہ لیتے رہے قیام پاکستان کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں اسلامی دستور کی جدوجہد میں شریک رہے اور ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں جب ملک میں سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے ملکی سیاسیات میں عملی طور پر حصہ لینے کی ضرورت پیش آئی تو آپ ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ۔ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ساتھ ساتھ میدان

عمل میں نکل آئے۔ اور مرکزی جمعیت علماء اسلام صوبہ پنجاب کے امیر اعلیٰ کی حیثیت سے ملک کے اہم مقامات پر مرکزی جمعیت کے خصوصی اجتماعات میں جہاں تک ہو سکا آپ شرکت فرماتے رہے اور مسلمانوں کو اس لادینی فتنہ سے آگاہ فرماتے رہے۔ اور سوشلزم کے خلاف علماء حق نے جو فتویٰ دیا اس میں آپ کے بھی دستخط موجود ہیں۔ آپ نے مرکزی جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس لاہور ڈویژن کے صدارتی خطبہ میں سوشلزم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"خطۂ پاکستان اس وقت ایسے دور سے گزر رہا ہے کہ جس میں کچھ بیرونی طاقتیں ہر طرح سے ہماری قوم کو ایک ایسی باہمی جنگ میں مبتلا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں جس میں مصروف ہو کر ہم افتراق و انتشار کا شکار ہو جائیں اور کوئی مثبت کام نہ کر سکیں۔ ان حالات میں اس اس امر کی انتہائی ضرورت ہے کہ نوجوانانِ اسلام قرآن و سنت پر مبنی ریاست کے قیام کے احکامات کو امر واقعہ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ آج سوشلزم کو تمام دنیا جان چکی ہے کہ خدا، انبیاء، کتب الٰہیہ، ملائکہ، جنت و دوزخ، تقدیر اور سب احکام الٰہی کا انکار سب کے لئے استہزاء اڑانا، توہین اور تحقیر کرنا۔ خدائی قانون کو لغو قرار دے کر ایک کافرانہ نظام کو اپنا لینا سوشلزم ہے۔ جب ۱۱۳ علماء دین نے اس کے کفر محض ہونے کو ظاہر کر دیا تو یار لوگوں نے اسلامی سوشلزم کہہ کر ایک پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن بعض لوگ تو بالکل طشت از بام ہو چکے ہیں اور بعض ابھی تک پردہ داری کر رہے ہیں۔ ان پردہ داروں کو بھی ذرا سا غور و فکر کر لینا لازم ہے۔

ہماری مرکزی جمعیت اس خطۂ پاک میں اسلامی نظامِ حیات کو قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے مرکزی جمعیت علماء اسلام نے قیام پاکستان کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اور اسی غرض کے لئے اب دوبارہ میدانِ عمل میں آئی ہے۔ بحمد اللہ قلیل مدت میں مرکزی جمعیت نے مسلمانوں کو نظام اسلام جاری کرنے کے لئے تیار کر دیا ہے۔ اور ہم اس عظیم مقصد کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے

نظام اسلام کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھئے اور پاکستان میں ہر باطل نظام کا مقابلہ کرتے رہیں۔"

(ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء)

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی فرماتے ہیں کہ:-

"تحریک پاکستان کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حضرت حکیم الامت تھانوی تھے۔ انہوں نے واضح طور پر چونکہ مسلم لیگ کی تائید و حمایت فرمائی تھی اس لئے ان کے لاکھوں عقیدت مند اور ہزاروں متوسلین جن میں سینکڑوں کی تعداد علماء کرام ہی کی تھی۔ سب نے تحریک پاکستان میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مطالبۂ پاکستان کی ہر طرح سے تائید و حمایت کی خصوصیت سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مفتی محمد شفیعؒ۔ مولانا اطہر علیؒ۔ مولانا شاہ عبدالغنیؒ۔ مفتی جمیل احمد تھانوی وغیرہ حضرات نے حکیم الامت کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے تحریک پاکستان میں زیادہ سے زیادہ عملی حصہ لیا۔

۱۹۴۵ء میں محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ آل انڈیا جمعیت علماء اسلام کانفرنس ۲۶، ۲۷، ۲۸ اکتوبر کی تاریخوں میں مسلسل اجلاس میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مطالبۂ پاکستان کے لئے علماء کا یہ مرکز قائم کیا گیا۔ نیز مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی تحریک پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کو جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو نائب صدر کے عہدے کے لئے منتخب کیا گیا۔ جمعیت علماء اسلام کے اسی اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر صدارت ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ووٹروں سے اپیل کی گئی کہ قومی اور صوبائی آنے والے انتخابات میں مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندوں کو ووٹ نہ دیئے جائیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مع اپنے رفقاء کار پاکستان کی تحریک کو کامیاب کرنے کے لئے میدان عمل میں نکل کھڑے ہوئے جگہ جگہ کانفرنسیں ہوئیں۔ عظیم الشان جلسے منعقد کئے۔ تقریریں کی گئیں۔ خطبۂ صدارت پڑھے گئے۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تو تقریباً چار ماہ تک ایسا طوفانی دورہ کیا کہ اس کی لپیٹ میں یوپی۔ بمبئی۔ بہار۔ کلکتہ۔ پنجاب۔ سندھ اور سرحد سبھی آ گئے۔ جلسوں کی کثرت کا یہ حال تھا کہ ہر روز جلسہ ہوتا بلکہ ایک دن میں کئی کئی مقامات پر جلسے ہونے تھے۔ اکابر علماء دیوبند کی اس مسلسل جدو جہد کے نتیجے میں عامۃ المسلمین کانگریس کی متحدہ قومیت کا مورچہ ختم کرنے کے لئے مردانہ وار مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر میدان عمل میں نکل آئے اور ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو عظیم الشان اور بے مثال فتح حاصل ہوئی علامہ شبیر احمد عثمانی سہارنپور۔ بجنور۔ مظفر نگر۔ لکھنؤ۔ میرٹھ۔ لاہور۔ سندھ اور صوبہ سرحد میں پشاور۔ کوہاٹ۔ بنوں۔ مردان۔ مانسہرہ کے علاوہ دورہ کرتے ہوئے قبائلی علاقوں میں پہنچے۔ وہاں کے مسلمانوں کو بھی پاکستان کے حق میں آمادہ کیا۔ نیز بستیات کا بھی آپ نے رُخ کیا اور ان میں بھی پاکستان کی حقیقت کی وضاحت کی۔ اکثر مقامات میں مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا محمد شفیع دیوبندی۔ مولانا اطہر علی سلہٹی اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی وغیرہ حضرات بھی علامہ عثمانی کے ہم سفر رہتے تھے۔ سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم کی کامیابی میں سب سے بڑا حصہ ان حضرات کی کوششوں کا تھا۔ سلہٹ کے ریفرنڈم کے دورہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی کے ساتھ مولانا سہول صاحب عثمانی بھی شریک سفر تھے۔ مسلم لیگ کے حق میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے جو فتویٰ آٹھ مارچ ۱۹۴۶ء کو ڈھاکہ کے ایک شخص محی الدین نامی کے استفسار پر دیا تھا۔ اس پر بھی متعدد علماء کرام کے تائیدی دستخط موجود تھے جن میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تھی پھر مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے ایک مفصل فتویٰ مجلس دعوۃ الحق بمبئی کے سوالنامہ

کے جواب میں لکھا جس میں مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کی شرعی حیثیت کی وضاحت اور پاکستان کی تائید کی گئی۔ اس پر بھی علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مولانا خیر محمد جالندہری۔ مولانا شبیر علی تھانوی۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کے دستخط ثبت ہیں۔

الغرض حضرت حکیم الامت تھانوی اور ان کے متوسلین کی تائید وحمایت خصوصاً علامہ شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مفتی محمد حسن امرتسری۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ مولانا اطہر علی سلہٹی۔ مفتی عبدالکریم گمتھلوی۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ مولانا خیر محمد جالندہری۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی وغیرہ۔ حضرات نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اس وقت مسلم لیگ کے قائد اعظم سمیت تمام زعماء اور عمائدین کو اس کا اعتراف تھا کہ اگر ان حضرات کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو بظاہر حالات مسلم لیگ کو کامیابی کا حاصل کرنا سخت دشوار اور بہت مشکل تھا۔“

(مکتوب بنام احقر بخاری عفی لہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ)

مجلس صیانۃ المسلمین کا قیام

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جو زمانہ پایا تھا وہ آج کل کی طرح فتنوں کا زمانہ تو نہیں تھا مگر انقلاب کا زمانہ ضرور تھا یعنی امت محمدیہ پر دنیوی حیثیت سے نہیں دینی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم آچکا تھا۔ کتاب و سنت کے آئینہ میں دیکھنے سے مسلمانوں کا کوئی قول و فعل خدا اور رسولؐ کے احکام کے مطابق نظر نہ آتا تھا۔ دین کو صرف عقائد و عبادات تک محدود سمجھ لیا گیا تھا ان پر بھی بدعات و رسومات کا رنگ غالب آچکا تھا۔ اور اب نوبت ترک تک آپہنچی تھی۔ یہاں تک کہ اب فرائض کو فرائض ہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ ہر حکم شرعی پر ذاتی رائے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ خلافِ شرع اصولوں پہ فخر کیا جاتا تھا اور خدا اور رسولؐ کے احکام کا تمسخر اڑایا جاتا تھا۔ جو تمام تر انگریزی تعلیم کے اجراء اور دینی تعلیم کے فقدان کا نتیجہ تھا

اس لئے آپ نے خواص و عوام کے علیحدہ علیحدہ ایسے دستور العمل تیار کئے جن پر وہ اپنے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے بآسانی عمل کر سکیں۔ ۱۹۴۳ء میں جب دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہوا تو اس میں شرکت کے لئے حضرت تھانوی کے پاس بھی دعوت نامہ آیا تھا اس کے جواب میں مسلم لیگ کی مذہبی تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے حضرت نے لکھا تھا کہ میری دو کتابیں ارکان مسلم لیگ عملی زندگی میں اختیار کر لیں، حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین گویا حضرت کی نظر میں ہندوستان میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کا دستور حیات المسلمین اور نظام صیانۃ المسلمین ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ حضرت کے خلفاء عظام نے اس غرض کے لئے حضرت کے ایماء پر مجلس دعوۃ الحق خصوصاً مسلم لیگی زعماء کی اصلاح کے لئے قائم کی۔ حضرت تھانوی اور ان کے خلفاء حتی الوسع سیاسی تحریکات میں کوئی دخل نہ دیتے تھے۔ حضرت کی سیاست سے صرف اس حد تک وابستگی تھی کہ جس طرح بھی بن سکے مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دیا جائے۔ آپ نے مسلم لیگ کی حمایت بھی کسی سیاسی غرض کے لئے نہ کی تھی بلکہ اس غرض کے لئے کی تھی کہ مسلمان لیگ کے اندر داخل ہو کر اپنی تنظیم اور لیگ کی اصلاح کی فکر کریں تاکہ یہ کانگریس کا مقابلہ کر سکے۔ اسی لئے حضرت نے اپنے خلفاء اور متوسلین کو ہدایت فرمائی کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ چنانچہ حضرت کے حکم پر تمام خلفاء عظام قیام پاکستان کی تحریک میں مردانہ اور مجاہدانہ وار میدانِ سیاست میں نکلے اور تعمیرِ پاکستان میں ممد و معاون ہوئے۔

مجلس دعوۃ الحق اور مجلس صیانۃ المسلمین کے پروگراموں کے تحت عوام و خواص کی اصلاح کے لئے کوشاں رہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت تھانوی اور ان کے عظیم خلفاء کرام ہر کام میں اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھتے تھے جو کام کرتے خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتے تھے۔ عوام کی خوشنودی ہرگز ہرگز ان کا شیوہ نہ تھا۔ وہ ہر دینی اور ملی معاملات کو اپنے یا خدا تک محدود رکھتے تھے۔ اور اپنی دینی و سیاسی سرگرمیوں کی خبریں اخبارات میں

شائع کرانا ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:۔

" یہ مردِ درویش (حضرت تھانویؒ) ایک پرانے قصبے کی ایک کہنہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا مسلمانوں کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل۔ نیک و بد اور صحیح و غلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا اس کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی۔ اس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کے درست کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے پوری زندگی اس امر میں صرف کر دی کہ مسلم کی تصویرِ حیات کو اس شبیہہ کے مطابق بنا دے جو دینِ حق کے مُوقع پر نظر آتی ہے۔ اسی مقصد کے لئے حضرت اور ان کے خلفاء نے قیام پاکستان کی حمایت کی تاکہ ایک علیحدہ اسلامی سلطنت قائم کر کے اللہ کے دین کی سربلندی اور عظمتِ اسلام کا پرچم لہرایا جائے۔"

(جامع المجددین صہ ۲۹)

مولانا مشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ:۔

" اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو خاص طور پر اُمت کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا۔ آپ کے دل میں ہر فرد کے لئے درد اور خیر خواہی تھی۔ وہ ہر شخص کا دکھ درد اپنا دکھ درد سمجھتے تھے اور اس کو دور کرنے کی فوری تدابیر پر غور فرماتے تھے۔ وراثتِ نبوت یا جذبۂ مجددیت سے جو شفقت علی الخلق کی وجہ سے اصلاحِ مسلمین کی فکر آپ پر ہمہ وقت مسلط رہتی تھی اس کے سبب سے دن کا چین اور رات کی نیند بھی بعض اوقات حرام ہو جاتی تھی۔ عالم میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی یا کسی پریشانی کی خبر آئی وہ غم میں اس طرح گھلنے لگتے تھے جیسے کسی شفیق باپ کی صلبی اولاد پر کوئی مصیبت آئی ہو ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور پُر فتن میں ایسا جذبہ رکھنے والے کو آرام کہاں؟
مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:۔
خود احقر نے بار بار دیکھا کہ جب کوئی فتنہ مسلمانوں میں چلا جس سے ان کی دینی یا دنیوی تباہی کا خطرہ ہوتا تو حضرت تھانوی کا نظامِ صحت مختل اور قویٰ میں ضعف و اضمحلال نظر آنے لگتا تھا۔ ایک ایسے ہی فتنہ کے زمانہ میں خود فرمایا کہ:۔
"مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے نتائج کا تصوّر اگر کھانے سے پہلے آجاتا تو بھوک اُڑ جاتی ہے۔ اور سونے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اڑ جاتی ہے"
قیامِ پاکستان سے قبل کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافی دور میں جب حکیم الامت حضرت تھانوی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے مسلم لیگ کے ارکان کی طرف مختلف اوقات میں وفود بھیجے اور ان کو کامیابی کے لئے واضح ہدایات دیں اور عملی اقدام کے لئے مشورے عطا فرمائے اور مستقبل کا لائحہ عمل سمجھایا۔ آخر میں ان کو اپنی دو کتابوں کی طرف رہنمائی فرمائی جن میں سے پہلی کتاب "حیات المسلمین" اور دوسری "صیانۃ المسلمین" ہے جن کو اپنانے کا حکم فرمایا اور ان کو پیغام بھجوایا کہ مسلم لیگ کے ارکان صیانۃ المسلمین اور حیات المسلمین کے اس نظام پر عمل پیرا ہو کر حکومت حاصل کریں تو اسلام کے دئے ہوئے اصول پر حکومت چلا سکیں گے جس کا نتیجہ دارین کی کامیابی ہو گا۔ اس مقام پر اس خط کا خلاصہ نقل کر دینا بھی مفید معلوم ہوتا ہے۔ جو حضرت تھانوی کو وفات سے صرف تین ماہ قبل آل انڈیا مسلم لیگ کے منعقدہ اجلاس ۲۳ اپریل ۱۹۴۳ء واقع دہلی کے ایک دعوت نامے کے جواب میں ارسال فرمایا تھا۔ دعوت نامہ یہ تھا۔
آپ سے استدعا ہے کہ آپ اس موقع پر خود دہلی تشریف لا کر اپنے ارشادات سے جماعت کو ہدایت دیں تو بہتر ہو۔ لیکن اگر حضور تشریف نہ لا سکیں تو اپنے نمائندہ کو بھیج کر مشکور فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ پاک اس اجتماع کے ذریعے سے

مسلموں کے دلوں کو مسحور کردے اور ہمارا مطالبۂ پاکستان منوا دے تاکہ سلطنتِ اسلامی
ہو سکے۔ فقط

اس پر حضرت تھانویؒ نے جواب تحریر فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔
"ضعف و علالت کی وجہ سے آنے سے معذور ہوں لیکن اس کے ساتھ اس بات کا
...ت حاصل ہو گیا کہ اپنی دو کتابوں کا پتہ دیتا ہوں جو ان شاء اللہ قیامت تک آنے
...نسلوں کے لئے پیغام عمل ہیں۔ ایک حیات المسلمین جو شخصی اصلاح کے لئے ہے
...ری صیانۃ المسلمین جو جمہوری نظام کے لئے ہے۔ ان کے مضامین اپنے موضوع
... رنگین نہیں مگر سنگین ہیں۔ جس میں وہی فرق ہے جو ذوق و غالبؔ کے اشعار میں اور
...سودخان حکیم محمد صادق خان کے نسخوں میں ہے اور نمائندہ وہ کام نہ کر سکتا جو یہ
...ر کر سکتی ہیں۔ مگر عمل شرط ہے جیسے اعلیٰ درجہ کا ماء اللحم بوتلوں میں بھرا ہوا قیمتی ہے
...جہ خیز نہیں۔ اس کا نفع اس وقت ظاہر ہوگا جب حلق سے اترے گا ورنہ بدون
...سے سب کوششیں اس کا مصداق ہوں گی۔ ع

نشستند و گفتند و برخاستند

باقی دعا ہر حال میں، خصوصاً ان تاریخوں میں زیادہ اہتمام سے جاری رکھوں گا۔
کیسے انوکھے عنوان، کس اہتمام اور کس دل سوزی سے ان دونوں کتابوں کی طرف
لیگ کے ارکان کی توجہ دلائی اور ان کے نظامِ عمل پر حضرت تھانوی کو کتنا اعتماد
یقیناً مسلم لیگ اگر حضرت تھانوی کی ان کتابوں کو مشعلِ راہ بناتی تو آج صورت
مختلف ہوتی۔ اور ہرگز پاکستان ان خرابیوں اور تباہیوں کا شکار نہ ہوتا جن کا
مشاہدہ ہو رہا ہے۔ جماعتیں بہت بنتی ہیں مگر ان کا انجام یا تو یہ ہوتا ہے کہ نشستند
و برخاستند۔ یا پھر سیاسی جھمیلوں اور ذاتی رقابتوں میں الجھ کر رہ جاتی
ہر فرد و بشر کے دماغ میں حکومت کا مقابلہ، اقتدار کی ہوس اور دولت کی طمع

رہ جاتی ہے۔ کوئی اصلاحی اور فلاحی مقصد لوگوں کے پیشِ نظر نہیں رہتا۔ جیسا کہ مسلسل مشاہدہ میں آرہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا نظام اپنایا جائے کہ جس کے قانون میں غیر شرعی منفی پہلو یا خود غرضی کی جھلک بھی نہ ہو اور ہر قسم کے الجھاؤ سے الگ ہو کر مثبت انداز میں اصلاح اور دینی نقوش پر قوم کی تعمیر اور معاشرہ کی جملہ خرابیوں کا قلع قمع کرتا ہو۔ اور جس کے پیشِ نظر صرف اور صرف دین و مذہب کا تحفظ اور معاشرہ کی اصلاح ہو جس کے نتیجے میں ہر فرد دوسروں ہی کے عیوب پر نظر نہ کرے بلکہ سب سے پہلے اپنی ہی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے اور یہ سمجھے کہ معاشرہ درحقیقت میرا ہی نام ہے۔ ایسا ہمہ گیر اصلاحی نظام جس کو حکیم الامت نے قوم کے سامنے پیش کیا۔ وہ نظام مجلس صیانتہ المسلمین ہے جس کے بارے میں حضرت تھانوی کا ارشادِ گرامی ہے کہ:۔

"میں نے مسلمانوں کی موجودہ تباہی اور بربادی سے بے چین ہو کر دو کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے ایک کا نام حیاۃ المسلمین اور دوسری کا صیانتہ المسلمین ہے۔ ان دونوں کتابوں کے اندر میں نے ان مصائب کا پورا پورا علاج کر دیا ہے جو اس وقت مسلمانوں پر آرہے ہیں۔ بہرحال اس نظامِ عمل کو حضرت تھانوی نے صیانتہ المسلمین کے نام سے مرتب فرمایا ہے اور پھر جس کو ۱۳۴۹ھ میں قوم کے سامنے پیش کیا اور قوم کے سمجھ دار اور دین کا درد رکھنے والوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے اپنے علاقوں میں اس کو جاری کیا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد اس اصلاحی نظام کو چلانے اور آگے بڑھانے کا بیڑہ حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا شاہ جلیل احمد صاحب شیروانی نے اٹھایا اور ۱۳۶۲ھ سے قیام پاکستان تک اپنی نگرانی میں اس کو علی گڑھ شہر میں قائم کیا۔ اور جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم کیں۔

حضرت مولانا جلیل احمد صاحب علی گڑھ کے شیروانی خاندان کے متمول طبقے

تھے۔ ہر قسم کا آرام و راحت بفضلہ تعالیٰ آپ کو نصیب تھا مگر محض دین کے تحفظ کے جذبے نے آپ کو ترکِ وطن اور کثیر جائیداد چھوڑنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر بے سر و سامانی کی حالت میں پاکستان تشریف لے آئے اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور (جو حضرت تھانویؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔) کو ساتھ ملا کر لاہور میں "مجلس صیانۃ المسلمین" کا کام شروع کیا۔ وہ دور جس میں ہر شخص کو اپنے کاروبار، رہائش اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کی دھن تھی۔ اس میں حضرت مولانا جلیل احمد صاحب کے پیشِ نظر مجلس اور صرف مجلس ہی تھی۔ آپ کی خواہش تھی کہ تمام مسلمان حضرت تھانویؒ کے بتائے ہوئے اس نظام کو اپنالیں اور سب مل کر اس نظام کے تحت انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرہ کی اصلاح میں لگ جائیں۔ اس جد و جہد میں آپ نے دامے درمے اور قدمے ہر طرح کام کیا اور اپنے ساتھ لایا ہوا سرمایہ بھی اسی کام کی اشاعت اور جد و جہد میں خرچ کر دیا۔ اور جب تک آپ حیات رہے اس وقت تک اسی کی اشاعت میں مصروف رہے اور جب آپ کو امراض نے گھیر لیا اور ہمت نے جواب دے دیا تو رفقاء کار میں سے مولانا سید نجم الحسن تھانوی کو مجلس کی خدمات پر مامور فرما کر اس مردِ مومن نے ۱ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ کو اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ان کے بعد مجلس کے سرپرست مفتی جمیل احمد تھانوی ہیں۔ اور مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے صدر حضرت مولانا نجم الحسن صاحب تھانوی ہیں۔ اور نائب صدر مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور ہیں۔ اور کراچی سے پشاور تک بڑے بڑے مدارس کے ارباب علم و تقویٰ اور عمائدینِ قوم اس مجلس کے رکن شوریٰ ہیں۔ اس کے ساتھ جو سب سے بڑا شرف اس جماعت کو حاصل ہے وہ یہ کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلفاء عظام اس کے سرپرست رہتے ہیں۔ اور ملک و بیرونِ ملک کے اکابر علماء و مشائخ عظام ارباب علم و دانش اور اصحابِ فکر و نظر نے اس نظام کو اصلاحِ امت کا بڑا موثر اور مفید

تزین عمل قرار دیا ہے اس لئے مجلس صیانتہ المسلمین کے تعارف میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ :-

"حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تعلیمات و ارشادات کے مطابق اسلام کے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور طریقت کی طرف اجتماعی حیثیت میں تحریراً و تقریراً اور عملاً اصلاح و تبلیغ کرنے والی جماعت کا نام مجلس صیانتہ المسلمین ہے۔ پاکستان میں یہ نظام حضرت تھانوی کے خلفاء اور دیگر اکابر علماء کی سرپرستی میں الحمد للہ ملک کے گوشہ گوشہ میں جاری ہے۔"

(تعارف مجلس صد ۱۴ تا ۲۰)

اکابر دیوبند کے سیاسی نظریئے کی وضاحت

پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی فرماتے ہیں کہ :-

"ہمارے اکابر دیوبند نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی ہے بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور دوسرے اکابرین نے اسی مقصد کے لئے ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی میں بھرپور عملی حصہ لیا تھا۔ یہ حضرات ہندوستان میں خالصتہً مسلمانوں کی حکومت چاہتے تھے اور متحدہ قومیت کے قطعاً قائل نہ تھے۔ حضرت نانوتوی نے انگریزوں کے خلاف مجاہدانہ روح پھونکی۔ پھر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب اسی تحریک کو لے کر اٹھے اور ان کا مقصد بھی آزاد قبائل، امیر افغانستان اور شاہ ایران اور سلطان ترکی کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرانا اور مسلمانوں کی حکومت قائم کرنا تھا۔ ریشمی رومال کی تحریک حضرت شیخ الہند کی تحریک تھی وہ جب مالٹا سے ۱۹۱۹ء کے آخر میں رہا ہو کر ہندوستان واپس تشریف لائے تو آپ نے جمعیت علماء ہند دہلی کے اجلاس میں خطبہ صدارت کے دوران واضح الفاظ میں فرمایا کہ :-

ہندوؤں کی طرف سے اسلام اور اس کی حدود میں کسی نقصان یا مداخلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ صرف ہندوستان کی آزادی کے لئے ہندو مسلم دونوں قومیں مل کر کام کر سکتی ہیں۔

یہاں حضرت شیخ الہندؒ کا نظریہ اظہر من الشمس ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر آزادی تو حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں کر سکتے کہ جن میں مسلمان مغلوب ہوں اور ہندو غالب اسی طرح حضرت گنگوہیؒ کفار سے معاملۂ خرید و فروخت، شرکت تجارت وغیرہ اور باہمی روا داری اور اخلاق کے معاملے کو تو مباح فرماتے تھے۔ لیکن ایسی کسی چیز کی اجازت نہیں دیتے تھے جس سے مسلمان مغلوب یا دین میں مداخلت ہو۔ ان حضرات نے ہندوستان میں ہندو مسلم حکومت کا مشترکہ خواب کبھی نہیں دیکھا بلکہ یہ صرف مسلمانوں کی حکومت کا قیام چاہتے تھے۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ حریت میں حاجی امداد اللہ تھانویؒ۔ مولانا نانوتویؒ۔ مولانا گنگوہیؒ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور تمام اکابر دیوبند کا نظریہ یہی تھا کہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت کو بحال کیا جائے اور سلطنت مغلیہ کو دوبارہ برسر اقتدار لایا جائے۔ کسی ہندو یا سکھ کی شرکت کا حکومت میں تصور بھی نہ تھا۔

الغرض اکابرین دیوبند کا نظریہ مجدد الف ثانیؒ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے دو قومی نظریئے کے مطابق رہا۔ اسی لئے آگے چل کر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حکیم الامت کے تمام خلفا، اور مریدین خصوصاً علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مفتی محمد حسن امرتسریؒ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا عبد الغنی پھولپوریؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ مولانا جلیل احمد شروانی علی گڑھیؒ۔ مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ۔ مولانا اطہر علی۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور دوسرے سینکڑوں حضرات نے مسلم لیگ

کی بڑی تائید وحمایت کی۔ یہ حضرات کانگریس کے سخت مخالف تھے۔ اور قائداعظم ان کے دل سے قدر دان تھے۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

(انوارِ قاسمی جلد اول مطبوعہ لاہور)

اظہارِ تشکر

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ جس نے اس عظیم تالیف کو مرتب کرنے کی توفیق وہمت بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ ناچیز کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ اور ملتِ اسلامیہ کے لئے اسے نافع ومفید ثابت فرمائے۔ آمین

آخر میں بندۂ ناچیز ان تمام احباب کا دلی طور پر شکر گذار ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں تعاون فرمایا ہے خصوصاً ایچ ایم سعید کمپنی کراچی کا بے حد ممنون ہوں کہ جس نے اس عظیم الشان کتاب کو اپنے ادارہ سے شائع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔
آمین

بندۂ ناچیز
محمد اکبر شاہ بخاری عفی عنہ